۵
سلسلہ مطبوعات مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد

مآثر الانبیاء والصدیقین
وآثار الشہداء والصالحین

مُلقّب بہ

اقوالِ سلف

حصہ چہارم

مؤلفہ
شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد
ادارہ معارف مصلح الامت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ

وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ج وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ہ (نساء ۶۹)

مآثر الانبیاء والصدیقین وآثار الشہداء والصالحین

مُلقّب بہ

اقوالِ سلف

حصہ چہارم

جسمیں آٹھویں صدی ہجری کے نصف آخر سے دسویں صدی ہجری تک کے اولیاء کرام کے احوال و اقوال مختصراً ذکر کیئے گئے ہیں۔

مُرتّب

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

ناشران

مکتبہ دار المعارف الہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامت الہ آباد

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : مآثرُ الانبیاءِ والصدیقین وآثارُ الشہداءِ والصالحین
ملقب بہ اقوالِ سلفؒ ، حصہ چہارم

مرتب : شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

صفحات : ۶۶۴ تعداد اشاعت ۱۱۰۰

ناشران : مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد
ادارہ معارف مصلح الامتؒ الٰہ آباد

باہتمام : مولوی محمد عبداللہ قمر الزماں قاسمی الٰہ آبادی

سنہ اشاعت : ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق فروری ۲۰۱۳ء

کتابت : مولوی نسیم احمد قاسمی الٰہ آبادی

قیمت :

ملنے کے پتے

مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد۔ بی/۶۳۹ وصی آباد۔ الٰہ آباد (یوپی) ۲۱۱۰۰۳
مکتبہ فیضانِ قمر، ٹائم ٹو ٹائم دوکان ۷ ایس ڈی چال بہرام باغ روڈ، جوگیشوری ممبئی
مکتبہ رحمانیہ۔ دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ۔ محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ (گجرات)
قاضی بک ڈپو۔ بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ۔ سورت (گجرات) ۳۹۵۰۰۳
کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد۔ دہلی
مکتبہ البلاغ۔ دیوبند مسعود پبلشنگ ہاؤس۔ دیوبند
مکتبہ نفیس جعفر نگر، نزد مسجد محمدؐ۔ مالیگاؤں (ناسک) الفرقان بکڈپو ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد۔ لکھنؤ
مکتبۃ الغزالی، مدینہ چوک سرینگر (کشمیر) ۱۹۰۰۰۱

فہرست

مآثر الانبیاءِ والصدّیقین وآثار الشُّہدآءِ والصّٰلحین

مُلقّب بہ اقوالِ سلفؒ حصّہ چہارم

فہرست عنوانات		صفحہ نمبر
عرض ناشر	محمد عبداللہ قمرالزمان قاسمی الہ آبادی	۹
پیش لفظ	مؤلف عفی عنہ	۱۱
مقدمہ	حضرت مولانا قاری محمد احسن صاحب قاسمی، فتحپور - یو،پی	۱۶
تأثر	حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی، سورت۔ گجرات	۲۱
تأثر	حضرت مولانا رشید احمد صاحب مفتاحی، دارالعلوم عبدیہ، ہتھین میوات	۲۴
مکتوب	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب، کراچی - پاکستان	۲۶
تأثر	مکرم جناب کمشنر سید حسین صاحبؒ، علی گڑھ - یو،پی	۲۷
مکتوب	حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب مفتی اعظم مدھیہ پردیش۔ بھوپال	۲۸
تقریظ	حضرت مولانا مطیع الرحمٰن صاحب قاسمی، مدرسہ امدادیہ، بھاگلپور	۲۹
تذکرۂ اولیاء مقربین وعلماء ربانیین رحمہم اللہ تعالیٰ (آٹھویں صدی نصف آخر)		۳۱

نمبر شمار	اسمائے اولیاء مقربین رحمہم اللہ تعالیٰ	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۱	حضرت شیخ محمد اسمٰعیل قریشی ہاشمی سہروردیؒ بھرولی۔ الہ آباد	سنہ ۷۴۹ھ	۳۲
۲	حضرت سید علی شعبان الملتؒ، جھونسی۔ الہ آباد	سنہ ۷۶۰ھ	۳۶
۳	حضرت مخدوم شیخ تقی الدینؒ جھونسی۔ الہ آباد	سنہ ۷۸۵ھ	۴۴
۴	حضرت شیخ سراج الدین عثمان گوریؒ بنگال	سنہ ۷۵۸ھ	۴۹
۵	حضرت کبیرالاولیاء محمد جلال الدین پانی پتیؒ	سنہ ۷۶۵ھ	۵۱
۶	حضرت شیخ یوسف العجمی الکورانیؒ	سنہ ۷۶۸ھ	۶۰
۷	حضرت شیخ زین الدین داؤدؒ، خلد آباد اورنگ آباد	سنہ ۷۷۱ھ	۶۱
۸	حضرت خواجہ سید امیر کلالؒ	سنہ ۷۷۲ھ	۶۵
۹	حضرت حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ	سنہ ۷۷۴ھ	۶۸

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۱۰	حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد منیری رح	سنہ ۷۸۲ھ	۷۱
۱۱	حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رح	سنہ ۷۸۵ھ	۸۵
۱۲	حضرت شیخ ابو اسحٰق شاطبی رح	سنہ ۷۹۰ھ	۱۰۰
۱۳	حضرت شیخ شہاب الدین المرحومی رح	آٹھویں صدی ہجری	۱۰۳
۱۴	حضرت امام الطائفہ خواجہ بہاؤ الحق والدین نقشبندی رح	سنہ ۷۹۱ھ	۱۰۵
۱۵	حضرت قاضی عبد المقتدر صاحب دہلوی رح	سنہ ۷۹۱ھ	۱۱۵
۱۶	حضرت العلامہ حافظ ابن القیم رح	سنہ ۷۹۱ھ	۱۱۹
۱۷	حضرت خواجہ حافظ شیرازی رح	سنہ ۷۹۳ھ	۱۴۰
۱۸	حضرت شیخ عثمان الحطاب رح	سنہ ۸۰۰ھ	۱۴۷
۱۹	حضرت شیخ علاؤ الدین علاؤ الحق پنڈوی رح، بنگال	سنہ ۸۰۰ھ	۱۴۹
	نویں صدی ہجری		
۲۰	حضرت شیخ علی ولدہ رح	سنہ ۸۰۱ھ	۱۵۲
۲۱	حضرت شیخ تقی مسوی رح پورنیہ - بہار	سنہ ۸۰۲ھ	۱۵۹
۲۲	حضرت خواجہ محمد علاؤ الدین عطار رح	سنہ ۸۰۲ھ	۱۶۲
۲۳	حضرت حافظ سراج الدین بلقینی شافعی رح	سنہ ۸۰۵ھ	۱۶۴
۲۴	حضرت حافظ زین الدین عراقی رح	سنہ ۸۰۶ھ	۱۶۷
۲۵	حضرت شیخ قوام الدین رح لکھنوی	سنہ ۸۱۰ھ	۱۷۰
۲۶	حضرت میر سید شریف جرجانی رح (صاحب نحو میر)	سنہ ۸۱۶ھ	۱۷۱
۲۷	حضرت علامہ محمد مجد الدین فیروز آبادی رح (صاحب قاموس)	سنہ ۸۱۷ھ	۱۷۳
۲۸	حضرت الشیخ احمد بن سلیمان الزاہد رح	سنہ ۸۲۰ھ	۱۷۸
۲۹	حضرت شیخ فتح اللہ اودھی رح اجودھیا	سنہ ۸۲۱ھ	۱۸۱
۳۰	حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری رح	سنہ ۸۲۲ھ	۱۸۵
۳۱	حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز رح گلبرگہ	سنہ ۸۲۵ھ	۱۹۰
۳۲	حضرت خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی رح کچھوچھوی	سنہ ۸۲۵ھ	۲۰۴
۳۳	حضرت مخدوم شیخ سارنگ لکھنوی	سنہ ۸۳۲ھ	۲۱۶
۳۴	حضرت شیخ القراء ابن الجزری رح (صاحب حصن حصین)	سنہ ۸۳۳ھ	۲۱۷
۳۵	حضرت قطب کوکن فقیہ و مخدوم علی مہائمی رح	سنہ ۸۳۵ھ	۲۲۳

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۳۶	حضرت شیخ احمد عبد الحق صاحب ردولوی رح	سنہ ۸۳۷ھ	۲۴۶
۳۷	حضرت مخدوم جمشید راجگیری قنوجی رح	سنہ ۸۴۲ھ	۲۵۷
۳۸	حضرت شاہ بدیع الدین مدار مکنپوری رح	سنہ ۸۴۴ھ	۲۵۹
۳۹	حضرت الشیخ مولانا شمس الدین حنفی رح	سنہ ۸۴۷ھ	۲۶۲
۴۰	حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی جونپوری رح	سنہ ۸۴۹ھ	۲۶۶
۴۱	حضرت شیخ احمد کھٹو رح سرخیز۔ احمد آباد	سنہ ۸۴۹ھ	۲۷۵
۴۲	حضرت شیخ نصیر الدین رح نوساری۔ گجرات	سنہ ۸۵۱ھ	۲۷۷
۴۳	حضرت مولانا یعقوب چرخی رح	سنہ ۸۵۱ھ	۲۸۰
۴۴	حضرت الشیخ محمد ابو المواہب الشاذلی رح	سنہ ۸۵۱ کے بعد	۲۸۲
۴۵	حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن حجر العسقلانی رح	سنہ ۸۵۲ھ	۲۹۱
۴۶	حضرت مولانا حسام الدین مانکپوری رح، پرتاپگڈھ	سنہ ۸۵۳ھ	۲۹۹
۴۷	حضرت شیخ حسام الدین چشتی فتحپوری بارہ بنکوی رح	سنہ ۸۵۵ھ کے بعد	۳۰۳
۴۸	حضرت علامہ بدر الدین عینی رح شارح بخاری	سنہ ۸۵۵ھ	۳۰۷
۴۹	حضرت شیخ ابو الفتح جونپوری رح	سنہ ۸۵۸ھ	۳۱۳
۵۰	حضرت علامہ کمال الدین ابن الہمام رح صاحب فتح القدیر	سنہ ۸۶۱ھ	۳۱۹
۵۱	حضرت علامہ جلال الدین محلی رح، صاحب جلالین ثانی	سنہ ۸۶۴ھ	۳۲۴
۵۲	حضرت شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوری رح	سنہ ۸۷۰ھ	۳۲۶
۵۳	حضرت شیخ محمد مینا لکھنوی رح	سنہ ۸۷۰ھ	۳۳۳
۵۴	حضرت الشیخ ابراہیم امتبولی رح	سنہ ۸۸۰ھ کے بعد	۳۳۵
۵۵	حضرت شاہ نعمان آسیری رح برہانپور	سنہ ۸۸۱ھ	۳۳۹
۵۶	حضرت شیخ کمال الدین قزوینی گجراتی رح	سنہ ۸۸۹ھ	۳۴۴
۵۷	حضرت الشیخ علی بن شہاب رح	سنہ ۸۹۱ھ	۳۴۶
۵۸	حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رح، صاحب نفحات الانس	سنہ ۸۹۸ھ	۳۴۷
۵۹	حضرت شیخ محمد ملاوہ قنوجی رح	سنہ ۹۰۰ھ	۳۵۴
۶۰	حضرت الشیخ علی محلی رح	سنہ ۹۰۰ھ	۳۵۶
	دسویں صدی ہجری		
۶۱	حضرت راجہ سید حامد شاہ مانکپوری رح	سنہ ۹۰۱ھ	۳۵۷

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۶۲	حضرت شیخ حسین رح	سنہ ۹۰۱ھ	۳۵۹
۶۳	حضرت حافظ شمس الدین سخاوی رح	سنہ ۹۰۲ھ	۳۶۶
۶۴	حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رح	سنہ ۹۰۵ھ	۳۶۸
۶۵	حضرت شیخ الاسلام فرید بنارسی رح	سنہ ۹۰۶ھ	۳۷۸
۶۶	حضرت نظام الدین شاہ بھکاری چشتی برہانپوری رح	سنہ ۹۰۷ھ	۳۸۳
۶۷	حضرت شیخ حسن طاہر رح دہلی	سنہ ۹۰۹ھ	۳۹۴
۶۸	حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رح، صاحب جلالین اوّل	سنہ ۹۱۱ھ	۳۹۷
۶۹	حضرت شیخ مدین بن احمد الاشمونی رح	سنہ ۹۱۵ کے بعد	۴۰۰
۷۰	حضرت شیخ احمد مجد شیبانی رح ناگور	سنہ ۹۲۷ھ	۴۰۴
۷۱	حضرت شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری دہلوی رح	سنہ ۹۳۲ھ	۴۰۷
۷۲	حضرت مولانا محمد زاہد وخشی رح روس	سنہ ۹۳۶ھ	۴۰۹
	تذکرہ نیک سیرت سلاطین ہند		۴۱۰
۷۳	تاجدار سلطنت شرقیہ ابراہیم شاہ شرقی - جونپور	سنہ ۸۴۰ھ	۴۱۱
۷۴	خادم اسلام سلطان محمود بیگڑھ - گجرات	سنہ ۹۱۷ھ	۴۱۴
۷۵	حافظ قرآن سلطان مظفر حلیم شاہ گجراتی	سنہ ۹۳۲ھ	۴۱۹
۷۶	شیر دل سلطان شیر شاہ سوری	سنہ ۹۵۲ھ	۴۲۵
۷۷	عظیم المرتبت بادشاہ بابر	سنہ ۹۳۷ھ	۴۳۰
۷۸	علم دوست بادشاہ ہمایوں	سنہ ۹۶۳ھ	۴۴۰
۷۹	بادشاہ جلال الدین محمد اکبر	سنہ ۱۰۱۴ھ	۴۴۵
	تذکرہ بزرگان دین		
۸۰	حضرت مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی ملتانی رح	سنہ ۹۴۰ھ	۴۵۱
۸۱	حضرت سیدنا عبدالقدوس گنگوہی رح	سنہ ۹۴۴ھ	۴۵۴
۸۲	حضرت سید قطب الدین کوڑہ جہان آبادی رح فتحپور	سنہ ۹۴۶ھ	۴۶۴
۸۳	حضرت شاہ بہاؤالدین رح ابن قطب الدین کوڑہ جہان آبادی۔ فتحپور	سنہ ۹۸۵ھ	۴۷۷
۸۴	حضرت شاہ علاؤالدین رح ابن قطب الدین کوڑہ جہان آبادی۔ فتحپور	سنہ ۹۷۴ھ	۴۸۰
۸۵	حضرت شاہ حمیدالدین رح ابن بہاؤالدین کوڑہ جہان آبادی۔ فتحپور	دسویں صدی ہجری	۴۸۵
۸۶	حضرت شاہ العالمین عبدال[illegible]لوی جھنجھانوی رح	سنہ ۹۴۹ھ	۴۸۶

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۸۷	حضرت میر علی عاشقاں سرائے میریؒ۔ اعظم گڈھ	سنہ ۹۵۰ھ	۴۹۵
۸۸	حضرت شیخ حمزہ دھرسوئیؒ جونپور	سنہ ۹۵۷ھ	۴۹۸
۸۹	حضرت شیخ حسام الدین متقی ملتانیؒ	سنہ ۹۶۱ھ	۵۰۱
۹۰	حضرت مولانا درویش محمدؒ روس	سنہ ۹۷۰ھ	۵۰۳
۹۱	حضرت قاضی خان ظفر آبادیؒ جونپور	سنہ ۹۷۰ھ	۵۰۶
۹۲	حضرت شیخ جمال بن حسین بہتریؒ احمد آباد	سنہ ۹۷۱ھ	۵۱۰
۹۳	حضرت شیخ ابن حجر مکیؒ	سنہ ۹۷۳ھ	۵۱۲
۹۴	حضرت قطب ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ صاحب طبقات کبریٰ	سنہ ۹۷۳ھ	۵۱۳
	ارشادات و ہدایات		۵۱۸
	تلخیص از رسالہ "الانوار القدسیہ"		۵۱۹
	تلخیص از "الدر المنضود"		۵۲۹
	تلخیص از "اخلاق سلف"		۵۳۷
	شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کے اساتذہ و مشائخ		۵۴۰
۹۵	حضرت الشیخ علی العیاشیؒ	سنہ ۹۰۰ھ	۵۴۰
۹۶	حضرت الشیخ احمد الرومیؒ	سنہ ۹۰۰ھ	۵۴۲
۹۷	حضرت الشیخ ابو العباس غمریؒ	سنہ ۹۰۵ھ	۵۴۳
۹۸	حضرت الشیخ محمد مغربی الشاذلیؒ	سنہ ۹۱۰ھ	۵۴۵
۹۹	حضرت الشیخ علی النبتیتیؒ الضریر	سنہ ۹۱۷ھ	۵۴۷
۱۰۰	حضرت الشیخ تاج الدین الذاکرؒ	سنہ ۹۲۰ھ	۵۴۸
۱۰۱	حضرت الشیخ شمس الدین الدیروطیؒ	سنہ ۹۲۱ھ	۵۴۹
۱۰۲	حضرت الشیخ محمد عنانؒ	سنہ ۹۲۲ھ	۵۵۲
۱۰۳	حضرت الشیخ ابوبکر حدیدیؒ	سنہ ۹۲۵ھ	۵۵۷
۱۰۴	حضرت شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ	سنہ ۹۲۶ھ	۵۵۹
۱۰۵	حضرت الشیخ امین الدینؒ امام جامع الغمری	سنہ ۹۲۹ھ	۵۶۲
۱۰۶	حضرت الشیخ ابو السعود الجارحیؒ	سنہ ۹۳۰ھ	۵۶۴
۱۰۷	حضرت الشیخ محمد منیرؒ	سنہ ۹۳۰ھ	۵۶۷
۱۰۸	حضرت الشیخ عبدالحلیم ابن مصلح المنزلاویؒ	سنہ ۹۳۰ھ	۵۶۹

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
١٠٩	حضرت الشیخ عبدالقادر الدشطوطی رح	سنہ ٩٣٠ھ	٥٧١
١١٠	حضرت الشیخ محمد شناوی رح	سنہ ٩٣٢ھ	٥٧٢
١١١	حضرت الشیخ علی الدویب رح	سنہ ٩٣٧ھ	٥٧٤
١١٢	حضرت الشیخ ابو الحسن الغمری رح	سنہ ٩٣٩ھ	٥٧٥
١١٣	حضرت الشیخ علی الخواص البرلسی رح	سنہ ٩٤١ھ	٥٧٧
١١٤	حضرت الشیخ ابوالفضل الاحمدی رح	سنہ ٩٤٢ھ	٥٨١
١١٥	حضرت الشیخ علی البحیری رح	سنہ ٩٥٣ھ	٥٨٨
١١٦	حضرت الشیخ علی الکازرونی رح	سنہ ٩٦٠ھ	٥٩٠
١١٧	حضرت الشیخ علی متقی جونپوری رح (صاحب کنزالعمال)	سنہ ٩٧٥ھ	٥٩٣
	٢٩ علماء عاملین کے مختصر مبارک تذکرے		٦٠٥
١٤٧	حضرت ملا نظام الدین امیٹھوی رح سلطانپور	سنہ ٩٧٩ھ	٦١٢
١٤٨	حضرت شیخ قاسم محدث سندھی رح اچل پور، امراوتی	سنہ ٩٨١ھ	٦٢٠
١٤٩	حضرت شیخ الاتقیاء حسن بن احمد رح احمد آباد	سنہ ٩٨٢ھ	٦٢٣
١٥٠	حضرت شاہ عبدالجلیل رح احمد آباد	سنہ ٩٨٣ھ	٦٢٥
١٥١	حضرت مولانا محمد طاہر پٹنی گجراتی رح (صاحب مجمع البحار)	سنہ ٩٨٦ھ	٦٢٦
١٥٢	حضرت مولانا شیخ مبارک سندھی رح برہانپور	سنہ ٩٨٨ھ	٦٣٥
١٥٣	حضرت شیخ مولانا سیف الدین صاحب دہلوی رح	سنہ ٩٩٠ھ	٦٣٨
١٥٤	حضرت میاں غیاث الدین بھروچی رح	سنہ ٩٩٨ھ	٦٤٧
١٥٥	حضرت شیخ زکریا عرف حاجی پیر رح کچھ۔ گجرات	سنہ نامعلوم	٦٤٨
١٥٦	حضرت شیخ سعداللہ چشتی دہلوی رح	سنہ ١٠٠٠ھ	٦٥١
١٥٧	حضرت علامہ شاہ وجیہ الدین گجراتی رح	سنہ ٩٩٨ھ	٦٥٢
	مصادر ومراجع		٦٦١
	خیر ختام		٦٦٤

عرضِ ناشر

الحمد للہ، مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد مختلف موضوعات پر متعدد اصلاحی، احسانی، علمی، عملی و ادبی کتابیں اور مختلف تراجم و سیر اردو، انگریزی، گجراتی اور بنگلہ زبان میں منظر عام پر لانے کا شرف حاصل کر چکا ہے۔ اس وقت بھی مختلف موضوعات پر چند اہم کتب یا تو زیر ترتیب ہیں یا زیر کتابت۔ اور کچھ کتابیں تو کتابت کے مرحلہ سے آگے بڑھ کر طباعت کے مرحلہ میں داخل ہو چکی ہیں۔ انہی اہم کتابوں میں "معارف مصلح الأمتؒ" کی پہلی جلد بھی عنقریب منصہ شہود پر آرہی ہے جو درحقیقت مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحؒ کی مجالس میں بیان فرمودہ شریعت کے اسرار و معارف کا مجموعہ ہے جس کو مشفقی المکرم والد صاحب مدظلہ العالی نے سعیٔ بلیغ کے ساتھ تسہیل و توضیح کر کے بطور تحفۂ گرانمایہ سالکین راہ کی خدمت میں پیش فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

اسی طرح حضرت والد صاحب مدظلہ کی تصنیف لطیف "دینی اداروں اور جماعتوں کی ذمہ داریاں" بھی جلد از جلد آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے کا شرف حاصل ہونے والا ہے، جس میں موجودہ دور کی اہم ضرورت کے پیش نظر اہل مدارس، اہل خانقاہ، اہل دعوت و تبلیغ، اہل تصنیف و تالیف، اہل سیاست اور اہل ثروت کے متعلق اصلاح و تربیت کا بہترین خزانہ جمع کر دیا گیا ہے۔ جو انشاء اللہ پوری اُمت کے ہر فرد کے لئے یکساں مفید ہوگی۔

زیر نظر کتاب "اقوال سلفؒ حصہ چہارم" ہے جو در حقیقت اسلامی شخصیات کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ جس میں آٹھویں صدی ہجری کے نصف آخر سے دسویں صدی ہجری تک علماء ربانیین، صلحاء اُمت اور نیک سیرت سلاطین کے عبرت آموز واقعات، نصیحت آمیز اقوال و احوال تحقیق و تدقیق کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں۔ اس سے قبل حصہ اول، دوم، سوم مع اضافات جدیدہ مفیدہ اہل ذوق و نظر کے سامنے پہنچ کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس اہم کڑی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ہم خدام مکتبہ کو توفیق بخشے۔ آمین!

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشفقی المکرم قبلہ والد صاحب مدظلہ کی عمر دراز فرمائے اور مکتبہ کے جملہ علمی و مالی معاونین کو صحت و عافیت عطا فرمائے، تاکہ اس طرح کے بیش قیمت عرفانی و احسانی مضامین آپ لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچانے کا شرف ہم خدام مکتبہ حاصل کرتے رہیں ؎

فسہّل یا الٰہی کلّ صعب
بحرمۃ سیّد الابرار سہّل

محمد عبداللہ قمرالزمان قاسمی الہ آبادی

مکتبہ دارالمعارف الہ آباد۔ بی/۶۳۹۔ وصی آباد۔ الہ آباد (یو، پی)

یکم ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۴، جنوری ۲۰۱۳ء

انتباہ: تیسری جلد کے آخر میں لکھا گیا تھا کہ چوتھی جلد کو حضرت یحییٰ منیریؒ کے تذکرہ سے شروع کیا جائیگا، مگر بعض وجوہ سے حضرت اسمٰعیل قریشیؒ بھروَلی الہ آباد کے تذکرہ سے شروع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل فرمائے اور قبول فرمائے۔ آمین!

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ علیٰ تواتر الامۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ

واصحابہ واولیائہ ومن سار علیٰ منہجہ ومنوالہ۔

الحمد للہ آپ حضرات ناظرین باتمکین کی خدمت میں یہ حقیر عرض پرداز ہے کہ "اقوال سلف حصہ چہارم" مع اضافات کثیرہ مفیدہ آپ کے دست مبارک میں ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اُمت کے لئے مفید بنائے۔ آمین!

بطور یاددہانی کے عرض ہے کہ اُلفِ اوّل یعنی پہلے ہزارے کی شروع ہجری سے آخر تک کے انبیاء علیہم السلام وصحابہ کرامؓ اور علماء ربانیین ومشائخ مقربین کے اقوال مفیدہ اور احوال رفیعہ کو دو جلدوں میں درج کیا تھا، مگر بعض کرمفرما مخلص احباب نے خواہش ظاہر کی کہ مزید انبیاء علیہم السلام وصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہم کے تذکروں کا اضافہ ہوجائے تو مزید افادہ کا باعث ہوگا۔ بات چونکہ خلوص سے کہی گئی تھی، اس لئے اُس کا دل پر اثر ہوا اور اضافہ کا ارادہ بلکہ عزم مصمم کرلیا اور کام شروع کردیا۔ اِس طرح پہلے اُلفِ اوّل کے اسلافِ صالحین ومصلحین کے مختصر تذکرے صرف دوجلدوں میں تھے جن کے مجموعی صفحات سات سو بیس تھے، مگر اب جو سلسلہ بڑھا تو اُن کے تذکروں کا سلسلہ چار جلدوں تک پہنچ گیا جس کے ہر حصہ کے صفحات بفضلہٖ تعالیٰ چھ سو سے زائد ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ان چار جلدوں میں انبیاء کرامؑ، صحابۂ کرام، تابعینؒ

تبع تابعینؒ، مشہور علماء و مشائخ، بلکہ متعدد بادشاہوں کا بھی ذکر آیا۔ اس طرح منعم علیہم، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے مختصر تذکرے درج کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور ہر ایک جلد میں فوائد لکھنے کا بھی سلسلہ رہا۔ جس کی پسندیدگی کا اظہار علمائے کرام نے زبان وقلم سے فرمایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان فوائد مرقومہ کو بھی مفید و مؤثر بنائے جس سے اُمت کی اصلاح ہو۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

فوائد سے متعلق پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ اُن سے کسی فرد یا جماعت پر اعتراض وانکار ہرگز مقصود نہیں ہے، بلکہ کتاب وسنت، سیرت سلف اور ان کی تعلیم وتربیت کے خلاف کوئی بات نظر آئی تو ادب کے ساتھ اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد نقل فرمایا ہے۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ (یعنی میرا مقصد تو اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کے سوا کچھ نہیں ہے، اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے)

ہم نے متعدد علماء و مشائخ اور صوفیہ صافیہ کے درس وتدریس اور علماء کے افتاء وقضاء، وعظ وبیان اور تصنیف وتالیف کا حال بھی لکھا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے اکابرین علماء وصوفیہ نے صرف تصوف وسلوک کی ہی تعلیم وتشہیر نہیں کی بلکہ کتاب وسنت کی پوری پوری تعلیم وتدریس اور افتاء وقضاء کی خدمات کو بھی بخوبی انجام دیا ہے، ساتھ ہی تزکیۂ نفوس وتصفیۂ قلوب جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اصل مقصد ہے اس کی بھی

خوب ہی خوب آبیاری فرمائی ہے۔ خود بھی اُس سے سیراب ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی سیراب کیا ہے۔ یعنی علم نبوت و نورِ نبوت کے مجمع البحرین ہونے کی سعادت سے مشرف ہوئے ہیں ؎

اولئك اٰبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یاجریر المجامع

درحقیقت ایسے ہی علماء ورثۃ الانبیاء کہے جانے کے لائق ہیں اور انہی سے صحیح معنوں میں دین کی اصل خدمت ہوئی ہے۔ اور یہی اس لائق ہیں کہ دین کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ، ارشاد فرماتے ہیں:۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الانبیاء)

(یعنی وہی علماء کرام و مشائخ قابلِ استفسار ہیں جو علم کے ساتھ ذکر اللہ سے بھی مشرف ہیں۔)

اِسی طرح ہم نے اُن بادشاہوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جنھوں نے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت و سلطنت کی خدمات انجام دی ہیں اور ساتھ ساتھ اپنی رعیت کی تعلیم و تربیت کے لئے مدارس و مکاتب کا بھی انتظام فرمایا ہے، جیسا کہ تاریخ کی کتابوں سے واضح ہے۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ "اقوال سلفؒ" کی ابتداء حضرت العلامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "الطبقات الکبریٰ" سے سلفؒ کے چیدہ چیدہ اقوال کے نقل کرنے سے ہوئی ہے۔ جس کا سلسلہ الحمد للہ اس چوتھے حصہ تک جاری رہا ہے۔

چنانچہ اس کے پہلے حصہ کے شروع میں حضرت العلامہؒ کے خطبہ کی مندرجہ ذیل نصیحت نقل کی گئی تھی۔ وہ یہ ہے :۔

جو شخص ایسی کتاب کا مطالعہ کرے پھر بھی اس کے اندر اللہ عزوجل کے طریق کا شوق و جذبہ نہ اُبھرے تو وہ اور مردے برابر ہیں۔	ثم ان من طالع مثل ھذا الکتاب ولم یحصل عندہ نھضۃ ولا شوق الی طریق اللہ عزوجل فھو والاموات سواء

اگرچہ علامہ شعرانی کی یہ نصیحت پہلے حصہ میں نقل کی جاچکی ہے، مگر حق تو یہ ہے کہ اس نصیحت کو "اقوال سلفؒ" کی ہر جلد کے شروع میں بلکہ جا بجا نقل کیا جائے تاکہ اسکو پڑھنے سے ہم جیسے بےحسوں کیلئے تازیانۂ عبرت ہو اور اپنی اصلاح کا احساس بیدار ہو اور ناظرین کرام اس نصیحت کو پڑھ کر حیاتِ قلب کو حاصل کرنے اور تزکیۂ نفوس کی دولت سے بہرہ ور ہونے کی طلب و ہمت پیدا کر کے ان باطنی نعمتوں سے فائز المرام ہوں۔

اب اخیر میں عرض ہے کہ آخر کی ان چار جلدوں کی حسن ترتیب و تصحیح اور غایت تحقیق کے سلسلہ میں جو جد و جہد عزیزم مولانا مقصود احمد صاحب سلمہ نے کی وہ قابل صد تحسین و تبریک ہے، جس کی وجہ سے میں سراپا سپاس ہوں اور دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالےٰ ان کو علم و عمل اور اخلاص میں مزید جلا و ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

اسی طرح عزیزم مولانا صابر علی سلمہ نے محنت و مشقت برداشت کر کے مختلف کتابوں کو بغور دیکھ کر متعدد علماء و مشائخ کے حالات و ارشادات منضبط کئے جن کو اس حقیر نے بنظر غائر پڑھ کر شامل کتاب کر لیا

اسی طرح عزیزم مولوی محبوب احمد ندوی سلمہ اور عزیزم مولوی کمال احمد سلمہ اور عزیزم مولوی فیروز عالم سلمہ نے بھی کتاب کی تکمیل میں اعانت کی ہے۔ اسی طرح بعض کرم فرماؤں نے مالی تعاون بھی فرمایا ہے۔

اب میرے پاس ان حضرات کے انعام کیلئے ہدیۂ شکر و دعا کے علاوہ اور کیا ہے۔ لہٰذا جملہ حضرات معاونین کیلئے صمیم قلب سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سب کو جزائے احسن عطا فرمائے اور انکی خدمات کی سعی کو قبول فرمائے۔ آمین!

اپنی سعادت

الحمد للہ کہ حضرت مرشدی عارف باللہ مولانا محمد احمد صاحبؒ کو "اقوال سلفؒ" کی سابقہ تین جلدوں کو اس حقیر نے بعد نماز مغرب کی خصوصی مجلس میں بالاستیعاب سنایا، جس پر فرح و سرور اور تأثر کا اظہار فرماکر اسکی قبولیت اور ان تعلیماتِ سلفؒ پر عمل کی توفیق کے لئے دعا فرماتے تھے۔ جب چوتھی جلد کی طباعت کی نوبت آئی تو کسی عذر کی بنا پر اس جلد چہارم کو سنایا نہ جاسکا، مگر انھوں نے اس حقیر کی درخواست پر اسکے لئے دعا فرمائی۔ نیز چند کلمات تحریر فرمائے جو درج ذیل ہیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصہ چہارم کی تکمیل کے لئے دعا کرتا ہوں

محمد احمد

مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد

بفضلہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کی دعا قبول ہوئی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ، بلکہ مزید جلدیں طبع ہوچکی ہیں۔

محمد قمر الزمان الہ آبادی ۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

مقدمہ

حضرت مولانا قاری محمد احسن صاحب قاسمی زید مجدہٗ

ناظم مدرسہ تجوید الفرقان، فتحپور (یو، پی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن کریم کی سورۂ یوسف کی آخری آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے: "لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ" یعنی ان (انبیاء علیہم السلام اور ان کی اُمتوں) کے قصّوں میں اہل فہم کے لئے بڑی عبرت ہے (اور وہ فوراً ہی سمجھ جاتے ہیں کہ طاعت کا انجام کیا ہوتا ہے اور نافرمانی کا کیا۔

قرآن کریم میں حضرت یوسف اور اُن کے والد حضرت یعقوب علیہما السلام اور اُن کے بھائیوں اور اُن کے علاوہ دیگر انبیاء سابقین اور اُنکی اُمتوں کے قصّے کثرت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ نیز غیر انبیاء کے عبرت ناک قصّے اور بہت سے سبق آموز واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کے لئے نصیحتوں کا تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ بعض صحابہؓ کا عموماً اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ان کے اسی نام کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ اور ان سب میں اہل فہم کے لئے عبرت ونصیحت کا غیر معمولی سرمایہ موجود ہے۔

دسیوں لاکھ احادیث مبارکہ کے عظیم ذخیرہ کو اصطلاح شرع میں حدیث

کہتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کا دوسرا عظیم و مقدس سرمایہ ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کی تدوین و تحفیظ کے ساتھ اعتنا اس کی شان کے مطابق اُمت مسلمہ نے کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احوال اور تقریر کے اس اصطلاحی نام کے علاوہ لغوی اعتبار سے اس کو اقوال سلف کے نام سے تعبیر کرنے کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین آپ کے نائبین، علمائے اُمت، صلحاء، اولیاء اللہ اور ائمہ عظام ہمارے سلفِ صالحین ہیں جن کے اقوال، انکی سیرت اور اُن کی زندگی کے سبق آموز قصّوں کی تدوین و تحفیظ کا بھی اہتمام نہایت شدت سے کیا گیا ہے۔

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے مقدس ذخیرہ میں کسی کمی یا زیادتی کی نہ گنجائش ہے اور نہ اس کی ضرورت۔ بنی نوع انسان کے لئے جتنی، جس قدر اور جس قسم کی ضرورت تھی وہ سب ان میں موجود ہے۔ اور اس کے بعد قرآن و حدیث کا جو مقدس سرمایہ اُمت مسلمہ کے سپرد ہوا تو اس کے ایک بڑے طبقہ نے قولاً و عملاً جس طرح اس کی تشریح کی اور حسب توفیق اُنھوں نے اپنی زندگیوں کو، اپنے اخلاق و کردار اور سراپا کو قرآن و حدیث کی تعلیمات و ہدایات کی روشنی میں جس طرح ڈھال کر دنیا کے سامنے پیش کیا بجا طور پر اس کو اسلام کی جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تصویر کہا جا سکتا ہے۔ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر عمل پیرا ہو کر اور آپ کی ہر ہر ادا میں اپنے آپ کو ڈھال کر داستانِ عشق و محبت میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ ایسوں کی ہی زندگیاں اُمت کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اور ایسوں کی ہی تقلید کر کے صراطِ مستقیم کا سراغ ملتا ہے۔ اور اُن ہی کے قدموں میں پڑ جانے، ان کے نقشِ قدم پر چل کر خود کو

مٹا دینے سے حضرت حق جلّ مجدہٗ کی محبوبیت کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

یہ وہی صوفیائے کرام اور صلحائے اُمت ہوتے ہیں جن کی حیات و سیرت مسترشدین کے امراض باطن کے لئے تریاق اور اُن کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک کلمہ ان کی زندگی کی کایا پلٹ دینے والا ہوتا ہے، ان کی ایک نگاہِ سحر اثر سے مریضِ باطن کو شفا اور بے چین دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور پھر جب دنیا اُن کے وجود مسعود سے محروم ہوتی ہے تو اُن کی سیرت و اقوال کے مطالعہ سے بھی روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے اور امراض کا ازالہ ہوتا ہے۔

ابتدائی سطور میں قرآن کریم کی مرقومہ آیت کریمہ اور اس کے بعد احادیث مبارکہ کے ذکر کی منشا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ قرآن وحدیث میں بھی اقوال سلف کی افادیت پر صراحت موجود ہے۔ چنانچہ اسی افادیت کے پیش نظر اہل قلم علمائے اُمت نے صلحا، صوفیہ، مشائخ و دیگر اہل کمال کی سیرتوں پر مضامین سپرد قلم کئے ہیں۔ اور ان کے اقوال زریں کو جمع کر کے اُمت کے روحانی امراض کے ازالہ اور غفلت شعار زندگیوں میں بیداری کا سامان فراہم کیا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی اہل قلم حضرات کی چند کتابیں یہ ہیں:۔

"اقوالِ سلف، اخلاقِ سلف، اعمالِ سلف" عبدالرحمٰن شامیؒ کی "طبقات الصوفیۃ" ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ" اور امام شعرانیؒ کی "طبقات کبریٰ"۔

اور دورِ حاضر کے ایسے ہی ایک باذوق صاحب قلم، اہل دل، صاحب نسبت بزرگ مرشدی حضرت اقدس مولانا شاہ محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم ہیں جنھوں نے اسی موضوع پر "اقوال سلفؒ" نام کی ایک

عظیم تصنیف کو وجود بخشا۔ یہ اپنے موضوع پر ممتاز ترین عظیم کتاب ہے جو متعدد ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور آپ کے بعد حضرات صحابہ کرام رض، تابعین رح اور تبع تابعین، پھر اُمت کے تمام صلحاء، صوفیہ، مشائخ، ائمہ اور علماء کی سیرت اور ان کے اقوالِ زریں کا استقصاء تو کسی ایک مصنف کے لئے ممکن نہیں لیکن "اقوالِ سلف رح" میں جتنے ذواتِ قدسیہ کے اقوال و احوال اردو زبان میں جس سلیقہ اور حسنِ انتخاب کے ساتھ مع اضافۂ فوائد کے جمع کر دیئے گئے ہیں، اِس زبان میں ایسی کوئی تصنیف اِس خاکسار کے علم میں موجود نہیں۔

کتاب کے مشمولات کی اثر آفرینی اور اسکی افادیت کے سلسلہ میں دورِ حاضر کے اساطینِ علماءِ اُمت نے جن پرشکوہ لفظوں میں اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا وہ اِس کتاب کی قدر و منزلت اور اس کی عظمت و نافعیت کے لئے ایسے شواہد عدل ہیں جو بہت کم کسی تصنیف کو میسر ہوتے ہیں۔

چنانچہ اِس عظیم تصنیف کی پذیرائی کا حلقہ بہت وسیع ہوچکا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دیگر کئی ممالک میں یہ کتاب مقبول ہوکر ہاتھوں ہاتھ لی گئی ہے اِس کے مشمولات کی اثر انگیزی نے دورِ حاضر کے اولیاء اللہ، صوفیاء عظام، مشائخ کرام اور عالمی شہرت یافتہ علمائے اُمت کو متأثر کرکے ان کو اس کی ساحرانہ اثر انگیزی کے اعتراف پر مجبور کیا ہے۔ ہزاروں صفحات میں بکھرے ہوئے جواہر پاروں تک رسائی سب کے بس کی بات نہ تھی۔ اُنہی لعل و جواہر اور گہر پاروں کو ایک مقدس ذاتِ گرامی اور دورِ حاضر کی عظیم شخصیت شیخ المشائخ حضرت اقدس

مرشدی مولانا شاہ محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم نے اپنے ماہرانہ ذوق تصنیف وتالیف کے ساتھ سلکِ تحریر میں نظم کرکے چند ہار بناکر عام اردو داں حضرات کی خدمت میں پیش کرکے اس تک رسائی ان کے لئے آسان کردی۔ فجزاہم اللہ تعالےٰ خیرالجزاء۔

اِس کم مایہ خاکسار کا تو احساس یہ ہے کہ کتاب کے مشمولات میں کسی بھی صاحبِ نسبت شخصیت کو پڑھا جائے تو اگر قاری کا قلب معاصی کی آلودگیوں کی وجہ سے مکمل سیاہ نہیں ہوچکا تو چند ہی سطروں کے بعد اس کے قلب میں ایک صالح انقلاب کی روشنی اس کو انشاء اللہ نظر آنے لگے گی۔ اس لئے اِس کتاب کی اثر آفرینی کے اظہار کے لئے مزید الفاظ وعبارت کی حاجت نہیں۔ کتاب ہاتھ میں ہے خود تجربہ کرکے دیکھ لیا جائے۔ عیاں راچہ بیاں۔

وماتوفیقی اِلاباللہ

مرشد مکرم کا ادنیٰ خادم

خاکسار سید محمد احسن قاسمی عفی عنہ

خادم جامعہ تجویدالفرقان۔ آزادنگر

فتحپور (یوپی)

تاثر

مشفقی المکرم حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم

سابق رئیس فلاح دارین، ترکیسر۔ سورت (گجرات)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تبارک وتعالےٰ نے انسان کی فطرت میں خیر وشر دونوں طرح کی صلاحیتیں رکھی ہیں۔ اگر وہ اپنے نفس کی نگرانی کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام، حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اور اولیاءِ اُمت کو اپنا رہنما بناتا ہے تو شر کی قوتوں کو مغلوب کرکے قربِ الٰہی حاصل کرلیتا ہے۔ اور اگر اپنے نفس اور خواہشات کو اپنا رہبر بناتا ہے تو گمراہی اور بے راہ روی پر چل کر اسفل سافلین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

اسی لئے اللہ جل مجدہٗ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ یہ صادقین کی صحبت ہی انسان کو تقویٰ کی راہ پر چلنے پر اُبھارتی ہے۔ اور صادقین سے مراد وہ لوگ ہیں: مَا وَافَقَ ظَاھِرُہٗ بَاطِنَہٗ (جن کا ظاہر اور باطن یکساں ہوتا ہے۔)

اس لئے ہر دور میں صلحاءِ اُمت اور علماءِ ربانیین صالحین کی صحبت اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اور اگر کسی شخص کو ایسا موقع میسر نہ ہو کہ وہ وقت فارغ کرکے کسی اہل دل کی خدمت میں رہ سکے، تو علماء اور مشائخ نے اہل اللہ کی کتابیں پڑھنے اور اُن کے مواعظ و نصائح سے استفادہ کرنے

کو صحبت کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

ہمارے اس دور میں جبکہ فتنوں کی کثرت ہے۔ طرح طرح کے افکار پھیلائے جا رہے ہیں، مادیت اور نفس پرستی وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے شدید ضرورت ہے کہ اہل اللہ کی طرف رجوع ہو، یا اُن کی کتابوں سے انکے احوال کی اصلاح کی جائے، تاکہ قلب کی غفلت دور ہو اور فکر آخرت پیدا ہو اور مرنے کے بعد والی زندگی میں کامیابی نصیب ہو۔ شیخ فریدالدین عطار نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہمنشینی جُز بہ درویشاں مکن	تا توانی غیبتِ ایشاں مکن
حبِّ درویشاں کلیدِ جنت است	دشمنِ ایشاں سزائے لعنت است

اللہ تعالےٰ بہترین جزا عطا فرمائے شیخ طریقت عالم اجل حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب الہ آبادی حفظہ اللہ ورعاہ کو کہ آپ نے اصلاح اُمت کے لئے کئی مفید کتابیں شائع فرمائی ہیں، جن میں زبان سادہ اور اختصار کے ساتھ اصلاح قلب کے قیمتی نسخے ذکر فرما دیئے ہیں۔ انہی مفید کتابوں میں آپ کی عظیم کتاب "اقوال سلف" ہے، جس میں سلفِ صالحین کے مختصر احوال کے ساتھ ساتھ اُن کے جامع اقوال بھی نقل فرما دیئے ہیں۔ اگر اس کتاب کو غور سے پڑھا جائے تو بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں ہمارے بہت سے امراض کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ مثلاً :۔

بندہ سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۷۶ھ) کا تذکرہ پڑھ رہا تھا۔ اس میں حضرت رفاعیؒ کا یہ ارشاد پڑھا۔ آپ نے فرمایا کہ : دعویٰ چھوڑ کر جماعتِ اولیاء کی تائید کرو، بزرگوں کی حمایت کا یہ طریقہ اختیار نہ کرو کہ ایک کو دوسرے

پر افضل بتاؤ، کیونکہ اس میں درپردہ یہ دعویٰ ہے کہ تم اُن اولیاء سے بڑھے ہوئے ہو، اگر تم اپنے کو اُن سے کمتر سمجھتے تو درجات و مراتب کا فیصلہ نہ کرتے کیونکہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ وہی کرسکتا ہے جو دونوں سے بڑا ہو۔ آجکل ہمارے حلقوں میں یہ مرض عام ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین!

اسی طرح مولانا مدظلہ نے مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کے مختصر تذکرہ میں جو اشعار نقل فرمائے ہیں وہ دل کی تاریکی کو دور کرنے والے ہیں، خصوصاً دعوتِ عشق کے عنوان سے جو کلام نقل ہوا ہے وہ عشق کی آگ بھڑکانے اور سوزِ دروں پیدا کرنے والا ہے۔ یہ صرف بطور نمونہ ذکر کردیا ہے، ورنہ کتاب میں اہل اللہ کے سارے اقوال دل کی بیماریوں کیلئے تریاق ہیں۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ حضرت والا کی اس خدمتِ جلیلہ کو شرفِ قبولیت عطا فرماکر دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اُمت کے ہر فرد کو استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین! ھو الموفق للصواب والیہ المرجع والمآب۔

فقط والسلام

احقر عبداللہ غفرلہ کاپودروی

حال مقیم ٹورنٹو، کینیڈا

۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

مطابق ۴؍جولائی ۲۰۱۲ء

تأثر

حضرت مولانا رشید احمد صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

دار العلوم عبدیہ، ہتھین۔ میوات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکرمی ومحترمی! زید مجدھم وعمت فیوضھم

السَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ نے "اقوالِ سلف" کے عنوان سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لے کر ماضی قریب تک کے اکابر صلحاء وعلماء کے اقوال واحوال کو جمع فرمایا ہے۔ اس کے مطالعہ سے بہت ہی نور وسرور حاصل ہوا۔

(۱) آپ نے ماشاء اللہ بہت ہی عمدہ انتخاب فرمایا ہے اور اس کو نہایت ہی حسن ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

(۲) ترجمہ نہایت سلیس اور با محاورہ ہے۔

(۳) جابجا فوائد نے کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ فوائد نہایت جامع مانع اور حسن تفہیم کا مرقع ہیں۔ ان سے کتاب کا نفع دوچند ہو گیا۔

(۴) "اقوالِ سلف" کے پڑھنے سے معیتِ صادقین حاصل ہوتی ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ "امداد المشتاق" کے سرورق پر تحریر فرماتے ہیں:-

قال اللہ تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ

چوں آیت ناطق است بمعیت کہ عام است اتباع را باصادقین

اہل احقاق ودرایت بتوقف اتباع براطلاع برمقالات وحالات آن عشاق۔

(۵) اقوالِ سلف کا پڑھنے والا چونکہ حکماءؒ اُن کی مجلس میں ہوتا ہے اور گوشِ دل سے ان کے کلام کو سنتا ہے، اس سے "علیك بمجالسة العلماء واسمع كلام الحكماء" (الترغیب ج ۱ ص ۱۱۲) کی فضیلت وبرکت بھی اسے حاصل ہوتی ہے۔

(۶) اس کی برکت سے حیاتِ قلبی حاصل ہوتی ہے فان الله يحي القلب الميت بنور الحكمة اور یہ نور و بشاشتِ ایمانی مرضیاتِ الٰہیہ پر چلنے میں ممد و معاون ہوتی ہے اور نامرضیات سے نفرت کا ذریعہ بنتی ہے۔

(۷) بسا اوقات ایسی کوئی بات دل میں جم جاتی ہے کہ وہ پوری زندگی کا دستور العمل بن جاتی ہے۔

(۸) آج کے دور میں جدید رسائل واخبارات اور جدّت پسند طبقے کی تالیفات کو پڑھنے کا عام رواج ہو چکا ہے۔ اس دور میں آپ نے "اقوالِ سلف" کو جمع فرما کر عام اذہان کو دعوتِ مطالعہ دی ہے کہ انکو پڑھیں اور تسکینِ دل وجان حاصل کریں۔

(۹) اقوال واحوالِ سلف کا موضوع ایسا ہے کہ ماشاء اللہ مطالعہ میں جی لگتا ہے اور کسی بھی شخص کے مسلک کے خلاف نہیں۔

(۱۰) اپنی کم ہمتی کی وجہ سے جن اعمال کو ہم شاق سمجھتے ہیں ان صالحین کے اقوال واحوال کو پڑھ کر اپنے دل میں ایک جذبہ اور داعیۂ عمل پیدا ہوتا ہے سبق ملتا ہے اور عبرت حاصل ہوتی ہے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام۔ بندہ رشید احمد غفرلہٗ دارالعلوم عبدیہ تھمین۔ میوات

۴؍ رجب ۱۴۱۵ھ

مکتوب گرامی

از حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت فیوضہم کراچی (پاکستان)

مکرم ومحترم مولانا قمر الزمان صاحب دامت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ مزاج گرامی!

ہدیہ رسلہ "اقوال سلفؒ" سے نہایت مسرت ہوئی۔ دوسری جلدوں کا انتظار ہے۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے تکمیل فرمادیں اور سب تالیفات کو شرف حسن قبول بخشیں۔ آمین! بزرگوں کی دعاؤں کے ثمرات کا آپ پر ظہور ہو رہا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ وبارِکْ۔

طالب دعا محمد اختر عفا اللہ عنہ

ع حضرت حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ کی ولادت ۱۹۲۵ء یا ۱۹۲۶ء میں ضلع پرتاپگڈھ کے ایک قریہ میں ہوئی۔ طبیہ کالج الٰہ آباد کی تعلیم کے دوران حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ کی صحبت بابرکت میں بکثرت رہے۔ پھر حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ کی خدمت میں کافی عرصہ تک قیام فرمایا۔ آپ کے بعد حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کے زیر تربیت رہے اور انھوں نے خلعت خلافت سے نوازا۔ ماشاء اللہ آپ سے سلوک وتصوف کا کافی کام ہوا۔ آپ کے خلفاء بھی کثیر ہیں۔ ہمارے لڑکے مولوی محبوب احمد ندوی بھی اُن سے بیعت ہیں۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی حیات میں تقریباً دو ماہ ہمارے غریب خانہ اور مدرسہ بیت المعارف الٰہ آباد میں قیام رہا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی وفات کے بعد جب الٰہ آباد تشریف لائے تو مدرسہ بیت المعارف ہی میں قیام رہا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

آپ عرصہ سے صاحب فراش ہیں۔ آپ اس حقیر سے محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو صحت کاملہ عاجلہ سے نوازے اور اُمت کو مستفیض ہونے کا موقع فراہم فرمائے۔ آمین

محمد قمر الزمان الٰہ آبادی۔ مکہ مکرمہ۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ م ۲ اپریل ۲۰۱۳ء

تاثر، محترم المقام جناب کمشنر سید حسین صاحب المتوفی سنہ ۱۴۱۱ھ

خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب جلال آبادی نور اللہ مرقدہٗ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

"الطبقات الکبریٰ" علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی بے نظیر عربی تصنیف ہے۔ دل چاہتا تھا کہ اسکا ترجمہ سلیس اردو میں ہو جائے۔ الحمد للہ کہ مولوی قمر الزمان صاحب نے اس خواہش کو پورا کیا اور اپنے طرز خاص سے اسکا ترجمہ کردیا جو اقوال سلفؒ کے نام سے چھپ گئی اس کا حصہ اول جسمیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ و حضرات تابعینؒ اور دیگر مقتدایان امت کے اقوال گرانمایہ شامل ہیں اسکا مطالعہ بندہ نے غور سے کیا تو محسوس ہوا کہ اس ترجمہ میں اصل کتاب کی تاثیر اتر آئی ہے اور ان سلف صالحین کی تعلیمات پر عمل کرنا سہل ہو گیا ہے۔ یہ حضرت مترجم کے اخلاص کا اثر ہے پوری کتاب کو مجلس میں کئی بار سنایا اور اسکا اثر بھی لوگوں کے قلوب میں پاتا ہوں حضرت مترجم کے خلوص کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ہم اخلاف کو ان اسلاف سے ہمکنار کر دیا ہے اللہ تعالیٰ انکی عمر میں برکت دیں اور انکی مساعی کو قبول کرلیں اور ان کی مغفرت فرمائیں اور انکی مرادیں دین و دنیا میں پوری فرمائیں۔

معلوم ہوا ہے کہ حصہ دوم بھی مولوی صاحب موصوف طبع کرانے جا رہے ہیں اسمیں تقریباً دسویں صدی تک کے علماء و مشائخ کے اقوال طبع ہونگے جنمیں کہ چاروں سلسلہ کے مشائخ عظام کے اقوال ہونگے۔ ان کے علاوہ حضرت امام غزالیؒ، مولانا رومیؒ اور دیگر مشائخ چشت کے اقوال شامل ہیں اللہ تعالیٰ حصہ دوم کو بھی حصہ اول کیطرح برکات سے نوازیں آمین! اور مترجم کو ثواب دارین عطا فرمائیں اور شرف قبول عطا ہو آمین!

سید حسین ۔ خانہ منزل، دودھ پور۔ علیگڑھ رجب سنہ ۱۴۰۷ھ

ف الحمد للہ، اسوقت آٹھ جلدیں طبع ہوچکی ہیں۔ مزید جلدوں کے لئے کام جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل فرمائے اور قبول فرمائے۔ آمین! (مرتب)

مکتوبِ عالی

از حضرت مولانا مفتی عبد الرزّاق صاحب دامت برکاتہم

مفتی اعظم مدھیہ پردیش۔ بھوپال

بگرامی خدمت جناب عالی حضرت مولانا قمر الزمان صاحب دام فیوضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ جناب کا گرامی نامہ ہمراہ تین کتابوں تحفہ علیہ دستیاب ہوئیں۔ آپ سے روحانی تعلق کی بنا پر آپ کئی سالوں سے برابر دعا میں یاد رہتے ہیں۔ میں نے کئی سالوں سے اقوال سلف بعد عصر سننا شروع کیا ہے۔ مجھے بیحد روحانی فائدہ ہوا اور مزید علمی معلومات ہوئیں۔ بزرگان دین کے واقعات "اقوال سلف" میں جس طرح درج ہیں اور کہیں نصیب نہیں ہوئے اس کے مطالعہ اور سننے سے بزرگوں سے عقیدت و محبت ہوئی اور اسمیں علمی اضافہ ہوا قصص الاولین عبرۃ للآخرین کہیں منقول ہے ؎

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ۔ ہو المسک کلما یتکرر یتضوع

بزرگوں کے واقعات سنکر ایمان میں تازگی اور روح کی غذا ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور عمر میں ترقی دے۔ آپ کا فیض ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک جاری و ساری فرمائے۔ آمین ثم آمین! امید ہے کہ اپنی مستجاب دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ احقر کی جانب سے حاضرین و پرسان حال خصوصاً صاحبزادگان کی خدمت میں سلام عرض ہو۔ فقط والسلام

خادم ملت عبد الرزاق عفی عنہ

۲۵ صفر ۱۴۳۱ھ

تقریظ

از حضرت مولانا مطیع الرحمن صاحب قاسمی زید شرفہٗ

ناظم مدرسہ امدادیہ شاہ کنڈ، بھاگلپور۔ بہار

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مخدوم محترم حضرت اقدس شیخ طریقت مولانا شاہ قمر الزمان صاحب الہ آبادی ادام اللہ ظلال برکاتہم قابل محتاج تعارف نہیں۔ حضرت والا کی متعدد مقبول و محبوب تالیفات ہیں "اقوالِ سلف" جو متعدد ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے آپ کی تالیف لطیف ہے۔ اور الحمد للہ احقر کے مطالعہ میں یہ جلدیں اکثر رہا کرتی ہیں۔ احقر ۱۹۶۷ء میں حضرت قطب وقت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت فقیہ امت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کے ایما، اور حکم سے جامعہ عربیہ ہتورا باندہ میں جو کہ حضرت برکۃ العصر شاہ مولانا صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ مدرسہ ہے اور تقریباً تیرہ سال وہاں خادم تدریس تھا۔ بھاگلپور سے ہتورا باندہ ہر سفر میں الہ آباد ضرور ٹھہرتا، بلکہ وہی راستہ تھا۔ حضرت مولانا قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم سے تعارف اور تعلق کا سلسلہ قائم ہوا۔ اور تا ہنوز حضرت سے تعلق اور محبت میں اضافہ ہی اضافہ ہے۔ حضرت مولانا کے ہر دور کو دیکھا شروع زمانہ عسر کا تھا اور اب الحمد للہ یسر ہی یسر ہے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

مگر حضرت کی سادگی اور تواضع جو میں نے پہلے دیکھا اب بھی ویسے ہی دیکھ رہا ہوں بلکہ سادگی اور تواضع میں اضافہ ہی ہے۔ حضرت والا قرآن کی یہ آیت "مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ" کے مکمل مصداق ہیں۔ پھر حضرت والا جہاں حضرت اقدس مصلح الامت نور اللہ مرقدہٗ کے تربیت یافتہ اور خویش و مجاز ہیں، وہیں عارف باللہ حضرت شاہ مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی نور اللہ مرقدہٗ کے فیض یافتہ اور مجاز و خلیفہ ہیں۔ زیر نظر و مطالعہ "اقوالِ سلفؒ" معارف و محاسن کا گنجینہ اور حضراتِ اسلاف کا بیش بہا اور قیمتی مجموعہ ہے۔ یہ یقیناً خداداد صلاحیت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

احقر اب بھی الٰہ آباد اکتسابِ فیض کیلئے حاضر ہوتا رہتا ہے نیز حضرت والا مدرسہ امدادیہ عربیہ شاہ کُنڈ، بھاگلپور کے سرپرستِ اعلیٰ ہیں۔ حسبِ پروگرام اکثر و بیشتر مدرسہ ہٰذا تشریف لاکر تشنگانِ علوم و معارف کیلئے فیض رساں ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ با حسن وجوہ آپ کے فیض روحانی و معنوی کے ساتھ "اقوالِ سلفؒ" کے فیض کو بھی قیامت تک عام و تام فرمائے اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت تامہ عطا فرمائے ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اخیر میں یہ عرض ہے کہ حق جل و علا حضرت والا کی ہر نوع کی حفاظت فرمائے۔ نظرِ بد سے محفوظ فرمائے، معنوی اور مادی ہر نوع کی ترقیات و برکات سے مالا مال فرمائے۔ اور حضرت والا کی ساری اولاد نسبی و روحانی کو عافیت دارین مقدر فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

احقر مطیع الرحمٰن القاسمی

خادم مدرسہ امدادیہ عربیہ، شاہ کنڈ، بھاگلپور ۱۳/۶/۳۲ھ

قال اللہ تعالیٰ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

تذکرہ

اولیاءِ مقربین و علماءِ ربّانیین رحمہم اللہ تعالیٰ

الحمدللہ علی احسانہ، اب ہم اصل کتاب کو شروع کرتے ہیں۔ قارئین کرام کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ: اقوالِ سلف حصہ اول میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ وصحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اور متعدد تابعین رحمہم اللہ کے احوال واقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

"اقوالِ سلف حصہ دوم" میں متعدد تابعین وتابعات، تبع تابعین اور چوتھی صدی ہجری تک کے اولیاء ومشائخ کرام رحمہم اللہ کے احوال واقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

"اقوالِ سلف حصہ سوم" میں پانچویں چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے نصفِ اوّل کے اولیاء ومشائخ عظام رحمہم اللہ اور چند سلاطین ہند کے احوال واقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

"اقوالِ سلف حصہ چہارم" میں آٹھویں صدی نصفِ آخر سے دسویں صدی ہجری تک کے اولیاء کرام، مشائخ عظام اور سلاطین ہند کے مختصر احوال وارشادات نقل کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے۔

"اقوالِ سلف پنجم" کا آغاز انشاء اللہ گیارہویں صدی ہجری کے اولیاء کرام سے کیا جائے گا۔ واللہ ولی التوفیق

حضرت شیخ محمد اسمٰعیلؒ قریشی ہاشمی سہروردیؒ بمہرولی الہ آباد المتوفی ۷۴۹ھ

نسب آپ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے اور شیخ صدرالدین عارف ملتانیؒ کے بیٹے ہیں۔ آپ موضع بمہرولی (الہ آباد) کے مخدوم شاہ کے نام سے مشہور ہیں۔

ولادت ۶۵۹ھ مطابق ۱۲۶۰ء میں شہر ملتان میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم آپ اپنے والد ماجد شیخ صدرالدینؒ اور دادا شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے کہنے پر سہروردی سلسلہ میں داخل ہوئے۔ اور اپنے والد ماجد اور اپنے بڑے بھائی شیخ رکن الدین المعروف بہ شاہ رکن عالمؒ کے ذریعہ سلوک طے کیا۔ شاہ رکن الدینؒ اپنے بھائی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے دہلی دورہ کے دوران جو ہندوستان کے بادشاہ علاؤالدین خلجی کی دعوت پر کیا تھا ان کو وہ ساتھ میں لیتے گئے تھے۔ اُس وقت ان حضرات نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے بھی ملاقات کی تھی۔

ملتان سے الہ آباد حضرت شیخ اسمٰعیلؒ زیادہ تر ملتان ہی میں رہا کرتے تھے اور خانقاہ کے تعلیمی و تبلیغی کاموں میں مشغول رہا کرتے تھے۔ بھائی کی وفات سے قبل ہی ان کو کشف و الہام کے ذریعہ

ع آپ کا تذکرہ "تاریخ مشائخ الہ آباد" اور مکرم خالد عمر صاحب کانپوری نے جو تحقیقی مضمون لکھا ہے وہ بدست عزیزم وصی اللہ فضیل ابن حکیم شفیع اللہ صاحب محی الدین پور الہ آباد سے موصول ہوا اسی سے اقتباسات نقل کئے ہیں۔ (مرتب)

الہ آباد جانے کے لئے فرمایا گیا۔

چنانچہ وہ پہلے دہلی پہنچے۔ اُس وقت کے بادشاہ علاؤالدین خلجی اور ان کے خلیفہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد اُنھوں نے دہلی سے الہ آباد کا سفر کیا اور کڑا ہوتے ہوئے بھرولی گاؤں میں سکونت اختیار فرمائی۔

سید شعبان الملت جھونسویؒ کی خدمت میں

ایک روز مولانا اسمٰعیل قریشیؒ نے اپنے جد محترم مخدوم بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کو خواب میں دیکھا۔ مخدوم مذکور نے ان سے فرمایا کہ ہماری جانب سے جو نعمتِ باطنی باقی رہ گئی تھی اس کو سید شعبانؒ سے جو کہ اس جانب کے خلفاء میں سے ہیں اور تمھارے گھر ہی کی نعمت اور دولت اُن کے پاس ہے، ان سے حاصل کرو۔ حضرت اسمٰعیلؒ یہ حکم پاکر مخدوم سید شعبان الملتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے جد محترم کے ارشاد کے بموجب اُن سے التماس کیا۔ اُنھوں نے جو نعمت باقی تھی ارشاد و تربیت کر کے اس کی تکمیل فرمادی۔

(تاریخ مشائخ الہ آباد ص۹۳)

شریعت پر عمل کا اہتمام

آپ شریعت کے بنیادی اصولوں پر بہت سختی سے عمل کرتے تھے۔ شریعت کے خلاف کسی چیز کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے سماع کے نام پر گانے بجانے ناچنے کی سختی سے مخالفت کی اور اللہ کے بندوں کو اپنے معبود حقیقی کی خالص عبادت پر توجہ دینے کی تلقین فرمائی۔ اسی طرح آپ نے دعوت و تبلیغ کا کام بخیر و خوبی انجام دیا۔

مسجد کی تعمیر آپ نے گنگا ندی کے کنارے ایک ٹیلہ پر ایک شاندار مسجد کی تعمیر کی، جو اب بھی اُسی شان سے ماشاء اللہ موجود ہے، بلکہ اُس کے اندر مزید توسیع و تحسین کر دی گئی ہے۔

وفات آپ کو "مخدوم ہند" کے محترم و موقر خطاب سے نوازا گیا، جس سے سال وفات ۷۴۹ھ مطابق ۱۳۴۸ء نکلتا ہے۔ یہ اس تحریر میں مرقوم ہے جو عزیزم شاہ سیف اللہ ملقب بہ سعد بن حضرت شاہ عبید اللہ صاحبؒ سے حاصل ہوئی۔ جزاہم اللہ تعالےٰ۔

آپ کی مزار آپ کی تعمیر فرمودہ مسجد کے احاطہ میں ہے۔ نوّر اللہ مرقدہ

الحمد للہ آپ کی مسجد میں بار بار نماز ادا کرنے اور متعدد بار مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ (مرتب)

بیت المعارف الاسلامیہ، بخشی بازار، الہ آباد

۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ م ۲۲ جنوری ۲۰۱۳ء

آپ کے مزار کی خصوصیت آپ کے مزار پر کوئی بڑا مینار نہیں ہے لیکن ایک بڑا خوبصورت گنبد ضرور ہے مگر اس مزار پر موجودہ زمانہ کی طرح کوئی عرس و میلاد وغیرہ کی غلط رسم و بدعت کا نام و نشان تک نہیں ہے، جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حضرت شیخ اسمٰعیلؒ شریعت مطہرہ کی پابندی کتنی سختی سے کرتے تھے جس کا اثر اُنکی وفات کے بعد بھی نمایاں ہے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ شہاب الدینؒ سجادہ نشین ہوئے۔ مخدوم شیخ تقی جھونسی کے صاحبزادے محمد تقی

عثمان الاکبر کی شادی آپ کے گھر ہوئی۔

مرأۃ الاسرار کے مصنف کی زیارت "مرأۃ الاسرار" کے مصنف نے (شاہ جہاں کے دور حکومت میں) خاص طور پر اس مسجد و مزار کی زیارت کی اور ان کا تأثر تھا کہ یہ نہایت متبرک جگہ ہے۔

ف: چنانچہ حضرت مرشدی مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ جب اپنی صاحبزادی عقیلہ خاتون رحمہا اللہ کی وفات ہی کے روز ۳ر شوال ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء کو بھروٹی اپنے خاص محب و مرید مکرم چودھری حبیب الرحمن صاحبؒ (متوفی ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۲ء) کے مکان تشریف لے گئے اور مہینوں قیام رہا۔ آپ مزار اقدس پر حاضر ہوئے تو بے ساختہ فرمایا کہ "اللہ اکبر، یہ انوار و برکات، جو بالکل عیاں ہیں"۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو انکے انوار و برکات سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین! (مرتب)

آپ کا اخفاءِ حال آپ اپنے حال و مقام کا اخفاء فرماتے تھے اس لئے آپ کی شہرت زیادہ نہ ہوئی جبکہ ہر خطہ سے بہت سے طلبہ مثلاً کڑا، مانکپور، ظفر آباد، جونپور، جھوسی وغیرہ سے آئے اور شاگردی اختیار کی، مگر آپ نے صرف تین حضرات کو خلافت عطا کی۔

خلفاء (۱) شیخ عبدالرحیمؒ (۲) شیخ علیؒ (۳) سید محمد شاہ کڑک مجذوب ابدالؒ المتوفی ۱۰۷۱ھ کڑا مانکپور، الٰہ آباد۔ اور کڑک شاہ ولایت و بزرگی میں اپنے پیر محمد اسمٰعیل قریشیؒ سے بھی زیادہ معروف و مشہور ہوئے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرَاقِدَھُمْ۔

ف حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ موضع بھروٹی کے علاوہ موضع اسروٹی مکرم مولانا مقبول احمد صاحبؒ قاسمیؒ کے یہاں، اسی طرح قصبہ جائس مکرم حاجی محمد شفیع صاحبؒ کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔ نیز مکرم مولانا محمد فاروق صاحبؒ کے موضع اُمرتاؤں، الٰہ آباد بھی گاہے گاہے تشریف لے جاتے تھے۔ یہ سبھی حضرات اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں پہنچ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین! (مرتب)

حضرت سید علی شعبانؒ الملت جھونسی آلہ آبادی المتوفی ۷۶۰ھ

نام ونسب نام نامی اسم گرامی آپ کا سید علی مرتضیٰ ہے۔ لقب علی شعبان اور شعبان الملت الدولت ہے۔ شعبان بیابانی سے بھی مشہور ہیں۔ شعبان کے لقب کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ عین شب برات کے روز متول ہوئے۔ آپ حضرت سید محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پرپوتے ہیں۔ چنانچہ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سید علی مرتضیٰ شعبان الملت بن سید بدر عالم بدر الدین بن صدر الدین بن سید محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ۔

ولادت آپ کی ولادت مقام لہندی میں ہوئی جو سکھر اور بھکر (سندھ پاکستان) کے متصل ایک موضع ہے۔

تلاش مرشد جب آپ کی عمر شریف تیس سال کو پہنچی تو عشق الٰہی نے جوش کیا اور مضطرب و بےچین کر دیا۔ وصل محبوب کی فکر لاحق ہوئی چنانچہ جس جگہ خبر عارفان حق و حقیقت کی سنتے وہاں پہنچ کر ان کی ملازمت و صحبت اختیار کرتے اسی فکر میں ملتان تشریف لائے، عارف باللہ حضرت شمس الدین عریض علیہ الرحمۃ کی زیارت و ملاقات سے مشرف ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت

ؔ حضرت مولانا محمد فاروق صاحبؒ (المتوفی ۱۴۲۱ھ) موضع اُنراؤں ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مسترشدین میں سے تھے، انھوں نے "تذکرہ اولیائے جھونسی" کے نام سے وہاں کے اولیاء کی سوانح لکھی ہے۔ اس سے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں۔ (مرتب)

موصوف نے آپ کے حق میں بہت سی تفصیلات فرمائیں اور فرمایا کہ تمھارا نصیبۂ ارادت دوسری جگہ ہے، تمھارا نصیب ولایت سلوک ہے اور یہاں تربیت جذب ہے۔ یہ سن کر آپ نے عرض کیا کہ جہاں ہمارا نصیب ہے ارشاد فرمایا جائے۔ حضرت شمس الدین ؒ نے ارشاد فرمایا، حضرت مخدوم شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سہروردی کے پوتے حضرت شاہ رُکن الدین ابو الفتح سہروردی کی خدمت میں جاؤ۔ چنانچہ آپ اُن کی خدمت میں پہنچے۔ جونہی حضرت مخدوم شاہ رُکن الدین ابو الفتح نے سید شعبان الملت کو دیکھا نظر پڑتے ہی بہت خوش ہوئے اور فرمایا الحمدللہ، ایک شیر نر ہمارے دام (جال) میں آیا ہے۔ اور بڑی توجہ اور شفقت فرمانے لگے۔

اس کے بعد اسی عرصہ میں حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے بھی ملاقات میسّر ہوئی۔ ان سے بھی مستفید ہوئے۔ پھر چند مدّت کے بعد حضرت سید شعبان الملت نے حضرت شیخ رُکن الدین کی خدمت میں بیعت کی درخواست پیش کی حضرت شیخ نے فرمایا، شیخ منہاج الدین حسن حاجی الحرمین جو کہ بہار میں متمکن ہیں تمھارا نصیب وہاں ہے۔ اس لئے وہاں جا کر ان سے بیعت ہو جاؤ۔

حضرت مخدوم شعبان الملت نے بحکم شیخ موصوف بہار جانے کے لئے رختِ سفر باندھ لیا اور روانہ ہو گئے۔ اور وہاں پہنچ بھی گئے۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت مخدوم شاہ منہاج الدین ؒ بیرونِ شہر سرِ راہ کھڑے ہیں۔ اُن کو دیکھتے ہی پکار اُٹھے کہ: بیا بیا سید کہ من انتظار تو بودم۔ (آؤ آؤ اے سید! کہ میں تیرے انتظار ہی میں تھا۔)

انھوں نے دوڑ کر قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ پھر جائے قیام پر تشریف لے گئے۔ حضرت مخدوم شعبان الملت وہاں رہنے لگے۔ اور ایک دو دن، دس بیس دن نہیں، بارہ سال تک مجاہدہ وریاضت وعبادت میں مشغول رہے اور بارہ سال کے بعد حضرت مخدوم حاجی الحرمین منہاج الدین نے شعبان الملت کو حیطۂ بیعت میں داخل کیا۔ اور فرمایا کہ تمھارے رہنے کی جگہ شیخ پورہ ہے وہاں جاکر اقامت اختیار کرو۔ چنانچہ اپنے مخدوم شیخ کے حکم سے دو سال اور اقامت گزیں رہے، اور دولت ونعمت باطنی سے مالا مال ہو گئے۔ ایک دن حضرت مخدوم منہاج الدین نے حضرت مخدوم شعبان الملت کو حضور میں طلب کیا اور فرمایا کہ آج رات خواب میں پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، میں نے دیکھا کہ گویا آپ کو اس جگہ سے رخصت فرما رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ پیاگ (پریاگ) جائے کفاراں ہے، اس جگہ پہنچ کر رسم اسلام جاری کرو۔

سید شعبان الملت یہ حکم سُن کر پریاگ یعنی الہ آباد آنے کے لئے تیار وآمادہ ہو گئے۔ اور بالآخر پچاس فقرا، اہل اللہ واصل بحق یاران طریقت میں سے ہمراہ لے کر الہ آباد کی جانب چل پڑے۔ اور چلتے چلتے جھونسی پہنچے۔ اس وقت جھونسی کا نام ہڑبونگ پور تھا۔ راجہ ہڑبونگ حکومت کرتا تھا۔ جھونسی کے دکھن جانب جھاڑیاں بہت زیادہ تھیں، اُنہی جھاڑیوں میں مع پچاس ہمرکاب فقرا کے قیام پذیر ہو گئے۔ نماز کا وقت ہوا تو لب دریائے گنگا ان فقرا اللہ نے اذان نماز کے لئے اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔ کفرستان میں نعرۂ تکبیر وتوحید کی آواز گونجی۔ اس آواز کا بلند ہونا اور گونجنا تھا کہ شرک کے خرمن میں آگ لگ گئی

معبد کفر میں کھلبلی مچ گئی۔ کافر راجہ ہڑ بونگ کے کان میں آواز اذان پہنچی تو کہا
یہ ملیچھ کہاں سے آیا ہے جو ہماری بستی میں اذان دیتا ہے۔ طاقت کے نشہ میں چور
راجہ کی نظروں میں چند بے نوا فقیروں کی کیا حقیقت تھی۔ مسکین کو کیا خبر کہ غیبی طاقت
ان کی تائید میں ہے اور وہ خدائے ذوالجلال والاکرام کے حکم سے سردار دو جہاں
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں۔ بہر حال اپنے آدمیوں کو بھیج کر کہلایا کہ
تم مسلمان ہو اور یہ جگہ جائے ہنوداں ہے۔ یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ تمہارا یہاں
رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ حضرت مخدوم شعبان الملت رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت
استغنا، اور لاپروائی سے جواب میں کہلوایا کہ جاکے راجہ سے کہہ دو کہ میں اللہ
کے اور اپنے پیر کے حکم سے آیا ہوں اور یہاں اقامت اختیار کرلی ہے۔ نہ تمہارے
بلانے سے آیا ہوں نہ تمہارے کہنے سے جاؤں گا۔ خوب سمجھ لو کہ ہم کو یہاں
رسم اسلام جاری کرنا ہے، جانا اور بھاگنا نہیں ہے۔ راجہ مردود کو بھلا اس
بات کے سننے کی کہاں تاب تھی۔ اپنے چند سپاہیوں کو بھیجا اور حکم دیا کہ جاؤ
اور ان سب کا سر تن سے جدا کرکے دریا میں پھینک دو۔ سپاہی حضرت مخدوم کی
طلب میں پہنچے اور چاہا کہ تلوار سے قتل کردیں، مگر تائید غیبی آپ کے ساتھ تھی۔
چنانچہ حضرت مخدوم نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور بچشم جلال
بنگاہ گرم اتنی زور سے چند مخصوص الفاظ میں ایسا نعرہ مارا کہ ان تمام کافر سپاہیوں
کے سر یکبارگی تن سے جدا ہو کر الگ جا پڑے۔ جب یہ خبر راجہ کو پہنچی تو آگ بگولا
ہو گیا۔ اور خود سوار ہو کر مع لشکر وہاں جا پہنچا۔ کچھ دیر تک تلوار کا بازار گرم
رہا۔ تقدیر الٰہی سے آپ کے یاران طریقت میں سے سات فقیر درجۂ شہادت
سے فائز المرام ہوئے۔ پھر حضرت مخدوم کھڑے ہوگئے اور بچشم جلال بنگاہ گرم

اتنی زور سے چند مخصوص الفاظ میں ایسا نعرہ لگایا کہ نعرہ کے بلند ہوتے ہی راجہ ہڑبونگ اور اس کی پوری فوج کے سر تن سے جدا ہو کر الگ جا پڑے۔ مگر ابھی آپ کا جلال ترقی پر تھا۔

جھونسی کے قلعہ کا متزلزل ہونا

دوبارہ اُس قلعہ کی جانب نگاہِ گرم ڈالی اور پُرجلال نعرہ بلند فرمایا۔ راجہ کا قلعہ متزلزل ہو کر چکر کھانے لگا، آخر بیخ و بنیاد سے اُکھڑ کر اُس کی عمارت زیر و بالا ہو گئی۔ اور اب بھی اُس کا نشان موجود ہے۔ اور وہ کافر مع افواج کے جہنم رسید ہو گیا۔ باقی تمام ہنود ان اس زلزلہ سے خوف زدہ ہو گئے اور اسلام کی آغوش میں آگئے اور رسم اسلام جاری ہو گئی۔ مخدوم صاحب سید شعبان الملت قدس سرہٗ نے اسی جگہ اقامت فرمائی اور چند مدت تک وہاں اقامت گزیں رہے۔ اس کے بعد چند فقرا کو جھونسی میں چھوڑ کر حویلی پریاگ میں یعنی سید سرایاں کے قریب موضع چرئی تشریف لے گئے۔ اور وہیں عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ ادھر آپ کے محترم شیخ مخدوم شاہ منہاج الدین حاجی الحرمین نے مکہ معظمہ کی زیارت کا قصد فرمایا اور بہار سے روانہ ہو گئے اور جھونسی پہنچے۔ جب وہاں پہنچے تو پوچھا کہ ہمارے یار سید شعبان الملت کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حویلی پریاگ کے موضع چرئی میں چلہ میں بیٹھے ہیں۔ مخدوم منہاج الدین وہاں کے لئے روانہ ہو گئے اور وہ موضع معلوم نہ تھا کہ کہاں ہے۔ سید سرایاں کے متصل ایک باغ تھا اسی باغ میں بیٹھ گئے۔ ادھر سید شعبان الملت کو ازراہِ کشف معلوم ہو گیا کہ مخدوم صاحب تشریف لائے ہیں اور میری جستجو میں ہیں، بیتاب ہو گئے۔ کوئی شخص خدمت میں برائے نذر دودھ لایا تھا، وہ

اور تھوڑا سا چاول آپ کے حجرے میں وہی موجود تھا۔ وہ چاول اسی دودھ میں ڈال کر اوپر سے خوان اوڑھا کر بخدمت پیر و مرشد دوڑتے ہوئے روانہ ہو گئے جس وقت اس باغ کے قریب پہنچے جس میں پیر و مرشد رونق افروز تھے حضرت مخدوم منہاج الدین نے دیکھا کہ باوجود اس رسوخ کے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دوڑتے ہوئے شعبان الملت چلے آرہے ہیں۔ دیکھتے ہی پیر و مرشد نے فرمایا۔ تعال یا سیدی مرحبا (یعنی آئیے اے سیّد مرحبا) مخدوم صاحب نے وہ شیر و برنج (دودھ چاول) نہایت خوشی سے تناول فرمایا اور بچا کھچا سید شعبان کو دیا اور فرمایا، کھا! تاکہ تیرے فرزندان و مریدان قیامت تک کھائیں۔ اور جو نعمت باطنی باقی رہ گئی تھی شیخ نے وہیں عنایت فرمادی اور فرمایا "بابائے من کارت باتمام رسید" (یعنی اے میرے بیٹے! تیرا کام اتمام کو پہنچ گیا یعنی پورا ہو گیا۔)

اس کے بعد مختصر مدت تک حضرت مخدوم منہاج الدین موضع چرئی میں رونق افروز رہے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ اور بوقت رخصت فرمایا کہ میں مکہ معظمہ جا رہا ہوں اور وہیں وفات پاؤں گا۔ اور تم بہار جا کر وہ خرقہ جو کہ ہمارے پیر شیخ نجم الدین ابراہیم نے ہم کو دیا تھا اور ان کو ان کے شیخ رکن الدین ابوالفتح نے دیا تھا، وہ خرقہ میں نے تم کو بخشا۔ تم وہاں جا کر اس خرقہ کو پہنو اور چند مدت وہاں مقیم رہ کر پسر فقیر صدرالدین کی تربیت کر کے پھر جھونسی میں آکر اقامت اختیار کرو۔

یہ وصیت فرما کر حضرت مخدوم منہاج الدین حاجی الحرمین قدس سرہٗ تو بطرف مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور سید شعبان الملت علیہ الرحمۃ بحکم پیر بہ طرف بہار روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ شیخ

صدر الدین نے اپنے والد محترم مخدوم منہاج الدین کی ہجرت کے بعد ہر چند قصد فرمایا کہ قفل کھول کر خرقہ شیخ کو نکال کر پہنیں، مگر قفل کھولنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آخرش مخدوم سید شعبان نے پہنچ کر قفل کھولا اور مطابق حکم پیر خرقہ نکال کر زیب تن فرمایا۔ اور چند مدت وہاں رہ کر صاحبزادہ صاحب کی تربیت فرماکر واپس آگئے اور جھونسی میں قیام پذیر ہو گئے۔

حضرت سید شعبان تصوف اور توحید میں قوم صوفیہ کے پیشوا تھے۔ بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے خواہر زادہ یعنی بھانجے حضرت مخدوم علاء الدین سید علی صابر کلیری قدس سرہٗ سے بھی ملاقات ہوئی ہے۔

کرامات آپ کی بہت سی کرامات ہیں۔ مگر بغرض اختصار ہم نقل کرنے سے قاصر ہیں۔

خواب

ایک دن حضرت مولانا اسمٰعیل قریشی جو کہ حضرت مخدوم بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس اللہ سرہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ جن کی قبر الہ آباد شہر کے قریب موضع بھرولی میں ہے، انھوں نے ایک روز اپنے جد محترم حضرت مخدوم بہاؤ الدین زکریا ملتانی رح کو خواب میں دیکھا، مخدوم مذکور نے ان سے فرمایا کہ ہماری جانب سے جو نعمت باطنی باقی رہ گئی تھی اس کو سید شعبان سے جو کہ اس جانب کے خلفاء میں سے ہیں اور تمھارے گھر ہی کی نعمت اور دولت ان کے پاس ہے ان سے حاصل کرو۔ حضرت مخدوم اسمٰعیل قریشی رح یہ حکم پاکر حضرت مخدوم سید شعبان الملت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے جد محترم کے ارشاد

وحکم کے بموجب ان سے التماس کیا۔ انھوں نے جو نعمت باقی تھی ارشاد و تربیت کر کے اس کی تکمیل فرمادی۔ درمیان ہر دو بزرگوار بہت ہی اخلاص رہا۔ بعد پانچ سال کے آپ کے فرمانے سے شاہ غالب جن کی درگاہ بلکھ موضع مواں ضلع الہ آباد میں ہے اور حضرت محمد بن ابی بکر کی اولاد سے ہیں، انھی شاہ غالب کی صاحبزادی سے ان کی شادی ہوگئی۔

اولاد سید شعبان الملت کے چار اولادیں تھیں، دو بیٹے اور دو بیٹیاں ایک بیٹے علی العام تھے جن کو عمر شہید کہتے ہیں۔ یہ جنگ کفاراں میں شہید ہوگئے۔ دوسرے فرزند مخدوم سید شیخ تقی الدین قدس سرہٗ ہیں، جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ دو صاحبزادیاں صالحہ اور جیفہ تھیں۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

وفات دنیا میں سو سال رہ کر ۳ ریا ۱۳ ذی الحجہ ۷۶۰ھ بروز پنجشنبہ اسلام کا یہ علمبردار، عاشق جانباز، سرفروش مجاہد، شیر حق، اللہ کا ولی اس دار فانی کو خیر باد کہہ کر رحمت الٰہی کی آغوش میں پہنچ گیا۔ آپ کی قبر جھونسی (الٰہ آباد) میں ہے۔ گنگا اور جمنا دونوں دریا آپ کے زیر مقبرہ ملاقی ہوئے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ (تذکرہ اولیائے جھونسی)

ف: الحمد للہ آپ کی مزار پر حاضری ہوئی ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ (مرتب)

حضرت مخدوم شیخ تقی الدّین جھونسی، الٰہ آباد المتوفی ۷۸۵ھ

نام ونسب نام نامی واسم گرامی آپ کا صدرالحق ہے۔ کینت علی اکبر ہے اور لقب آپ کا قدوۃ العارفین، امام المتقین، سراج الاولیاء، مکشوف الاسرار، حضرت مخدوم حضرت شیخ سید تقی الدین قدس اللہ سرہ العزیز ہے۔ والد کا نام سید علی شعبان الملت جھونسوی ہے۔

ولادت وتربیت ولادت آپ کی بروز پنجشنبہ ۲۰ ۷ھ جھونسی میں ہوئی۔ سن شعور کو پہنچے اور تعلیم وتعلم سے فراغت کے بعد اپنے پدر محترم حضرت سید شعبان الملت سے مرید ہوئے۔ اہل طریق سہروردیہ بتمام وکمال اپنے پدر محترم سے حاصل کیا۔

بخارا کا سفر اس کے بعد حضرت مخدوم سید شعبان الملت نے آپ کو سیر وسیاحت کیلئے رخصت کیا۔ آپ سیر وسیاحت کرتے ہوئے ولایت توران یعنی ترکستان کے شہر بخارا پہنچے، وہاں خواجہ بزرگ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کے والد محترم حضرت میر سید محمد بخاری ابن سید عبدالحق کبیر کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ انہی کی خدمت اقدس میں رہ پڑے اور بارہ سال تک انہی کی صحبت کے ملازم رہے۔ اور مجاہدہ وریاضت میں مشغول رہے۔ حضرت میر سید محمد بخاریؒ بتمام وکمال آپ کی تربیت وتکمیل فرماتے رہے اور آپ پر بیحد شفیق ومہربان رہے۔ سلسلہ ان کا خضرویہ تھا، پیشہ وکسب ان کا قالین بافی اور نقشبندی تھا۔ سید نجیب تھے۔ گیارہ واسطوں سے امام علی موسیٰ رضا پر سلسلۂ نسب منتہی ہوتا ہے۔ (تذکرہ اولیاء جھونسی، مؤلفہ حضرت مولانا محمد فاروق صاحب اُترانوں)

سید محمد بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو اولادیں تھیں۔ ایک بیٹے تھے خواجہ بزرگ خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ جو سلسلۂ علیہ کے

نقشبندیہ کے سید الطائفہ تھے۔ اور صاحبزادی حضرت رخ ماہ بیگم تھیں۔ حضرت میر سید محمد بخاری نے اپنی صاحبزادی حضرت رخ ماہ بیگم کو حضرت مخدوم شیخ تقی الدین جھونسوی کے حبالۂ عقد میں دے دیا تھا۔ اکثر نعمت باطنی حضرت شیخ تقی الدین کو انہی حضرت سید محمد بخاری سے حاصل ہوئی۔ بوقت وصال حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند پدر محترم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ پدر محترم نے فرمایا کہ تمھارا نصیبہ بخدمت بابا امیر کلال ہے۔ اُنہی کی خدمت میں جاؤ۔ جو کچھ مجھ میں تھا میں نے بابا تقی کو دیا۔ پھر حضرت شیخ تقی سے فرمایا۔ بابا تقی! جو کچھ شیخی میں نے اپنے پیر سے پائی تھی وہ تجھ کو دیا۔ یہ لفظ کہہ کر دار فنار سے خاموش ہو کر دار بقار کی طرف رحلت فرما گئے۔ اسی وقت سے سب لوگ خورداں و بزرگاں مخدوم شیخ تقی کو شیخ ہی کے خطاب سے یاد کرنے لگے۔ چنانچہ یہ لفظ شیخ حضرت کی زبان مبارک ہی کی برکت ہے۔ اسی لئے مخدوم صفیؒ نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے کہ جو بھی ہمارے فرزندوں میں سے ہو اور طریق سجادگی میں ہو اپنے کو شیخ کہے۔

ہندوستان آمد پھر حضرت سید محمد بخاری قدس سرہٗ کی وفات کے بعد حضرت شیخ تقی قدس سرہٗ نے مع اہل وعیال ہندوستان کی طرف مراجعت فرمائی واپسی میں جب دہلی پہنچے تو حضرت سلطان نظام الدین اولیار قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے بہت کچھ فیض حاصل کیا۔ حضرت سلطان الاولیأ کی نظر عنایت آپ پر بہت زیادہ تھی۔ حضرت آپ کو مفتئ تصوف کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت مخدوم تقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلطان جیو کو خواب میں دیکھا کہ انھوں نے ایک خرقہ پشمینہ اور ایک تاج
(ریشم)

ان کو عنایت فرمایا۔ اس خواب کے بعد آپ سلطان جتوّ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور خواب بیان کیا۔ حضرت سلطان جتو نے فرمایا۔ ہاں ہاں! میں نے بھی دیکھا ہے کہ آپ نے ایک سال تک حضرت سلطان شاہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں تربیت پائی ہے اور ایک سال کے بعد آں حضرت نے آپ کو خلافت دی ہے اور رُخصت فرمایا ہے۔ پھر حضرت سلطان جتوّ نے فرمایا کہ حضرت میر سید علاء الدین جیوری سے بھی ملاقات کرنی چاہیئے۔ یہ حکم پاکر آپ حضرت سید علاء الدین جیوری کی خدمت میں پہنچے۔ چنانچہ طلب مطلوب اور عشق الٰہی آپ کو چین نہ لینے دیتا تھا، جہاں اس آب حیات کا سراغ ملتا تشنگی بجھانے کے لئے وہاں پہنچ جاتے۔ مگر سیری نہ ہوتی تھی۔ حضرت بدیع الدین شاہ مدار مکنپوری کی خدمت میں بھی پہنچے۔ حضرت شاہ مدار نے پوچھا کہ آپ کا وصول کیا ہے؟ شیخ نے جواب دیا "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" حضرت بدیع الدین شاہ مدار نے پھر پوچھا لَآ اِلٰہ کس کو کہتے ہیں اور اِلَّا اللّٰہ کس کو کہتے ہیں؟ نفی کیا ہے؟ اور اثبات کیا ہے؟ مخدوم صاحب نے کہا۔ نفیٔ خود اور اثبات حق۔ پھر حضرت شاہ مدار نے پوچھا۔ طریق سہروردؒ کیا ہے؟ فرمایا فراموشیٔ خود۔ پوچھا خود کیا چیز ہے! اور خدا کیا چیز ہے؟ فرمایا۔ خود موہوم اور خدا موجود۔

یہ باتیں تو مجلس میں ہوئیں۔ سب لوگوں نے سُنی اور تین روز تک دونوں بزرگ خلوت میں رہے، معلوم نہیں وہاں کیا سوال و جواب ہوئے۔ تین روز بعد حجرہ سے باہر آئے۔ اور اب حضرت شاہ مدارؒ مخدوم صاحب کے سامنے ادب اور تعظیم کے ساتھ بیٹھے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ الحمدُ للّٰہ

اس دیار میں ایک اللہ کا ولی ہم نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد حضرت مخدوم وہاں سے رخصت ہو گئے۔

حضرت مخدوم صاحبؒ کی ایک رباعی ملاحظہ فرمائیں:۔

خواہی کہ شوی داخلِ اربابِ نظر   از قال بحال با بدست کرد گذر

از گفتن توحید موحّد نشوی   شیریں نہ شود دہاں از نام شکر

(ترجمہ: اگر تم چاہتے ہو کہ اصحابِ نظر میں سے ہو جاؤ تو تم قال سے گزر کر حال کے دائرے میں آجاؤ۔ کیونکہ صرف توحید کا نام لینے سے موحّد نہ ہو جاؤ گے۔ جیسا کہ صرف شکر کا نام لینے سے منہ میٹھا نہیں ہوا کرتا۔)

ف: یہ رباعی آپ کے ملفوظات میں پوری تعلیم کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ توحید کے مقام تک ہم سب کو پہنچائے۔ آمین! (مرتّب)

ایک شخص نے حضرت مخدوم سے آکر سوال کیا کہ یا شیخ! مستِ توحید کیا ہے؟ فرمایا۔ سہو المعلوم ومحو الموہوم۔

آپ سے خرقِ عادات وکرامات بہت زیادہ ظاہر ہوئیں۔ تصوف اور توحید میں آپ پیشوائے قوم تھے۔ جذب اور استغراق آپ کے اندر بدرجہ اتم تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ " ازاں وقتیکہ فقیر شدہ ام نہ خوردہ ام نہ نوشیدہ ام نہ خسپیدہ ام، نہ بیدار شدہ ام، نہ نشستہ ام، نہ ایستادہ ام، نہ دیدہ ام نہ شنیدہ ام، نہ دانستہ ام" یعنی جب سے میں فقیر ہوا ہوں نہ کھایا ہے نہ پیا ہے نہ سویا ہوں نہ جاگا ہوں، نہ بیٹھا ہوں نہ کھڑا ہوا ہوں، نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے نہ جانا ہے

استغراق اس درجہ اور اس مرتبہ پر تھا کہ اپنے مراقبہ کی خبر نہ تھی، اتنا نہیں جانتے تھے کہ یہ کونسا دن اور کونسا مہینہ ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے پاس ایک کاغذ لایا اور عرض کیا کہ اے شاہ! اس کاغذ پر اپنا نام لکھ دیجئے۔ آپ نے قلم اٹھایا مگر

تحیر کا عالم طاری تھا، قلم ہاتھ میں لئے ہوئے متحیر تھے۔ خادم سمجھ گیا کہ شیخ اپنا نام بھول گئے ہیں لہذا خادم نے عرض کیا کہ نام شیخ تقی ہے۔ تب شیخ نے اپنا نام اس کاغذ پر لکھا ہے۔ ایک روز جامع مسجد تشریف لے گئے اور دروازے پر پہنچ کر متحیر ہو کر در پر کھڑے تھے۔ خادم سمجھ گیا کہ حضرت اپنا داہنا پاؤں فراموش کر گئے ہیں۔ چنانچہ خادم نے اپنا ہاتھ شیخ کے داہنے پیر پر رکھا اور کہا کہ شیخ کا داہنا پیر یہ ہے۔ تب حضرت مخدوم نے اپنا داہنا پیر مسجد میں رکھا۔

وفات عمر آپ کی پینسٹھ سال ہوئی۔ ۷، ذی الحجہ ۷۸۵ھ کو وفات ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ

ہست تاریخ وفاتش مخزن اسرار سنج — نام السیّد تقی ہفت صد و ہشتاد و پنج

"قطب گنج العرش" تاریخ وفات ہے۔

اولاد حضرت شیخ تقی الدینؒ کی دو اولادیں تھیں۔ ایک کا نام علی اکبر جنکی کنیت ابو جعفر اور لقب سید شاہ محمد تھا چنانچہ سید محمد ابو جعفرؒ سے یاد فرمائے جاتے تھے۔ ان کی ولادت جھونسی میں ہوئی۔ تیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ یہ حضرت مخدوم صاحبؒ کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے۔ انکی شادی سید سراج الدین بن سید ضیاء الدین بن میر سید محمد حقانی کے وہاں ہوئی تھی اور دو بیٹے چھوڑے تھے۔ سید سلطان شہاب الحق دوسرے سید سلطان بہاؤ الحق۔ سلطان بہاؤ الدین کو ولایت اٹک سپرد فرمائی اور دوسرے بیٹے حضرت سید سلطان شہاب الحق قدس سرہ کو جھونسی میں اپنے آستانہ کا سجادہ نشین بنا دیا۔

پسر دوم حضرت مخدوم شیخ تقی الدینؒ کے حضرت شاہ عثمان الاکبر ہیں۔ یہ مخدوم صاحبؒ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ انکی کنیت علی اصغر، نام محمد تقی لقب عثمان الاکبر تھا۔ انکی ولادت جھونسی میں ۷۳۷ھ میں ہوئی۔ عمر چوراسی سال، وفات ۸۲۱ھ میں ہوئی۔ تاریخ وفات "بہر فلک آفتاب" مشہور ہے۔ ان کی شادی شیخ شہاب الدین ابن حضرت مخدوم اسمٰعیل قریشی (بہرولی) کے یہاں ہوئی۔ (تذکرہ اولیائے جھونسی)

حضرت شیخ سراج الدین عثمان گوری (بنگال) المتوفی ۷۵۸ھ

(صاحب ہدایۃ النحو)

تعارف عارف کبیر شیخ سراج الدین عثمان چشتی نظامی معروف بہ اخی اودھی ؒ دین حق کے نیّر تاباں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محمد بدایونی دہلوی ؒ کے نمائندے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی ؒ، شیخ عبد الحق پنڈوی ؒ، شیخ وجیہ الدین یوسف ؒ، شیخ یعقوب ؒ، شیخ مغیث ؒ، شیخ برہان الدین ؒ وغیرہم حضرات جو سرزمین ہند کے مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے، ان ہی میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ (ظفر المحصلین ص ۳۹۴)

خلافت آپ گور (لکھنوتی) مالدہ بنگال کے باشندے تھے، مگر اپنی زندگی کا کافی حصہ شیخ حضرت نظام الدین ؒ کے پاس دہلی میں جاکر گذارا۔ خلافت سے نوازے گئے اور دیار گور و پنڈوہ میں اشاعت اسلام کی ذمہ داری سونپی گئی۔ لگ بھگ ۷۲۶ھ میں گور تشریف فرما ہوئے۔

فضل و کمال ان کے علو مرتبہ اور روحانی استعداد کی بنا پر سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء ؒ انھیں "آئینۂ ہندوستان" کہا کرتے تھے۔ آخی کہہ کر بھی مخاطب کیا کرتے تھے۔

"ہفت اقلیم" میں ہے کہ بنگالہ کے تمام بادشاہ آپ کے مرید ہوئے۔ آپ نے بنگال و آسام کے خطے میں اسلام کی تبلیغ فرمائی اور لاکھوں لاکھ بندگانِ خدا آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام اور بیعت ہوئے۔ آپ کے سب سے بڑے خلیفہ حضرت علاؤ الحق پنڈوی ؒ تھے۔ صاحبِ "بزم صوفیہ" رقمطراز ہیں:۔

حضرت شیخ اخی سراج الدین نے بنگال اور اس کے اطراف بہار اور آسام میں اسلامی تعلیمات پھیلائیں۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رح فرماتے ہیں :-

اخی سراج عثمان رح نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے نکل کر سارے بنگالہ میں آگ لگادی۔ پنڈوہ کے حضرت علاؤالحق رح انہی اخی سراج الدین عثمان رح کے تراشیدہ ہیں۔ (پیش لفظ پورنیہ کے دو ولی ص۷)

تصانیف آپ کی تصانیف میں "میزان الصرف، پنج گنج اور ہدایۃ النحو" بتائی جاتی ہیں، جو ماشاءاللہ ہمارے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ (ظفرالمحصلین ص۳۹۶)

وفات آپ کی وفات ۷۵۸ھ میں ہوئی۔ آپ کی مزار سعداللہ پور، گور، مالدہ (بنگال) میں ہے۔ نوَّر اللہ مرقدہٗ۔

(پیش لفظ، پورنیہ کے دو ولی ص۷)

حضرت کبیر الاولیاء محمد جلال الدین پانی پتیؒ المتوفی ۷۶۵ھ

نام ونسب نام محمد جلال الدین، لقب کبیر الاولیاء اور "مخدوم صاحب" والد کا نام خواجہ محمود ابن خواجہ یعقوب ہے۔

تعارف آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے خاندان کے خواجہ عبدالرحمٰن گاذرونی سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان پر حملہ میں شریک تھے۔ سلطان محمود واپس چلا گیا اور یہ پانی پت میں سکونت پذیر ہوگئے۔ پھر شاہی فرمان کے ذریعہ پانی پت کا پورا علاقہ آپ کے سپرد ہوگیا۔ آپ ہی کی اولاد میں کبیر الاولیاء محمد جلال الدین ہیں۔ (بزرگان پانی پت مولفہ مولانا سید محمد میاں صاحبؒ)

تعلیم وتربیت آپ کے بچپن ہی میں والد کا سایہ اُٹھ گیا تھا، عم محترم نے پرورش کی۔ آپ کی تعلیم کا تذکرہ صاحب "سیر الاقطاب" نے بلیغ انداز میں یوں فرمایا ہے:۔

(۱) از ایام طفلی محبت الٰہی وجذبہ شوق درگاہی گریبان گیر وقت ایشان بود۔ واکثر سر بصحرا نہادے ومشغول بذکر خدا ماندے۔	بچپن ہی سے اللہ کی محبت اور شوق درگاہِ خداوندی کا جذبہ آپ کے اوقات عزیز کے گریبان سے اُلجھا ہوا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اسی ذوق وشوق میں آپ کسی جنگل میں پہنچ جاتے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے۔

(۲) حضرت قطب ابدال شیخ شرف الدین بو علی قلندر قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز آنحضرت را از ہنگام طفولیت بغایت دوست می داشت و منظور نظر ایشاں بود چنانکہ ہر روز برائے دیدن ایشاں می رفت و حضرت را می دید۔ واگر آں قطب ربانی جائے می رفت و بجہاں جا تشریف می برد۔	حضرت شیخ بو علی قلندرؒ آنحضرت (حضرت کبیر الاولیارؒ) پر بچپن کے زمانہ سے ہی بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ وہ آپ کے کچھ ایسے منظور نظر تھے کہ ہر روز ان کو دیکھنے کے لیے جاتے تھے۔ اور اگر آپ (حضرت کبیر الاولیارؒ) مکان پر نہ ہوتے کہیں چلے جاتے تو آپ وہیں تشریف لے جاتے۔

بہر حال ان روایتوں سے یہ تو معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم صاحبؒ کی سیرت اور آپ کے اخلاق و کردار کی تعمیر میں حضرت قلندر صاحبؒ کے فیض صحبت اور آپ کی توجہ خصوصی کو بہت دخل ہے۔ لیکن علوم ظاہری کی تعلیم کا کچھ پتہ ان سے نہیں چلتا۔ البتہ آپ کی مشہور تصنیف "زاد الابرار" جو سلسلۂ ارشاد و طریقت کی اہم اور نہایت مفید کتاب ہے وہ آپ کی اعلیٰ قابلیت کی شہادت ہے۔

اور اس شہادت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے وطن عزیز (پانی پت) کے اساتذہ ہی سے تعلیم حاصل کی۔ (بزرگان پانی پت صـ۲۰۲)

بیعت حضرت مخدوم خواجہ محمد جلال الدین کبیر الاولیار رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت حضرت قطب ابدال (قلندر صاحبؒ) نے ہی فرمائی۔ اسی وجہ سے بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور محبوب حقیقی کی

طلب رگ وپے میں سرایت کرگئی تھی۔ حضرت قطب ابدالؒ کو آپ سے بدرجۂ غایت محبت تھی۔ اور آپ ہی نے مدارج معرفت طے کرائے، لیکن مرید نہ کیا۔ شیخ جلال (مخدوم صاحبؒ) جب کبھی مرید ہونے کی درخواست کرتے تو قطب ابدال محبت وشفقت کے الفاظ سے ٹال دیتے تھے۔

جب خواجہ شمس الدین ترک پانی پت تشریف لائے تو حضرت قلندر صاحبؒ نے خود شیخ جلال کو حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی (خلیفہ حضرت خواجہ صابر کلیری رح) کی خدمت میں مرید ہونے کے لئے بھیجا۔ اس طرح شیخ جلالؒ دولتِ قلندری سے مالا مال ہوکر دولتِ صابریؒ کے وارث بنے۔ رحمہ اللہ تعالےٰ۔

حضرت شیخ کی خدمت

بیعت ہونے کے بعد ہمہ وقت حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اور آپ کی خدمت کرنے کو حضرت کبیر الاولیاءؒ نے زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ آپ کو گوارا نہیں تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت شیخ کی خدمت سے علیحدہ ہوں، اسی بنا پر آپ نکاح کے لئے بھی آمادہ نہیں تھے۔

حضرت شمس الدین ترکؒ کی وفات ۷۱۵ھ میں ہوئی۔ اس حساب سے پچیس سال (۶۹۰ھ تا ۷۱۵ھ) حضرت کبیر الاولیاءؒ اپنے شیخ کی خدمت میں مصروف رہے۔

کمالات وکرامات

جس برگزیدہ شخصیت کو حضرت خواجہ شمس الدین ترکؒ جیسا شمس الاولیاء، واقف اسرار الٰہیہ تربیت فرمائے، اور اپنے روحانی فیوض وکمالات سے یہاں تک مالا مال کردے کہ جو کچھ

اُس کے پاس ہو وہ سب اس کے حوالہ کردے، تو اس کے کمالات کیلئے کسی مزید بیان اور تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم چند کمالات اور کرامتیں تحریر کی جاتی ہیں :۔

(۱) "سیر الاقطاب" میں آپ کا ایک کمال بیان کیا گیا ہے کہ :۔

آنحضرت ہر کجا خواستے در طرفۃ العین	آنحضرت (مخدوم صاحبؒ) جہاں جانا چاہتے
آنجا رسیدے وہمچناں باز آمدے	پلک کے ایک جھپکے میں وہاں پہنچ جاتے
ہر چند آں مقام دور تر بودے چنانکہ	پھر اسی طرح واپس آجاتے۔ خواہ وہ مقام
اکثر نماز جمعہ بکعبۃ اللہ ادا کردے۔	کتنا ہی دور ہوتا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اکثر آپ خانۂ کعبہ میں ادا فرماتے تھے۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک وزیر کا یہ کمال کلام اللہ شریف میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اُنھوں نے ملکہ بلقیس کے بہت بڑے تخت کو جسے قرآن حکیم نے "عرش عظیم" سے تعبیر کیا ہے، پلک جھپکنے سے بھی پہلے سینکڑوں میل کے فاصلہ پر (یمن سے شام) پہنچا دیا تھا۔

اُس وزیر کی خصوصیت قرآن حکیم میں یہ بیان فرمائی گئی ہے "عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ" اس کو کتاب (تورات) کا ایک علم حاصل تھا۔

پس جب تورات کے عالم کو اللہ تعالیٰ نے یہ کمال عطا فرمایا تھا تو کچھ بعید نہیں کہ قرآن حکیم کے کسی صاحب علم کو یہ کمال حاصل ہو کہ وہ پلک جھپکنے بھر میں کہیں سے کہیں پہنچ جائے۔

ف : یہ ان کی کرامت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ (مرتب)

مثالی ضیافت اور ایثار نفسی

ہمارے خیال میں حضرت مخدوم رحمۃ اللہ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ باہر لنگر خانہ میں ہر روز ایک ہزار مہمان کھانا کھاتے تھے اور گھر کی حالت یہ کہ قوتِ لایموت بھی مشکل سے میسر ہوتا تھا۔

ایک طرف فتوحات کی یہ کثرت کہ ہزار مہمانوں کو ہر وقت طرح طرح کے کھانے کھلائے جائیں، دوسری جانب اپنے ذاتی آمد و صرف کا یہ عالم کہ فاقوں کی بھی نوبت آتی رہے۔

یہ تھا دادا پیر حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک کہ بارہ سال تک حضرت خواجہ شکر گنج رح کے لنگر خانہ کے مہتمم و منتظم رہے اور ایک دانہ اس کھانے میں سے منہ میں نہ ڈالا۔ حضرت مخدوم کبیر الاولیاء رح بھی ساری عمر اسی مسلک پر قائم رہے۔ "سیر الاقطاب" کی پوری روایت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :۔

"آنحضرت کو ظاہری تصرف بھی اس درجہ حاصل تھا کہ مطبخ میں ہر روز ایک ہزار آدمیوں کا کھانا تیار ہوتا تھا، دستر خوان پر پورے ایک ہزار آدمی بیٹھتے تھے۔ اگر کبھی مہمان اتنی تعداد میں نہ ہوتے تو خُدام کو حکم تھا کہ کوچہ و بازار سے کچھ آدمیوں کو بلا لائیں اور ہزار کی تعداد پوری کریں۔ کھانے طرح طرح کے ہوتے تھے۔ اگر حضرت مخدوم پانی پت سے باہر شکار میں ہوتے کبھی پندرہ بیس روز، کبھی ایک ایک مہینہ شکار میں رہتے، وہاں بھی مطبخ اور مہمانوں کی یہی شان رہتی تھی۔"

اِس دریا دلی اور فراخی حوصلہ کے باوجود :۔

اگر کسے در خانہ آنحضرت خبر می گرفت و مطلع می شد حیران می ماند، از انکہ فقر و فاقہ اختیاری چنداں بکمال داشت کہ قوت یکروزہ ہم موجود نمی بود۔ و خدا داند کہ ایں چہ تصرف و ولایت میسر گردیدہ بود۔

اگر کوئی آنحضرت مخدومؒ کے اندرون خانہ کی خبر لیتا اور وہاں کی کیفیت و حالت سے مطلع ہوتا تو حیران رہ جاتا تھا، کہ اپنے اختیاری فقر و فاقہ سے یہ حالت تھی کہ ایک دن کی خوراک کا سامان بھی گھر میں موجود نہیں ہوتا تھا اور خدا جانے کہ یہ کس قسم کی ولایت اور کس طرح کا تصرف آپ کو میسر ہوا تھا (کہ گھر میں فاقہ اور باہر لنگر۔)

مصنف "سیر الاقطاب" نے آخر میں ایک سوال کر کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا اور ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم جواب کی وضاحت کریں۔

یہ اُسی قسم کا فقر و فاقہ تھا جو کا شانۂ نبوت (صلی اللہ علی صاحبہا وسلم) کی خصوصیت تھی کہ درہم و دینار کے ڈھیر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مبارک کے صحن میں لگے ہوئے ہیں اور فخر الانبیاء رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو تقسیم فرما رہے ہیں، کہ تاریکیٔ شب کی آمد سے پہلے پہلے یہ سب اُن کے پاس پہنچ جائیں جو ان کے مستحق ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قطعاً موزوں نہیں کہ اُن کے شبستان میں سونے یا چاندی کا کوئی ریزہ رات گزار سکے۔

خاص نصیحت ہم اکثر پڑھا کرتے ہیں: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (یعنی تمھارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں بہترین نمونہ ہے) مگر روپے پیسے کے معاملہ میں ہمیں اس اُسوۂ حسنہ اور "بہترین مثال" کا تصور بھی نہیں آتا۔ ہم اپنے مدرسوں اور مذہبی اداروں کیلئے اہل خیر سے چندے وصول کرتے ہیں، چندہ دینے والے ہمیں عطیہ نہیں دیتے بلکہ

وہ ہمارے ادارہ کو عطیہ دیتے ہیں۔ مگر یہ احتیاط ہم سے اُن چندوں کے بارے میں بھی نہیں ہو سکتی جو ہمارے پاس صرف امانت ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس حضرت مخدوم کبیرالاولیار رحمۃ اللہ علیہ کو لوگ جو کچھ دیا کرتے تھے اس قسم کی فتوحات عام طور پر ذاتی ملک تصور کی جاتی ہے۔ لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی صحیح اتباع سنت یہ ہے کہ آپ اُن ذاتی اور شخصی عطیات کو بھی امانت قرار دیتے تھے۔ اور جو کچھ فتوحات ہوتی تھیں وہ لنگر خانے کی امانت تصور فرماتے تھے۔

پھر اس امانت داری سے بھی بڑھا ہوا کمال وہ "اخفاء" ہے جو بذات خود ایک کرامت ہے۔ یعنی گھر کی حالت گویا اندرون خانہ کی امانت ہوتی ہے۔ ناممکن تھا کہ کسی کو اُس کا پتہ بھی چل جائے۔

قرآن حکیم نے قرنِ اول (دورِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی یہ شان فرمائی ہے: "یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ" (جو لوگ اُن کے اندرونی حالات سے ناواقف ہیں وہ ان کو امیر اور تونگر سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اظہارِ ضرورت کے ہر ایک موقع سے پاکدامن رہتے ہیں) وہ ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ اشارہ وکنایہ میں بھی کوئی ایسی بات کسی کے سامنے آسکے جس سے گھر کے فقر و فاقہ کا اُس کو احساس ہو جائے۔

مستجاب الدعوات ہونا

حضرت خواجہ محمد پانی پتی کو شیخ نے جلال الدین اور مشائخ نے کبیرالاولیار اسی لئے کہا کہ وہ قرن اول کے بزرگوں کی اس خصوصیت کے حامل تھے کہ اندرون خانہ فاقہ مست اور باہر بادشاہوں سے بھی زیادہ تونگر اور سخی داتا۔ رحمۃ اللہ تعالےٰ۔

یہ ایثار اور دوسروں کے لئے یہ ترجیحی سلوک کہ گھر میں فاقہ اور دوسروں کے لئے طرح طرح کے شکم سیر کھالے۔ یہ اُس درد کا پتہ دیتا ہے جس کا نام ہے خلق خدا سے غمخواری۔ یہ غمخواری اور یہ ہمدردیٔ خلق خدا وہ کیمیا ہے جو مشت خاک کو کندن بنا دیتا ہے اور انسان کو فرشتوں سے بھی اوپر پہنچا دیتا ہے۔ پس ایسا شخص اگر مستجاب الدعوات ہو، اور بقول "سیر الاقطاب" اگر اُسکی حالت یہ ہو کہ:-

"ہر چہ از زبان مبارکش برآمدے ہماں شدے"

(یعنی ان کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلتا وہی ہوتا تھا)

تو مقام تعجب نہیں، کیونکہ زبان مبارک پر وہی آئے گا اور دعا کے لئے ہاتھ اُسی کی خاطر اُٹھیں گے جو ہمدردیٔ خلق خدا کی چھلنی میں چھنا ہوا ہوگا۔

آپ کی قبولیتِ دعائے کے سلسلہ میں وہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس نے اُس زمانہ کے بادشاہ فیروز شاہ کو بھی یہاں تک متأثر کر دیا تھا کہ وہ سلام کرنے اور دعائیں لینے کے لئے پانی پت حاضر ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ مخدوم جہانیاں حضرت سید جلالؒ اپنے وطن اوچ سے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ بادشاہ کے مہمان تھے کہ سخت بیمار ہو گئے۔ یہاں تک کہ نزع کی کیفیت شروع ہو گئی۔ لوگ مایوس ہو کر جنازہ وغیرہ کے انتظام میں مصروف ہونے لگے۔ دفعۃً حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاؒ وہاں پہنچے، بیمار کے سرہانے کھڑے ہو کر سلام کیا، بیمار نے فوراً آنکھیں کھول دیں حضرت مخدوم پانی پتی نے فرمایا: اُٹھئے، وضو کیجئے! حضرت سید جلال جو بیمار تھے اور نزع کی حالت میں تھے، اُٹھے، وضو کیا۔ پھر دعا کی اور اللہ کے فضل سے اچھے ہو گئے۔ بیماری کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ یہ سلب مرض کی ایسی عجیب و غریب

صورت تھی جس کو کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔

بادشاہ جو سید جلال مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے بیعت تھا وہ بھی وضو وغیرہ کر کے اِس لئے آرہا تھا کہ اپنے پیر کی آخری زیارت کر لے۔ جب اُس نے یہ کرامت دیکھی تو وہ بھی حیران رہ گیا۔ اس کے بعد حضرت سید جلالؒ دس سال تک زندہ رہے۔

وفات

حضرت مخدوم صاحبؒ کی وفات ۷۶۵ھ میں پانی پت میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ۔

(بزرگانِ پانی پت ص۲۴۳)

حضرت الشیخ یوسف العجمی الکورانیؒ المتوفی ۷۶۸ھ

تعارف یہ اول شخص ہوئے ہیں جنھوں نے حضرت شیخ جنیدؒ کے طریقہ کو بعد مٹنے کے زندہ کیا۔ انقطاع اور تسلیک میں ان کا عجیب طریقہ تھا۔ ان کے بہت سے شاگرد اور متعدد خانقاہیں تھیں۔

آپ اپنی خانقاہ کا دروازہ دن میں دیر دیر تک بند رکھتے تھے۔ جب کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا تو دربان سے فرماتے، جاؤ اور دروازے کے سوراخوں سے دیکھو، اگر اس کے ساتھ فقراء کے لئے کچھ فتوحات وہدایا ہوں تو اس کیلئے دروازہ کھول دو۔ ورنہ یہ بیہودہ زیارتیں ہیں۔ تو اس کے بارے میں کسی نے ان سے سوال کیا کہ آخر یہ کیا بات ہے؟ تو فرمایا کہ عزیز ترین چیز فقیر کے نزدیک وقت ہے۔ اور دنیا داروں کے نزدیک سب سے محبوب ترین چیز ان کا مال ہے پس اگر وہ ہمارے لئے مال کو خرچ کریں گے تو ہم بھی ان کیلئے اپنا وقت صرف کریں گے۔ (طبقات ج ۲ ص ۶۵)

ف: ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

چونکہ ہر بزرگ کی شان اور رنگ الگ الگ ہوتا ہے اس لئے جب شیخ یوسفؒ نے دیکھا کہ دنیا دار آ کر لایعنی باتوں میں ہمارا وقت بھی برباد کرتے ہیں تو ایسی شرط لگادی کہ زیادہ آنے نہ پائیں۔ اور اگر آئیں تو فقراء کی خدمت کریں، تاکہ ان کو اجر وثواب ملے اور آخرت کا نفع ہو۔ ورنہ بیکار وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ (مرتب)

وفات آپ کی وفات قرافہ صغریٰ کی خانقاہ میں نصف جمادی الاولیٰ ۷۶۸ھ میں ہوئی۔ بے حساب آدمیوں نے جنازہ میں شرکت کی۔ (طبقات ص ۶۵ ج ۲)

حضرت شیخ زین الدین داؤدؒ خلدآباد، اورنگ آباد۔ المتوفی ۷۷۱ھ

نام ونسب، ولادت شیخ داؤد نام، زین الدین لقب، والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ حسین ابن سید محمود شیرازی ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۷۰۱ھ میں بمقام شیراز ہوئی۔ کم سنی ہی میں والدہ واجدہ نے دار فانی سے عالم جاودانی کیطرف رحلت فرمائی۔ ابتدائی تعلیم والدِ محترم سے لی، اسکے بعد حرمین شریفین کی زیارت کیلئے تشریف لے گئے اور حج سے مشرف ہوکر ہندوستان کے دار السلطنت دہلی میں وارد ہوئے۔ دہلی کے علماء سے مستفید ہونے لگے چنانچہ تحصیلِ علوم کی تکمیل مولانا کمال الدین سامانہ کی خدمت میں کی۔ مگر سلطان محمد تغلق کے ہنگامہ میں بادشاہ نے تمام باشندگان دہلی کو دولت آباد روانہ کیا تھا۔ اسلئے آپ و مولانا کمال الدین سامانہ بھی دہلی سے دولت آباد آئے۔ اکثر اوقات تدریس علوم اور عبادتِ حی وقیوم میں بسر فرماتے تھے مشائخ صوفیہ سے پرہیز کرتے تھے۔ اُسوقت شیخ برہان الدین غریبؒ (خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ) کی مشیخت و بزرگی اور پیری مریدی کا دور چل رہا تھا مگر مولانا زین الدین انکے سماع کے حال کو سنکر اُن سے نفرت فرماتے تھے۔ مگر کچھ ہی دنوں کے بعد اُنکے معتقد ہوگئے اور حضرت شیخ برہان الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوگئے اور تھوڑے ہی زمانہ میں منازلِ سلوک طے کرکے عروج کو پہنچے اور بماہ ربیع الآخر ۷۳۷ھ میں خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے اور اپنے شیخ کے طریقہ پر زندگی بسر کرنے لگے اور مرجع خاص وعام ہوگئے۔

ملفوظات فرمایا، مشائخ اس لئے بیٹھے ہیں کہ مریدوں کے باطن کو ذکرِ حق سے آباد کریں۔ یعنی جب کسی کا دل حق یا ذکر حق سے معمور ہو جائے تو وہ کامیاب ہے اور اگر نعوذ باللہ بیکار و خالی ہے تو کوئی مصیبت وغم اس سے زائد نہ ہوگا۔

آپ نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ عشق کی آگ کے برابر نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا

کہ نمرود کی آگ تیز بھڑکی ہوئی ہے، وہ آپ کو اُسمیں ڈالیگا حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میرے دل کی آگ نمرود کی آگ سے تیز و تند زیادہ ہے۔ جب بروز قیامت بحکم وعدہٗ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ دوزخ کو پکاریں گے کہ "هَلِ امۡتَلَأۡتِ" اور دوزخ کہے گی "هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ" پس تمام مومن و کافر کو اُس میں ڈالیں گے۔ دوزخ مومنین کے نور کو دیکھتے ہی بھاگے گی اور چلائیگی اے مومن بگذر، تیرا نور میری سخت آتش کو بجھاتا ہے۔ پس مومن گزر جائیں گے اور کافروں کو وہ آگ لپیٹ جائے گی۔

فرمایا کہ جو لوگ حرص و خواہش کے میدان میں جولانی کرتے ہیں وہ چکی کے بیل کی مانند ہیں۔ غفلت کے پردے اُنکی آنکھوں پر پڑے ہوئے ہیں، نہیں جانتے کہ کس قدر راہ قطع کر چکے ہیں جب یکایک پردہ آنکھوں سے نکالتے ہیں تو خود کو وہیں پاتے ہیں جہاں تھے۔

فرمایا کہ نصیحت اشارہ و کنایہ کے پیرایہ میں کہنی چاہیئے، اگر صراحۃً کہیں گے تو خصومت ہوگی نہ کہ نصیحت، اس لیئے کہ نصیحت ہے یا فضیحت یا خصومت۔ جو کچھ تنہائی میں کہا جائیگا وہ نصیحت ہے جو برملا کہیں وہ فضیحت ہے اور جو صریح کھلم کھلا کہیں وہ خصومت ہے۔

ایک مرید نے آپ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص کسی پیر کا مرید ہو جائے اور اُس پیر کو باطل (یعنی بداعتقاد، بدعمل) پائے تو دوسرے پیر سے مرید ہو سکتا ہے یا نہیں؟ فرمایا: اُس پر فرض ہے کہ دوسرے سے مرید ہو جائے۔ اس لیئے کہ اگر کوئی شخص ایک سمت قبلہ سمجھ کر نماز ادا کرے پھر اسکو معلوم ہو جائے کہ قبلہ دوسری جانب ہے تو اس طرف ٹھہرنا و توجہ کرنا جائز نہ ہوگا۔

فرمایا: دینی اُمور میں اپنے سے بہتر کی متابعت کرنی چاہیئے اور دُنیوی اُمور میں اپنے سے کمتر کی، مثلاً ایک شخص دو سو روپئے کی آمدنی رکھتا ہے۔ اگر وہ ایسے شخص کی طرز پر زندگی بسر کرے گا جیسا کہ چار سو کی آمدنی والا کرتا ہے تو وہ آخر رُسوا و ذلیل اور محتاج ہوگا۔ پس اسکو چاہیئے کہ ایسے شخص کی روش اختیار کرے جسکی آمدنی سو روپئے ہو، اور باقی سو روپئے خیرات میں صرف کرے۔ یہ طریقہ اس کیلئے دارین میں مفید ہوگا۔ دنیا میں بھی خوشی سے بسر ہوگی اور دین میں بھی۔

فرمایا: اصحاب ان بزرگوں نے مریدوں کو تربیت کرنا زنِ مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) سے سیکھا ہے کیونکہ اگر مرضعہ نامناسب چیزوں سے پرہیز کرے تو بچے کا مزاج درست ہوگا ورنہ بچے کا مزاج درست نہ ہوگا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ کو بھی شرعی اُمور کا خوب پابند رہنا چاہئے، ورنہ اس کا اثر مریدین پر پڑے گا۔ وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

فرمایا کہ میں ایک روز اپنے عالم فاضل اُستاذ کے پاس سبق پڑھ رہا تھا۔ اسی اثنا میں ابنار جنس کی شکایت کا تذکرہ آیا تو عالم دانشمند نے فرمایا۔ زین الدین! یہ دُنیا عالم کون و فساد ہے کیا یہاں آرام چاہتا ہے

فرمایا: ایک قصہ ہم سے سنو! وہ یہ ہے کہ ہمارے مکان میں ایک درخت ہے جو بہت پھول لایا ہے پھولوں میں جو شیرینی اور لذت ہے اسکی وجہ سے چھوٹے چھوٹے کیڑے اُس پر جمع تھے یکایک چند چڑیاں آئیں اُن ضعیف کیڑوں کو کھانے لگیں، پس ناگاہ ایک بلی آئی، چڑیوں پر حملہ کیا، وہ ڈر سے اُڑ گئیں۔ یکایک کتا آیا، بلی پر حملہ کیا، بلی بھاگی۔ پھر ایک لڑکے نے کتے پر حملہ کیا۔ تو میں چاہتا تھا کہ لڑکے کو سزا دوں اُسکی ماں نے اُسکو بچایا۔ اب ملاحظہ کیجئے کہ میرا مقصود دیگر ہے، لڑکے کا مطلوب دیگر اور ماں کا منشاء دیگر۔ اسی طرح ہر ایک کی نیت مختلف ہے ایک کو دوسرے سے شر پہنچتا ہے، تیسرا دوسرے کو عاجز کرنا چاہتا ہے، چوتھا تیسرے کو دوسرے سے بچاتا ہے علیٰ ہذا القیاس، ھلم جرا ذٰلك تقدیر العزیز العلیم۔

فرمایا: "کلماتُ المشائخ جُنُودُ اللهِ فِی الارَاضی" یعنی مشائخ کے کلمات روئے زمین پر اللہ کے لشکر ہیں۔ اور سالکانِ طریقت اس لشکر کے ذریعہ سے نفس و شیطان اور دشمن پر قابو پاتے ہیں۔

فرمایا کہ حق تعالےٰ نے ہمارے بزرگوں کی ہر وقت مدد کی ہے اسی طرح ہم پر تمام مومنین کی اعانت واجب و لازم ہے

فرمایا: لَاتَزِنِ الخَلقَ بِمِیزَانِ نَفسِكَ وَزِنْ نَفْسَكَ بِمِیزَانِ المُوقِنِینَ لِتَرٰی فَضلَهُمْ وَافلَاسَكَ یعنی مخلوق کو اپنے ترازو میں مت تول اور اپنے آپ کو اہل یقین کی ترازو میں تول تاکہ اُنکی زیادتی سرمایہ کو اور اپنی مفلسی کو دیکھ سکے۔

آپکی مجلس میں اس بات کا تذکرہ ہوا کہ مجرد کو دنیا سے چنداں تعلق نہیں ہے۔ آپنے فرمایا کہ ایک بزرگ تھے

اور اُنکے پاس ایک بلّی تھی، جب بزرگ کے پاس کھانا لاتے تھے بلی کھڑی ہو جاتی اور نہیں چاتی تھی۔ ایک روز اُنکے سامنے کھانا لائے وہ بھی بزرگ کھانے پر بیٹھے تھے۔ بلی آئی اور فوراً جست لگائی گوشت کا ٹکڑا دسترخوان سے لے گئی بزرگ بلی کی حالت دیکھ کر متعجب ہوئے، کیا وجہ ہے کہ بلی نے خلاف عادت یہ حرکت کی؟ کہا تلاش کرو، ایک شخص بلی کے پیچھے گیا، دیکھا کہ بچے لائی ہے واپس آیا، بلی کا حال بیان کیا۔ بزرگ نے فرمایا: جبتک تنہا تھی کسی کی طرف توجہ نہیں کرتی تھی، بے پرواہ رہتی تھی۔ اب بچے لائی ہے تو رسوا ہوئی۔ ایسا ہی جبتک مجرد رہیگا دنیا و مافیہا سے بے پرواہ ہوگا۔ آپ نے عمل بے ریا کی بابت فرمایا کہ ایک فقیر رات کو تلاوت قرآن میں مشغول تھا اسوقت ایک چور کو دیکھا کہ گھر میں آتا ہے۔ ایک آیت چور کے سنانے کیلئے بلند آواز سے پڑھی، سنتے ہی چور نے سمجھا کہ صاحب خانہ ہوشیار ہے، واپس ہوا۔ صاحب خانہ غلبۂ خواب سے سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے حکمِ الٰہی ہوا کہ بندوں کے اعمال تولے جائیں، صاحب خانہ درویش کی تلاوت تولنے کی نوبت آئی، تو وہ آیت جو چور کیلئے بلند آواز سے پڑھی تھی نہیں تولی گئی۔ درویش نے کہا یہ بھی میری تلاوت ہے۔ جواب ملا کہ یہ آیت تو نے اللہ کیلئے نہیں پڑھی تھی۔ بلکہ چور کے خبر کرنے کو پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا: جہاں تک عمل مخفی ہوگا اسمیں اخلاص زیادہ ہوگا۔

وفات | آپ کی وفات ۷۷۱ھ میں ہوئی۔ اور خلد آباد، اورنگ آباد میں مدفون ہوئے۔

رحمہ اللہ تعالیٰ (محبوب ذوالمنن فی تذکرۃ اولیاء دکن ص ۳۸۵)

حضرت شاہ اورنگزیب عالمگیرؒ کی وصیت | آپ کی وصیت کے مطابق جسم مبارک کو خلد آباد (دکن) میں سرگروہ ارباب یقین شیخ زین الدینؒ کے مقبرہ کے اندر پیوند خاک کیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ۔

(ماخوذ از "مآثر عالمگیری" و "نزہۃ الخواطر")

اپنی سعادت | الحمدللہ، اس حقیر کو مع عزیزم مولوی محبوب احمد ندوی، مولوی عبداللہ الہ آبادی، مولوی مقصود احمد گورکھپوری اور مولوی الطاف حسین مالیگاؤں ان حضرات کے مقابر کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین! (مرتب)

حضرت خواجہ سید امیر کُلال رحمہ اللہ تعالے المتوفی ۷۷۲ھ

تعارف

حضرت سید امیر کلال رحؒ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحؒ کے اجل خلفا میں سے ہیں۔ آپ سید صحیح النسب تھے۔ پیشہ کلالی (کاسہ گری) کا تھا۔ آپ کی والدہ شریفہ فرمایا کرتی تھیں کہ جس وقت امیر کلال میرے شکم میں تھے، اس وقت اگر میں شبہ کا لقمہ کھا لیتی تو مجھ کو درد شکم ہو جاتا، اور جب تک قے نہ کر لیتی آرام نہ ہوتا۔ جب چند مرتبہ یہ معاملہ وقوع میں آیا تب میں سمجھ گئی کہ اسکی وجہ یہ طفل ہے۔ پھر میں لقمہ میں احتیاط رکھتی۔

آپ کے شیخ کی توجہ

حضرت امیر کُلال کو ایام جوانی میں کُشتی کا نہایت شوق تھا۔ ایک مرتبہ حضرت بابا سماسی رحؒ کا معرکہ کُشتی پر گزر ہوا اور آپ وہاں تماشا دیکھنے لگے۔ بعض مریدوں کے دل میں خیال گزرا کہ حضرت خواجہ کا ایسے مجمع میں ٹھہرنے کا کیا موقع ہے آپ نے اپنے نور باطن سے معلوم کر کے فرمایا کہ اس معرکہ میں ایک مرد ہے کہ اس سے لوگ درجۂ کمال کو پہنچیں گے، میں اس کے شکار کے واسطے کھڑا ہوں کہ اس اثنا میں حضرت امیر کلالؒ نے حضرت خواجہ کو دیکھا اور دیکھتے ہی متاثر ہو گئے۔ چنانچہ فی الفور معرکۂ کُشتی چھوڑ کر حضرت خواجہ کے ہمراہ ہو لئے۔ جب حضرت خواجہ اپنے مکان پر پہنچے، حضرت امیر کُلال کو خلوت میں طلب کر کے تلقینِ طریقہ فرمایا اور اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ اس کے بعد حضرت امیر کلال پھر کبھی

معرکہ کشتی و بازار میں نہ گئے۔ اور تیس سال حضرت بابا سماسی رحؒ کی خدمت میں حاضر باش رہے ۔ ہفتہ میں دو بار دوشنبہ اور پنج شنبہ کو قریۂ سوخار سے سماس کو تشریف لے جاتے تھے اور حضرت باباکی خدمت میں مشرف ہوتے اور واپس آجاتے، ان دونوں گاؤں کا فاصلہ پانچ کوس کا ہے۔ آپ اس آنے جانے کی مدت میں حضرت خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ میں مشغول رہتے، اس طرح کہ کوئی شخص مطلع نہ ہو سکے، یہاں تک کہ آپ نے حضرت خواجہ کی تربیت میں تکمیل وارشاد کی دولت کو حاصل کر لیا۔ حضرت امیر کی صحبت کی دولت سے چار شخص مرتبۂ تکمیل سلوک اور ولایت کو پہنچے ہیں۔ آپ کے تمام مریدوں کی تعداد ایک سو چودہ یا اس سے زیادہ تھی۔

کرامت اللہ اکبر، اُسی زمانہ میں جبکہ حضرت امیر کلال رحؒ نوجوانی میں کُشتی لڑتے تھے، آپ کے گرد معرکہ اور ہنگامہ ہوا کرتا تھا۔ ایک روز اثنائے کُشتی میں ایک شخص کو خیال پیدا ہوا کہ یہ سیّدزادہ صحیح النسب کشتی کیوں لڑتے ہیں اور زور آزمائی کیوں کرتے ہیں؟ اسکو وہیں اکھاڑے میں نیند آ گئی کیا دیکھا ہے کہ قیامت برپا ہے اور خود سینہ تک کیچڑ اور مٹی میں پھنس گیا اور مضطرب ہے، اتنے میں حضرت امیر کلال آئے اور اُس کے دونوں بازو آسانی کے ساتھ اس کیچڑ میں سے نکال لائے۔ جب وہ شخص خواب سے بیدار ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ہم زور آزمائی اسی دن کیلئے کرتے ہیں۔ (انوار العارفین صہ۵۱۵)

ہر شیخ اپنے مرید میں تربیت کا اثر دیکھنا چاہتا ہے

ایک دن حضرت سید امیر کُلال رحؒ نے حضرت خواجہ بہاء الدین سے کہا

کہ جب اُستاد شاگرد کی تربیت کرتا ہے تو یہ ضرور چاہتا ہے کہ شاگرد میں اپنی تربیت کا اثر دیکھے، تاکہ اس (شاگرد) کی صلاحیت پر اعتبار آئے۔ کہ میری تربیت رائگاں نہیں گئی۔ اور اگر شاگرد میں کچھ خلل پائے تو اسکی اصلاح کردے۔ **ف:** اسلئے مرید کو چاہئے کہ اپنے حالات سے شیخ کو مطلع کرتا رہے۔ (مرتب)

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میرا فرزند امیر سید برہان موجود ہے اور ابتک کسی نے اس پر قبضہ کا ہاتھ نہیں رکھا ہے، اور اس کی باطنی تربیت نہیں کی ہے، مجھے تمھاری صلاحیت پر پورا بھروسہ ہے۔ میرے خیال میں تم اس کی تربیت میں مشغول ہو جاؤ، تاکہ اس کا اثر ہم دیکھیں۔ حضرت خواجہ بہاء الدین مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور امیر کی طرف متوجہ تھے، ادب خدمت کی رعایت پیش نظر رکھتے ہوئے یہ حکم ماننے میں تأمل کیا۔ حضرت خواجہ امیر کلالؒ نے فرمایا کہ تم کو اس میں توقف نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت خواجہ نے انکے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے امیر برہان کی طرف توجہ کی اور باطن کے تصرف میں مشغول ہو گئے، اسی وقت اس تصرف کے اثرات نمایاں ہونے لگے اور انکے باطن سے علامات ظاہر ہونے لگیں اور ایک عظیم حال امیر برہان میں ہو گیا۔

وفات آپ کی وفات صبح کی نماز کے وقت بروز پنجشنبہ ۸ جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ میں ہوئی۔ آپ کا مدفن قصبہ سوخمار (روس) ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص۸۲)

حضرت حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ المتوفی ۷۷۴ھ

نام ونسب عماد الدین اسمٰعیل بن عمر نام، ابو الفداء کنیت، ابن کثیر کے نام سے شہرت پائی۔ قیسی الاصل تھے۔

ولادت بُصری (شام) کے نواح میں مُجدل گاؤں جہاں ان کے والد خطیب تھے ۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت ۷۰۶ھ میں دمشق اپنے والد کے ساتھ منتقل ہوئے۔ شیخ برہان الدین الفزاری وغیرہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، ابن السویدی، ابو القاسم ابن عساکر اور دوسرے شیوخ حدیث سے حدیث کی سماعت وروایت کی، علامہ مزّی سے تلمذ خاص تھا۔ اور انکی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا، بکثرت اُن سے روایتیں ہیں۔ فتویٰ، تدریس اور مناظرہ سے اشتغال رہا۔

فضل وکمال فقہ، تفسیر اور نحو میں خاص دستگاہ تھی۔ رجال وعلل حدیث میں نظر وسیع اور دقیق تھی۔ مدرسہ ام الصالح میں مدرس رہے، اور علامہ ذہبیؒ کے انتقال کے بعد مدرسہ تنکزیہ میں بھی درس دیا۔ علامہ ذہبیؒ کے ان کے متعلق الفاظ یہ ہیں:۔

ھُوَ فقیہٌ متقنٌ ومحدِّثٌ	وہ پختہ کار فقیہ، محقق محدث
محقِّقٌ ومفسّرٌ نقّادٌ ولہ	اور نقّاد مفسر ہیں اور مفید تصانیف
تصَانیفُ مُفیدۃٌ	والے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رح کہتے ہیں :-

كَانَ كَثِيْرَ الْاِسْتِحْضَارِ وَ سَارَتْ تَصَانِيْفُهٗ فِي الْبِلَادِ فِيْ حَيَاتِهٖ وَانْتَفَعَ بِهِ النَّاسُ بَعْدَ وَفَاتِهٖ۔

بڑے حاضر العلم، کثیر المحفوظات تھے۔ ان کی تصانیف ان کی زندگی ہی میں ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور لوگوں نے انکی وفات کے بعد بھی ان سے فائدہ اٹھایا

باوجود شافعی ہونے کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح کے بڑے گرویدہ اور انکی عظمت و امامت کے قائل تھے۔ ان سے تلمذ بھی ہے۔ ابن حجر رح کہتے ہیں :-

"اخذ عن ابن تیمیه ففتن بحبه وامتحن بسببه"

البدایۃ والنہایۃ میں انکے حالات و واقعاتِ زندگی بڑی تفصیل اور شغف و اہتمام سے لکھے ہیں اور اُن کی طرف سے پوری مدافعت کی ہے۔ ہماری کتاب (دعوت وعزیمت) میں شیخ الاسلام رح کے حالات و واقعاتِ زندگی کا بڑا حصہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

تصانیف تصانیف میں سے "التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاھیل" پانچ جلدوں میں اور "الھدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن، تخریج ادلۃ التنبیہ مسند الشیخین، علوم الحدیث، طبقات الشافعیۃ، وغیرہ اُنکی تصانیف ہیں۔ احکام میں ایک بسوط کتاب لکھنی شروع کی تھی، لیکن مکمل نہیں ہوئی۔ مسند امام احمد کو حروف پر مرتب کیا اور اسمیں طبرانی اور ابو یعلیٰ کے زوائد بھی شامل کر دیئے۔ لیکن ان کا اصلی تصنیفی کارنامہ دو کتابیں ہیں جنکو قبول عام حاصل ہوا، اور جن سے علمی حلقوں میں اسوقت تک استفادہ کیا جا رہا ہے۔ ایک اُنکی تفسیر جو ان تفاسیر میں جنکی بنیاد منقولات و روایات پر ہے، سب سے زیادہ مقبول اور قابلِ اعتماد سمجھی جاتی ہے۔ علامہ سیوطی رح اسکے

متعلق لکھتے ہیں: "له التفسير الذي لم يولف مثله" اس تفسیر سے پہلے اہل منقول نے جو تفاسیر لکھیں انمیں محدثانہ احتیاط اور احادیث کے صحیح انتخاب کی بڑی کمی اور ضعیف احادیث و اسرائیلیات کی بڑی کثرت تھی۔ حافظ ابن کثیر ایک پختہ کار محدث تھے انھوں نے محدثانہ طریق پر یہ تفسیر مرتب کی، اگرچہ وہ اسمیں اس بلند محدثانہ معیار کو پورے طور پر قائم نہیں رکھ سکے جسکی اُن سے توقع تھی، اور انھوں نے کسی قدر توسع سے کام لیا اور اسرائیلیات کے ایک حصہ کو قبول کیا، مگر اسمیں شبہہ نہیں کہ موجودہ تفاسیر میں محدثانہ نقطۂ نظر سے یہ تفسیر سب سے زیادہ قابل اعتماد و استفادہ ہے۔ حال ہی میں مصر کے نامور فاضل و محقق احمد محمد شاکر نے عمدۃ التفسير عن الحافظ ابن كثير کے نام سے اسکا خلاصہ شائع کیا ہے جس میں کتاب کی خصوصیات و محاسن کو برقرار رکھتے ہوئے ضعیف احادیث، غیر مستند اسرائیلیات، مکرر اقوال اور اسانید اور طویل کلامی مباحث، فقہی فروع اور لغوی و لفظی مناقشات کو حذف کر دیا ہے۔

اُنکی دوسری اہم اور مقبول تصنیف "البداية والنهاية" ہے، جو ۱۳۵۱ھ میں ۱۴ جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔ یہ عرب مؤرخین کے دستور کے مطابق ابتدائے آفرینش سے ۷۶۷ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ علامہ ابن اثیر کی مشہور و مقبول کتاب "الکامل" ۶۲۸ھ تک کے واقعات پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کتاب میں ۱۳۹ سال کے حالات اور تاریخ کا اضافہ ہے، تاتاری حملہ اور آٹھویں صدی کی اہمیت کی وجہ سے یہ زمانہ بڑا اہم اور پُر از واقعات ہے۔ اسوجہ سے بھی اور تاریخی استناد و تفصیل کی وجہ سے بھی یہ کتاب اکثر مؤرخین کا مرجع و ماخذ ہے۔

وفات

شعبان ۷۷۴ھ میں حافظ ابن کثیر نے وفات پائی اور دمشق کے مشہور مقبرہ الصوفیہ میں دفن ہوئے۔ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ

(دعوت و عزیمت ص ۲۷۳/۲)

مخدوم الملک شیخ شرف الدّین احمد مَنیری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۸۲ھ

نام، نسب و ولادت

نام احمد، لقب شرف الدین، مخدوم الملک خطاب والد کا نام شیخ یحییٰ ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۲۹ رشعبان المعظم ۶۶۱ھ میں بمقام مَنیر شریف ضلع پٹنہ ہوئی۔ آپ کا خاندان بیت المقدس سے آکر مَنیر ضلع پٹنہ میں آباد ہوا۔ یہ خاندان اپنے زہد و تقویٰ میں شروع ہی سے ممتاز تھا۔ مُنیر کے آس پاس کے علاقہ میں اسی خاندان کی بدولت اسلام کی اشاعت ہوئی۔ شرف الدین احمد کی والدہ ان کو بغیر وضو کے دودھ نہ پلاتی تھیں۔ (بزم صوفیہ)

تعلیم

بچپن میں گھر ہی پر تعلیم پائی۔ اُس زمانہ میں مصادر، مفتاح اللغات اور دوسری کتابیں درس میں رہیں۔ مفتاح اللغات کو حفظ کیا تھا۔ سن شعور کو پہنچے تو والد بزرگوار نے ان کو مولانا شرف الدین ابو توامہ کی معیت میں مزید تعلیم کے لئے سنارگاؤں بھیجا۔ مولانا ابو توامہ اپنے عہد کے بڑے ممتاز عالم تھے۔ بعض اسباب کی بنا پر دہلی چھوڑ کر بنگالہ کی طرف رُخ کیا۔ اثنائے سفر مُنیر میں بھی قیام کیا اور یہیں حضرت یحییٰ انکے علمی تبحر سے متاثر ہوئے۔

حضرت شرف الدین نے اپنے شفیق استاذ سے کلام پاک، تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تعلیم حاصل کی۔ اُس تعلیم کے زمانہ میں ریاضت و مجاہدہ میں بھی مشغول رہے۔ ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ علم تصوف کی بھی کتابیں پڑھیں۔

تعلیم ہی کے زمانہ میں استاذ کی دختر نیک اختر سے عقد مناکحت کی رسم

ادا ہوئی، جن سے حضرت شاہ ذکی الدین پیدا ہوئے اور اُنہی سے نسل چلی۔

(بزم صوفیہ ص۱۸۱)

تلاش مرشد

سنارگاؤں کے قیام کی مدت میں حضرت مخدوم الملک گھر کے خطوط نہیں کھولا کرتے تھے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک دن ان کو کھولا تو ان میں والد بزرگوار کے انتقال کی خبر پڑھی، اور والد کی یاد میں بے چین ہو کر وطن کی طرف مراجعت کی۔ گھر میں کچھ ہی دنوں قیام فرمایا تھا کہ طلب الٰہی کی آگ اتنی شعلہ زن ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ چھوٹے بھائی کی محبت میں آپ کے بڑے بھائی شیخ جلیل الدین بھی ہمراہ ہو گئے اُس وقت دہلی اور نواح دہلی بزرگان دین کے مرکز ہو رہے تھے۔ دہلی پہنچ کر حضرت مخدوم الملک وہاں کے تمام زاہدوں، عابدوں اور سجّادہ نشینوں سے ملے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں بھی پہنچے۔ "لطائف اشرفی" میں ہے:۔

"جب حضرت شیخ شرف الدین علوم شرعیہ کی تحصیل اور ریاضت اصلیہ و فرعیہ کی تکمیل کر چکے تو حضرت سلطان المشائخؒ کے شرف ملازمت کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور ارادت و ارشاد کے لئے استدعا کی۔ (حضرت سلطان المشائخ نے) عالم غیبی اور قضار لاریبی سے استفسار فرمایا اور استغراق میں سر جھکایا، پھر فرمایا، برادرم شرف الدین! تمھاری ارادت اور تعلیم سلوک برادرم نجیب الدین سے متعلق ہے۔ تم اُنہی کے پاس جاؤ، وہ تمھارے منتظر ہیں۔"

جب سلطان المشائخؒ کی ہدایت کے مطابق حضرت مخدوم الملک حضرت شیخ نجیب الدین کے حضور پہنچے تو اُن پر بڑی دہشت طاری تھی اور جسم پسینہ

پسینہ ہو رہا تھا۔ لیکن حضرت شیخ نجیب الدین نے اُن کو دیکھتے ہی فرمایا "درویش! برسوں سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہے، تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کردے۔ (اخبار الاخیار ص۲۵۲) اور فوراً بیعت لی، کچھ نصیحتیں لکھ کر دیں اور رخصت کیا۔ رخصت کرتے وقت فرمایا، تم کو راستہ میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا۔ حضرت مخدوم الملک نے مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیئے کچھ دنوں پاس رہنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن اس کی اجازت نہیں ملی۔ مرشد کی ساری تعلیمات ان نصائح میں پائی جاتی ہیں جو انھوں نے ارادت کے وقت لکھ کر دی تھیں۔

(تفصیل "بزم صوفیہ" ص۴۰۳ پر دیکھی جا سکتی ہے۔)

صحرانوردی بیعت کے بعد کی کیفیت حضرت مخدوم الملکؒ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"من چون بخواجہ نجیب الدین فردوسی پیوستم حزنے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز آں حزن زیادہ می شد" (ترجمہ: میں جب خواجہ نجیب الدین سے بیعت ہوا تو ایک قسم کا حزن میرے اندر پیدا ہوا جو ہر روز بڑھتا جاتا تھا۔)

بیعت کے بعد دہلی سے روانہ ہوئے تھے کہ راستہ ہی میں مرشد کے وصال کی خبر ملی۔ لیکن مرشد کی ہدایت تھی کہ وہ کسی حال میں نہ لوٹیں، اس لیئے واپس نہ ہوئے جب بہیا (ضلع آرہ) کے جنگل میں پہنچے تو مور کی چنگھاڑ سے دل میں ہوک اٹھی، جذب کی کیفیت طاری ہوگئی اور گریبان چاک کر کے جنگل ہی میں غائب ہوگئے۔ بڑے بھائی شیخ جلیل الدین ساتھ تھے، ہر طرف انکو تلاش کیا۔ لیکن اُن کا کہیں پتہ نہ چلا۔

"مناقب الاصفیاء" کے مؤلف رقمطراز ہیں کہ حضرت مخدوم بہیا کے جنگل میں بارہ سال رہے۔ اسکے بعد راجگیر ضلع پٹنہ کے جنگلوں میں بھی ایک بڑی مدت گزاری۔ عام روایت ہے کہ تیس سال تک جنگلوں میں عبادت کی۔ ایک بار

ایک درخت کی شاخ پکڑے ہوئے عالمِ حیرت میں کھڑے ہوئے دکھائی دیئے چیونٹیاں حلق میں آتی اور جاتی تھیں، لیکن ان کو اس کی مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔

ف : اس کے علاوہ حضرت شیخ کی ریاضات و مجاہدات کے بہت سے واقعات درج فرمائے ہیں جنھیں ہم جگہ کی قلت کی وجہ سے نقل کرنے سے معذور ہیں۔ (مرتب)

بہار شریف کی اقامت

جب انوارِ الٰہی سے دل روشن ہو گیا، تو آبادی کی طرف رُخ فرمایا۔ بعض طالبانِ حق جنگل ہی میں آکر مستفید ہونے لگے تھے۔ جب لوگوں کا اشتیاق زیادہ بڑھ گیا تو جمعہ کی نماز کے لئے بہار شریف کی جامع مسجد میں تشریف لانے لگے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کے اصرار سے اُسی قصبہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی، جہاں تقریباً ساٹھ سال تک اپنے سرچشمۂ فیض سے عوام و خواص کو سیراب کرتے رہے۔

سلطان محمد تغلق نے جب حضرت مخدوم الملک کی درویشی اور بزرگی کی شہرت سنی تو مجدالملک مقطع بہار کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ حضرت مخدوم الملک کیلئے ایک خانقاہ تعمیر کرادی جائے، اور اُس کے اخراجات کے لئے راجگیر اُن کے حوالہ کیا جائے۔ اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی دیا جائے۔ مجدالملک نے اس کی تعمیل کی اور حضرت مخدوم الملک کو خانقاہ کی تعمیر اور راجگیر کی جاگیر جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کرنی پڑی۔ خانقاہ کی تعمیر کے بعد سلطان کا بھیجا ہوا مصلائے بلغاری بچھایا گیا اور اُس پر حضرت مخدوم الملک کو جلوہ افروز کیا گیا تو ارشاد فرمایا۔ "میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں، چہ جائیکہ یہ مصلّے

کے لائق ہوں۔ اُس وقت مجلس کے ایک درویش نے کہا، مخدوم! آپ کو خانقاہ اور مصلیٰ کی وجہ سے کون جانتا ہے، ہم لوگ تو یہاں صرف آپ کی قوتِ باطنی کی وجہ سے آئے ہیں۔ یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اُس علاقے میں آپ ہی کے فیوض و برکات سے اسلام کی شمع ضوفگن رہی۔ لیکن جاگیر کو حضرت مخدوم الملکؒ اپنے لئے بار سمجھتے رہے۔ آخر اُس کی گرانی برداشت نہ فرما سکے، اور جب سلطان محمد تغلق نے وفات پائی اور فیروز شاہ تخت نشین ہوا، تو بنفسِ نفیس دہلی تشریف لے گئے درباریوں کو خیال ہوا کہ شاید حضرت مخدوم الملک جاگیر میں اضافہ چاہتے ہیں، فیروز شاہ کو جب اس کی خبر دی گئی تو اُس نے کہا کہ اگر مخدوم الملک تمام اقطاع بہار مانگیں گے تو میں دوں گا۔ لیکن جب فیروز شاہ کے سامنے حضرت مخدوم الملک تشریف لے گئے تو اُس کو مخاطب کر کے فرمایا، ایک غرض لے کر آیا ہوں اگر قبول فرمانے کا وعدہ ہو تو عرض کروں۔ سلطان نے بسر و چشم منظور کیا۔ حضرت مخدوم الملک نے جاگیر کی سند آستین سے نکال کر سلطان کے ہاتھ میں دی اور فرمایا: خدا کے لئے اس کو واپس لے لیجئے، یہ میرے کام کی نہیں۔ سلطان اور اُس کے تمام اُمراء ششدر رہ گئے۔ سلطان نے پھر بھی کچھ خدمت کر کے سعادت حاصل کرنی چاہی۔ اور اصرار کے ساتھ اخراجات کے لئے ایک بڑی رقم پیش کی، اُس کو قبول تو فرمایا، لیکن شاہی دربار سے نکلتے ہی فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ اور درویشانہ استغناء کے ساتھ خالی ہاتھوں وطن کی طرف مراجعت کی۔

ف : سبحان اللہ، یہ تھا ہمارے اکابر کا استغناء عن الخلق، جو ہمارے

اکابر کا طغرائے امتیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اکابر کی سیرت کو حرزِ جان بنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

رشد و ہدایت اور خانقاہ کے گوشہ میں بیٹھ کر تقریر و تحریر کے ذریعہ سے رُشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ جس کا کچھ مجموعہ ملفوظات اور مکتوبات کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور آج تک معدنِ فیوض اور مخزنِ برکات ہے۔ خانقاہ میں سالکانِ راہِ طریقت کی مجلسیں برابر منعقد ہوتی تھیں، بعض اوقات علماء، فقہاء، محدّثین اور متکلمین بھی جمع ہوتے اور مختلف مسائل پر بحث و گفتگو اور رد و قدح بھی ہوتی، حضرت مخدوم ہر مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرماتے کہ سامعین اور حاضرین کو پوری تشفی ہو جاتی۔ (بزم صوفیہ ص۱۸۴)

اخلاقِ حسنہ

خشیتِ الٰہی و حب اللہ عذابِ الٰہی کے خوف سے ہمیشہ روتے رہتے لیکن اس خوف کے ساتھ حُبّ اللہ میں عجیب وارفتگی پیدا ہوگئی تھی۔ ایک بار ایک مرید مولانا نظام الدین نے اپنے وعظ میں یہ دو شعر پڑھے ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید　　معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید
آنانکہ طلب گار خدائید خدائید　　حاجت بطلب نیست شمائید شمائید

حضرت مخدوم الملک بھی مجلسِ وعظ میں تشریف فرما تھے، شعر سُن کر اُن پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ سر مبارک کو ستون سے اتنا ٹکرایا کہ مجروح ہوگیا۔

اتباعِ سنت لیکن حبِ اللہ میں اتباعِ سنت کا بھی ہر حال میں خیال رہتا تھا۔ فرماتے تھے کہ "باخدا دیوانہ باش و باشریعت ہوشیار"

باشرع باہوش باش و باخدا دیوانہ　　باعشق آشنا باش و باعقل بیگانہ

خدمتِ خلق اللہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر حق العباد ادا کرنے میں برابر کوشاں رہے۔ خلق اللہ کی خدمت کو بہت بڑی دولت تصور فرماتے تھے۔ ارشاد ہے کہ:۔

"مسلمانوں کا کام انجام دینا اور اُن کے کام میں لگے رہنا بڑی دولت ہے۔ یہ کام پیغمبروں کا ہے۔ اُنھوں نے مسلمانوں کے کام کئے اور اُنکی بلائیں اپنے سر لیتے رہے۔"

دلجوئی و پردہ پوشی خلق اللہ کی دلجوئی اور اُن کے عیوب کی پردہ پوشی کا خیال ہر حال میں رکھتے۔ اگر نفل کا روزہ رکھے ہوتے اور کوئی مدعو کرتا تو فوراً افطار کر لیتے، اور فرماتے کہ نفل روزہ کی تو قضا ہے، لیکن شکستگیٔ دل کی قضا نہیں۔

ف: سبحان اللہ، کیسی معرفت و عبدیت کی بات ہے جو شریعت و طریقت کی جان ہے۔ اللّٰھم وفقناہ　　(مرتب)

عجز و انکساری زبردست عالم تھے لیکن اپنے کو سگ گرگین آستانۂ علماء سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے، لیکن اپنے آپ کو مدبر (ذلیل) اور مخذول (بدبخت) وغیرہ لکھتے تھے۔ اپنے متعلق فرماتے کہ "ہیچ نہ شد" ایک بار علی الصباح سرد پانی میں غسل کرتے وقت بیہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو فجر کی نماز کا وقت جا چکا تھا، انتہائی رنجیدہ ہو کر

اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جتنا مجاہدہ میں نے کیا ہے اگر پہاڑ نے کیا ہوتا تو وہ پانی ہو جاتا۔ لیکن افسوس، شرف الدین کچھ نہ ہوا۔ تمام معاصر مشائخ کو اپنے سے بلند تر اور بہتر تصور فرماتے۔ ایک بار حضرت سید جلال الدین بخاری ؒ کی خدمت میں ایک کفش "جوتی" بھیجی، جس سے یہ مطلب تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں، لیکن حضرت سید جلال بخاری نے اُس کے بدلہ میں اپنی دستار بھیجی جس سے یہ مراد تھی کہ آپ میرے سر تاج ہیں۔ (بزم صوفیہ ص۴۲۵)

ارشادات

مناقب الاصفیاء میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ :۔

نور سالک کے دل سے صفات بشریت کی سیاہیاں اور تاریکیاں دور ہو کر اس میں جو صفائی پیدا ہوتی ہے، اسی کا نام نور ہے۔ صفائی میں جتنا زیادہ کمال ہوگا اتنا ہی دل کا نور زیادہ درخشاں اور تاباں ہوگا۔ اس درخشانی و تابانی میں دل کے اندر ایک خاص قسم کی لذت، کیفیت اور ذوق محسوس ہوتا ہے جس کو تحریر میں لانا مشکل ہے۔ اسی لذت، کیفیت اور ذوق کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا نور کہتے ہیں۔ (بزم صوفیہ ص۴۵۶)

ایمان آپ نے فرمایا، ایمان کی سچائی اللہ تعالیٰ کو بڑا سمجھنے میں ہے۔ اللہ کی بڑائی کے احساس سے اللہ تعالیٰ سے شرم پیدا ہوتی ہے اس شرم سے باطن اور ظاہر کی تعظیم پیدا ہوتی ہے۔ اسی کے بعد سالک کا شاہد اللہ ہو جاتا ہے، اور وہ اُس کو مختلف صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے، جن کے اثرات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے غنار کے کمال کا

مشاہدہ کرتا ہے تو اُس کے دل سے ساری طمع جاتی رہتی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے جلال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اُس پر اللہ تعالیٰ کا خوف ایسا طاری رہتا ہے کہ اُس کو کبھی آرام نہیں ملتا۔ (مکتوبات سہ صدی ص۱۱۲ بزم صوفیہ ص۴۵۷)

علم آپ نے فرمایا کہ کسی سالک کو بغیر علم کے اِس راہ میں قدم نہیں رکھنا چاہیئے، کیونکہ علم کے بغیر یا تو وہ کافر ہوجاتا ہے یا مجنون۔ بعض اولیاء جاہل گزرے ہیں، مگر اُن کو رحمت خاص سے فیض ملا تھا جن کی مثالیں بہت کم ہیں۔ (خوان پرنعمت ص۶۰ (بزم صوفیہ ص۴۵۷)

شریعت کی پابندی آپ نے فرمایا کہ: اِسی طرح شریعت کے بغیر راہ سلوک میں قدم رکھنا جہالت اور ہلاکت ہے۔ شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک سالک کو شریعت سے واقفیت نہیں تو وہ طریقت اور حقیقت سے آگاہی نہیں حاصل کرسکتا۔
(بزم صوفیہ)

توبہ آپ نے فرمایا: توبہ کے تین مراتب ہیں۔ (۱) عوام کی توبہ اِس لئے ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اِس لئے گناہوں کے عذاب سے بچنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ (۲) خاص لوگوں کی توبہ اِس لئے ہوتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر اُن کو نعمتیں عطا ہوئیں اُس اعتبار سے اُن سے خدمت کا حق ادا نہ ہوسکا۔ (۳) خاص الخاص لوگوں کی توبہ اِس لئے ہوتی ہے کہ اُنھوں نے اپنے کو عاجز و نیست کیوں نہ خیال کیا، قوی اور موجود تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

معرفت آپ نے فرمایا کہ ان ہی مشاہدات کے بعد سالک کو معرفت حاصل ہوتی ہے، جس کے بعد وہ جملہ کائنات کو مقہور اور عاجز تصور کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات و صفات کو تمام چیزوں پر محیط سمجھتا ہے یہ درجہ نہ عقل سے حاصل ہوتا ہے نہ صرف علم سے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔ (مکتوبات سہ صدی ص۱۲۳) (بزم صوفیہ ص۴۵۷)

سالک کی مشغولیت آپ نے فرمایا کہ ترک دنیا اور ترک خلق اللہ کے بعد ایک سالک کی مشغولیت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس کی مصروفیتیں کیا ہوں۔ حضرت مخدوم الملک کے نزدیک ایک سالک کے اشغال کی ترتیب یہ ہونی چاہئے: وہ نماز پڑھے، اگر نماز سے ملول ہو جائے تو تلاوت کلام پاک کرے، اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو ذکر کرے، اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو فکر کرے۔

ف: سبحان اللہ، سالک کی مشغولیت کی فہرست کیا خوب بیان فرمائی (مرتب)

ذکر آپ نے فرمایا کہ ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) زبان پر ہو، لیکن دل میں نہ ہو۔ (۲) زبان و دل دونوں میں ہو۔ مگر دل کسی وقت اس سے غافل ہو جاتا ہو لیکن زبان پر جاری ہو۔ (۳) زبان اور دل میں برابر ہو۔ (۴) دل میں ہو اور زبان خاموش ہو۔ (معدن المعانی ص۱۴۷)

اصل ذکر وہ ہے کہ اس کی زبان ذکر میں مشغول ہو اور دل اللہ کی طلب میں مخمور ہو، روح اللہ کی تجلیات کو دیکھتی ہو، اور اس کا سارا اندرونی راز مذکور (اللہ) کے ساتھ مدغم ہو جاتا ہو، تاکہ وہ کل "منظورات" کو سن سکے اور اس کا ہر بال اور رواں زبان ہو جائے۔ اس کے بعد ذاکر فنا فی اللہ ہوتا ہے، اور اُس کو

اپنی ذات کا مطلق احساس نہیں ہوتا، وہ اپنے کو محض اللہ تعالیٰ کا مرزوق، منظور، مامور اور مخلوق سمجھتا ہے، اور اپنے حزن و مسرت، مرض و صحت اور تنگی و فراخی کو احکم الحاکمین کی محض مشیت تصور کرتا ہے۔ اور نہ صرف صابر و شاکر اور قانع بلکہ مسرور رہتا ہے۔ اور اس کے احوال، اقوال اور افعال میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔ اس طرح وہ غیر اللہ سے منقطع ہو کر مقام اِلاَّ اللہُ کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کو اپنے دل کے اندر محسوس کرتا ہے۔ اور اُسکی ذات کو اپنی ذات میں دیکھتا ہے، اسی کے بعد اس پر ارادت غیبی مکشوف ہوتی ہے۔ (ارشاد الطالبین ص ۵، راحت القلوب ص ۳۳، بزم صوفیہ ص ۴۶۱)

مکتوبات اور ان کا علمی و ادبی پایہ

حضرت مخدوم کی زندہ یادگار اور اُن کے علوم و کمالات کا آئینہ انکے مکتوبات کا وہ نادر مجموعہ ہے جو نہ صرف اُس عصر کی تصنیفات ہیں، بلکہ معارف و حقائق کے پورے اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ علم کی گہرائی، تحقیقات کی نُدرت، مشکلات کی عقدہ کُشائی، ذاتی تجربات، اذواق صحیحہ، مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سنت کی صحیح و عمیق فہم، مقام نبوت کی حرمت و عظمت کے بیان، شریعت کی حمایت اور وجد انگیز نکات اور شرعی لطائف کے اعتبار سے (ہمارے محدود علم میں) پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت مخدوم کے مکاتیب اور مکتوبات امام ربانی کی نظیر نظر نہیں آتی۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے محققین و عارفین کے علم و فکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے، اور انھوں نے معرفتِ الٰہی، ایمان و یقین،

مشاہدہ وادراک، تصفیۂ قلب وتزکیۂ نفس، روح کی لطافت وذکاوت، اخلاق کی باریکیوں اور نفس انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات وفتوحات حاصل کیں، اور ان کی ذکاوت اور قوتِ فکریہ کے طائرِ بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا۔ (دعوت وعزیمت ص۲۴۲)

مضامین کا ماخذ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو صاف احساس ہوتا ہے کہ یہ بلند علوم، یہ نادر نکات اور تحقیقات لکھنے والے کی صرف ذہانت، وفورِ علم اور غور ومطالعہ کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ اس کے ذاتی تجربات اور اس کے ذوق ویقین کا نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علوئے بارگاہ، شانِ بے نیازی، اُس کی داوری وکبریائی، جلال وجمال، مومن کے خوف ورجاء، عارفین وواصلین بارگاہ کے نازوگداز، سرور واندوہ، دریائے رحمت کی طغیانی، توبہ وانابت کی ضرورت پر جو لکھا گیا ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی محرمِ راز وآشنائے حقیقت لکھ رہا ہے۔

اسی طرح مرتبۂ انسانیت کی رفعت وبلندی، قلبِ انسان کی عظمت ووسعت، محبت کی قدر وقیمت، انسان کی بلند پروازی، دوررسی، مشکل پسندی اور عنقا طلبی، علو ہمت اور قوتِ طلب کے متعلق جو طاقتور مکتوبات لکھے گئے ہیں وہ اعلیٰ ترین تحریرات میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔

نفس کے مغالطوں، شیطان کے فریب، اخلاق رذیلہ اور سلوک کی گھاٹیوں کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ سب طویل تجربے، وسیع علم اور عملی واقفیت پر مبنی ہے۔

اہلِ طریقت کی جن غلطیوں پر متنبہ کیا گیا ہے اور شریعت کی ضرورت، تکالیف

شرعیہ کے ہمیشہ باقی رہنے، نبوت کی ولایت پر ترجیح اور مقامِ نبوت کی عظمت کے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے اُس کی قدر و قیمت اور افادیت کا اندازہ لگانے کے لئے اُس عصر اور ماحول کا جاننا ضروری ہے جسمیں یہ مکتوبات لکھے گئے ہیں۔

ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت ان مکتوبات کے کچھ نمونے اور اقتباسات پیش کریں گے۔ جو لوگ تفصیل اور استیعاب کے خواہشمند ہیں وہ اصل مکتوبات کی طرف رجوع کریں۔

اللہ کی شانِ بے نیازی

چشم بکشای و حسرت آدم بیں و فریادِ نوح بشنو، و بے کامیٔ خلیل بیں و حدیثِ مصیبتِ یعقوب شنو، چاہِ زندانِ یوسف ماہ رو بیں، و آرہ بر فرقِ زکریا نگر، و تیغ بر گردنِ یحییٰ بیں، جگر سوختہ و دل کباب گشتۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و صحبہٖ وسلم و علیہم اجمعین بیں، و برخواں کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَهٗ (مکتوب سی و ششم)

چشم عبرت کھولو، آدمؑ کی حسرت دیکھو نوحؑ کی فریاد سنو، ابراہیم خلیل اللہ کی ناکامی دیکھو اور یعقوبؑ پیغمبر کی مصیبت کی داستان پر کان دھرو، کنوئیں میں یوسف ماہ رو کو دیکھو، حضرت زکریاؑ کے سر پر آرہ اور حضرت یحییٰؑ کی گردن پر تلوار ملاحظہ کرو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوزشِ جگر و بے تابیٔ دل پر غور کرو۔ اور پڑھو۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَهٗ (اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔)

(دعوت و عزیمت ص ۱۵۱/۲)

توبہ کی تاثیر توبہ سے انسان کی حالت میں جو تغیر اور اُس کو جو ترقی اور کمال حاصل ہوتا ہے، توبہ کی کیفیت اور اس کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"توبہ ایں بود و مرید بحقیقت ایں جا تائب گردد، و ایں را گردش خوانند یعنی از حال پلیدگی و آلودگی بحال پاکی بگشت، کلیسا بود مسجد گشت، بتخانہ بود صومعہ گشت، دیو بود آدمی گشت، خاک بود، زر گشت، شب تار بود روز روشن گشت. آں گاہ بر دل مرید آفتاب ایمان طالع شود، و اسلام جمال خود دید و نماید، و بر سر کوئے معرفت راہ یابد۔

(مکتوب بست و نہم (۲۹)

توبہ اس طرح ہوتی ہے اور مرید اس موقع پر تائب ہوتا ہے، اس کو گردش کہتے ہیں یعنی پلیدگی اور آلودگی کی حالت سے پاکی کی حالت میں وہ تبدیل ہو گیا، کلیسا تھا مسجد ہو گیا، بتخانہ تھا عبادت گاہ بن گیا سرکش تھا انسان بن گیا، مٹی تھا سونا بن گیا، اندھیری رات تھی روز روشن ہو گیا۔ اُس وقت مومن کے دل پر ایمان کا آفتاب طلوع کرتا ہے، اور اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے اور وہ کوئے معرفت کی راہ پاتا ہے۔ (دعوت و عزیمت ص۲۶۶)

وفات

۷۸۲ھ میں ۶، شوال شب پنجشنبہ کو بوقت نماز عشاء، عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ نماز جنازہ حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے پڑھائی۔ مزار بہار شریف میں مرجع خلائق ہے۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

(بزم صوفیہ ص۴۳۱)

حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشتؒ المتوفی ۷۸۵ھ

نام ونسب نام سید جلال الدین، لقب مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور کنیت ابو عبدالحسین۔ والد کا نام احمد کبیر الدین ہے۔

فضل وکمال آپ شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ آپ شیخ الاسلام رکن الدین قریشی رح کے مرید اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رح کے خلیفہ تھے۔ اور جب حج کیلئے گئے ہیں تو مکہ میں امام عبداللہ یافعیؒ کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوئے۔ آپ کے ملفوظات خزانہ جلالی میں امام یافعیؒ سے بہت سی باتیں منقول ہیں۔ نیز محدثِ مدینہ شیخ عفیف الدین مطریؒ نے بھی حرم نبوی میں آپ کو خرقۂ تبرک عطا فرمایا، آپ نے ان کی خدمت میں دو سال رہ کر عوارف المعارف اور سلوک کی دوسری کتابیں پڑھیں اور طریق تصوف کی تعلیم پائی۔

شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے کہ محمد تغلق کے عہد میں آپ شیخ الاسلام تھے اور سیوستان کی خانقاہ محمدی کی مسند آپ کو عطا ہوئی تھی، مگر کچھ دنوں کے بعد سب چھوڑ چھاڑ کر آپ نے کعبہ مبارک کا رخ کیا۔ (اعیان الحجاج ص ۱۴۶)

خاندان حضرت سید جلال الدین بخاری رح کے دادا کا اسم گرامی بھی سید جلال الدین تھا۔ تذکرہ نگار اُن کا نام عموماً سید جلال الدین سرخ بخاری لکھتے ہیں۔ وہ بخارا سے بھکر آئے، اور بھکر سے ملتان آکر حضرت بہاؤالدین زکریاؒ سے بیعت کی اور تعلیم وتربیت کے بعد خرقۂ خلافت بھی پایا۔

بھکر کے قیام کے زمانہ میں وہاں کے ایک ممتاز امیر سید بدرالدین کی لڑکی سے

عقد کیا، اس عقد کی بشارت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دی تھی۔ اس کے کچھ دنوں بعد ملتان سے اچہ منتقل ہو گئے اور اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کی اور یہی ان کی ابدی خوابگاہ بھی ہے۔ (بزم صوفیہ ص۴۶۶)

جہانیاں جہاں گشت کہنے کی وجہ

اس لقب کی وجہ "سیر العارفین" کے مصنف نے یہ بتائی ہے کہ عید کے روز آپ نے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رح، حضرت شیخ صدر الدین رح اور حضرت شیخ رُکن الدین رح کے مزاروں پر جاکر مراقبہ کیا اور مراقبہ میں عیدی طلب کی، تو اُن بزرگوں کی جانب سے عیدی میں "مخدوم جہانیاں" کا لقب ملا، اور جب وہ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں جو کوئی دیکھتا بے اختیار کہتا کہ "مخدوم جہانیاں" آتے ہیں۔ اور چونکہ سیاحت بہت کی تھی اس لئے "جہاں گشت" بھی کہلائے۔

ولادت وطفلی

حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت باسعادت اچہ میں ۷۰۷ھ میں ہوئی۔ سات سال کے ہوئے تو والد بزرگوار کے ساتھ اچہ کے ایک بزرگ حضرت شیخ جمال خنداں رو کی ایک مجلس میں شریک ہوئے، مجلس میں حضرت شیخ جمال خنداں رو کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا اُنھوں نے یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کیں۔ حضرت سید جلال الدین رح کو یہ ملیں تو گٹھلیوں سمیت کھا گئے۔ شیخ جمال نے یہ دیکھ کر دریافت کیا، میاں صاحبزادے تم نے گٹھلیوں سمیت کھجوریں کیوں کھالیں؟ جواب دیا، آپ کے دست مبارک سے جو کھجوریں ملیں اُن کی گٹھلیاں پھینک دینا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ سن کر حضرت شیخ جمال خنداں رو نے فرمایا، تم فقر اور اپنے خاندان دونوں کا نام روشن کروگے۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم اچہ ہی میں پائی۔ "لطائف اشرفی (ج ۱ ص ۳۹) میں ہے،

شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری سے حاصل کی، پھر اچہ کے قاضی علامہ بہاؤالدین سے ہدایہ اور بزودی پڑھیں۔ اُن کی وفات کے بعد مزید تعلیم کیلئے ملتان آئے۔ خاندان پہلے سے سہروردیہ سلسلہ سے منسلک تھا، اِس لئے اپنے والدماجد کے مرشد یعنی شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے پوتے حضرت شیخ رُکن الدینؒ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوئے، حضرت شیخ رُکن الدین خاص شفقت سے پیش آئے اور ان کی تعلیم اپنے پوتے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم مولانا مجدالدین کے سپرد کی، اور اُن بزرگوں سے آپ نے ہدایہ اور بزودی ختم کی، جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو حضرت شیخ رُکن الدین نے اُن کو اپنی کشتی پر سوار کر کے اچہ واپس بھیج دیا۔

اثنائے تعلیم میں کلام پاک کی ساتوں قرائتیں سیکھیں۔ تحصیل علم کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ مکہ عبداللہ یافعیؒ اور شیخ مدینہ عبداللہ مطریؒ سے بھی مختلف کتابیں پڑھیں دونوں شیوخ سے صحاح ستہ اور حضرت شہاب الدین سہروردی کی تصنیف "عوارف المعارف" کے درس لئے۔ شیخ مدینہ عبداللہ مطریؒ کے ساتھ دو سال رہے۔ اور برابر تہجد کے وقت احادیث نبوی اور عوارف اُن سے پڑھتے رہے۔ وہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ :-

> "شیخ عبداللہ مطریؒ تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا۔ میں نے اُن سے ایک روز عرض کیا، اے شیخ! کیوں نہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں، آپ میرے مخدوم اور استاذ ہیں، لیکن

اُنھوں نے فرمایا، تم میرے پاس نہ آؤ، میں خود تمھارے پاس آیا کروں گا
تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہو۔"

حضرت مخدوم جہانیاں رؒ اپنے ملفوظات میں شیخ مدینہ کی شفقت اور محبت کا ذکر بار بار فرماتے ہیں :-

" رمضان شریف میں مسجد نبویؐ میں اعتکاف کرتے تو شیخ مدینہ افطار کے وقت ان کے لئے دو قرص لاتے، اور جب وہ مسجد نبویؐ کے احترام کی خاطر کم کھانے کی کوشش کرتے، تو شیخ کہتے، اے فرزند رسول اللہ! تم ماں رکھتے ہو، بیوی اور رشتہ دار والے ہو، ان کے پاس تم کو واپس جانا ہے کم کھاؤ گے تو کمزور ہو جاؤ گے، ان کے پاس واپس کیونکر جا سکو گے؟ زیادہ کھانے سے تمھارا دین کمزور نہ ہو جائے گا، بلکہ قوی ہو گا۔ (بزم صوفیہ صفحہ ۴)

ف : سبحان اللہ، کیسی حکمت کی بات ارشاد فرمائی، اس لئے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ صوفیہ کھانا پینا چھڑا دیتے ہیں یہ غلط ہے، بلکہ بضرورتِ اصلاح کسی کو تقلیل طعام و منام کی ہدایت فرماتے ہیں۔ ہاں تلذذات و مباحات میں تکثر کو ضرور منع فرماتے ہیں، بلکہ اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں تاکہ درجاتِ علیہ تک پہنچیں، جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ نے فرمایا کہ :-

قال لی یوما شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ
فی شیء من المباح ھذا ینافی المراتب العلیۃ وان
لم یکن شرطا فی النجاۃ اونحو ھذا من الکلام (مدارج السالکین ص۲)

(ترجمہ: ایک دن شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کسی مباح چیز کے بارے میں فرمایا کہ اس کا استعمال مراتب عالیہ تک پہنچنے کے منافی ہے۔ اگرچہ اُس کا ترک نجات کیلئے

شرط نہیں ہے۔ یا اس کے مثل کوئی اور کلام تھا۔)

بیعت و خلافت شروع میں اپنے والد ماجد ہی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر تصوف کی تعلیم پائی، پھر حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے نامور پوتے حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین رحؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کی ذاتِ اقدس سے اسقدر محبت بڑھی کہ ایک بار حضرت رکن الدین رحؒ اپنے چبوترہ کی دہلیز سے اُتر کر کہیں تشریف لے جارہے تھے، دہلیز کا زینہ نیچا تھا، حضرت سید جلال الدین بخاری وہاں آکر چت لیٹ گئے کہ مرشد سینہ پر پاؤں رکھ کر آسانی سے اُتر جائیں مرشد نے یہ دیکھا تو اپنی شہادت کی انگلی منہ میں دبا کر اپنے شفیق مرید سے فرمایا نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے، لیکن اے سیّد! ولایت کی اقلیم پر تمھارا تصرف حد شریت سے زیادہ ہوگا، یہ کہہ کر حضرت جلال الدین کو دستِ مبارک سے اُٹھایا اور اپنے سینہ سے لگالیا۔

ف: سبحان اللہ، یہ تھی مرید مخلص کی خاکساری و جاں نثاری، اور یہ تھی مرشد کامل کی قدر شناسی اور ذرہ نوازی، اور پہلے ایسا بہت ہوتا تھا جس کی وجہ سے مریدین درجۂ کمال کو پہنچتے تھے، جو آجکل عنقا ہے۔ (مرتّب)

"اخبار الاخیار" میں بھی ہے کہ حضرت شیخ رکن الدینؒ نے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو نیا خرقہ پہنایا۔ لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاںؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ رُکن الدین رحمہ اللہ نے خواب میں اُن کو خرقہ پہنایا اور قطب عالم کے لقب سے یاد فرمایا۔ جن بزرگوں اور مشائخ نے اُن کو خلافت کے خرقے پہنائے، اُن کی تعداد بیس ۲۰ بتائی ہے۔

شریعت کی پابندی لیکن تصوف و عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے

باوجود زندگی شروع سے آخر تک پابندیٔ شریعت اور اتّباعِ سنت میں گزری، راہِ سلوک کی خواہ کسی منزل میں رہے لیکن شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوڑا فرماتے ہیں کہ: حقیقت شریعت ہے، اور جب تک کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑے گا ہرگز حقیقت کو نہ پہنچ سکے گا۔ اور ایک موقع پر فرمایا کہ جو شخص شریعت سے عاری ہے وہ طریقت و حقیقت کو نہیں جان سکتا ہے۔ شریعت بمنزلہ میوے کے ہے اور طریقت و حقیقت اُس میوہ کے مغز کے مشابہ ہیں۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شیخ، طریقت اور حقیقت سے آشنا ہے، لیکن شریعت سے واقف نہیں، تو وہ شیخ نہیں جاہل ہے۔ کوئی صالح اور نیک آدمی اُس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کا علم اُس کو حاصل نہ ہو۔

ف: سبحان اللہ، شریعت، طریقت اور حقیقت کی مثالوں سے کیسی وضاحت فرمائی جو نقشِ قلوب کئے جانے کے لائق ہے۔ آج اس کی حقیقت کی ناواقفیت سے طرح طرح کی بدعات و خرافات کا شیوع ہو رہا ہے۔ اللّٰھمّ احفظنا۔ (مرتب)

وہ جاہل شیخ کو کسی حال میں برداشت نہ کرتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص شہر اچہ میں وارد ہوا، وہ اپنے کو ولی اللہ کہتا تھا، اُس کے پاس عوام و خواص کا ہجوم رہنے لگا، حضرت سید جلال الدین بھی اُس سے ملنے تشریف لے گئے۔ جب اُس کے پہلو میں جا کر بیٹھے تو اُس نے کہا، اے سید! ابھی ابھی حق تعالےٰ میرے پاس سے گیا ہے، حضرت سید جلال الدینؒ یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا، بدبخت! تو کافر ہوگیا پھر سے کلمہ شہادت پڑھ۔ اور اُسی وقت اُٹھ کر شہر کے قاضی کے پاس آئے کہ اُس بدبخت کو طلب کرو، اگر وہ توبہ کر لے تب تو معاف کردو، ورنہ اُس کو قتل

کرنے کا حکم دو، مقطع شہر اُس شخص کا معتقد ہو چلا تھا۔ اِس لئے قاضی نے مقطع کے خوف سے سزا دینے میں پس وپیش کیا۔ حضرت سید جلال الدین نے مقطع کے پاس پیام بھیجا کہ ایک جھوٹا شخص کفر پھیلا رہا ہے، اگر تم نے اُس کو سزا نہ دلائی، تو پھر بادشاہ سے جاکر کہوں گا، بالآخر وہ شخص شہر بدر کیا گیا۔[عہ]

ف: سبحان اللہ، نہی عن المنکر کا کیسا داعیہ و جذبہ تھا جو لائحہ عمل بنانے کے لائق ہے۔ (مرتب)

تارکِ نماز کی تربیت تارکِ نماز کو بھی ولی تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ ہوتے۔ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے بھکر واپس آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے انھوں نے کہا کہ قصبہ الور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے، جو یہ دعوے کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اُس کے لئے نماز معاف کر دی ہے۔ یہ سن کر میں اُس کے پاس گیا، وہاں اُمرا، اور دوسرے اکابر کا ہجوم تھا، اُس ہجوم سے گزر کر میں کسی طرح اُس کے پاس پہنچا، میں نے اُس کو سلام نہیں کیا، بلکہ جاکر بیٹھ گیا، اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے:۔

الفرق بین المومن والکافر الصّلوٰۃ۔ یعنی مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز فرق کرتی ہے۔

درویش نے جواب دیا، سیّد! میرے پاس جبرئیل آتے ہیں، بہشت کا کھانا لاتے ہیں، خدائے تعالےٰ کا سلام پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں تمھارے لئے نماز معاف کر دی گئی ہے اور تم مقرب خاص ہو گئے۔ میں (یعنی سید جلال الدین) نے کہا کہ بیہودہ مت بکو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو نماز معاف ہی نہیں ہوئی تا بہ

عہ الدر المنظوم ص ۵۰۳۔

جیسے جاہل کے لئے کیسے معاف ہوسکتی ہے، وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آکر کہتا ہے کہ میں جبرئیل ہوں، جبرئیلؑ وحی کے فرشتے ہیں، وہ پیغمبر کے سوا کسی اور کے پاس نہیں آتے، اور وہ جو کھانا تیرے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے۔ درویش نے کہا وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے، اس میں لذت محسوس کرتا ہوں۔ میں نے کہا، اب جب وہ فرشتہ آئے تو لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھنا۔ میں دوسرے دن جب اُس درویش کے پاس گیا تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں نے تمہاری بات پر عمل کیا اور جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھا، وہ میرے سامنے سے غائب ہوگیا اور جو کھانا اُس نے دیا وہ غلیظ ہوکر میرے ہاتھ سے گر پڑا اور میرے سارے کپڑے نجس ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت سید جلال الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اُس بے نمازی درویش سے توبہ کرائی اور اُس کی جو نمازیں فوت ہوئی تھیں انکی قضا پڑھوائی۔

ف: کس قدر عبرتناک واقعہ ہے۔ اِس زمانہ میں اکثر اِس قسم کی دلفریب باتوں سے بہت سے لوگ جھوٹے پیروں کے معتقد ہوجاتے ہیں، عوام ہی نہیں، بلکہ خواص بھی مکروفریب کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور ان کو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں اور ولایت کی جو ضروری شرطیں ہیں، ایمان وتقویٰ، اسکو نہیں دیکھتے۔ العیاذ باللہ (درجنے)

اپنے مریدوں کو نماز باجماعت کی بڑی تاکید فرماتے، اور جماعت کے تارک کو ارشادِ نبویؐ کی بناء پر ملعون اور بدعتی کہتے۔ اپنی ایک مجلس میں اِس حدیث کی خاص طور پر تصریح کی کہ جو شخص محلے کے مسجد کی اذان سنے اور نماز کیلئے نہ جائے تو اُس کی قبر میں کیڑے نہ مریں گے اور اس کی قبر سے آگ نہ بجھے گی اور ہر وقت عذاب میں رہے گا۔

سفر و سیاحت میں تنہا ہوتے، تو خود ان کا بیان ہے کہ عین نماز کے وقت کہیں سے ابدال آجاتے اور اس طرح جماعت کا ثواب مل جاتا۔

ف: سبحان اللہ، کس مرتبہ کے بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ انکے فیض سے ہمیں بھی فیضیاب فرمائے۔ (مرتب)

اتباع سنت اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ سالک کو چاہئے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرے، اسی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوگی۔ اہل بدعت، بدعت کو قربت جانتے ہیں، اور وہ لوہا، تانبا پہنتے ہیں، ڈاڑھی ترشواتے ہیں، جیسا کہ قلندر کیا کرتے ہیں، لیکن اس طرح قربت حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ بُعد و ضلالت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ (آل عمران) یعنی فاتبعونی بالافعال و الاقوال والاحوال	اے محمد! تم لوگوں سے کہدو کہ اگر تم اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو، تو تم میرے افعال اقوال و احوال کی پیروی کرو۔ پس اللہ تم کو دوست رکھے گا۔

ف: سبحان اللہ، اتباع کو کتنا عام فرمایا، یعنی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری افعال و اقوال کی اتباع ضروری ہے، اسی طرح آپ کے باطنی اعمال و اخلاق کی بھی اتباع لازم ہے۔ جب کہیں جاکر عند اللہ محبوبیت کا مقام حاصل ہوگا۔ (مرتب)

حضرت مخدوم جہانیاں خود بھی ہر حال میں اتباع سنت کا خیال رکھتے تھے اسی بنا پر احادیث نبویؐ سے غیر معمولی شغف تھا۔ ان کے ملفوظات کے ایک مجموعہ "سراج الہدایہ" میں احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے ایک

مستقل باب ہے، جس میں مختلف حدیثوں کی تشریح و توضیح ہے۔ اپنی مجلسوں میں احادیث نبویؐ کا ذکر بار بار فرماتے، اور اُنہی کے مطابق اپنے مریدوں کی تعلیم و تلقین کرتے، احادیث کی کتابوں مثلاً صحاح ستہ، مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار کا باضابطہ درس بھی دیتے۔ اپنی روزمرہ زندگی کے تمام معمولات کو بھی احادیث کے مطابق بنانے کی کوشش فرماتے۔ پنجگانہ نمازوں کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت اوابین، تراویح اور دوسری نفل نمازوں میں اُتنی ہی رکعتیں پڑھتے جتنی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھیں۔ زیادہ تر اُنہی اوراد و وظائف کی مداومت کرتے جن کا ذکر حدیثوں میں ہے۔ اپنی عبادت میں ساری رات نہ جاگتے بلکہ کچھ دیر سو رہتے۔ فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات بیدار رہا، اُس نے ترک سنت کیا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تو یہ ہے کہ "اَنَا اُصَلِّیْ وَاَنَامُ" (میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ (بزم صوفیہ ص۴۸۵)

مراجعتِ ہند تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک روز شیخ مکہ امام عبداللہ یافعیؒ نے حضرت سید جلال الدینؒ سے خانۂ کعبہ میں فرمایا کہ دہلی سے بڑے بڑے مشائخ اُٹھ گئے ہیں، تاہم اُنکی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود میں موجود ہے۔ اُن کی ذات بابرکت بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ حضرت سید جلال الدینؒ نے یہ سنا تو حضرت شیخ نصیر الدینؒ سے ملنے کے مشتاق ہوئے۔ اور مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے۔ حضرت شیخ نصیر الدین نے حضرت سید جلال الدینؒ کو دیکھ کر فرمایا، شیخ عبداللہ یافعی کی بدولت تمھارے دیدار سے مشرف ہوا۔ حضرت سید جلال الدین نے عرض کیا، شیخ عبداللہ یافعی پر اللہ کی رحمت ہو، اُنکی بدولت

آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچا۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے خوش ہو کر اُن کو خرقۂ خلافت مشائخ چشت عطا فرمایا۔ اور اسی کے بعد وہ یعنی حضرت شیخ نصیر الدین محمود "چراغ دہلی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مہمان نوازی جب کوئی ملنے آتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے۔ فرماتے جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اُس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اُس نے کسی مردے کی زیارت کی۔ کہیں سے کوئی مہمان آتا تو جب تک مقیم رہتا اُس کے لئے کھانے پینے کا سامان اور نقد وظیفہ کا انتظام کر کے ایک حجرہ علیحدہ کر دیا جاتا۔

ف: سبحان اللہ، کیسی عمدہ معاشرتی تعلیمات ہیں جسمیں آجکل عوام تو کیا خواص سے بھی (جو طریق وسلوک سے نسبت رکھتے ہیں) کوتاہی ہو رہی ہے حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نے "آداب المعاشرت" میں تحریر فرمایا ہے کہ شیوخ بھی آداب کا لحاظ نہیں کرتے۔ (مرتب)

عفو و درگزر خانقاہ اور قیامگاہ سے چیزیں اکثر چوری ہو جاتیں، لیکن صبر و تحمل سے کام لیتے۔ ایک بار دہلی کے قیام کے زمانہ میں کسی نے چادر چرالی۔ ایک معتقد نے کہا کہ چور کے لئے آپ بددعا کریں، بار بار چیز چرالے جاتے ہیں، فرمایا، ہرگز بددعا نہ کروں گا، بلکہ چور اگر آجائے تو میں چادر اُس کو بخش دوں گا۔ میری بہت سی چیزیں مثلاً مٹکا اور مسبحہ وغیرہ بہ چور اُٹھا کر لے گئے لیکن میں نے کبھی بددعا نہیں کی۔

خاکساری ایک مرید نے مدح لکھی اور قطب عالم، شیخ الشیوخ اور سید السادات کے القاب لکھے۔ سُن کر فرمایا، مجھ کو "گدائے عالم" کہو۔

معاصر صوفیہ کا احترام ایک بار حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیری رحؒ نے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس کفش بھیجی، جس کا مطلب یہ تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اُس کے بدلے میں اپنی دستار بھیجی۔ جس سے مراد یہ تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں۔ سمنان سے آکر حضرت جہانگیر سمنانی رحؒ نے ان کی قدمبوسی کی، تو بہت ہی شفقت سے ملے **ف**: سبحان اللہ، ہمارے بزرگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ کیسا ادب و احترام کا معاملہ تھا جو ہمارے لئے اُسوہ ہے۔ (مرتب)

ارشادات

فرمایا: دل سے حسب ذیل چیزوں کو دور کرنا چاہیئے:۔

(۱) غصہ (۲) حسد (۳) بخل (۴) عجب (۵) نفاق (۶) شہرت پسندی (۷) حرام چیزوں کے کھانے پینے لینے دینے، سننے اور دیکھنے کا خیال (۸) کاہلی (۹) انتقام ان کو دور کر کے تواضع اختیار کرنا چاہیئے۔

ف: سبحان اللہ، رذائل نفس کی کیسی فہرست پیش فرما دی جو ہر سالک کو بلکہ ہر مسلمان کو پیش نظر رکھنا اور ان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ (مرتب)

شرائط ذکر فرمایا: ذکر کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں (۱) تصدیق، یعنی جو کچھ ذاکر کی زبان پر ہو اُس کا یقین اُس کے دل میں بھی ہو اگر یہ تصدیق نہیں تو ذاکر منافق ہے۔ (۲) تعظیم، یعنی زبان پر جو کچھ ہو اسکی عظمت بھی دل میں ہو۔ اگر یہ تعظیم نہیں تو ذاکر بدعتی ہے۔ (۳) حلاوت یعنی ذاکر ذکر سے پوری لذت اُٹھائے، ورنہ وہ ریاکار ہے۔ (۴) اگر ذکر کے وقت اُسکی حرمت کا خیال نہ ہو، تو ذاکر فاسق ہے۔

عقباتِ سالک

آپ نے فرمایا: عقبات کے معنی گھاٹیاں ہیں۔ راہِ سلوک میں مختلف قسم کی گھاٹیاں آتی ہیں۔ پہلی گھاٹی دنیا ہے جب سالک راہِ سلوک میں گامزن ہوتا ہے، تو دُنیا کہتی ہے، تو کہاں جاتا ہے لَوٹ آ، میرے پاس کتنے لذائذ ہیں، یہ میوے، یہ کپڑے، یہ عورتیں ہیں، ان کو چھوڑ کر کہاں جاتا ہے۔ لیکن سالک اُن سے منہ موڑ کر اُن کو محض فانی چیزیں سمجھتا ہے تو وہ منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا ہے۔ ایک سالک کو ہمیشہ حق تعالےٰ سے التجا کرتے رہنا چاہیئے کہ اُسکو راہ کی گھاٹیوں سے پار کر دے۔ (الدر المنظوم ص ۱۶۰)

مقاماتِ سالک

آپ نے فرمایا: سالک کے دو مقامات ہیں، ابتدار اور انتہا، مقامِ ابتدار توبہ ہے، توبہ دو طرح کی ہے۔ ایک تو یہ کہ شریعت و طریقت کی معصیتوں سے توبہ کرے، یعنی حرام، مکروہ چیزوں، بے ادبی اور اخلاق ذمیمہ سے پرہیز کرے۔ اور دوسرے ماسوی اللہ سے توبہ کرے۔ مقامِ انتہا تمکین مع اللہ ہے، اور یہ قدیم یعنی باری تعالےٰ کو حاصل کرنے اور محدث یعنی دنیا کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ شخص کبھی عاقل نہیں جو نعمتوں سے لطف اُٹھائے اور نعمتوں کے دینے والے یعنی باری تعالیٰ سے غافل ہو جائے۔

حالاتِ سالک

آپ نے فرمایا: ان مقامات کو طے کر کے سالک میں تین حالتیں پیدا ہوتی ہیں: سلوک، وقوف، رجوع سلوک سے مراد وہ حالت ہے، جس سے منزلِ مقصود کے مقامات طے ہوتے ہیں، ان مقامات کو طے کرنے میں توقف بھی ہوتا ہے جس کو وقوف کہتے ہیں۔ سالک جب کسی مکروہ یا حرام چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے، یا اُس میں کسل پیدا ہو جاتا ہے یا وہ دنیا سے اختلاط شروع کر دیتا ہے، تو پھر مقامات طے نہیں ہوتے، وقوف کا

علاج رجوع ہے۔ یعنی سالک کو صابر و شاکر رہ کر پھر ایک بار تائب ہونا چاہیئے اور وقوف کو دور کرنے کیلئے مفید مشاغل مثلاً درس وتدریس، امامتِ مساجد، کسبِ مکاسب اور تعلیمِ صبیان اختیار کرلینا چاہیئے۔ لیکن ان مشاغل میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام کو بجالانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو۔ (الدر المنظوم ص ۲۵۸)

منازلِ سلوک

آپ نے فرمایا: سالک کی چار منزلیں ہیں۔ ناسُوت ملکوت، جبروت، لاہوت۔ منزل ناسوت نفس کی جگہ ہے۔ جب سالک کے نفس سے اوصاف ذمیمہ زائل ہوجاتے ہیں تو وہ عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، یہ دل کی جگہ ہے جس میں فرشتوں کی صفتیں پائی جاتی ہیں اس منزل سے گزر کر سالک عالمِ جبروت میں پہنچتا ہے جو روح کی جگہ ہے، اس میں روح کی وہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات سے قریب کرتی ہیں۔ اس منزل کے بعد لاہوت ہے، جہاں "خود" سے رہائی حاصل ہوجاتی ہے۔

یہ تمام منزلیں نفس، دل اور روح کے ذریعہ سے طے ہوتی ہیں۔ نفس شیطان کی جگہ ہے، دل فرشتوں کا مقام ہے اور روح "محلِ نظرِ رحمٰن" ہے جو نفس کی پیروی کرتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا، جو دل کی متابعت کرے گا اُس کو جنتِ نعیم حاصل ہوگی۔ اور جو روح کی فرماں برداری کرتا ہے اُس کو خداوند کریم کے پاس جگہ ملے گی۔

ف: مبارک ہیں وہ حضرات جنھیں اللہ ربّ العزت کے پاس جگہ ملے گی۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا ھٰذَا الْمُقَامَ الرَّفِیْع۔ (مرتب)

معرفت

آپ نے فرمایا: جس کو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے لطائف اور اس کی محبت کے حقائق سے واقف

ہو جاتا ہے، معرفت کا نور ہر قسم کے انوار پر غالب آتا ہے۔ نہ اُس پر گناہوں کی تاریکیاں چھا سکتی ہیں، نہ اُس کو شہوتوں کی خواہشیں کثیف بنا سکتی ہیں، نہ اُس کو افکار و غفلت کا غبار چھپا سکتا ہے۔

ف: سبحان اللہ، کیسے حقائق و اسرار ہیں جو قابل استحضار ہیں، بلکہ مجاہدہ کر کے حاصل کرنے کے لائق ہیں۔ (مرتب)

وفات

لطائفِ اشرفی میں ہے کہ سال وفات ۸۵۰ھ ہے۔ چہار شنبہ کا دن تھا، اُسی روز عید الاضحیٰ تھی۔ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ کر طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور غروبِ آفتاب کے وقت مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مزار اچہ شریف میں ہے، جو ریاست بہاول پور میں ملتان سے ستّر میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ۔

(بزم صوفیہ ص ۵۰۸)

حضرت الشیخ ابواسحٰق شاطبی رحمہ اللہ المتوفی ۷۹۰ھ

نام ونسب آپ کا اسم گرامی ابراہیم بن موسیٰ بن محمد لحمی غرناطی ہے۔ آپ کی کنیت ابواسحٰق ہے۔ شاطبی سے معروف ومشہور ہیں۔

فضل وکمال آپ اپنے وقت کے بلند پایہ امام، محقق اور بلند درجہ کے مجتہد تھے۔ آپ مفسر، محدّث، فقیہ اور لغوی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ ورع وتقویٰ اور مناظرہ ومباحثہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے، آپ اتباعِ سنت کے حد درجہ پابند تھے اور بدعات وخرافات سے کوسوں دور تھے اور بدعات وخرافات میں پڑنے والوں سے بہت بچتے تھے۔

تصانیف آپ کی گراں قدر تالیفات وتصنیفات ہیں جو مفید بحثوں اور دقیق تحقیقات پر مشتمل ہیں۔ انہی تصانیف میں فن نحو میں "خلاصہ" ہے جو چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ اور "موافقات" اصولِ فقہ میں ہے، جو چار جلدوں میں ہے۔ اور ردّ بدعات وخرافات میں "الاعتصام" ہے۔ اور المجالس ہے جس میں بخاری شریف کے کتاب البیوع کی توضیح وتشریح ہے۔ اس کے علاوہ بھی بیشمار مفید تالیفات وتصنیفات ہیں۔

طہارت وغیرہ میں دفع وسواس کیلئے آپ کا ارشاد آپ فرماتے ہیں: اگر دفع وسواس کے لئے

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ نَفْسًا مُطْمَئِنَّۃً تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ

عہ "الاعتصام" کے شروع میں ترجمۃ المؤلف مذکور ہے، جس کے اکثر حصہ کا ترجمہ مولوی محبوب احمد ندوی اور مولوی نفیس احمد ترلامی نے کیا ہے۔ جو نقل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

وَتَرْضٰی بِرِضَائِکَ وَتَخْشَاکَ حَقَّ خَشْیَتِکَ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ پر مواظبت کی جائے تو یہ دعا، دفع وسواس کیلئے بے حد مفید ہے۔

ترجمہ: اے اللہ! مجھے ایسا نفس مطمئنہ عطا فرما جو آپ کی ملاقات پر یقین رکھتا ہو اور آپ کی عطا پر قناعت کرنے والا ہو، اور آپ کے فیصلہ پر راضی ہو اور آپ سے ایسا ڈرے جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ اور گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیک کاموں کی قوت اللہ ہی کی جانب سے ہے جو بلند و بالا اور زبردست ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص محتملات اور مشکلات کے پیچھے پڑتا ہے اور اور واضحات سے اعراض کرتا ہے تو اس پر اس شبہ کا ڈر ہے جس کی مذمت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں فرمائی ہے: وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَہَ الخ

اقتباسات

اقتباسات مفیدہ "الموافقات سے نقل کئے جاتے ہیں:۔

اسمٰعیل بن اسحٰق نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نماز میں آہستہ تلاوت کرتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ زور سے تلاوت کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا گیا، آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: میں اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہوں اور گریہ وزاری کرتا ہوں۔ اور حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا تو جواب میں فرمایا کہ میں سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو ناراض کرتا ہوں اور رحمٰن کو راضی کرتا ہوں۔

(الموافقات ص۱۰۱/۱۴۴)

بعض اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر ہماری خوش حالی کو دُنیا کے بادشاہ جان لیتے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے ہم سے قتال کرتے۔

نیز حدیث میں روایت ہے کہ دنیا میں زُہد قلب و بدن کو راحت بخشتا ہے۔ اور زُہد ہاتھ کے (مال سے) خالی ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ قلب کا ایک حال ہے جس کی تعبیر زُہد سے کی جاتی ہے۔

شرع کے وضع سے شرعی مقصد یہ ہے کہ شریعت پر عمل کا مکلف اپنے ہوائے نفسانی سے نکل جائے، یہاں تک کہ وہ اپنے اختیار سے اللہ کا بندہ بن جائے جبکہ وہ غیر اختیاری طور پر بندہ ہی ہے۔ مگر نجات کے لئے یہ کافی نہیں ہے۔ ایک مقصد یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شریعت کا مقصد کلی طور پر مصالح دنیویہ و اُخرویہ کی اقامت ہے۔

ف: "الاعتصام والمواقعات" میں اِس قسم کے بہت سے تحقیقی و اصلاحی مضامین مندرج ہیں۔ علماء کو چاہیئے کہ ان کا ضرور مطالعہ کریں، اس لئے کہ بہت ہی بصیرت افروز ہیں۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۷۹۰ھ میں ہوئی۔ رحمہٗ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت الشیخ شہاب الدین المرحومی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی آٹھویں صدی ہجری

تعارف

آپ سیدی مدین کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ کا طریق ریاضت و مجاہدہ کا تھا۔ آپ کے پاس ایک پوستین تھی جس کو اُلٹ پلٹ کر گرمی و جاڑے میں پہنتے تھے۔ آپ ہمیشہ زمین کی طرف سر جھکائے رہتے تھے۔ آپ مصر عتیق میں بچّوں کو پڑھاتے تھے۔

وفات تک شیخ مدین رحؒ کی خدمت میں رہے۔ آپ پر ہمیشہ خشوع وخضوع کی کیفیت طاری رہتی تھی، اکثر خوفِ خدا سے روتے رہتے تھے۔ اگر کوئی چاہتا کہ آج میں ان کو روتا نہ دیکھوں تو یہ اُس کے لئے ممکن نہیں تھا۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ طریق ختم ہوگیا، اِس لئے کہ عشاق چل بسے اور طریق کے متعلق کلام کو لوگوں نے بدعت سمجھ لیا ہے۔ فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

آپ پر اکثر گریہ وزاری کا غلبہ رہتا تھا۔ سیدی نورالدین الشونیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی زیارت کی اور کہا کہ میرا مقصود طریق الی اللہ کا سیکھنا ہے، تو فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ میرا نفس آنکھ جھپکنے پر بھی نفاق سے سالم رہا ہے، اور نہ کسی عہد کو اس نے پورا کیا ہے (تو پھر میں کیونکر آپ کو طریق الی اللہ بتلاؤں۔) پس جب میں نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا سیدی! میرے لئے دعا فرمایئے

تو اپنے چہرے کے بل زمین پر گر پڑے اور ذبح کی ہوئی چڑیا کی طرح تڑپنے لگے۔ اور اپنے نفس سے فرمایا کہ اے بدبخت! اتنے دنوں تک زندہ رہا کہ تجھ جیسے آدمی سے لوگ دعا کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اور اپنے نفس کو زجر و توبیخ فرمانے لگے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ف: سبحان اللہ، یہ حال تھا ہمارے اکابر کا کیسی تواضع و شکستگی تھی۔ اسی لئے تو اللہ تعالےٰ نے ان کو دنیا و آخرت میں علوِ مرتبت اور رفعتِ شان سے نوازا۔ حدیث پاک ہے۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ اوکما قال علیہ الصّلوٰۃ والسلام۔ (مرتّب)

وفات

تاریخ وفات نہیں معلوم ہو سکی۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات آٹھویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی۔

رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص۲۰۱)

امام الطائفہ

حضرت خواجہ بہاؤالحق والدین نقشبند قدس سرہٗ المتوفی ۷۹۱ھ

نام ونسب نام محمد، لقب بہاؤالحق والدین نقشبندی، والد کا نام محمد بخاری ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۴ محرم الحرام ۷۱۸ھ کو قصر عارفاں میں ہوئی جو بخارا سے ایک کوس پر ایک گاؤں ہے۔

فضل وکمال ظاہری طور پر آداب طریق کو حضرت سید امیر کلالؒ سے سیکھا مگر باعتبار حقیقت کے آپ اویسی ہیں۔ اور حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی روحانیت سے تربیت حاصل کی ہے۔ بچپن سے ہی آثار ولایت وانوار کرامت پیشانی مبارک سے ظاہر تھے۔ خواجہ بابا سماسی قدس سرہ نے آپ کے ظہور کی بشارت آپ کی پیدائش سے پہلے دی تھی اور آپ کی ولادت کے بعد آپ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا۔ اور آپ کی تربیت سید امیر کلال قدس سرہٗ کے حوالہ کی۔ چونکہ حضرت خواجہ طریقت میں خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ کی طرف سے اولویت پر عمل کرنے کے لئے مامور تھے، اس لئے آپ نے ذکر خفی اختیار فرمایا۔ اگرچہ بزرگان سلسلۂ خواجہ محمود فغنوی کے زمانہ سے سید امیر کلال کے زمانہ تک ذکر خفی کو ذکر جہری کے ساتھ جمع کرتے رہے۔

حضرت خواجہ سے مریدوں کی بدگمانی ایک روز حضرت امیر کلال قدس سرہ

نے اپنے تمام چھوٹے بڑے مریدوں کے مجمع کثیر اور جمع غفیر میں جو کہ تقریباً پانچ سو آدمی مسجد اور جماعت خانہ کی تعمیر کے لئے قریۂ سوخار میں جمع ہوئے تھے، ارشاد فرمایا کہ اے دوستو! میرے فرزند خواجہ بہاؤالدین کے بارے میں تم بدگمانی کرتے ہو، تم نے اُس کو نہیں پہچانا۔ ہمیشہ اللہ پاک کی نظر خاص اس کو حاصل ہے اور اللہ تعالےٰ کے بندوں کی نظر، حق سبحانہ کی نظر کے تابع ہے، بلکہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ پھر آپ نے حضرت خواجہ کو طلب کر کے فرمایا کہ اے میرے فرزند بہاؤالدین! حضرت خواجہ بابا سماسی قدس سرہٗ کی وصیت جو تمھاری بابت اُنھوں نے فرمائی تھی کہ جیسے میں نے تمھاری تعلیم و تربیت کی ہے تم بھی میرے فرزند بہاؤالدین کی ویسی ہی تعلیم و تربیت کرنا، اور اُس میں کچھ کمی نہ کرنا، میں نے پوری پوری تعلیم کی۔ پھر آپ نے سینۂ بے کینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے تمھارے لئے اپنے پستان کو خشک کر لیا، اب تمھاری روحانیت کا مرغ بشریت کے انڈے سے باہر نکل گیا ہے۔ مگر تمھاری ہمت کا مرغ بہت بلند پرواز واقع ہوا ہے۔ اب تم کو اجازت ہے کہ جہاں سے خوشبو تمھارے دماغ میں پہنچے ترک و تاجک سے طلب کرو، اور اپنی ہمت کے بموجب طلب کرنے میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ کرو۔ (انوار العارفین ص ۵۱۷)

حضرت خواجہ کا لقب نقشبند کیسے ہوا؟

جس وقت حضرت خواجہؒ مولانا زین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو صبح کی نماز کے بعد مولانا اوراد جہریہ (جہری ذکر) میں مشغول ہوئے اور حضرت خواجہ بھی آکر بیٹھ گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ اے خواجہ! ہمارا نقش بھی باندھو، یعنی ہمارے حال پر توجہ کرو۔ حضرت خواجہؒ نے بطور

تواضع کے جواب دیا کہ ہم خود نقش بننے کے لئے آئے ہیں۔ اس کے بعد مولانا آپ کو مکان پر لائے اور آپ کی ضیافت کی اور دونوں کی باہم بڑی صحبت رہی۔ تین دن تک آپ نے اُن پر توجہ فرمائی۔ غالباً اُسی روز سے آپ کا لقب نقشبند ہوا۔ اور یہ بھی ممکن ہے، چونکہ آپ کی پہلی ہی صحبت میں ماسوی اللہ کا نقش سالک کے دل سے مٹ جاتا تھا، اِس لئے آپ نقشبند کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اور پیدا کنندہ کے معنی میں بھی آیا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند کے معمولات

آپ تہجد کی نماز بارہ رکعتیں چھ سلام سے پڑھا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ نماز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض رہی ہے اور آخر میں نفل ہو گئی ہے۔ اور مقام محمود کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اداۓ نماز تہجد سے وابستہ تھا۔ جب آپ خواب سے بیدار ہوتے تو وہ دعائیں جو بیداری کے وقت کے لئے مروی ہیں پڑھتے تھے، پھر تھوڑی دیر استغفار میں مشغول ہوتے، اس کے بعد مراقبہ میں مصروف ہو جاتے۔ اور اگر کچھ رات زیادہ باقی رہتی تو آپ روبقبلہ ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ اُس کے بعد وضو جدید کر کے صبح کی سنتیں اور فرض ادا کرتے، اور دعائیں جو مسجد کے راستہ اور مسجد میں داخل ہونے کے لئے مروی ہیں پڑھتے۔ اس کے بعد مریدوں کے ساتھ مراقبہ میں مشغول ہوتے، یہاں تک کہ آفتاب نکل آتا، اُس وقت دو رکعت نماز پڑھتے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: یا ابن آدم ارکع لی رکعتین من اول النهار اکفک آخرہ۔ (اے اولادِ آدم! میرے لئے دو رکعتیں شروع دن میں ادا کر، تو میں آخر دن تک تیرے لئے کفایت کروں گا۔)

اور بعض علماء نے آیت وَ اِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفّٰىٓ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نماز اشراق ادا کرتے تھے۔ اور جب آفتاب بلند ہو جاتا اور زمین گرم ہو جاتی تو آپ نماز چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھتے۔ کبھی آٹھ، کبھی چار اور کبھی دو بھی پڑھتے۔ کیوں کہ اُن میں سے ہر ایک عدد کے بارے میں احادیث وارد ہیں اور تفسیر آیت فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مراد اِس سے نماز چاشت ہے۔ (انوار العارفین ص ۵۲۱)

ارشادات

درویش کے اقسام آپ فرماتے ہیں کہ درویش دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعضے ریاضتیں اور مجاہدے کرکے نتائج مانگتے ہیں اور بالآخر پا لیتے ہیں اور اپنے مقصد کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور بعض فضلی ہیں، جو محض فضل خدائے بزرگ و برتر کے امیدوار رہتے ہیں، اور طاعت و ریاضت کی توفیق کو بھی اُسی کا فضل و کرم سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ الحقيقة ترك ملاحظة العمل لا ترك العمل یعنی حقیقت نیک کاموں پر نظر نہ کرنا ہے، نہ کہ عمل ہی کو ترک کر دینا۔

آپ فرماتے ہیں کہ بندہ کو چاہیئے کہ دل کی نگرانی کا لحاظ ہر حالت میں رکھے کھانے پینے، کہنے سننے، چلنے پھرنے، خریدنے بیچنے، عبادت کرنے، نماز پڑھنے، قرآن پڑھنے اور کتابت کرنے، سبق پڑھنے، وعظ کہنے وغیرہ میں چاہیئے کہ پلک جھپکنے کی مقدار میں بھی اللہ عزّ وجل سے تساہل نہ رہے تاکہ مقصود حاصل ہو۔

ف: اِسی کو احسان کہتے ہیں کہ اپنے کسی عمل میں اللہ تعالےٰ سے غافل

نہ ہو۔ بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا حضور حاصل ہے۔

چنانچہ اسی معنی میں یہ شعر ہے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(یعنی ایک پلک مارنے کی مقدار میں بھی شاہ حقیقی سے غافل نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری طرف نظر لطف و عنایت کرے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔) (مرتب)

حضرت یعقوب چرخی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے مجھ کو یہ وصیت فرمائی کہ جو شخص صبح و شام ذکر میں مشغول رہے وہ اللہ کے ذاکرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"بامداد و شبانگاہ ذکر گوید" صبح و شام اللہ کا ذکر کرے۔ اسکی وجہ سے اس کا شمار بموجب آیت شریفہ غافلوں میں نہ رہے گا۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ ۝

(ترجمہ: یاد کر اپنے رب کو اپنے دل میں زاری اور خوف کے ساتھ نہ کہ بلند آواز کے ساتھ صبح و شام اور غافلوں میں سے مت ہو۔)

آپ فرماتے ہیں کہ ولایت بڑی نعمت ہے۔ ولی کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو ولی سمجھے، تاکہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے۔ اس لئے کہ مومن اللہ کا ولی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ مزید آپ نے فرمایا کہ ولی محفوظ ہوتا ہے۔ عنایت الٰہی اُس کو اُس کے حال پر نہیں چھوڑتی اور بشریت کی آفت سے اس کو محفوظ رکھتی ہے۔ خوارق اور کرامات کے ظاہر ہونے پر کوئی اعتماد نہ کرنا چاہیئے، اس لئے کہ معاملہ استقامت سے

متعلق ہے۔ چنانچہ اولیاء کرام نے فرمایا ہے:۔

کُنْ طَالِبَ الْاِسْتِقَامَۃِ لَا طَالِبَ الْکَرَامَۃِ فَاِنَّ رَبَّکَ یَطْلُبُ مِنْکَ الْاِسْتِقَامَۃَ وَ نَفْسُکَ تَطْلُبُ مِنْکَ الْکَرَامَۃَ۔	استقامت کا طالب بن، کرامت کا طالب مت بن! کیونکہ تیرا رب تجھ سے استقامت کا طلبگار ہے اور تیرا نفس تجھ سے کرامت کا طالب ہے۔

بزرگانِ دین کا ارشاد ہے کہ اگر ولی کسی باغ میں چلا جائے اور درخت کے ہر پتہ سے آواز آئے کہ اے اللہ کے ولی! تو اُس پر وہ توجہ نہ دے، بلکہ ہر لحظہ اس کی کوشش، بندگی، تضرع اور نیازمندی کی صفت میں زیادتی ہونی چاہیئے، حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ انتہائی کمال تھا کہ جس قدر انعام و اکرام اللہ تعالےٰ کی طرف سے زیادہ ہوتا، اُسی قدر آپ کی بندگی، نیازمندی اور مسکنت زیادہ ہوتی تھی۔ چنانچہ جب کثرتِ نوافل سے آپ کے پاؤں پر ورم ہوگیا تھا، اُسوقت کسی صحابیؓ نے عرض کیا کہ جب آپ پر اگلے اور پچھلے تمام گناہوں کی معافی نازل ہوچکی ہے پھر آپ اتنی مشقت کیوں اُٹھاتے ہیں؟ اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا (شمائل ترمذی) یعنی جب اللہ تعالےٰ نے مجھ پر اتنا انعام و اکرام فرمایا ہے" تو کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں"۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا طریقہ نادر اور عروۃ وثقیٰ ہے۔ یعنی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدرجۂ کمال اقتدار کرنا، اور آثار صحابۂ کرامؓ کی پیروی کرنا۔ اس راستہ میں ہم کو محض فضل سے لایا گیا ہے۔ (انوار العارفین ص۵۳۶)

معرفت کے راستے

اللہ کی معرفت کے راستے جن سے عارفوں کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اُس کے تین طریقے ہیں:۔

مراقبہ، مشاہدہ اور محاسبہ۔ مراقبہ یہ ہے کہ:۔

نِسْیَانُ رُؤْیَۃِ الْمَخْلُوْقِ خالق کی ہر دم حضوری کی وجہ سے

بِدَوَامِ النَّظَرِ اِلَی الْخَالِق مخلوق کی طرف نظر نہ رہے۔

لیکن مراقبہ کی مداومت نادر چیز ہے۔ مگر جسے اللہ تعالےٰ نصیب فرمائے تو کچھ بھی تعجب نہیں۔ وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز۔

(۲) مشاھدہ: واردات غیبی کے معائنہ کو کہتے ہیں جو سالک کے دل پر نزول کرتی ہے۔ اور چونکہ جلدی گزر جاتی ہے اور قرار نہیں پکڑتی، اس لیے اُس کا ادراک نہیں ہو سکتا، مگر وہ صفت جو ہمارا حال بن جاتی ہے ہم اُس کو قبض و بسط سے پہچان لیتے ہیں۔ یعنی حالتِ قبض میں صفتِ جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حالتِ بسط میں صفتِ جمال کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(۳) مُحاسبہ: یہ ہے کہ جو کچھ ہم پر گزرتا ہے ہم ہر گھڑی اس کا حساب کرتے ہیں کہ کس طرح گزر رہا ہے۔ اگر ہم دیکھتے ہیں کہ نقصان کی چیز ہے تو ہم اُس سے بازگشت کرتے ہیں اور از سرِ نو عمل اختیار کرتے ہیں۔ اور اگر دیکھتے ہیں کہ بہتر چیز ہے تو مشکور ہو کر ہم اُس حال میں ٹھہر جاتے ہیں اور اُس عمل میں کوشش کرتے ہیں

(انوار العارفین صفحہ ۵۴)

آپ فرماتے ہیں کہ یہ بات نہیں ہے کہ جو شخص دوڑا اُس نے اللہ کو پا لیا، مگر اللہ کو وہی پاتا ہے جو اُسکی راہ میں دوڑتا ہے۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ اس راہ میں سعی کرتا رہے۔ (تذکرہ مشائخ نقشبندؒ)

لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے پاس کوئی غلام و لونڈی نہ تھی۔ لوگوں نے اِس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ خواجگی کے ساتھ بندگی

زیب نہیں دیتی۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کا سلسلہ کہاں تک پہنچتا ہے؟ تو فرمایا کہ سلسلہ سے کوئی کسی مقام تک نہیں پہنچتا۔

ف: سبحان اللہ، کیا خوب بات فرمائی کہ اصل عمل ہے نہ کہ سلسلہ (مرتب)

فرماتے تھے کہ: ماسوی اللہ کے ساتھ تعلق سالکین راہ کے لئے زبردست قید و حجاب ہے ؎

تعلق حجابست و بے حاصلی　　　چو پیوند ہا بگسلی واصلی

فرماتے تھے کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے اور خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے/۔ خیریت جمعیت میں ہے۔

اور جن بزرگ نے یہ فرمایا ہے کہ "تَعَالُ نُؤْمِنْ سَاعَةً" یعنی آؤ تاکہ ایک ساعت ایمان لائیں۔ اس سے مراد حقیقی نفی و اثبات ہے نہ کہ محض لفظی و رسمی۔ نیز اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اس راہ کے طالبین کی ایک جماعت باہم جمع ہوں تو اس میں بہت زیادہ خیر و برکت ہے۔ امید ہے کہ اس پر ملازمت و مداومت سے ایمان حقیقی تک رسائی ہو جائے گی۔

ف: اس سے اجتماعی ذکر کی کیسی فضیلت ثابت ہوئی۔ لہذا اس کا مطلقاً انکار ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جب کسی دوست کی صحبت میں رہو تو اپنے حال سے باخبر رہو اور گزشتہ حال سے موازنہ کیا کرو، اگر فرق پاؤ تو اُسکی صحبت کو لازم پکڑو اور اسکی صحبت کو غنیمت جانو۔

فرماتے تھے کہ لَآ اِلٰہَ میں مقتضیات کی نفی ہے اور اِلَّا اللّٰہُ میں معبود حقیقی جل جلالہ کا اثبات ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے ذریعہ اپنے کو فَاتَّبِعُوْنِی کے مقام میں لانا ہے۔

لوگوں نے آپ سے کرامات کا مطالبہ کیا تو فرمایا کہ ہماری کرامتیں تو

ظاہر ہیں اس لئے کہ باوجود اتنے گناہوں کے زمین پر چل پھر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے جنازے کے سامنے کون سی آیت ہم لوگ پڑھتے چلیں گے؟ تو فرمایا کہ آیت کا پڑھنا بہت بے ادبی ہے۔ ہمارے جنازے کے سامنے تو بس یہ شعر پڑھتے چلنا؎

چیست ازیں خوبتر درہمہ آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار بنزدیک یار

(اس دنیا میں اس سے بہتر اور کوئی کام نہیں ہے کہ دوست اپنے دوست کے پاس پہنچ جائے)

اس کے بعد حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے جنازہ کے سامنے یہ شعر پڑھنا؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو   شیئاً للہ از جمال روئے تو

(ترجمہ: ہم آپ کی گلی میں مفلس (بھکاری) بن کر آئے ہیں۔ اللہ واسطے اپنے جمال کی ایک جھلک دکھلا دیجئے!)   (نفحات الانس ص۳۴۹)

ف: حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحؒ نے تفسیر مظہری میں ارشاد باری تعالیٰ "وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى" کے تحت حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کا ایک مفید ارشاد تحریر فرمایا ہے۔ جس کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

شیخ امام حضرت یعقوب کرخی رحؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائی عمر میں نجار تھا (لکڑی کا کام کرتا تھا) میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی ظلمت محسوس کی تو ارادہ کیا کہ چند روز روزے رکھوں تاکہ یہ ظلمت

؎ مگر اس زمانہ میں تو اس سے احتراز ہی بہتر ہے۔ (مرتب)

اور سستی دور ہو جائے۔ اتفاقاً اسی روزے کی حالت میں ایک روز میں شیخ اجل امام بہاؤالدین نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مہمانوں کے لئے کھانا منگایا اور مجھے بھی کھانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائے نفسانی کا بندہ ہو جو اس کو گمراہ کرے۔ اور فرمایا کہ کھانا کھالینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائے نفسانی کے ساتھ ہو۔

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عُجب و خود پسندی کا شکار ہو رہا تھا جس کو شیخ نے محسوس کیا اور مجھے ثابت ہو گیا کہ ذکر و شغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت و ہدایت درکار ہے۔ کیونکہ وہ مکائد نفس سے واقف ہوتا ہے جس نفلی عمل میں کوئی نفس کا کید ہو گا اس سے روک دے گا۔ اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبند قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ حضرت! اگر ایسا شخص جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہیئے کہ استغفار کی کثرت کرے اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار کرنے کی پابندی کرے، تاکہ پانچ وقت مل کر سو مرتبہ استغفار ہو جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں، اور میں ہر روز اللہ تعالٰی سے سو۱۰۰ مرتبہ استغفار یعنی طلب مغفرت کرتا ہوں۔ (معارف القرآن، سورہ والنازعات ص۶۷۶)

وفات

آپ کی وفات دوشنبہ کی رات ماہ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں "قصر عارفاں" میں ہوئی جو بخارا سے ایک کوس پر ایک گاؤں ہے۔ رحمہ اللہ تعالٰی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ (انوار العارفین ص۵۱۶)

حضرت قاضی عبدالمقتدر صاحب دہلویؒ المتوفی ۷۹۱ھ

ولادت وطفولیت قاضی عبدالمقتدرؒ کے والد محترم کا اسم گرامی رکن الدین تھا۔ نسبی اعتبار سے شریحی کندی کہلاتے ہیں۔

قاضی موصوف بمقام تھانیسر ۷۰۳ھ میں پیدا ہوئے، لیکن نشو ونما سرزمین دہلی میں ہوئی۔ اور دہلی اُس وقت علمائے حقانی ومشائخ ربانی کے انوار وبرکات سے معمور اور درخشندہ وتابندہ تھی۔ قاضی صاحب موصوف کے بچپن کا زمانہ ایسے ماحول میں گزرا جو دینداری کا علمی ماحول تھا۔ اتقار وپرہیزگاری، عبادت وشب بیداری کا دلکش وایمان افروز سماں بندھا ہوا تھا۔

تحصیل علم اس مسعود دور میں یکتائے روزگار، علوم ومعارف کے بحر ناپیدا کنار حضرت شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھیؒ کی

ے ایک مفید کتاب مسمیٰ بہ "چراغوں کی روشنی" نظر سے گزری جس کے مرتب ومؤلف مولانا محمد ارشد اعظمی بنارسی ہیں (جو ہمارے مدرسہ وصیۃ العلوم، الہ آباد سے فارغ التحصیل ہیں) جس میں مولانا نے نہایت مفید مضامین جمع فرما دیئے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے خوشی ہوئی۔ چنانچہ اس کتاب سے حضرت مولانا قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ، اُن کے پوتے مولانا ابوالفتح جونپوریؒ اور حضرت ملا نظام الدین امیٹھویؒ کے مذکور تذکروں سے اقتباسات قدرے حذف واضافہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور ان بزرگوں کے فیوض وبرکات سے نوازے۔ آمین! (مرتب)

ذات گرامی تھی۔ ماضی قریب کے محقق و مورخ مولوی رحمٰن علی نے لکھا ہے کہ:۔

"شہر دہلی کے اکثر علماء نے حضرت شمس الدین ؒ سے نسبتِ تلمّذ پیدا کرکے فخر و مسرت کی دولت حاصل کی ہے۔"

قاضی عبد المقتدر ؒ نے بھی اس باکمال ہستی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور ابتدائی کتب درسیہ آپ ہی سے پڑھیں۔ ان کے علاوہ شیخ الاسلام فرید الدین اودھی ؒ آٹھویں صدی میں اودھ جیسی سرسبز و شاداب اور چمن زار سرزمین کے شیخ الاسلام و مرجع خواص و عوام تھے۔ آپ ممتاز علماء کرام کی صف میں امتیازی مقام رکھتے تھے، اودھ سے لیکر دار الاولیاء دہلی تک آپکے عظمت کی دھوم مچی ہوئی تھی، علم و معرفت کے تشنگان آبِ حیات کے اس چشمۂ فیض سے سیراب ہو رہے تھے۔ مولانا قاضی عبد المقتدر ؒ نے بھی حضرت شیخ الاسلام کے خرمن علم و کمال سے خوشہ چینی فرمائی۔

سلوک و تصوف

تعلیم سے فراغت کے بعد قاضی عبد المقتدر ؒ نے سلوک و تصوف کی وادی میں قدم رکھا، اور حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی ؒ سے بیعت ہوئے اور اپنی علوء استعداد کی بنا پر بہت جلد مقامات سلوک طے کر لئے۔ جس کی وجہ سے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی ؒ نے خلافت سے نوازا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

چنانچہ مولوی رحمٰن علی صاحب لکھتے ہیں:۔

"دانشمند و فیاض و درویش کامل تھے۔"

مفتی غلام سرور لاہوری ؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"شیخ عبد المقتدر قدس سرہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود ؒ چراغ دہلی

کے خلفاء کبار میں سے ہیں۔ دانشمند، عالم باعمل اور صاحب باطن درویش کامل تھے۔ بڑے فصیح اللسان بلیغ الکلام تھے۔"

مزید شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز لکھتے ہیں:۔

"قاضی عبدالمقتدرؒ ہمیشہ درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے اور شیخ نصیرالدین محمودؒ اور اُن کے اکثر خلفاء کا یہی طریقہ تھا۔"

تلامذہ قاضی صاحبؒ کے اصل جانشین اور باعث صد افتخار پوتے شیخ ابوالفتح سونبرسی جونپوریؒ نے تو اپنے دور میں جدمکرم کی یاد تازہ کر دی تھی۔ چنانچہ قاضی عبدالمقتدرؒ نے اپنے عظیم پوتے کو درس وتدریس کی جو نصیحت کی تھی وہ زندگی کے آخری لمحوں تک پوری ہی کرتے رہے۔

رحمۃ اللہ علیہما وقدس اللہ سرہما۔

آپ کے دوسرے مایۂ ناز شاگرد رشید اور دیار پورب کو جگمگا دینے والے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ ہیں، جن کے متعلق قاضی عبدالمقتدرؒ فخریہ انداز میں فرماتے تھے کہ:۔

"میرے پاس ایک ایسا طالب علم آتا ہے جس کا چمڑا، ہڈی اور مغز سب علم ہی علم ہے۔"

تیسرے شاگرد رشید وتلمیذ سعید قاضی نصیرالدین گنبدی جونپوری ہیں جن کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحؒ نے لکھا ہے کہ:۔

"آپ بڑے دانشمند بزرگ تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔"

جناب اقبال احمد جونپوری کہتے ہیں کہ :۔

"شروع بعہد ملک الشرق "قاضی جونپور" اور بادشاہ کی نظر عنایت بہت زیادہ تھی۔ بالآخر نمائش دنیا سے آپ کو نفرت ہوئی اور حجرہ میں بیٹھے تو باہر نہ آئے۔ اسی وجہ سے آپ کو گنبدی کہتے ہیں۔ بجز تصفیۂ قلب و اشغال باطنی، یا درس و تدریس علوم دینیات کے دوسرا کام نہ تھا۔ آپ بجز فقر و فاقہ اور کوئی اسباب نہ رکھتے تھے۔" الخ

قول زرّیں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ :۔

"قاضی عبدالمقتدرؒ طالبعلموں کو علم میں مشغولیت اور شریعت کی حفاظت و پاسداری کی تاکید فرماتے تھے۔ موصوف کا یہ زریں ارشاد گرامی تھا کہ ایک مسئلہ شرعی میں غور و فکر کرنا ایسی ہزار رکعت نوافل پر فوقیت رکھتا ہے جس میں ریا کا شائبہ اور خواہشات نفسانی کی آمیزش نہ ہو۔"

ف: سبحان اللہ، کیسا مفید ارشاد ہے جو علم کی عظمت اور علماء کی عنداللہ وجاہت پر دال ہے۔ جو علماء کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے ایسے طرح عوام پر بھی علماء کو باوقعت نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے۔ (مترجم)

وصال و مدفن ساری زندگی قاضی صاحبؒ نے ایمانی و عرفانی، علمی و عملی باطنی فیوض و برکات سے اللہ کے بندوں کو فیضیاب و تشنگان علوم کو سیراب فرمایا اور ۷۹۱ھ محرم الحرام میں دنیا سے پردہ فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

قاضی عبدالمقتدرؒ اور آپ کے والد مکرم کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے حریم میں دہلی میں ہے۔ نوّر اللہ مراقدھم

"نور سعادت" تاریخ وفات ہے۔ (چراغوں کی روشنی ص۲۳۷)

حضرت العلامہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۷۹۱ھ

نام ونسب محمد نام، ابوعبداللہ کنیت، شمس الدین لقب، زرعی نسبت، والد کا نام ابوبکر بن ایوب تھا۔

ولادت دمشق میں پیدا ہوئے، وہیں عمر گزری اور وہیں مدفون ہوئے، اُن کے والدؒ مدرسہ جوزیہ کے مہتمم تھے، اس کی نسبت سے وہ ابن قیم الجوزیہ اور اختصاراً ابن القیمؒ کہلاتے ہیں۔ ابن رجب کا بیان ہے کہ وہ ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ شہاب نابلسی العامرؒ، قاضی تقی الدین سلیمانؒ، فاطمہ بنت جوہرؒ، عیسیٰ بن مطعمؒ، ابوبکر بن عبدالدائمؒ وغیرہ اساتذۂ وقت سے حدیث کی سماعت کی اور مذہب حنبلی کی فقہ میں مہارت پیدا کی اور فتویٰ کا کام شروع کیا پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا دامن ایسا پکڑا کہ مرتے وقت تک ان سے جدا نہ ہوئے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ: جب حافظ ابن تیمیہؒ ۷۱۲ھ میں مصر سے واپس آئے تو حافظ ابن قیمؒ نے اُن کی ایسی صحبت اور رفاقت اختیار کی کہ انتقال تک ساتھ نہیں چھوڑا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۲۳۴)

علمی مرتبہ حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ: تمام علوم اسلامیہ میں دخل تھا لیکن تفسیر میں اُن کی نظیر نہیں ملتی، اصول دین میں بھی وہ درجۂ کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔ حدیث، فقہ حدیث اور دقائق استنباط میں

اُن کا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا۔ فقہ اور اصول فقہ اور عربیت اور علم کلام میں بھی کمال حاصل تھا۔ علم سلوک اور اہل تصوف کے اشارات و دقائق پر بھی وسیع نظر تھی میں نے قرآن وسنت کے معانی اور حقائق ایمانی کا اُن سے بڑا عالم نہیں پایا وہ معصوم تو نہیں تھے، لیکن میں نے اِن خصوصیات میں ان کے جیسا آدمی نہیں دیکھا۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ: ابن القیمؒ کو متونِ حدیث اور رجال حدیث کی طرف بڑی توجہ تھی، وہ فقہ کے مطالعہ میں ہی مشغول رہتے تھے اور اُس کے مسائل کو بڑے شرح وبسط سے لکھتے تھے۔ نحو کی تدریس اور اصول حدیث میں بھی اچھی مہارت تھی۔

زہد وعبادت

حافظ ابن رجب کا بیان ہے کہ وہ کثیر العبادت اور بڑے شب بیدار تھے۔ ان کی نماز بڑی طویل اور پُرسکون ہوتی تھی۔ وہ ہر وقت ذاکر شاغل رہتے تھے اور انہیں محبت الٰہی کا ایک جوش اور انابت کی ایک خاص کیفیت تھی، انکے چہرے پر بارگاہِ خداوندی کی طرف فقر واحتیاج اور عجز وانکسار کا نور نظر آتا تھا۔ اس کیفیت میں میں نے آپ کو بالکل منفرد پایا۔ انھوں نے کئی حج کئے اور عرصہ تک مکہ معظمہ میں قیام کیا، اہل مکہ ان کی کثرتِ عبادت اور کثرتِ طواف کے ایسے حالات سناتے ہیں جو موجب حیرت ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ: "حافظ ابن قیمؒ بڑی محبت کے آدمی تھے۔ نہ کسی سے حسد رکھتے تھے، نہ کسی کو ایذا پہنچاتے، اور نہ کسی میں عیب نکالتے۔ میں ان کا بڑا رفیق اور محبوب تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے

زمانہ میں ان سے زیادہ کوئی عابد اور کثیر النوافل تھا۔ وہ نماز بڑی طویل پڑھتے تھے اور رکوع و سجود بڑا المبا کرتے تھے، بعض اوقات ان کے احباب انکو ملامت بھی کرتے، لیکن وہ اس کو ترک نہیں کرتے تھے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ مجموعی حیثیت سے اپنے امور و احوال میں انکی نظیر کم ہوگی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۳۵۹/۲)

(البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۲۳۴-۲۳۵)

ابتلاء و آزمائش

اپنے استاذ و شیخ کی طرح وہ بھی ابتلاء و آزمائش اور مجاہدات کی منازل سے گزرے۔ آخری بار جب اُن کے شیخ ابن تیمیہؒ قلعہ میں قید کئے گئے تو وہ بھی محبوس ہوئے اور اُن سے علیحدہ رکھے گئے۔ شیخ کے انتقال کے بعد ان کی رہائی ہوئی، اس پوری مدت اسارت میں وہ تلاوتِ قرآن اور اُس کے معانی و تدبر و تفکر میں مشغول رہے۔

ابن رجب لکھتے ہیں:۔

"اس سے اُن کو بڑا نفع حاصل ہوا، ان کو اذواق و مواجید صحیحہ کا ایسا حصہ ملا جس سے اہل معارف کے علوم اور اُن کے غوامض و دقائق کا سمجھنا اور سمجھانا اُن کے لئے آسان ہوگیا۔ اُن کی تصنیفات اِن مضامین سے لبریز ہیں۔ (دعوت وعزیمت ص ۳۴۷/۲)

"زاد المعاد" کا مختصر تعارف

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی اس معرکۃ الآراء کتاب میں سیرت کے عام معلومات اور ذات نبوی سے تعلق رکھنے والی تفصیلات وجزئیات جمع کردی ہیں اور اخلاق و شمائل، عادات و معمولات کا اچھا ذخیرہ جمع کردیا ہے۔ اس کے

ے الحمد للہ، نور چشم مولوی سعید احمد ندوی سلمہ مقیم حال بحرین نے مختصر "زاد المعاد" کا ترجمہ (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

بعد اُنھوں نے آپؐ کی عبادات، ہیئتِ صلوٰۃ اور اس کے سنن اور عادات کی دقیق تفصیلات پیش کی ہیں جو اُن کے وسیع و دقیق مطالعۂ حدیث کا خلاصہ اور اُن کے علم کا نچوڑ ہے۔ اِس سلسلہ میں اُن کا محدّثانہ رنگ اور محققانہ طرز صاف جھلکتا ہے۔ اِس ضمن میں اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی بعض نازک بحثیں اور فنِ رجال کی بعض قیمتی معلومات بھی آگئیں۔ کتاب کے یہ ابواب جو عبادات اور ارکانِ اربعہ سے متعلق ہیں، محض کتاب الاحکام یا فقہ و خلاف کی کتاب بن کر نہیں رہ گئے ہیں، ان میں جا بجا مصنف نے بڑے وجد انگیز اور ایمان آفریں ذوقی و وجدانی مضامین اور لطیف علمی نکات شامل کر دئیے ہیں، زکوٰۃ و صدقہ کے باب میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ منشرح الصدر، مطمئن النفس اور مسرور القلب تھے، اِس لئے کہ صدقہ اور حسن سلوک کو شرح صدر کے باب میں بڑا دخل ہے اللہ تعالےٰ نے نبوت و رسالت اور ان کے خصائص و توابع کے لئے آپ کا سینۂ مبارک پہلے ہی کھول دیا تھا، اور حسّی طور پر آپ کو شرح صدر سے نوازا تھا، اور سینۂ مبارک سے شیطان کے حصہ کو بالکل خارج کر دیا تھا۔ ان اخلاق (سخاوت و بذل و ایثار) سے اِس شرح صدر میں اور اضافہ ہوا

اِس کے بعد وہ تفصیل سے سیرتِ نبوی پر اس لحاظ سے نظر ڈالتے ہیں، اور شرح صدر کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں۔

بزبان اردو کیا ہے (یہ تلخیص شیخ عبدالوہاب نجدیؒ نے فرمائی ہے) جو مقبولِ عوام و خواص ہوا۔ اللہ تعالےٰ اُن کو اور ہماری جملہ اولاد کو نسلاً بعد نسل صلاح و تقویٰ کے ساتھ مزید دینی و علمی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتّب)

انتباہ حضرت العلامہ ابن القیم قدس سرہٗ نے شرح صدر کے اسباب نو۹ ارقام فرمائے ہیں جو نہایت مفید اور مؤثر ہیں جن کو سہولت کے لئے اجمالاً نقل کرتا ہوں، پھر تفصیلاً نقل کروں گا (۱) توحید (۲) نور (جسے اللہ تعالےٰ مومن کے قلب میں ڈالتا ہے) (۳) علم (۴) انابت الی اللہ (۵) محبت (۶) دوامِ ذکر (۷) مخلوق پر احسان (۸) شجاعت (۹) صفاتِ مذمومہ سے قلب کی طہارت۔

انہی اکابر اُمت کے طفیل اس ناقص العلم والفہم کے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ اگر ان اسبابِ تسعہ میں دو مفید اسباب کا اضافہ ہوجائے تو انشاء اللہ اَحَدَ عَشَرَ کوکباً (گیارہ ستارے) کا مصداق ہوجائے گا اور اسکی افادیت مزید بڑھ جائے گی وہ دو یہ ہیں: اوّلاً صحبتِ صالحین، ثانیاً دعا ومناجات بجنابِ واہب العطیات۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے ؎

بے عنایاتِ حق وخاصانِ حق　　گر ملک باشد سیہ گردد ورق

(یعنی اللہ تعالےٰ اور انکے خواص کی عنایات کے بغیر فرشتہ ہو تو بھی اعمالنامہ سیاہ ہوجائیگا) (مرتب)

اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا یعنی شرح صدر کے گیارہ اسباب

چنانچہ آپ شرح صدر کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں: شرح صدر کے بہت سے اسباب ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدرجۂ کمال وتمام حاصل تھے۔ شرح صدر کا سب سے قوی واہم سبب توحید ہے۔ وہ جس قدر کامل اور قوی ہوگی اتنا ہی شرح صدر زیادہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ

لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (الزمر ع ۳) (بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے اسلام کے لئے، تو وہ اجالے میں ہے اپنے رب کی طرف سے) نیز ارشاد ہے: فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ (الانعام ع ۱۵) (سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ رستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں۔ اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہو۔)

پس ہدایت اور توحید شرح صدر کے عظیم ترین اسباب میں سے ہیں اور شرک و گمراہی سینہ کی تنگی اور کشمکش اور تکدر کا بہت بڑا سبب ہے۔ اسی طرح شرح صدر کا ایک سبب وہ نور ہے جو اللہ تعالےٰ بندہ کے دل میں داخل فرما دیتا ہے اور وہ نور ایمان ہے، جو سینہ کو وسیع اور منشرح اور قلب کو شاداں و فرحاں رکھتا ہے۔ جب یہ نور بندہ کے دل سے غائب ہو جاتا ہے تو دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے اور بندہ کو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ ایک تنگ و تاریک قید خانہ میں گرفتار اور ایک تکلیف دہ شکنجہ میں کسا ہوا ہے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اِذَا دَخَلَ النُّوْرُ الْقَلْبَ انْفَسَحَ وَانْشَرَحَ قَالُوْا وَمَا عَلَامَۃُ ذَالِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ۔ (جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کھل جاتا ہے اور منشرح ہو جاتا ہے

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی علامت کیا ہے؟ فرمایا، دارِ بقاء کی طرف شوق و کشش اور دار فناء سے بے رغبتی و وحشت۔ اور موت کی آمد سے پہلے موت کی تیاری۔) انسان کو جس قدر اِس نور کا حصہ ملتا ہے اسی کے بقدر وہ شرح صدر کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔

اور انہی اسبابِ شرح صدر میں ایک علم بھی ہے۔ وہ سینہ کو منشرح اور وسیع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ عالم کا سینہ دنیا سے زیادہ وسیع ہو جاتا ہے! اس کے بالمقابل جہل سے دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہوتا ہے۔ جس قدر بندہ کا علم وسیع ہوتا ہے اُسی قدر اُس کا سینہ فراخ اور قلب منشرح ہوتا ہے۔ لیکن یہ دولت ہر عالم کے نصیب میں نہیں، یہ صرف اُس علم کی خاصیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق وراثت چلا آرہا ہے، اور وہ علم نافع ہے، جن لوگوں کو یہ علم نافع حاصل ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ منشرح، وسیع القلب، خوش اخلاق اور خوش عیش ہوتے ہیں۔

ایک سبب انابت الی اللہ ہے۔ یعنی پورے دل سے اُس کے ساتھ محبت کرنا، اُس کی طرف توجہ اور رجوع، اور اُس کی عبادت سے لطف حاصل کرنا۔ واقعہ یہ ہے کہ اِس سے زیادہ کوئی چیز انشراح اور سرور پیدا کرنے والی نہیں۔ اگر تم کو کبھی یہ دولت نصیب ہو، تو تمھاری زبان سے بے اختیار نکل جائے گا کہ اگر جنت میں بھی یہی حالت نصیب ہوئی تو بڑا عیش ہے اسی طرح محبت کو بھی شرح صدر، اطمینانِ نفس اور عیش قلبی میں بڑا دخل ہے۔ اِس کا اندازہ اُسی شخص کو ہو سکتا ہے جس نے کبھی اُس کا لطف اُٹھایا ہو، جس قدر محبت قوی اور شدید ہوگی، سینہ فراخ اور منشرح ہوگا، دل اُسی وقت تنگ

مکدّر ہوگا جب بیکاروں اور اس دولت سے محروم لوگوں پر نظر پڑے گی، اُن کی دید آنکھ کی کھٹک اور اُن کی صحبت روح کا بخار ہے۔ اسی کے بالمقابل انقباض و تکدّر کا ایک بہت بڑا سبب اللہ تعالےٰ سے اعراض اور اسکی غیر اللہ کے ساتھ گرفتاری اور اسیری اور ذکر اللہ سے غفلت اور ماسوی اللہ سے محبت ہے، اِس لئے کہ جس کو جس ماسویٰ سے محبت ہوتی ہے، اُسی کے ہاتھوں اُس کو دُکھ دیا جاتا ہے؎۔ اور اُس کا دل اُس غیر کی محبت میں برابر مقید اور گرفتار رہتا ہے اور دنیا میں کوئی شخص اُس سے زیادہ بدبخت، اُس سے زیادہ بدمزہ اور بے لطف اُس سے زیادہ محروم و بے نصیب اور اُس سے زیادہ خستہ دل اور تفتہ جگر نہیں ہوتا ہے۔ حقیقت میں محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محبت وہ ہے جو دُنیا کی جنت نفس کا سرور، قلب کی لذت، روح کا عیش اسکی غذا اور دوا بلکہ اسکی زندگی اور اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ وہ اللہ وحدہ لا شریک کی پورے دل کے ساتھ محبت، میلان و ارادہ کی تمام قوتوں کا اس کی طرف انجذاب اور کشش ہے اور ایک محبت وہ ہے جو روح کا عذاب، نفس کی کلفت، قلب کا جیل خانہ، اور سینہ کی تنگی اور درد و حرمان، کلفت و تعب کا سبب ہے۔ اور وہ ماسوی اللہ کی محبت ہے۔

شرح صدر کا ایک سبب ہر حالت اور ہر موقع پر دوام ذکر ہے۔ ذکر کو انشراح صدر میں عجب دخل ہے، اور اس سے دل کو عجیب اطمینان و سرور حاصل ہوتا ہے، اسی طرح غفلت کو دل کی تنگی، انقباض اور کلفت و اذیت

؎ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (التوبہ ۵۵)

میں بڑا دخل ہے۔

ایک سبب مخلوق پر احسان اور مال وجاہ، بدن اور انواع احسان سے نفع پہنچانے کی طبیعت ہے۔ کریم اور محسن انسان بڑا منشرح الصدر، مطمئن النفس ہوتا ہے، اور اُس کو بڑا قلبی سرور اور سکون حاصل ہوتا ہے وہ بخیل جس میں احسان کا مادّہ نہیں ہے، بڑا تنگ دل، بدحال اور مغموم رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے والے صاحبِ ایثار کی مثال دی ہے کہ ایک شخص پر لوہے کی دو زرہیں ہیں، وہ جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے زرہ کھل جاتی ہے اور پھیل جاتی ہے، یہاں تک کہ اُس کے کپڑے زمین پر لوٹتے ہیں اور اُس کے قدموں کے نشان مٹتے چلے جاتے ہیں۔ اور بخیل کا حال یہ ہے کہ زرہ کی ہر کڑی اُس کے جسم سے چمٹ جاتی ہے اور اُس میں کوئی وسعت وفراخی نہیں پیدا ہوتی۔

شرح صدر کا ایک سبب شجاعت ہے۔ مرد شجاع بڑا منشرح الصدر، فراخ حوصلہ اور وسیع القلب ہوتا ہے۔ اُس کے بالمقابل بزدل بڑے چھوٹے دل کا ہوتا ہے، جس کو فرحت وسرور اور لذت وعیش میں سے صرف اتنا حصہ ملتا ہے جتنا حیوانات وبہائم کو نصیب ہے۔ باقی روحانی سرور ولذت اور فرحت ومسرت سے بزدل بالکل ہی محروم ہوتا ہے۔ جیسے ہر بخیل اللہ سے اعراض کرنے والا، اُس کے ذکر سے غافل، اُس کی ذات واسماء، وصفات، اُس کے دین سے بے خبر اور ماسوا اللہ کا گرفتار، اس دولت سے بے نصیب رہتا ہے۔ یہی عیش وسرور قبر میں جا کر باغ وبہار بن جاتا ہے، اور یہی دل تنگی اور انقباض وہاں پہنچ کر عذاب وجیل خانہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔

انسان کا قبر میں وہی حال ہوگا جو قلب کا سینہ میں یہاں حال ہے۔ یہاں کا عیش وہاں کا عیش، یہاں کا عذاب اور گرفتاری وہاں کا عذاب اور گرفتاری، اور یہاں کی آزادی وہاں کی آزادی ہے۔ باقی عارضی طور پر اہل ایمان و یقین کو یہاں (کسی اتفاقی واقعہ، یا خارجی سبب، فقر، مخالفت، امراض وغیرہ کی وجہ سے) جو ایک طبعی تکدر وانقباض حاصل ہوتا ہے، اور اہل کفر وغفلت کو (دولت وحکومت اور حیوانی لذتوں کی وجہ سے) جو وقتی سرور، لطف اور لذت حاصل ہوتی ہے، اُس کا اعتبار نہیں، اعتبار اُس کیفیت کا ہے جو ملکہ بن جائے، اور قلب میں دائمی طور پر پائی جائے۔

ایک سبب قلب کا اُن صفاتِ مذمومہ سے پاک ہونا ہے جو دل کی تنگی اور قلبی تکلیف کا سبب ہوتی ہے، اور قلب کی صفائی اور عافیت سے مانع ہوتی ہے انسان اگر شرح صدر کے اور اسباب پیدا کرے اور ان اوصاف مذمومہ کو قلب سے خارج نہ کرے تو اُس کو شرح صدر کی دولت کا کوئی بڑا حصہ حاصل نہیں ہوسکتا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اُس کے اندر دو مادے باقی رہیں گے جو وقتاً فوقتاً اُس کے دل پر حملہ کرتے رہیں گے۔ ایک سبب یہ کہ انسان غیر ضروری چیزوں کا دیکھنا، غیر ضروری کلام، غیر ضروری باتوں کا سننا اور بے فائدہ اور بے مقصد ملنا جلنا، کھانا پینا، سونا چھوڑ دے۔ اس لئے کہ یہ زوائد قلب کے لئے آلام ومصائب بن جاتے ہیں، جو اُس کو تنگ اور منقبض کردیتے ہیں، اور دل اُن سے تکلیف پاتا ہے۔ دنیا اور آخرت کے عذاب کا بڑا حصہ انہی چیزوں کا نتیجہ ہے۔

سبحان اللہ، جو شخص ان تمام وادیوں میں سرپٹ دوڑتا رہے، وہ

یکسا بدحال، پراگندہ بال اور تنگ دل رہتا ہے۔ اُس کے بالمقابل اُس شخص کی خوشحالی اور خوشدلی کا کیا ٹھکانہ ہے جو خصائل محمودہ میں سے ہر خصلت سے متصف اور ان صفاتِ محمودہ کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھے۔ اسی گروہ کی شان میں "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ" اور پہلے گروہ کی شان میں "وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ" وارد ہوا ہے۔ ان دونوں حالتوں کے درمیان بہت سے مراتب اور درجے ہیں۔ اور ان کے درمیان ایسا تفاوت ہے جس کا صحیح اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر اُس صفت میں جس سے شرحِ صدر، وسعتِ قلب، خنکیٔ چشم اور حیاتِ روح حاصل ہوتی ہے مخلوقاتِ خداوندی میں سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے، اسی کے ساتھ آپ کو حسّی وجسمانی طور پر بھی وہ شرحِ صدر حاصل تھا جس میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔ مخلوقات میں جو شخص آپ کا جتنا زیادہ پیرو ہوگا اور اتباعِ نبوی کی جس میں جتنی زیادہ شان نمایاں ہوگی، اتنی ہی زیادہ اس کو شرحِ صدر، لذت وانبساط کی دولت حاصل ہوگی۔ آپ شرحِ صدر، رفعِ ذکر اور وضعِ وزر کے اعلیٰ ترین مقام اور نقطۂ عروج وکمال پر فائز تھے۔ آپ کے پیروؤں اور متبعین کو آپ کی پیروی اور اتباع کے بقدر اس دولت سے حصہ ملتا رہے گا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۲ ص ۳۷)

دسواں سبب صحبتِ صالحین ہے۔ جس کے متعلق عرض ہے کہ اللہ کے خاص بندے جب اللہ کے حدود کی محافظت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُنھیں باطنی نعمتوں اور کرامتوں

سے نوازتے ہیں۔ لہذا جب کوئی بندہ صدق وخلوص کے ساتھ انکی مصاحبت اختیار کرتا ہے تو اُس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نورِ قلب، شرحِ صدر جیسی سعادتوں سے مشرف فرماتے ہیں۔ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" یعنی غایتِ طاعت کا بدلہ غایتِ عنایت کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہے؟ (بیان القرآن) چنانچہ بزرگوں کی صحبت کی منفعت کو بیان کرتے ہوئے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحؒ اپنی معروف ومشہور کتاب "مالابُدّمنہ" کی کتاب الاحسان میں یوں رقمطراز ہیں:-

"نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جست وبداں نور سینۂ خود را روشن باید کرد تا ہر خیر وشر بفراست صحیحہ دریافت شود۔ ولی در قرآن متقی را فرمودہ ودر حدیث علامتِ اولیاء اللہ فرمودہ کہ در صحبت او خدا یاد آید یعنی محبتِ دنیا در صحبتِ او کم شود ومحبتِ حق زیادہ گردد۔ واللہ اعلم وکسے کہ متقی نہ باشد او ولی نباشد

(مالابدمنہ فارسی صفحہ ۱۲۵)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ باطن کو درویشوں کے سینہ میں ڈھونڈھنا چاہئے اور اُس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہئے تاکہ ہر خیر وشر صحیح علم وفراست سے معلوم ہو جائے۔ قرآن پاک میں ولی متقی کو کہا گیا ہے، اور حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ اسکی صحبت میں اللہ یاد آئے یعنی دنیا کی محبت اُسکی صحبت سے کم ہو اور اللہ کی محبت زیادہ ہو جائے واللہ اعلم۔ اور جو شخص متقی نہ ہو، وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ (مرتب)

ف: نور کی حصولیابی کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں بھی نور کا طلب ثابت ہے۔ (مرتب)

شرح صدر کے متعلق صوفیہ علیہ کا ارشاد

قالت الصوفیۃ العلیۃ	صوفیہ علیہ کا ارشاد ہے کہ شرح صدر
شرح الصدر لایکون الا	اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ
بعد فناء النفس بزوال	نفس کو فنا کر دیا جائے، نفسانیت کا
عینھا و اثرھا وذالک بتجلیات	کوئی نشان بھی باقی نہ رہ جائے اور
صفات اللہ تعالی الحسنیٰ	ایسا اُسی وقت ہوتا ہے جب ولایت
فی الولایۃ الکبریٰ وولایۃ	کبریٰ یعنی ولایت انبیاء میں تجلیٔ صفات
الانبیاء وحینئذ یحصل الایمان	نمودار ہو۔ اُس وقت حقیقی ایمان
الحقیقی (التفسیر المظہری ص۳۲۲)	حاصل ہوتاہے۔

گیارہواں سبب دعاء و مناجات ہے۔ یعنی اللہ کی جناب میں بصد عجز و نیاز شرح صدر کے لئے دعا کرتا رہے۔ اِس لئے کہ اللہ تعالٰے نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کی طرف دعوت و تبلیغ کے لئے جانے کا امر فرمایا تو انھوں نے باوجود معجزات و کرامات سے مرصع ہونے کے اللہ تعالٰے سے شرح صدر کے لئے دعا فرمائی۔ اور اِس اہم معاملہ میں آسانی کی استدعا کی۔ چنانچہ آپ نے یہ دعا فرمائی :-

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي	اے میرے رب! میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے
وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ	اور میرا کام آسان فرما دیجئے، اور میری زبان
عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا	پر سے بستگی ہٹا دیجئے، تا کہ لوگ میری
قَوْلِي ۝ (طٰہٰ ۲۵-۲۸)	بات سمجھ سکیں۔

نیز شرح صدر کی عظمت و اہمیت کے لئے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بطور امتنان ارشاد فرمایا :- "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ" (کیا ہم نے آپ کے سینہ کو علم و حلم سے کھول نہیں دیا۔

ف: دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو شرحِ صدر کی نعمتِ عظمیٰ سے نوازے۔ آمین! (مرتب)

اب ہم علامہ ابن القیمؒ کی شہرۂ آفاق تالیف "مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین" سے بعض مفید و مؤثر عبارات مع اردو ترجمہ کے پیش کر رہے ہیں۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

ذلّت و فقر اللہ تک پہنچنے کا قریب ترین باب ہے

(۱) ویحکی عن بعض العارفین انه قال: دخلت علی الله من ابواب الطاعات کلّها، فما دخلت من باب الّا رأیت علیه الزحام، فلوا تمکن من الدخول حتی جئت باب الذل والافتقار، فاذا هو اقرب باب الیه واوسعه، ولا مزاحم فیه ولا معوق فما هو الّا ان وضعت قدمی فی عتبته فاذا هو سبحٰنه قد اخذ بیدی وادخلنی علیه

اور بعض عارفین سے حکایت نقل کی گئی ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں اللہ پر تمام طاعات کے دروازوں سے داخل ہونا چاہتا تھا، لیکن جس دروازہ پر میں گیا وہاں میں نے بڑا ازدحام (بھیڑ) دیکھا، تو میں داخل نہیں ہو سکا۔ یہاں تک کہ جب میں ذلت و فقر کے دروازہ پر پہنچا تو (میں نے دیکھا کہ) وہ اللہ تک پہنچنے کا سب سے قریب اور سب سے وسیع دروازہ تھا، جس میں نہ کوئی مزاحمت کرنے والا تھا اور نہ کوئی روکنے والا تھا لہٰذا میں نے اپنے قدم اسکی چوکھٹ پر جما دیئے تو

یکایک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے دربار میں داخل فرمالیا۔

(۲) وکان شیخ الاسلام ابن تیمیہ یقول من اراد السعادۃ الابدیۃ فلیلزم عتبۃ عبودیۃ

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ فرماتے تھے کہ جو شخص ابدی سعادت کا ارادہ کرے، تو اسے عبودیت کی چوکھٹ پکڑ لینی چاہیئے۔

وقال بعض العارفین لاطریق اقرب الی اللہ من العبودیۃ ولاحجاب اغلظ من الدعوی ولاینفع مع الاعجاب والکبر عمل واجتھاد ولایضر مع الذل والافتقار بطالۃ یعنی بعد الفرائض (ص۱۴۳)

اور بعض عارفوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کوئی بھی راستہ عبودیت سے زیادہ قریب نہیں ہے اور سب سے گہرا اور موٹا پردہ دعویٰ ہے۔ اور عُجب و کبر کے ساتھ کوئی عمل اور جد وجہد نافع نہیں اور ذلت و فقر کے ساتھ کوئی بیکاری مضر نہیں، یعنی فرائض کی ادائیگی کے بعدؔ۔

۳۔ وسئل بعض ھؤلاء شیخا عارفا فقال: اذا اذّن المؤذّن وانا فی جمعیتی علی اللہ فان قمت وخرجت تفرقت وان بقیت علی حالی بقیت علی جمعیتی فما الافضل فی

اور انہی میں سے ایک شخص نے کسی شیخ عارف سے سوال کیا کہ جب مؤذن اذان دے اور میں اللہ کے ساتھ وصل میں ہوں، تو اگر میں وہاں سے کھڑا ہوں اور نکلوں تو میری جمعیتِ خاطر میں انتشار ہو جائیگا اور اگر میں اپنے حال پر باقی رہوں تو میری جمعیت باقی رہیگی

ع ماشاء اللہ، بہت ہی اچھا استثناء فرمایا۔ مگر اِس حقیر کے خیال میں فرائض کے ساتھ واجبات وسنن کو بھی شامل کرلیا جائے تو مناسب ہے۔ (مرتب)

حقی ؟	تو میرے لئے کون سا حال افضل ہے ؟
فقال: اذا اذّن المؤذن وانت تحت العرش فقُـمْ وَاَجِبْ دَاعِيَ اللهِ ثُمَّ عُدْ اِلٰى موضعك وهذا لان الجمعية على الله حظ الروح والقلب واجابة الداعي حق الرب ومن اثر حظ روحه على حق ربه فليس من اهل اِيَّاكَ نَعْبُدُ ۔	تو اُن عارف نے جواب میں فرمایا کہ جب مؤذن اذان دے اور تم عرش کے نیچے ہو تب بھی کھڑے ہو جاؤ اور مؤذن کی پکار پر لبیک کہو پھر اپنے مقام پر لوٹ آؤ۔ اس لئے کہ اللہ کے ساتھ جمعیت روح اور قلب کا حظ ہے ، اور داعی (مؤذن) کی پکار کا جواب دینا ربّ العزت کا حق ہے۔ اور جو شخص اپنی روح کے حظ کو اپنے رب کے حق پر ترجیح دے، تو وہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کے اہل میں سے نہیں ہے۔
(مدارج السالکین ج ۱ صلاش)	

ف : سبحان اللہ، کتنی معرفت کی بات ارشاد فرمائی، جو نقش قلوب کئے جانے کے لائق ہے۔ (مرتّب)

(۴) ثم ان القلب يعرض له مرضان عظيمان ان لم يتداركهما العبد تراميا به الى التلف ولا بد وهما الرياء والكبر فدواء الرياء بـ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" ودواء الكبر بـ "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ"	پھر جانو کہ قلب پر دو عظیم مرض لاحق ہوتے ہیں، اگر بندے نے ان دونوں کا علاج نہ کیا تو وہ اسے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیں گے۔ اور یقیناً وہ دونوں مرض ریاء اور کبر ہیں۔ لہذا ریاء کا علاج "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" سے ہوتا ہے اور کبر کا علاج "اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن"

(ج ۱ صـ۵۴) سے ہوتا ہے۔

ف: اس کی توضیح و تشریح اپنی ناقص سمجھ میں یہ آتی ہے کہ جب بندہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کہتا ہے، یعنی ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ! ہم آپ کی عبادت و بندگی بلا شرکت غیرے نہایت عظمت و محبت کے ساتھ کرتے ہیں، جس میں توحید خالص کا اثبات ہے اور اُس کی ضد شرک جلی کی نفی ہے۔ "اِیَّاکَ" کی تقدیم سے مزید معبودیت کی وحدت اور توحید کی حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کلمہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی خاص مقصودیت کا بھی اقرار ہے۔ یعنی عبادت سے ہمارا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری غرض و مقصود مدنظر نہیں ہے، جو یقیناً کامل اخلاص ہے، اور اُس کی ضد شرک خفی ہے، جس کی نفی بندہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" سے کرتا ہے۔ جس کو حدیث پاک میں ریا سے تعبیر کیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے: "اِنَّ یَسِیْرًا لِّرِّیَاءِ شِرْکٌ" (یعنی تھوڑی ریاء بھی شرک ہے) پس جب بندہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کہتا ہے تو شرک جلی کے ساتھ شرک خفی یعنی ریا کی بھی نفی کرتا ہے۔ اس طرح اس کلمہ کے کہنے سے ریاء جیسے مہلک مرض سے نجات و شفا میسر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم کو اسی مقصد کے تحت "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" پڑھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ریاء سے شفاء کلی نصیب فرمائے۔ آمین!

اسی طرح جب بندہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کے بعد "اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اور اُس کی اطاعت پر قوت و قدرت بدون اُس کی اعانت اور توفیق کے حاصل نہیں ہو سکتی، اور توفیق کا طلب کرنا

بھی استعانت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عبادت کے لئے بندہ کی طاقت وقوت کافی نہیں، جبتک اللہ تعالیٰ کی اعانت حاصل نہ ہو۔ غرض یہ کہ "اِیَّاکَ نَعۡبُدُ" کے بعد "اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ" کا ذکر کرنا عُجب (گھمنڈ) کو زائل کرتا اور نخوت اور کبر کو فنا کرتا ہے۔

اسی لئے جب داعی الی اللہ یعنی مؤذن "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" سے نماز کی طرف دعوت دیتا ہے، تو مومن "لَاحَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ" کہہ کر اپنے ضعف وکمزوری کا اعتراف کرتا ہے کہ اے اللہ! ہم میں طاقت نہیں کہ اس دعوت کی اجابت کر سکیں، اس لئے ہمیں ایسی طاقت وقوت اور توفیق سے مشرف فرمائیں کہ ہم اس فریضہ کو بآسانی ادا کر سکیں، پھر ایسی صورت میں بندہ کے دل میں ذرہ برابر کبر وعُجب کیسے برقرار رہ سکتا ہے۔ پس غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے کبر وعجب جیسے باطنی امراض کے ازالہ کے لئے کیسا سہل علاج تجویز فرمایا۔ فللہ الحمد والمنۃ

اسی طرح جب بندہ "اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ" کہہ کر ہدایت کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جملہ رذائل سے پاک کر کے منعَم علیہم (یعنی اللہ کی طرف سے انعام یافتہ بندوں) میں داخل فرما کر مغضوبین اور ضالین کی گمراہیوں سے نکال کر تقویٰ وطہارت کے لباس سے آراستہ اور عافیت کے تاج سے مشرف فرماتے ہیں۔

چنانچہ عالم ربانی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب بندہ سجدہ میں اپنی پیشانی جو اشرف اعضا ہے اُس کو زمین جیسی ارذل چیز پر رکھتا ہے، تو پھر اُس کے اندر کبر کا رذیلہ کیسے رہ سکتا ہے۔ پس اگر شیطان نے ایک سجدہ بھی خلوص سے کیا ہوتا تو کبھی کبر وعجب میں مبتلا ہو کر راندۂ درگاہ

نہ ہوتا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اسی طرح حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ جو بندہ نماز میں بار بار "اللہ اکبر" کہتا ہے، اگر وہ سمجھ کر دل سے کہے تو کبھی کبر و عجب میں مبتلا نہ ہو، اسلئے کہ اللہ کی عظمت و کبریائی کا بار بار (جب) اقرار کرتا ہے تو پھر اُس کے اندر کبر و عجب کا کوئی ذرہ کیسے باقی رہ سکتا ہے۔

بہرحال اِن باتوں سے معلوم ہوا کہ علمائے ربانی ایسے ہی احکام شرعیہ کی حکمت و حقیقت بیان فرماتے رہتے ہیں، تاکہ طریق پر چلنا آسان ہی نہیں بلکہ شیریں و لذیذ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے اور باطنی نعمتوں سے مشرف فرمائے۔ آمین! (مرتب)

(۵) وکثیرا ما کنت اسمع شیخ الاسلام ابن تیمیة قدس اللہ روحہ یقول: "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" تدفع الرياءَ و "إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" تدفع الكبر، فاذا عوفی من مرض الرياء (بإِيَّاكَ نَعْبُدُ) ومن مرض الكبر والعُجب (بإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) ومن مرض الضلال والجهل (باِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ) عوفی من امراضه واسقامه ودفل

اور اکثر میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ سرہ سے سنا کرتا تھا وہ فرماتے تھے کہ: "اِیّاکَ نَعبُدُ" ریا کو دور کرتا ہے، اور "اِیّاکَ نَستَعِینُ" کبر کو دفع کرتا ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص ریا کے مرض سے "اِیّاکَ نَعبُدُ" کے ذریعہ اور کبر و عُجب کے مرض سے "اِیّاکَ نَستَعِینُ" کے ذریعہ اور گمراہی وجہالت کے مرض سے "اِہدِنَا الصِّرَاطَ المستقیم" کے ذریعہ عافیت حاصل کر لیتا ہے تو وہ اپنے دیگر امراض و بیماریوں سے

في ثواب العافية وتمت عليه النعمة وكان من المنعَم عليهم (غير المغضوب عليهم) وهم اهل فساد القصد الذين عرفوا الحق وعدلوا عنه (والضّالّين) وهو اهل فساد العلم الذين جهلوا الحق ولم يعرفوه۔

(مدارج السالکین ج ۱ ص ۵۴)

بھی عافیت پا جاتا ہے اور عافیت کے لباس میں ملبوس ہو جاتا ہے اور اس پر نعمت مکمل ہو جاتی ہے اور ان لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور ان لوگوں کے گروہ سے نکل جاتا ہے جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا جن کا قصد و ارادہ فاسد ہے کہ وہ حق کو پہچاننے کے باوجود اس سے منحرف ہیں۔ اور گمراہ لوگ جن کا علم فاسد ہے کہ وہ حق سے ناواقف ہیں اور اس کو پہچانا بھی نہیں۔

(٦) وقال لي يوما شيخ الاسلام ابن تيمية قدس الله روحه في شيء من المباح هٰذا ينافي المراتب العالية وان لم يكن تركه شرطا في النجاة۔ او نحو هذا من الكلام۔ (مدارج السالکین)

ایک دن شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بعض مباح چیز کے بارے میں فرمایا کہ اس کا استعمال مراتب عالیہ تک پہنچنے کے منافی ہے، اگرچہ اُس کا ترک نجات کے لئے شرط نہیں ہے۔ یا اس کے مثل کوئی اور کلام تھا۔

(٧) يقول من واظب على "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ" كل يوم بين سنة الفجر وصلوة الفجر اربعين مرة احيى الله بها قلبه (ص ۲۶۴ ج ۳)

فرماتے تھے کہ جو شخص فجر کی سنت اور فرض کے درمیان روزانہ "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ" چالیس مرتبہ پر پابندی کرے تو اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو زندہ فرما دیں گے۔

ف : سبحان اللہ، حیاتِ قلب کے لئے کس قدر آسان نسخہ تجویز فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر مواظبت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

(۸) التَّوبة النَّصُوح،	توبہ نصوح :-
قال محمد بن کعب القرظی	محمد بن کعب القرظی نے فرمایا کہ
یجمعها اربعة اشیاء	توبۂ نصوح کو چار چیزیں گھیرے ہوئے
الاستغفار باللسان	ہیں۔ زبان سے استغفار (مغفرت طلب کرنا)
والاقلاع بالابدان	بدن سے معصیت سے علٰحدگی اختیار کرنا
واضمار ترك العود بالجنان	اور قلب سے معصیت کی طرف نہ لوٹنے کا عزم
ومهاجرة سيء الاخوان،	کرنا، اور بُرے ساتھیوں سے دوری
(مدارج السالکین ج ۱ ص ۳۱۰)	کو لازم پکڑنا۔

ف : سبحان اللہ، علامہ رحؒ نے "مُهَاجَرَةُ سيءِ الاخوان" (یعنی بُرے ساتھیوں سے کنارہ کشی) فرما کر ایک نادر اضافہ فرمایا ہے، اس لئے اس کو جب بھی اپنی دینی مجالس میں سنایا تو علماء کرام نے بہت پسند فرمایا۔ (مرتب)

وفات ۲۳ رجب ۷۹۱ھ میں چہارشنبہ کے دن رات کو انتقال فرمایا۔ اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد جامع مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور الباب الصغیر کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ ورفع درجاتہ۔

(دعوت وعزیمت ص ۳۴۹/۲)

خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۷۹۳ھ

نام ونسب خواجہ حافظ شیراز، والد کا نام بہاؤالدین ہے۔

حالات خواجہ صاحب کے والد کے پاس کافی دولت تھی۔ لیکن اُن کے انتقال کے بعد اُن کے بیٹوں نے ساری دولت برباد کردی اور ادھر اُدھر چلے گئے، لیکن خواجہ صاحب اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ شیراز ہی میں قیام پذیر رہے۔ اور جب حالات خراب ہوگئے، یہاں تک کہ فاقہ کی نوبت آگئی تو آپ کی والدہ نے آپ کو محلے ہی کے ایک شخص کے حوالہ کردیا تاکہ وہ آپ کو اپنی خدمت میں رکھے اور کھانے پینے کا انتظام کردیا کرے لیکن آپ سن شعور کو پہنچے تو آپ اس کے اطوار سے مطمئن نہ تھے اس لئے اس کے یہاں سے ہٹ گئے اور خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کرلیا۔ آپ آدھی رات سے اُٹھ کر صبح تک خمیر گوندھتے۔ گھر کے پاس ایک مکتب تھا، محلے کے لڑکے اسمیں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ خواجہ صاحب اکثر اُدھر سے گزرتے تو دل میں تعلیم کی تحریک پیدا ہوتی۔ آپ کا شوقِ تعلیم اتنا بڑھا کہ آپ نے مدرسہ میں داخلہ لے لیا اور خمیر کے کام سے جو آمدنی ہوتی اس کا ایک تہائی حصہ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں پیش کرتے، اور ایک حصہ اپنے استاذ محترم کیلئے رکھ لیتے اور بقیہ رقم خیرات کردیتے تھے۔ (شعر العجم ص۱۷۱)

آپ نے مکتب میں قرآن کریم حفظ کیا، معمولی سوادخوانی کی بھی لیاقت حاصل کرلی، اُس دور میں شعروشاعری کا چرچا تھا، محلے میں ایک بزاز رہتا تھا، وہ سخن سنج اور موزوں طبع تھا، اس مناسبت سے اور ارباب ذوق بھی اسکی دوکان پر

آبیٹھتے تھے اور شعر وسخن کے چرچے رہتے تھے، تو خواجہ صاحب پر اس مجمع کا اثر ہوا
چنانچہ شاعری شروع کی، لیکن طبیعت موزوں نہ تھی، بے تکے اشعار کہتے اور لوگوں
کو تفریح طبع کا سامان ہاتھ آتا۔ آہستہ آہستہ انکی لغوگوئی پورے شہر میں مشہور ہوگئی، تو
لوگ تفریح طبع کیلئے آتے اور لطف اندوز ہوتے۔ دو سال تک یہی حال رہا، لیکن آپ کو
لوگوں کے استہزار کا احساس ہوا تو ایک دن نہایت رنجیدہ ہوئے اور بابا کوہی ؒ کے مزار پر جاکر
پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ انکو لقمہ کھلاتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ جا اب تجھ پر تمام علوم کے دروازے کھل گئے۔ نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ
جناب سیدنا حضرت علی رضؓ ہیں۔ صبح کو اُٹھے تو یہ شعر کہا ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند   وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

(کل رات سحر کے وقت غصہ سے مجھ کو نجات دیا اور اس رات کی تاریکی میں مجھ کو آب حیات سے نوازا)

جب لوگوں نے آپ کا یہ شعر سنا تو حد درجہ تعجب کرنے لگے، بلکہ یہ خیال کرنے لگے کہ کسی
اور سے لکھوائی ہے۔ تو لوگوں نے امتحان کے لئے طرح دی۔ انھوں نے طرح
میں بھی عمدہ غزل کہی۔ اُسی وقت گھر گھر چرچا پھیل گیا۔

اُس وقت کے علماء، فضلاء اور حکام وقت بھی آپ کے بہت ہی
زیادہ قدرداں تھے۔ (شعر العجم صـ ۱۷۲/۲)

اب ہم آپ کے چند اشعار کا ترجمہ وتشریح "التکشف" سے نقل کرنے
کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ارشادات منظومہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب

"التکشف عن مہمات التصوف" میں حضرت حافظ شیرازی رحؒ کے بہت سے اشعار درج فرمائے ہیں، ان کی تشریح کے ضمن میں طریق کے بہت سے مسائل کا بخوبی اثبات وایضاح فرمایا ہے، جو آپ کی فارسی زبان پر قدرت اور تصوف وسلوک سے غایت درجہ مناسبت وبصیرت پر دال ہے۔

فارسی زبان بھی سیکھنا چاہئے

عوام جیسے اردو زبان سے بے اعتنائی برت رہے ہیں کہ یہ لوگ عموماً اردو لکھنے پڑھنے سے بہت دور جا پڑے ہیں، اسی طرح بیشتر علماء کے گھروں بلکہ مدرسوں تک سے فارسی زبان رخصت ہو چکی ہے جبکہ دین وطریق کے مسائل وحقائق زیادہ تر فارسی ہی کی کتابوں میں مذکور ہیں (جیسے گلستاں، بوستاں، مثنوی شریف وغیرہ) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے مولوی حضرات بھی اکابر علماء ومشائخ کے مواعظ وبیانات جن میں اکثر فارسی کے اشعار ہوتے ہیں انکو پڑھنے اور سمجھنے سے قاصر ہیں جسکی وجہ سے مسائل تصوف سے مناسبت کم ہوتی جا رہی ہے۔ حالانکہ اگر اس زبان کو دیگر زبان ہونے ہی کی حیثیت سے باقی رکھتے تو مفید ہی ہوتا۔ مگر بعض بدذوق لوگ اسکو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ (مرتب) قال الحافظ

اَلَا یَا اَیُّہَا السَّاقِی اَدِرْ کَاسًا وَّنَاوِلْہَا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ساقی (شراب پلانے والا) مراد محبوب حقیقی۔ کاس (پیالہ شراب) مراد جذب عشقی، یعنی ادھر متوجہ ہو کر اے محبوب حقیقی! دور دیجئے پیالہ (جذب عشقی) کو اور (اس دور میں) وہ پیالہ مجھ کو بھی دیدیجئے (یعنی مجھ کو اپنی

طرف منجذب کر لیجئے) کیونکہ (راہ) عشق (کا سلوک) اول اول آسان معلوم ہوا تھا (چونکہ اس کی عقبات نہ دیکھی تھیں) لیکن (سلوک کے وقت) بڑی بڑی مشکلیں واقع ہوئیں (جن سے راہ قطع ہونا دشوار ہوگیا. سو آپ کے جذب سے یہ سب مشکلیں سہل ہو جائیں گی)۔

توقف وصول بر جذب

اس شعر میں اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ سلوک محض بلا جذب کے وصول الی المقصود میں کافی نہیں ہوتا۔ اور سلوک اور جذب کے معنی کوئی شخص ہوش اور بیہوشی کے نہ سمجھ جائے، بلکہ سلوک کہتے ہیں مقامات یعنی اخلاق باطنہ کی اصلاح کو مع پابندئ اعمال ظاہرہ کے۔ اس سے نسبت باطنی کے حاصل ہو جانے کی استعداد اور قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن نسبت باطنی کا بالفعل حاصل ہو جانا یہ باختیار سالک نہیں ہے، محض فضل الٰہی پر موقوف ہے. پس وہ فیض غیبی و عنایتِ حق جس سے یہ نسبت حاصل ہو جائے جذب کہلاتا ہے۔ اور اسی نسبت کو وصول الی اللہ بھی کہتے ہیں۔ غرض سلوک اختیاری ہے اور جذب غیر اختیاری۔ خوب سمجھ لو! اسی مضمون کو کسی نے اس طرح تعبیر کیا ہے ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا
کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

(ترجمہ: عشق کا راستہ دوڑنے سے طے نہیں ہوتا، بلکہ یہ (جلدبازی سے) اور طویل ہو جاتا ہے جیسے انگور کی بیل کاٹنے سے اور بڑھتی ہے۔) (التکشف ص۱۰۹)

قَالَ رحمہ اللہ

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

(اس میں بیان ہے حالتِ حیرت کا اور شکایت ہے مع یک گونہ عذر معترضین اور ملامت گردں کی) یعنی ہماری حالت (حیرت میں) ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ورطۂ ہولناک (میں کشتی آگئی) ہو تو ہمارے (اس) حال کی اُن لوگوں کو کب خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارہ پر کھڑے ہیں (جنھوں نے دریا میں قدم بھی نہیں رکھا)۔

حالتِ حیرت

مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحبِ حال کسی عقبہ باطنی میں گرفتار ہو کر حیرت میں پڑ جائے تو اُس کے افعال واقوال پر ناواقف لوگ اعتراض اور ملامت کیا کرتے ہیں، مگر یہ اعتراض خود دلیل اس کی ہوتی ہے کہ اُن لوگوں پر کبھی ایسی حالت نہیں گزری۔ پس ان کے ناواقف ہونے کا اور مبتلائے حیرت کو ایسے اعتراضوں سے دلگیر نہ ہونے کا بتلانا مقصود ہے۔ رہے واقف اور عارف لوگ وہ اُس پر رحم کرتے ہیں اور اسکی دستگیری کرتے ہیں۔ (التکشف صـ۱۱۳) (مکتبۃ الحق)

غزل

صبح دم مرغ چمن با گلِ نوخاستہ گفت
ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت

گل بخندید کہ از راست نرنجیم ولے
ہیچ عاشق سخن تلخ بہ معشوق نگفت

ان اشعار میں مرشد کی خدمت اور ادب کا شرطِ طریق ہونا، اور گستاخی

اور بے ادبی کا (گو اس کا منشا کوئی امر مطابق واقع کے ہو) مذموم ہونا مذکور ہے۔ یعنی بلبل نے کہ طالب ہے گل نوخاستہ سے کہ مرشد کامل ہے (جیسا گل نوخاستہ اپنے وصف میں کامل ہوتا ہے) یوں کہا کہ آپ (اس شان ارشاد پر) ناز نہ کیجئے اور مسترشدین سے استغناء نہ برتئے۔ اس لئے کہ ایسے ایسے لوگ اس باغ دہر میں بہت ہوئے ہیں اور پھر سب فنا ہوگئے، اسی طرح آپ بھی فنا ہو جائیں گے۔ تو اس عمر ناپائدار میں جس قدر ثواب افادہ کا حاصل ہو سکے غنیمت سمجھیں۔

یہ سن کر مرشد نے (اپنی بلند حوصلگی سے برا نہیں مانا بلکہ) ہنس کر فرمایا کہ ہم سچی بات سے ناراض نہیں ہوتے، لیکن تمھاری مصلحت کے لئے تم کو تعلیم کرتے ہیں کہ یہ طرز استفادہ کا نہیں ہوا کرتا، کیونکہ استفادہ کے لئے ادب شرط ہے۔ اور یہ طرز خلاف ادب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی عاشق اور طالب نے اپنے معشوق اور مطلوب سے تلخ بات نہیں کی ہے۔

ف: اس پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہت ہی عمدہ کلام فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ کے سامنے ہر قسم کی بات نہیں کہنا چاہیئے، چاہے وہ کسی درجہ میں صحیح بات ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضرت شیخ محب اللہ الٰہ آبادیؒ نے فرمایا ہے: ہر صحیح بات کہی نہیں جاتی، اسی طرح اساتذہ اور والدین سے بھی اس قسم کی بات کہہ کر اُن کو مغموم نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ بے ادبی و گستاخی سمجھی جائیگی۔ ہاں اگر کوئی ضرورت شرعی ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (مرتب)

طالب کو عاجزی اختیار کرنا چاہیئے

اس کے بعد کے دونوں شعروں میں (جس کو ہم نے نقل نہیں کیا ہے)

تعلیم مذکور کی تائید کے طور پر فرماتے ہیں کہ طالب کو عاجزی اور تضرع سے کام لینا چاہیے اور جس نے درِ میخانہ کو اپنے رخسار سے صاف نہ کیا ہوگا، ابدالاباد تک بوئے عشق اُس کے دماغ تک نہ پہنچے گی۔ یعنی یہ زاری کا کام ہے زور کا نہیں۔ پس اس میں تعلیم ہوگئی بعض شرائطِ طریق کی۔ چنانچہ کسی نے کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

(ترجمہ: فہم و دانش کو تیز کرنا طریق نہیں ہے، اس لیے کہ بجز شکستگی کے فضلِ الٰہی سے سالک ہمکنار نہیں ہو سکتا۔) (التکشف ص۳۱۸ ناشر: مکتبۃ الحق)

(۴) ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم　　با بادشہ بگوئے کہ روزی مقدر است

مطلب ظاہر ہے کہ اسمیں تعلیم ہے قناعت و توکل کی۔ "بدرالشروح" میں منقول ہے:۔

"در لطائف الطوائف آوردہ کہ بادشاہِ آں عصر حافظ را طلب کرد، حضرت ہمیں بیت نوشتہ فرستاد و خود نرفتند۔"

(ترجمہ: لطائف الطوائف میں مروی ہے کہ اُس زمانہ کے بادشاہ نے حضرت حافظ کو طلب کیا، تو اُنھوں نے جواب میں یہی شعر لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور خود تشریف نہ لے گئے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ بطور فائدہ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حکایت حضرت حافظ کی بزرگی کی دلیل ہے۔ (التکشف ص۲۴۱، ناشر مکتبۃ الحق)

وفات آپ کی وفات ۷۹۳ھ میں ہوئی۔ مصلی آپ کا محبوب مقام تھا، اس لئے وہیں دفن ہوئے۔ اور اُس جگہ کا نام آپ کی وجہ سے حافظیہ ہو گیا۔ ہفتہ میں ایک دن مقرر ہے۔ لوگ اُس دن زیارت کیلئے جاتے ہیں اور دن وہیں گزارتے ہیں۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔　　(شعر العجم ص۱۷۳/۲)

حضرت الشیخ عثمان الحطاب رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۔۔۔ھ

تعارف آپ شیخ ابوبکر الدقدوسیؒ کے فیض یافتہ لوگوں میں بڑے شخص تھے اور کمال درجہ کے زاہد تھے۔ آپ کے پاس ایک ہی پوستین رہتی تھی جس کو جاڑے، گرمی میں پہنتے تھے۔ آپ یتیم بچوں پر بہت رحم فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے یتیمی کی تلخی کو چکھا ہے، اس لئے کہ میرے باپ کا میری کمسنی ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔ آپ اپنے سر کو ہمیشہ زمین کی طرف جھکائے رہتے تھے آسمان کی طرف نظر نہ اٹھاتے تھے، مگر کسی ضرورت سے یا کسی سے مخاطبت کے لئے مجبوراً نظر کو اُٹھاتے تھے۔

طلبہ قرآنی لشکر ہیں

ہمیشہ خانقاہ کے فقراء کی مصلحتوں وضرورتوں کے پوری کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے پاس فقراء اور بیوہ عورتیں سو سے زیادہ مستقل طور پر رہتی تھیں، جن کے شیخ خود کفیل تھے۔ حالانکہ آپ کے پاس کوئی مستقل آمدنی نہ تھی اور نہ کوئی موقوفہ جائداد تھی۔ بلکہ جو فتوحات روزانہ ہوتی تھیں اسی کے بھروسے اتنے لوگوں کو جمع رکھتے تھے۔ جب ان پر تنگی ہوتی تو سلطان قایتبای کے پاس کہلا بھیجتے تھے تو بادشاہ گیہوں، مسور، چنا اور چاول کی قسم کے غلے بھیج دیتا۔ ایک دن بادشاہ نے شیخ سے کہا کہ اے شیخ آخر اتنے لوگوں کو اکٹھا کر کے اپنے کو آپ نے کیوں بلا ومصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ ان کو الگ کیجئے تاکہ یہ لوگ اپنا راستہ پکڑیں، اور آپ خود اپنے کو راحت پہنچائیں اور اطمینان سے بیٹھیں۔ تو شیخ نے فرمایا کہ پہلے تم اپنے غلاموں اور فوجیوں کو

علیحدہ کرکے تنہا آرام سے بیٹھ جاؤ تو میں بھی ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلوں گا۔ تو بادشاہ نے کہا کہ یہ تو اسلامی لشکر ہیں۔ تو شیخ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ اسلامی لشکر ہے تو میرے پاس جو لوگ رہتے ہیں وہ قرآنی لشکر ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر مسکرایا۔

بادشاہ کا آپ کی بات تسلیم کرنا جب بادشاہِ وقت نے ایوان کبیر کی تعمیر شروع کی تو ایک پرانی عمارت اسکی تعمیر میں مانع ہوئی۔ تو شیخ نے بادشاہِ وقت سے کہا کہ اے بادشاہ! یہ پہلے مسجد تھی اور مسجد کو منہدم کرکے حویلی بنائی گئی ہے۔ تو بادشاہ نے شیخ کی بات کی تصدیق کرلی اور اس حویلی کے انہدام کا حکم صادر کردیا۔ بعض قاضی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے بادشاہ! آپ نے ایک مجذوب شیخ کے کہنے پر اس حویلی کو منہدم کرنے کا حکم صادر فرمادیا تو اس کی وجہ سے لوگ آپ کو ملامت کریں گے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ شیخ کی بات میرے نزدیک ثابت ہوگئی ہے، اس وجہ سے میں نے اس کے انہدام کا حکم صادر کیا ہے۔ جب اس کو منہدم کیا جانے لگا تو محراب اور دو ستون ظاہر ہوئے۔ شیخ نے اس کی اطلاع بادشاہ کو دی اور بادشاہ نے خود آکر اُس کا مشاہدہ کیا اور حکم دیا کہ لوگ اس کی تعمیر میں شیخ کی اعانت و مدد کریں۔ لیکن شیخ نے کسی کی مدد کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔

ف: سبحان اللہ، کیسی حق گوئی تھی اور کیسی قناعت تھی جو قابل تحسین ہے۔ (مرتب)

وفات

آپ بیت المقدس کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں قریب ۸۸۰ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص۱۰۵ ج۲)

حضرت شیخ علاؤالدین علاؤالحق پنڈوی (بنگال) المتوفی ۸۰۰ھ

تعارف حضرت شیخ سراج الدین عثمان المعروف اخی سراج کے آپ خلیفۂ اجل ہیں۔ مقام پنڈوہ میں آپ کی خانقاہ اور مزار ہے۔ آپ نے تبلیغ کے لئے بڑے مجاہدے کئے۔ پیر کی زندگی میں تو آپکا یہ حال تھا کہ اکثر ان کے ساتھ تبلیغ کے لئے پا پیادہ دیہاتوں میں نکل جاتے۔ اپنا کھانا ساتھ ہوتا تھا۔ اور چونکہ پیر کو گرم کھانا دینا پڑتا تھا اس لئے دیگدانی کو سر پر لئے ہوئے پیر کے پیچھے پیچھے دوڑتے جاتے تھے۔ جس سے یہ حال ہو گیا تھا کہ دیگدانی کی گرمی سے سر کے بال اُڑ گئے تھے۔

آپ کی خانقاہ کا حال حضرت اخی سراج الدینؒ کے وصال کے بعد تو آپ کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئی تھیں اور تبلیغی اسفار اور زیادہ ہونے لگے تھے۔ بیحد فیاض تھے۔ لنگر خانے کا خرچ بہت زیادہ تھا۔ ہندو، مسلمان سب دسترخوان پر کھاتے تھے، لہٰذا بادشاہِ وقت کو بھی حیرت ہوتی تھی۔ اور بدگمانی یہ ہو گئی تھی کہ ان کے باپ ہمارے خزانچی ہیں لہٰذا ہمارے خزانہ سے ان کا خرچ چلتا ہوگا، اسی بنا پر حکم دے دیا تھا کہ وہ پنڈوہ سے سنار گاؤں چلے جائیں۔ لہٰذا حضرت سنار گاؤں چلے گئے۔ وہاں دو سال قیام رہا۔ مگر وہاں جا کر خادم کو حکم دے دیا کہ خانقاہ کا خرچ دوگنا کر دیا جائے۔ چنانچہ لنگر کا خرچ اور بڑھا دیا گیا۔

آپ کے خلفاء آپ کے بیشمار خلفاء تھے، جن میں سید اشرف جہانگیر سمنانی رح، حضرت نور قطب عالم پنڈوی رح، حضرت مولا علی رح اور حضرت شیخ احمد چرم پوش رح وغیرہ بڑے خلفاء میں تھے۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی رح (المتوفی ۸۲۵ھ) کو آپ نے تقریباً بارہ سال اپنے زیر تربیت رکھا۔ اُن سے تبلیغی کام لیا اور خلافت و اجازت دے کر کچھوچھہ شریف (یو، پی) بھیجا۔ آپ کا مزار وہیں ہے (آپ کے حالات آگے مذکور ہیں)

حضرت نور قطب عالم پنڈوی رح آپ کے صاحبزادے اور اکابر خلفاء میں تھے۔ آپ نے اپنے والد کے زیر تربیت رہ کر بڑے مجاہدے کئے اور خلافت و اجازت اور بعد میں قطبیت سے نوازے گئے۔ آپ کے وقت میں پنڈوہ سلسلۂ چشتیہ کا مرکز بن گیا تھا۔

صاحبِ "نزہۃ الخواطر" رقمطراز ہیں :-

"اپنے والد شیخ علاؤالحق پنڈوی رح کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت و مرجعیت عطا فرمائی تھی آپ کے زمانہ میں پنڈوہ کی خانقاہ ہندوستان کی سب سے بڑی چشتی خانقاہ تھی۔ مجاہدات، خدمتِ خلق اور بے نفسی و خود شکنی اور علومِ حقائق میں مرتبۂ عالی رکھتے تھے۔"

آپکے ہاتھ پر کافی غیر مسلم مسلمان ہوئے۔ جدو پسر راجہ کنس آپکے ہاتھ پر اسلام لایا۔ اور آپ کی تربیت سے صاحبِ نسبت ہو کر بنگالہ کی حکومت چلائی۔ اس کے بال بچے بھی مسلمان ہوئے حضرت قطب عالم رح کے ہمعصر سلاطین و امراء بھی آپ سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ آپ کی وجہ سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی اور اسکی کافی اشاعت ہوئی۔ آپ نے سینکڑوں خلفاء

کو اجازت وخلافت دیکر اسلام کی اشاعت کیلئے دور دراز جگہوں پر بھیجا۔ آپ کے کئی جلیل القدر خلفاء تھے۔ جیسے حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری رحؒ، (آپکے حالات آگے مذکور ہیں) حضرت شاہ زاہدؒ پنڈوہ، حضرت مخدوم فرید الدین طویلہ بخش (چاند پورہ، بہار)، شیخ سعادتؒ چاند پورہ، بہار، شیخ شمس الدین طاہرؒ، شاہ کاکو لاہوروی رحؒ طاہر اجمیری رحؒ وغیرہ۔ انہوں نے بھی اشاعتِ دین کے لئے کوششیں فرمائیں۔ آپکے صاحبزادے شیخ انور و شیخ اقتح یار، رفعۃ الدینؒ بھی بڑے اونچے درجے کے اولیاء میں تھے۔ آپ کے پوتے شاہ زاہدؒ نے اپنے دادا سے خلافت واجازت حاصل کرکے تبلیغ اسلام کیلئے کوششیں فرمائیں، اُن کے سینکڑوں خلفاء ہوئے۔ انھوں نے پورنیہ اور اطراف پورنیہ میں اسلام کی اشاعت کی۔

حضرت شاہ جلال الدین گجراتیؒ جن کا مزار بعض بیان کے مطابق شاہ عالم پور پنڈوہ (گھوگھوڈانگی) میں ہے جو شیخ پیارہ کے مرید اور حضرت گیسو دراز (گلبرگہ) کے تربیت یافتہ تھے اور "اخبار الاخیار" کے مطابق کاملانِ وقت میں سے تھے، اور "خزینۃ الاصفیار" کے مطابق: کامل و مکمل و صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے اپنی زندگی پنڈوہ ہی میں گزاری، اور یہیں شہید ہو کر ۸۸۱ھ میں مدفون ہوئے۔

وفات آپ کی وفات ۸۰۰ھ میں مقام پنڈوہ، ہگلی (بنگال) میں ہوئی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ ۔

(پیش لفظ، پورنیہ میں دو ولی ص۹)

حضرت شیخ علی وفا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۸۰۱ھ

تعارف آپ نہایت خوبصورت شخص تھے۔ یہاں تک کہ مصر میں صورت اور لباس کے لحاظ سے اتنا حسین وجمیل آدمی دیکھا نہ گیا۔ آپ کی متعدد کتابیں ہیں۔ ادب اور وصایا کے سلسلہ میں آپ کا کلام بہت مفید ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۱۱ محرم ۷۹۱ھ بوقت سحر ہوئی۔ (طبقات ص ۲۲ ج ۲)

ارشادات

فرماتے تھے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت اس لئے قابل نسخ نہیں ہے کہ اسمیں وہ تمام باتیں آگئی ہیں جو پہلی شریعتوں میں آچکی ہیں۔ بلکہ مخصوص زیادتیاں بھی ہیں۔ اور آپ کی شریعت فلک ہشتم یعنی ستاروں والے فلک کرسی سے نازل ہوئی ہے اور وہ فلک ثابت ہے۔ اسی لئے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں نے نسخ کو قبول کیا مگر آپ کی شریعت مقدسہ نے نہیں۔ اور اس سلسلہ میں کلام طویل فرمایا ہے۔

فرماتے تھے کہ اپنے بھائی کی ذات کو ترک نہ کرو۔ بلکہ جن قبائح میں مبتلا ہے اس کو چھوڑ دو۔ پس جب وہ ان سے توبہ کرلے تو وہ تمھارا بھائی ہے اسکو سمجھو۔

فرماتے تھے کہ اگر تمھارے بھائی کو دنیوی معائب ومصائب پہنچیں تو اس کو عیب نہ لگاؤ۔ اس لئے کہ یا تو وہ مظلوم ہے، تو اللہ تعالےٰ اس کی مدد کریں گے۔ یا وہ کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہے جس کی اس کو سزا دی گئی ہے۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ اس طرح پاک کردیں گے۔ اور اگر آزمائش میں ڈالا گیا ہے تو اس کا اجر اللہ تعالےٰ کے ذمہ ہے۔ خوب سمجھ لو۔ (طبقات)

عصبیت کی مذمت

فرماتے تھے کہ سیدی ابوالحسن شاذلی رحؒ فرماتے تھے کہ محبت قطب ہے اور جملہ خیرات اسی پر دائر ہیں۔ فرماتے تھے کہ اگر کسی داعی الی اللہ کو پاؤ تو اسکی اجابت کرو (یعنی اس کی دعوت کو قبول کرو) اور یہ بات تم کو ہرگز نہ روکے کہ وہ داعی اس سلسلہ کی طرف منسوب ہے جو تمہارا نہیں ہے۔ اس لئے کہ تم سے پہلے کے اشقیاء و بدبخت اسی عصبیت و سلسلہ پرستی کی بناء پر قبولِ حق سے باز رہے (اور جہنم رسید ہوئے)۔ چنانچہ یہود نے کہا کہ اگر محمد ہم میں سے ہوتے تو ہم انکی اتباع کرتے، لیکن وہ تو عرب کے ہیں، اس لئے ہم انکی اتباع نہ کریں گے۔ اس اعتبار سے تو جن ہی زیادہ عقلمند ثابت ہوئے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی موافقت کی اور انھوں نے کہا: یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ وَاٰمِنُوْا بِہٖ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ٥ (ترجمہ) اے بھائیو! اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالےٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

ف: سبحان اللہ، حضرت ابوالحسن شاذلی رحؒ نے اپنے لوگوں کو کیسی عمدہ نصیحت فرمائی گویا عصبیت اور گروپ بندی کی جڑ ہی کاٹ دی۔ بیشک حضرات اہل حق ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہ اپنے لوگوں کو راہِ حق دکھلاتے ہیں۔ اور دین حق اور طریق مستقیم کی ایسی صحیح و واضح تعلیم دیتے ہیں جو ان کو اللہ تعالےٰ تک پہنچا دے اور شیخ کی یہی شان ہونی چاہیئے۔ چنانچہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ شیخ درحقیقت وہ ہے جو اللہ تعالےٰ و رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تک پہنچا دے۔ اور جو اپنے ہی تک محصور و محدود

رکھے وہ پیر ور ہبر نہیں بلکہ رہزن ہے۔ مگر اس زمانہ میں بہت سے جاہل دنیادار پیر ایسے ہیں جو اس کے خلاف تعلیم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلسلہ ہی سب کچھ ہے۔ جو نہ شریعت کے موافق ہے نہ طریقت کے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جو نماز دعویٰ پیدا کرے وہ رعونت و تکبر ہے۔ اور جو نوم (سونا) تقویٰ و خوف پیدا کرے وہ معونت (نصرت و مدد) ہے فافھم۔ فرماتے تھے کہ جب بندہ پر حق تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے تو جو چیز سبب شقاوت ہوتی ہے وہی اس کیلئے وجہ سعادت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ گناہ کرتا ہے جس کی وجہ سے شکستہ دل، شرمندہ اور غمگین ہوتا ہے اور حجاب اور فراق کا مزہ چکھتا ہے اور وصال کی قدر کو پہچانتا ہے تو اس سبب سے مزید شکر کرنے لگتا ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا خاص مورد ہو جاتا ہے۔ اور جو اس کے برعکس ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ امر فرماتا ہے۔ (طبقات ج ۲ ص۷۴)

ف: مگر جو گناہ کرتا ہے مگر شکستہ دل نہیں ہوتا، یا طاعت کرتا ہے مگر اس کے بعد رعونت و تکبر کرتا ہے، تو پھر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ لطف و کرم کا نہیں ہوا کرتا۔ خوب سمجھ لو۔ (مرتب)

علماء سوء اور علماء حق میں فرق

فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کے لئے علماء سوء ابلیس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہیں۔ اس لئے کہ ابلیس جب وسوسہ ڈالتا ہے تو مومن سمجھتا ہے کہ یہ ہمارا کھلا ہوا دشمن اور گمراہ کن ہے۔ اس کے باوجود (نفسانیت کی بناء پر) جب اسکی اتباع کر لیتا ہے تو یقیناً جانتا ہے کہ میں نے معصیت کی، لہٰذا اس سے وہ توبہ کرتا ہے اور

اپنے رب سے استغفار کرتا ہے۔ اور بُرے علمار تو حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں، اور اپنی کجی اور جدال کی وجہ سے اپنی خواہشات واغراض کے تحت احکام کا اضافہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ پس جو شخص ان لوگوں کی اطاعت کرے گا تو اس کی سعی بیکار ہو گی۔ حالانکہ وہ اپنے متعلق گمان کرتا ہو گا کہ میں اچھا کام کر رہا ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو اور ان سے کوسوں دور رہو اور سچے علمار کے ساتھ رہو۔ (طبقات ج ۲ صـ۲۵)

ف : حضرت شیخ نے علمار سور کی علامت کیا خوب بیان فرمائی کہ اپنی خواہشات واغراض کی بنار پر احکام شریعت وسنت پر اضافہ بھی کرتے رہیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی علمار و مشائخ کی غلط روش و تعلیم کی وجہ سے ہمارے اس دور میں اس قدر بدعات و رسوم کا شیوع ہو گیا ہے کہ سنت و بدعت میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اور حاذق مرشدین اور علمائے ربانیین پر انکی اصلاح دشوار ہو چکی ہے۔ فیا ویلاہ و یا حسرتاہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بدعات و منکرات سے محفوظ رکھیں۔ آمین! (مرتّب)

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی نیت سے عادات و مباحات بھی عبادت بن جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اہل اللہ پر معمولی اونی جبہ غیروں کے ریشمی لباس سے بھی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے اس اونی جبہ کے پہننے سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا۔ (یعنی جو شخص حسنہ (نیکیوں) کو عمل میں لائے گا تو ہم اسمیں حُسن وخوبی پیدا کر دیں گے۔) (طبقات ج۲ صـ۲۸)

فرماتے تھے: کہ عادت تو وہ ہے جس میں حظِّ نفس ہو، نری عبادت تو

وہ بس محض ملک قدوس کے لئے ہوتی ہے۔ خواہ نماز و روزہ ہو یا سونا بیٹھنا اور کھانا ہو۔ یہ سب کا سب عارف کے نزدیک عبادت ہے (طبقات صفحہ ۳۱/۲)

فرماتے تھے کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے فرش بنایا، تاکہ تمکو تواضع سکھلائے۔ پس تواضع اختیار کرو تو کشادہ ہو جاؤ گے۔

فرماتے تھے کہ جو شخص ظالم کی طرف مائل ہو گا تو اس کو فتنہ کی آگ ضرور پہنچے گی، مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

ایک طویل ملفوظ کے ضمن میں حضرت ابوالحسن شاذلیؒ کا قول نقل فرمایا ہے جبکہ ان کی شاندار شکل و صورت پر ایک شخص نے جو میلا کچیلا پھٹا پرانا کپڑا پہنے تھا اعتراض کیا تھا۔ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اے شخص سُن! میری ہیئت تو الحمدُ للہ کہتی ہے (کہ مجھے کچھ ضرورت نہیں ہے) اور تمھاری ہیئت کہتی ہے کہ اپنی دنیا سے مجھے بھی دو (کہ میں فقیر و محتاج ہوں۔) (طبقات صفحہ ۳۳/۲)

ف: سبحان اللہ! اچھے لباس پہننے میں کیسی حکمت ہے اور کیسی اچھی نیت ہے کہ لوگ صورت سے فقیر و محتاج سمجھ کر ہدیہ دینے کی سعی نہ کریں۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ تم یہ نہ چاہو کہ تمھارا کوئی حاسد نہ ہو اور نہ کوئی تم پر حسد کرے اس لئے کہ حکم وجودی کا تقاضا ہے کہ نعمتوں کا مقابلہ حسد سے ہو۔ پس جس نے یہ چاہا کہ اس کا کوئی حاسد نہ ہو، تو اس نے گویا یہ چاہا کہ مجھے کوئی نعمت نہ ملے اور جس شخص نے حاسد کے شر سے پناہ مانگی تو اس نے نعمت کو تشویش سے امان کے ساتھ طلب کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ۔ (یعنی حسد کرنے والے کے شر سے میں پناہ مانگتا ہوں جب وہ حسد کرنے لگے۔)

فرماتے تھے کہ تمھارا کسی جھونپڑے میں بیٹھنا جبکہ شہوات کی قید سے بری ہو کہیں بہتر ہے کہ مضبوط محل میں بیٹھو اور شہوات کی قید میں گرفتار ہو اور اپنے محبوب سے محجوب ہو۔ فافہم۔ فرماتے تھے کہ بقدر معرفت محبت ہوتی ہے اور بقدر محبت قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ فرماتے تھے کہ تمام اعمال کی مشروعیت اسکے شارع کی یاد کیلئے ہے۔ تاکہ اس کو لوگ فراموش نہ کریں۔ اور کسی دوسرے کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (یعنی نماز کو میری یاد کیلئے قائم کرو۔

فرماتے تھے کہ مرد انعاماتِ قدسیہ کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور عورتیں ظاہری زیب وزینت کے لئے۔ پس جس عورت کی ہمت انعامات قدسیہ سے متعلق ہو گئی تو مرد کے درجۂ عالی تک پہنچ گئی۔ اور جس مرد کی ہمت زیب وزینت سے لاحق ہو گئی تو وہ مرد عورت کے مرتبہ میں آگیا۔ یعنی اپنے کو اس نے پست کر دیا۔

فرماتے تھے کہ جس نے علماء عارفین کی تصدیق کیا تو فی الحقیقت وہی مرد ہے خواہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔ اور جس نے انکی تکذیب کیا تو وہ عورت ہے اگرچہ وہ لفظاً مرد ہی کیوں نہ ہو، اسلئے کہ اللہ کے عارفین کلمۂ تامہ صادقہ ہیں۔ اور اللہ کے علماءُ کتب جامعہ ہیں۔ فافہم۔

فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ کسی کو کسی ناگوار بات پر بالمواجہہ کچھ نہ فرماتے تھے۔ تو اسی لئے آپ کی امت میں جو معائب وبرائیاں تھیں ان کی تذکیر ووعظ کیلئے اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں کے عیوب کو قرآن پاک میں نہایت عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا کہ یہ لوگ ان برائیوں سے باز رہیں اور دوسروں سے عبرت حاصل کریں۔

ف: سبحان اللہ۔ کتنا عمدہ نکتہ بیان فرمایا جو قابل استحضار ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ کہیں ہمارے اندر بھی تو وہ معائب و برائیاں نہیں ہیں جن کی وجہ سے امم سابقہ پر عذاب آیا اور تہس نہس کر دیئے گئے۔ پس ہم کو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا چاہیئے۔ اسی کو کسی نے خوب کہا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں　　گفتہ آید در حدیث دیگراں[1]

(مرتب)

فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے نقصان سے باخبر ہو جائیگا تو محض قال کو حاصل کر کے حال سے مستغنی نہ ہوگا۔ **ف**: کسی نے خوب کہا ہے ؎

علم رسمی سر بسر قیل است وقال　　نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال[2]

(مرتب)

فرماتے تھے کہ بادل کو دیکھو کہ کس طرح منتشر ہوتا ہے، پھر کیسے زمین کی طرف اُترتا ہے اور اس کو سیراب کرتا ہے۔ پس تم اپنے نفس کو عبودیت کے ذریعہ مثل خاک کے بنا دو، تو تمھاری خدمت کیلئے وہ حضرات اُتریں گے جنھوں نے ریاست وعظمت کے ذریعہ اپنے آپ کو برسنے والا بادل بنا رکھا ہے۔ (طبقات ص۷۵)

فرماتے تھے کہ جب تم نے اپنے رب کو بلایا اور تمھاری اجابت نہ کی گئی، تو سمجھ لو کہ دعا کے وقت جو صدق واضطراب ہونا چاہیئے وہ نہ تھا۔

ف: اس لئے اپنے ہی کو ملامت کرو اور صدق وخلوص کے ساتھ دعا کرو، ضرور قبول ہوگی۔ (مرتب)

وفات آپ کی وفات ۳۰۸ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص۲۲ ج۲)

---

[1] کیا ہی خوب ہو کہ معشوقوں کی باتیں دوسروں پر ڈھال کر بیان کی جائیں۔ (مرتب)

[2] رسمی علم سراسر قیل وقال ہے۔ نہ اس سے کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ حال (مرتب)

حضرت شیخ تقی مہسوی (ضلع پورنیہ، بہار) المتوفی ۸۰۲ھ

تعارف آپ سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے عرب سے آکر مہسوں میں شیخ شہاب الدینؒ کی حین حیات ہی میں لگ بھگ ۶۳۶ھ سے قبل اپنی خانقاہ قائم کی۔

مہسوں مغربی دیناجپور میں رائے گنج اور دلکولہ کے درمیان پکی سڑک کے کنارے ایک جگہ ہے جسے لوگ مہسوں کہتے ہیں۔ بہار اور بنگال میں بزرگانِ دین کے اشاعتِ اسلام کے چند بڑے مراکز ملتے ہیں۔ مثلاً مہسوں، گور، پنڈوہ، چمنی بازار اور پورنیہ۔

آپ نے پورنیہ واطراف پورنیہ میں سہروردیہ سلسلہ کو جاری فرمایا۔ یہاں شادی بھی کی اور دو صاحبزادے (حضرت شیخ نظام الدین اور حضرت شیخ صدر الدین) اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔

اِصلاحی کارنامے آپ نے اشاعتِ اسلام کے لئے جو قربانی دی وہ عدیم المثال ہے۔ عرب سے ہجرت فرماکر ہندوستان (پورنیہ) میں اقامت فرمائی اور غیر جنسوں میں رہ کر جو اُن کی زبان کو سمجھتے نہ تھے یہاں کی مقامی زبان سیکھی اور اسلام کی تبلیغ کی۔ آپ کے اخلاقِ حسنہ

ے مولانا اکمل یزدانی جامعی نے اپنی تالیف "پورنیہ کے دو ولی" کے پیش لفظ میں مرحوم جناب فصیح الدین بلخی عظیم آبادی کا مقالہ بعنوان "اطراف پورنیہ کے بعض صوفیائے کرام" نقل کیا ہے۔ اسی کا اقتباس یہ حقیر اپنی کتاب میں نقل کر رہا ہے۔ واللہ ولیّ التوفیق۔ (مرتب)

اور کشف و کرامات کی بنا پر غیر مسلم جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے گئے۔

"مونس القلوب" میں ہے کہ آپ نے اُس زمانہ کی رسم "ستی" کو موقوف کرنے کے لئے بھی جدو جہد فرمائی۔ آپ کے ایک خلیفہ اور مرید ابو مسلم ایک ہندو عورت کے بطن سے تھے، جس نے ستی کی رسم سے بغاوت کر کے خود بخود اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت تقی الدین ؒ نے اس بچہ کو پڑھایا لکھایا جس کو وہ اپنے لڑکوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

آپ کے خلفاء

چنانچہ آپ نے اُن کی اہلیت کی بنا پر اپنے لڑکوں کو خلیفہ نہ بنا کر اُن کو خلیفہ بنایا اور اشاعتِ دین کا کام سپرد فرمایا۔ حضرت ابو مسلم کے بعد ان کے خلیفہ امیر ظہیر الدین ہوئے جنہوں نے تبلیغ اسلام کے لئے جدو جہد فرمائی۔

حضرت شیخ تقی الدین سہروردی ؒ کے بہت سے خلفاء ہوئے مگر آپ کے اجل خلفاء میں حضرت شیخ سلمان سہروردی ؒ کا نام آتا ہے۔ آپ بہت مالدار تھے، بیعت ہونے کے بعد جان و مال سب کو اپنے شیخ کے قدموں میں ڈال دیا اور تربیت کرنے کے بعد خود کو اسلام کی اشاعت کے لئے وقف کر دیا۔ اللہ کی مخلوق جوق در جوق آنے لگی جن میں مسلم بھی ہوتے اور غیر مسلم بھی، آپ کے ہاتھ پر بیعت بھی ہوتے، اور اسلام بھی لاتے۔ آپ کا وصال ۷۵۲ھ میں ہوا۔

آپ کے بعد مسوں کی خانقاہ آپ کے خلیفہ حضرت مخدوم حسین غریب ڈھکر پوش ؒ کے دم سے آباد رہی۔ ان کی رحلت ۸۰۲ھ میں ہوئی۔

اضلاع پٹنہ میں شیخ ضیاء الدین صوفی سہروردی چندھوسی، شیخ ناصر اور

شیخ فخر الدین سہروردیؒ تھے۔ یہ اُنہی کے مشن کو اطراف پٹنہ میں چلاتے رہے۔

ضلع پورنیہ کے اطراف میں سہروردیہ سلسلہ حضرت تقی الدینؒ کے ہمعصر حضرت جلال الدین تبریزیؒ اور انکے خلفاء سے بھی پھیلا۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ شمس الدین التمش کے عہد میں پنڈوہ تشریف لائے۔ انھوں نے یہاں جائداد خریدی، خانقاہ قائم کی اور لگ بھگ تیس سال پورنیہ اور اسکے اطراف میں رہ کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور بعد میں گوہاٹی آسام تشریف لے گئے۔ وہیں وصال فرمایا۔ پورنیہ کے اطراف میں انکے تین سو ساٹھ چلّہ خانے تھے، جن میں سے صرف چند کا پتہ چل سکا ہے۔ ان اطراف میں انکے علاوہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کے تقریباً ستّر خلفاء کام کر رہے تھے، جن کے مزارات دیوکوٹ میں ہیں۔ حضرت خواجہ احمد دمشقیؒ نے جو حضرت شیخ الشیوخؒ کے اجل خلفاء میں ہیں، اسی اطراف میں اشاعتِ اسلام کا کام کیا۔ ان کا مزار بھی یہیں ہے۔ دیوتلہ میں جو پنڈوہ سے پندرہ میل اُتر ہے، خواجہ احمد دمشقیؒ کے صاحبِ رسوخ خلفاء آسودۂ خاک ہیں۔ یہاں اُن کی خانقاہیں بھی تھیں۔

بارسوئی (ضلع کیٹھار) کے اطراف میں جلکی نامی ایک جگہ ہے وہاں سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مخدوم حسین تیغ برہنہ کی خانقاہ اور مزار ہے۔ ان بزرگ نے بھی جلکی کی خانقاہ میں رہ کر اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑا۔ (بلفظ، پورنیہ کے دو ولی ص۶)

وفات آپ کا انتقال ۸۰۲ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار مہسوں ضلع پورنیہ بہار میں ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(تذکرہ علماء بہار ص۱۶۹)

حضرت خواجہ محمدؒ علاؤالدین عطارؒ المتوفی ۸۰۲ھ

تعارف آپ کا نام نامی محمد بن محمد النجار ہے، لقب علاؤالدین عطار ہے۔ آپ حضرت خواجہ بہاؤالدینؒ کے خلیفہ اجل تھے۔ حضرت خواجہؒ نے اپنی حیات مقدس ہی میں بہت سے طالبان طریقت کی تربیت آپ کے سپرد کر دی تھی اور فرماتے تھے کہ فرزند علاؤالدین نے ہمارا بوجھ بہت کم کر دیا ہے۔ ولایت کے انوار و آثار کامل طور پر ان میں ظاہر ہیں۔ آپ کی صحبت و حسن تربیت سے بہت سے طالبین درجہ کمال تک پہنچ گئے۔

اس فقیر (جامع نفحات الانس) نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ علامہ سید شریف جرجانی (جو خواجہ علاء الدینؒ کے مرید تھے) فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں شیخ زین الدین علی کلال رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں نہیں پہنچا تھا اس وقت تک مجھے رفض سے خلاصی نہیں ملی تھی اور جب تک خواجہ علاء الدین عطار سے نہیں ملا اس وقت تک اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچا۔

آپ کے ارشادات فرمایا کہ ریاضت سے مقصود تعلقات جسمانیہ کی نفی اور توجہ تام بعالم ارواح ہے۔

فرمایا کہ جب آدمی اپنے میں رضاءِ الٰہی کی جانب میلان دیکھے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور جب رضاءِ الٰہی کی جانب میلان خاطر نہ پائے تو تضرع و زاری کرے اور اللہ تعالیٰ کی صفت استغنائی سے ڈرے۔ ف: اہم نصیحت ہے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ (مترجم)

فرمایا کہ مزارات مشائخ سے اسی قدر فیض ہوتا ہے جس قدر کہ ان سے اعتقاد ہوتا ہے۔ فرمایا کہ بزرگوں کی قبروں کی زیارت نزدیک سے کرنے سے

اثر عظیم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ارواح طیبہ کی جانب توجہ خواہ دور ہی سے کیوں نہ ہو فائدہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ حدیث "صَلُّوْا عَلَیَّ حَیْثُمَا کُنْتُمْ" (یعنی تم مجھ پر درود بھیجو جہاں کہیں بھی ہو) اس پر دلیل ہے۔

فرمایا کہ اکابر کے مزارات کی زیارت سے مقصود یہ ہونا چاہیئے کہ توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہو اور ان کی روح کو وسیلہ سمجھے۔

آپ نے فرمایا کہ خود کو حق تعالیٰ سے استغنا سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ حق تعالیٰ کو بزرگ و برتر سمجھتے ہوئے اس سے لرزاں و ترساں رہنا چاہیئے۔

فرمایا کہ ہر نماز کے بعد اور بعض اذکار کے بعد بیس بار کلمۂ استغفار پڑھنا سعی و توجہ میں مددگار ہوگا۔

فرمایا کہ صبح سے پہلے اور شام کے بعد خلوت میں مخلوق سے فارغ ہو کر مجاہدہ کئے بغیر نہ رہے۔

ف: یعنی صبح و شام کچھ ذکر و شغل کا معمول رکھنا چاہیئے۔ (مرتب)

فرمایا کہ مراقبہ کا طریقہ تواضع، نفی و اثبات کے طریقہ سے اعلیٰ و افضل و اقرب ہے۔ مراقبہ کے طریقہ میں کوشش کرنے اور کامیاب ہونے سے ملک ملکوت پر تصرف کرنے کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن دلوں پر نظر کرنا، مہربانی کی نظر سے دیکھنا اور باطن کا روشن ہونا مراقبۂ دوامی کا نتیجہ ہے۔

وفات | حضرت خواجہ علاء الدین رحؒ نے شب ۲۰ رجب چہار شنبہ ۸۰۲ھ مطابق ۱۳۹۹ء در جفانیاں (روس) میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(نفحات الانس ص ۴۲۶)

حضرت حافظ سراج الدین بلقینی شافعیؒ المتوفی ۸۰۵ھ

نام ونسب نام عمر، لقب سراج الدین، والد کا نام اسلان ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۷۲۴ھ میں ہوئی۔

تعارف سات سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے اور بارہ سال کی عمر سے پہلے شاطبیہ، محرر، کافیۂ ابن مالکؒ اور اصول میں مختصر ازبر کر چکے تھے۔ اپنی عمر کے بارہویں سال اپنے والد کی معیت میں جب قاہرہ آکر اُنھوں نے تقی سبکیؒ اور جلال قزوینیؒ کو اپنی یاد کی ہوئی کتابیں سنائیں تو وہ لوگ عش عش کرنے لگے۔ ۷۳۸ھ میں قاہرہ آکر ابن عدلانؒ، قماحؒ اور نجم بن اسوانیؒ وغیرہم کے پاس فقہ اور شمس اصبہانی کے پاس اصول ومعقولات اور ابو حیان وابن عقیل کے پاس ادب وعربیہ کی تحصیل کی۔ دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔ مگر مذکورہ بالا اساتذہ ہی سے زیادہ فیضیاب ہوئے۔ ابن عقیل نے اپنی دامادی میں بھی ان کو قبول کر لیا، میدومیؒ وابن غالیؒ وابن القماحؒ وغیرہم کی مجالس درس میں شریک ہو کر حدیث پر عبور حاصل کیا۔ ذہبیؒ ومزیؒ جیسے اکابر نے اجازت سے نوازا۔ (اعیان الحجاج ص۱۵۴ ج۲)

جب بیت المقدس گئے تو صلاح علائیؒ نے ان کا بڑا احترام کیا۔ اسی موقع پر یہ قصہ پیش آیا کہ مدرسہ کاملیہ کے منتظم سے اُنھوں نے ایک کمرہ مانگا، اُس نے انکار کر دیا۔ اتفاق سے اسی اثناء میں ایک شاعر منتظم صاحب کی مدح لکھ کر لایا اور اسی مجلس میں اُس نے قصیدہ سنایا۔ جب سُنا چکا تو

بلقینی نے کہا کہ یہ قصیدہ مجھے یاد ہوگیا۔ منتظم نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو میں آپ کو ایک کمرہ ضرور دیدوں گا۔ اُنھوں نے برجستہ پورا قصیدہ سنادیا۔ منتظم حیران رہ گیا اور اُس کو کمرہ دینا پڑا۔

فضل و کمال ۷۶۹ھ میں وہ شام کے قاضی مقرر ہوئے۔ غالبًا اسی موقع پر ابن کثیرؒ سے ملاقات ہوئی، تو ابن کثیرؒ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر ابن تیمیہؒ یاد آگئے۔ اور ابن شیخ الجبل نے ان کے حق میں کہا تھا کہ ہم نے ابن تیمیہؒ کے بعد بلقینی سے بڑھ کر حافظ نہیں دیکھا۔ برہان حلبی نے کہا ہے کہ میری آنکھوں نے فقہ شافعی اور احادیث احکام کا اُن سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔ میں ان کے درس میں بار بار حاضر ہوا ہوں، ایک مالکی طالب علم اُن سے مسلم کا مختصر پڑھتا تھا۔ مجلس میں ہر چہار مذاہب کے فقہاء موجود ہوتے تھے اور وہ صرف ایک حدیث پر صبح سویرے سے ظہر کے قریب تک تقریر کرتے تھے، بلکہ بعض اوقات ظہر کی اذان ہوجاتی تھی اور اُن کی تقریر پوری نہیں ہوتی تھی۔ میں تمام بلاد میں جن علماء سے ملا ہوں وہ سب ان کے فضل وکمال وکثرت استحضار کا اعتراف کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان سے مل کر ماننا پڑتا تھا کہ ان کو شروع سے لیکر آخر تک پوری فقہ زبانی یاد ہے۔ اِس کے باوجود بغیر مطالعہ کے سبق پڑھانا ان کو پسند نہیں؀ تھا۔ وہ آٹھ دن میں پوری حاوی سمجھا کر پڑھا دیتے تھے۔ وہ خود فرماتے تھے کہ جتنی دیر میں فلاں آدمی عصر کی نماز پڑھتا تھا، اتنی دیر میں محرّر کا ایک صفحہ میں یاد کرلیتا تھا۔ بعض کاملین نے خواب میں ایک شخص کو کہتے سنا کہ حق تعالےٰ ہر صدی کے سرے پر دین کا ایک مجدد پیدا فرماتا ہے،

؀ ف: اس سے مطالعہ کی کیسی اہمیت ثابت ہوئی۔ (مرتب)

یہ سلسلہ عمر سے شروع بھی ہوا اور عمر ہی پر ختم بھی ہوا۔ (پہلے عمر سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور دوسرے سے حضرت عمر بلقینیؒ مراد ہیں)۔

ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ بلقینیؒ کو وہ حسن قبول عطا ہوا تھا کہ ان کے سوا کسی دوسرے کے فتویٰ پر اعتماد نہیں ہوتا تھا، وہ اس باب میں مؤید من اللہ تھے۔ عصر کے بعد سے مغرب تک فتویٰ لکھتے تھے۔ کوئی فتویٰ مشکل معلوم ہوتا تو کتاب کی طرف مراجعت کرنے میں بھی ان کو عار محسوس نہیں ہوتی تھی۔ نہ یہ کہنے میں شرم محسوس کرتے تھے کہ سوال رکھ جاؤ تحقیق کر کے بعد میں جواب دیں گے۔

اخلاق بلقینیؒ بڑے با مروت، نہایت ملنسار اور بردبار تھے۔ اپنے شاگردوں سے بہت بے تکلف اور اُن پر نہایت شفیق تھے۔ اسکے باوجود اُنکی بڑی ہیبت تھی۔

امر بالمعروف اور ازالہ منکرات کے سلسلہ میں بھی اُنھوں نے نمایاں کام کئے۔ صوفیہ وصلحاء سے بھی ان کو بڑی عقیدت تھی۔

اُنھوں نے پہلا حج ۷۴۰ھ میں اپنے والد کی معیت میں کیا تھا، اس کے بعد تنہا بھی اُنھوں نے حج کیا ہے۔ (ضوء)

وفات

آپ کی وفات ۸۰۵ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(اعیان الحجاج ص ۱۵۵/۲)

حضرت حافظ زین الدین عراقیؒ المتوفی ۸۰۶ھ

نام ونسب نام عبدالرحیم، کنیت ابوالفضل اور زین الدین ہے۔ والد کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ آپ زین الدین عراقی سے مشہور ہیں۔ اصلاً آپ کردی ہیں، لیکن آپ کے والد مصر چلے آئے تھے۔

ولادت آپ کی ولادت مصر میں ۷۲۵ھ میں ہوئی۔

فضل وکمال آپ نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اسکے بعد فقہ شافعی کی کتاب تنبیہ پوری اور حاوی کا اکثر حصہ ازبر کر لیا۔ پھر ابن دقیق العید کی کتاب الامام بھی یاد کر ڈالی۔ یاد کرنے کا حال یہ تھا کہ کبھی کبھی الامام کی چار سو سطریں دن بھر میں یاد کر ڈالتے تھے۔ اس کے بعد قرارت کی تحصیل کیطرف متوجہ ہوئے۔ اس سے فارغ ہوکر ابن عدلان وغیرہ کی خدمت میں فقہ اور ابن اللبان کے پاس اصول کی تحصیل کی۔ اور ان دونوں میں کمال پیدا کیا۔

علم حدیث سے شغف اسی اثنار میں علم حدیث کی طرف میلان پیدا ہوا تو قاہرہ میں شیخ علاؤالدین ترکمانی حنفیؒ کے پاس گئے اور اُن کی خدمت میں رہ کر اس میں مہارت پیدا کی۔ سخاویؒ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ به تخرج وعلیه انتفع (یعنی ترکمانیؒ ہی کی بدولت فن حدیث میں عراقیؒ کمال وفضیلت کے درجہ پر پہنچے اور اُنہی سے وہ فیضیاب ہوئے)۔ ترکمانیؒ کے علاوہ صلاح علائیؒ اور تقی سبکیؒ وغیرہما سے بھی انھوں نے

استفادہ کیا، اور اس فن میں انہماک اتنا بڑھا اور اس کی اتنی مزاولت کی، کہ صرف اسی فن میں وہ مشہور ہوئے۔ اور اس عہد کے مشائخ حدیث علائی و سبکی و ابن جماعۃ وغیرہم نے بہت بلند الفاظ میں اُنکی حدیث دانی کی تعریف کی حتیٰ کہ ابن جماعۃ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ دیارِ مصر میں اُن کے سوا جو حدیث دانی کا دعویٰ کرتا ہے وہ نرا مدعی ہی ہے۔ انکی تصنیفات میں "الفیۃ الحدیث، الفیۃ السیرۃ اور تخریج احادیث الاحیاء وغیرہ کو شہرت حاصل ہے۔

حافظ عراقی رح حدیث پڑھانے کے لئے باوضو بیٹھتے تھے۔ اگر درمیان میں تجدید وضو کی ضرورت پڑ جاتی تو قاری کو روک کر وضو کرتے، اس کے بعد قرارت جاری ہوتی۔

ان کے پاس کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ تھا۔ مشہور تھا کہ قاہرہ میں ان سے زیادہ کتابیں کسی کے پاس نہیں ہیں۔ الغرض جیسا کہ مقریزیؒ نے لکھا ہے ان سے دنیا کی زینت تھی اور مصر کو ان کی ذات پر فخر تھا۔ (ضوء)

سفرِ حج اُنھوں نے کئی بار حج کیا، نیز حرمین میں مجاورت بھی کی تھی ایک بار ۷۶۸ھ میں اُنھوں نے اہل وعیال کے ساتھ حج کیا تھا۔ اس سال ان کی معیت میں ان کے صاحبزادہ ولی الدین عراقی اور ان کے چچیرے بھائی برہان الدین ابراہیم بن محمد اور حافظ نورالدین ہیثمی کے علاوہ شہاب بن نقیب بھی تھے۔ پہلے چند ماہ مدینہ میں قیام کرنے کے بعد مکہ گئے۔ اسی سفر میں شہاب نے اُن کی "الفیۃ الحدیث" کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا اور اس کے درس میں شریک ہوئے۔

تین سال سے زائد وہ مدینہ منورہ میں قضاء کے عہدہ پر بھی رہے۔ اسکے بعد

اُنھوں نے املار کی مجلس قائم کی اور اُس کے چار سو سولہ جلسوں میں مختلف مضامین کا املار کیا۔ مثلاً اربعین امام نووی کی تخریج اور مستدرک کا مستخرج وغیرہ۔

اخلاق وعبادات

حافظ عراقی رح نہایت صاف دل، باحیار، بے تکلف، کم گو، نورانی صورت اور متواضع تھے۔ حافظ ابن حجر رح دس سال تک ان کے پاس رہے، اُن کا بیان ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے تہجد ترک کی ہو۔ وہ عموماً فجر کی نماز کے بعد اُسی جگہ قبلہ رو بیٹھے ہوئے طلوعِ آفتاب تک تلاوت یا ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ ہر ماہ میں تین دن اور شوال کے چھ دنوں کے روزے برابر رکھتے تھے۔ جب کہیں سوار ہو کر جاتے تو تلاوت کرتے رہتے تھے۔

ف : اللہ ہم سب کو ان حضرات کی اتباع ظاہری و باطنی کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

تلامذہ

حافظ عراقی رح کے ارشد تلامذہ میں حافظ ابن حجر رح، نورالدین ہیثمی رح اور خود عراقی کے لڑکے ولی الدین عراقی رح، شیخ بدرالدین عینی رح، برہان الدین حلبی رح، عز بن فرات رح اور شرف مراغی رح وغیرہ محدثین عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔

وفات

آپ کی وفات ۸۰۶ھ میں قاہرہ کے اندر ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(اعیان الحجاج ص ۱۵۲ ج ۲)

حضرت شیخ قوام الدینؒ لکھنوٗ المتوفی ۸۱۰ھ

تعارف قدوۂ بزرگان ارباب ہدایت، باتفاق ولی صاحب ولایت، پیشوائے مردانِ اہل یقین، عارف کامل شیخ قوام الدین قدس سرہٗ بہت بلند مرتبہ اور عالی مشرب تھے، تربیتِ مریدین میں آپ ماہر فن تھے۔ آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید تھے، لیکن تربیت اور خلافت حضرت مخدوم جہانیاں سے حاصل کی تھی۔ آپ کئی برس مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں رہے۔ اور زیارت حرین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ نے اکثر مشائخ کی صحبت پائی ہے۔ خاص طور پر آپ حضرت شیخ صدر الدین راجو قتال کے محرم راز تھے۔ شیخ محمد بیناؒ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ: شیخ قوام الدینؒ ترک وتجرید میں بہت بلند مقام تھے۔ آپ ہرگز اسبابِ معیشت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ (مرآۃ الاسرار ص۱۱۰۳)

وفات

شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی ؒ نے "اخبار الاخیار" میں مختصراً آپ کا ذکر کرتے ہوئے سالِ وفات ۸۱۰ھ تحریر فرمایا ہے۔ آپ کا مزار لکھنؤ میں ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔ (اخبار الاخیار ص۳۳۶)

حضرت میر سید شریف جرجانی (صاحب نحو میر) المتوفی ۸۱۶ھ

نام ونسب علی نام، ابوالحسن کنیت، زین الدین لقب، والد کا نام محمد اور دادا کا نام علی ہے۔ میر سید شریف کے ساتھ مشہور ہیں۔ "عجائب المقدور فی اخبار تیمور" میں جو آپ کا نام محمد بتایا گیا ہے وہ غلط ہے۔

سنہ ولادت بقول علامہ غیاث الدین ہروی صاحب "حبیب السیر فی اخبار افراد البشر" آپ قریۂ "طاغو" ملحقات استر آباد میں ۲۲ شعبان ۷۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور صغر سنی ہی میں علوم ادبیہ کی تکمیل کی، بلکہ صغر سنی ہی میں نحو کی متعدد کتابیں بھی لکھیں۔ چنانچہ "وافیہ، شرح کافیہ" دورِ تعلیم ہی کی تصنیف ہے۔ مورخ شمس الدین نے جائے پیدائش جرجان بتائی ہے۔

تحصیلِ علم علوم ادبیہ کی تکمیل کے بعد آپ نے علوم نقلیہ وعقلیہ کی تحصیل کیلئے متعدد اساتذۂ کرام سے درس لیا۔ مثلاً مبارک شاہ رح، شیخ اکمل الدین رح اور مخلص الدین ابو الخیر علی بن قطب الدین رازی رح وغیرہم۔

علمِ باطن میر صاحب رح علوم ظاہری کے علاوہ علم باطن کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ آپ نے علم تصوف حضرت خواجہ علاؤ الدین محمد بن محمد عطار بخاری رح خلیفۂ خاص حضرت خواجہ خواجگاں سید بہاؤ الدین نقشبندی رح سے حاصل کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے اللہ تعالے کو جیسا چاہئے اُس وقت تک نہیں پہچانا جب تک کہ ہم خواجہ عطار رح کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے۔

میر صاحب کے پوتے ہندوستان میں

میر صاحبؒ کا علمی کمال صرف انکی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ آپ کا فیض آپ کی نسلوں میں منتقل ہو کر دیر تک قائم و دائم رہا۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے "بغیۃ الوعاۃ" میں آپ کے صاحبزادے محمد کے متعلق ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اپنے والد سے علم حاصل کیا اور "شرح ارشاد، شرح کافیہ، حاشیہ متوسط وغیرہ مختلف کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کے حقیقی پوتے میر مرتضیٰ شریفی جن کے متعلق ملا عبد القادر نے لکھا ہے کہ:

یہ میر سید شریف جرجانیؒ کے پوتے ہیں۔ ریاضی اور فلسفہ کے تمام شعبے، منطق اور کلام میں اپنے عہد کے تمام علماء پر اُن کو برتری حاصل تھی انھوں نے مکہ معظمہ جاکر علم حدیث شیخ ابن حجرؒ سے حاصل کیا اور اس کے پڑھانے کی اجازت حاصل کی۔ اُنھوں نے ہندوستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیا اور حرم کے مسند الوقت سے سند حاصل کرکے ہندوستان میں اپنے فیض کا دریا جاری کیا۔ بداؤنی نے لکھا ہے کہ: "مکہ معظمہ سے میر صاحب پہلے دکن تشریف لائے اور دکن سے آگرہ آئے۔ یہاں پہنچ کر ان کو اگلے پچھلے سب علماء پر تقدم حاصل ہوا۔ میر صاحب کا شغل علوم حکمت کا پڑھنا پڑھانا تھا۔

تصانیف صاحبِ "ظفر المحصلین" نے تینتالیس کتابیں شمار کرائی ہیں۔ انہیں سے بعض تو درس نظامی میں زیر تدریس ہیں۔ مثلاً نحو میر، صرف میر، صغریٰ، کبریٰ وغیرہ۔

وفات بروز چہارشنبہ ۶ ربیع الاول ۸۱۶ھ مقام شیراز میں آپ کی وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ (ظفر المحصلین ص ۳۹۷)

ؔ۔ عزیزم قاری ناظر حسین متھوروی سلمہٗ استاذ فلاح دارین ترکیسر (گجرات) نے ابھی حال میں نحو میر کی شرح "نحو میر اردو" کے نام سے تحریر کی ہے جو قابل دید ہے۔ (مرتب)

حضرت علامہ محمد مجدالدین فیروزآبادیؒ صاحبِ قاموس المتوفیٰ ۸۱۷ھ

تعارف محمد بن یعقوب بن محمد نام تھا۔ کازرون (جو شیراز کے نواح میں ہے فیروزآباد بھی شیراز کا حصہ ہے) میں پیدا ہوئے۔ سات برس کی عمر میں قرآن پاک یاد کرلیا، خوشنویسی سیکھ لی اور لغت کی دو کتابیں نقل کر ڈالیں، پھر شیراز میں رہ کر ادب و لغت اور کچھ حدیث کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد واسط جاکر قرأت عشرہ کی تحصیل کی۔ پھر بغداد گئے اور چند سال وہاں رہ کر حدیث وغیرہ کی تحصیل میں مصروف رہے۔

۷۵۵ھ میں دمشق گئے اور تقی الدین سبکی وغیرہ سے حدیثیں سنیں نیز بعلبک و بیت المقدس وغیرہ میں علائیؒ و قلقشندیؒ اور دوسرے محدثین سے جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے حدیث کا استفادہ کیا۔ دمشق میں دس سال قیام کیا اور وہاں درس بھی دیا، صلاح الدین صفدیؒ نے اسی زمانہ میں ان سے تعلیم پائی ہے۔ پھر قاہرہ میں ابن عقیلؒ وغیرہ سے اور مکہ میں یافعیؒ و خلیل مالکیؒ سے استفادہ کیا۔ انھوں نے شمالی و مشرقی ممالک کی سیاحت کی، شمال میں روم تک اور مشرق میں ہند تک آئے۔

۷۹۶ھ میں زبید (یمن) گئے۔ الملک الاشرف (شاہ یمن) نے انکو ہاتھوں ہاتھ لیا اور حد سے زیادہ ان کا اکرام کیا۔ اس نے ہزار دینار ان کی ذات پر صرف کئے۔ اسکے علاوہ حاکم عدن نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے زبید میں ان کے قیام کیلئے سازوسامان مہیا کیا، وہ مطمئن ہو کر الملک الاشرف کی سرپرستی و سایۂ عاطفت میں علم کی اشاعت میں لگ گئے۔ (اعیان الحجاج ص ۱۶۱/۲)

منصبِ قضاء ایک سال چند ماہ کے بعد اشرف نے ان کو پورے یمن کا

قاضی مقرر کردیا۔ اب ہر طرف سے طلبہ آکر ان سے مستفید ہونے لگے۔ بادشاہ نے بھی انکی مجلس میں سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ وہ بیس برس سے زائد یمن کے قاضی رہے۔ انھوں نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح بھی اشرف سے کردیا تھا۔ اشرف نے اپنے انعامات سے ان کو مالامال کردیا تھا۔ ایک دفعہ اپنی ایک تصنیف جو اشرف کے نام سے معنون تھی ایک طبق میں رکھ کر پیش کی تو اشرف نے اس طبق کو روپیوں سے بھر دیا۔

اسفار قیام زبید کے زمانہ میں وہ بہت سی دفعہ مکہ حاضر ہوئے۔ اور مکہ و مدینہ و طائف میں قیام بھی کیا۔ وہ اپنے کو مکہ کی طرف منسوب کرنے میں بہت لذت محسوس کرتے تھے۔ اپنے کو الملتجی الی حرم اللہ تعالیٰ (اللہ کے حرم کا پناہ گزیں) لکھا کرتے تھے۔ اس باب میں رضی صنعانی حنفیؒ کی نقل اور تقلید کرتے تھے۔

تقی کرمانیؒ لکھتے ہیں کہ وہ صنعانیؒ کی کتابوں کے بڑے گرویدہ تھے اور ان کے نقش قدم پر چل کر ہر بات میں حتیٰ کہ مجاورت مکہ کے باب میں بھی وہ انکی پیروی کی کوشش کرتے تھے۔ قیام زبید سے پہلے بھی کم از کم پانچ بار مکہ آئے اور ایک بار دس برس تک مجاور رہے۔

جس ملک میں وہ پہنچے وہاں کے فرمانروا نے اُنکی خاطر خواہ پذیرائی کی اور اکرام و تعظیم سے پیش آیا۔ مثلاً تبریز کے بادشاہ منصور نے، مصر کے حاکم اشرف نے، روم (ٹرکی) کے سلطان بایزید خاں نے، بغداد کے حاکم احمد بن اویس نے، حتیٰ کہ تیمور لنگ نے کما حقہ ان کی قدر دانی کی۔

تقی کرمانیؒ نے لکھا ہے کہ وہ دہلی میں بہت دنوں رہے ہیں۔ اور وہاں کے بادشاہ نے بھی ان کا خاطر خواہ اعزاز کیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے بے شمار نفیس و بیش قیمت کتابیں اکٹھا کرلی تھیں۔ وہ خود بیان کرتے تھے کہ میں نے پچاس من (مثقال)

سونے کی کتابیں خریدی ہیں۔ جب وہ سفر میں چلتے تھے تو کتابوں کے کئی گٹھر ساتھ ہوتے تھے، ہر منزل میں ان کا مطالعہ اور اکثر کی دیکھ بھال کرتے رہتے تھے۔

تصانیف انکی تصنیفات کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور و متداول لغت میں "قاموس" ہے۔ جس سے اہل علم اُس وقت سے ابتک برابر نفع اٹھارہے ہیں۔ اور ازاں جملہ بخاری کے حصۂ عبادات کی شرح بیس جلدوں میں ہے۔ ان کی ایک مطبوعہ مفید کتاب "سفر السعادۃ" بھی ہے، جس کی شیخ عبدالحق دہلوی رحؒ نے شرح لکھی ہے۔ لغت میں ایک دوسری کتاب سو جلدوں میں لکھنے کا ارادہ کیا تھا، مگر صرف پانچ جلدیں پوری ہوسکیں۔ اس کا نام "اللامع المعلم العجاب" ہے۔

محدّث و مورخ مکہ حافظ تقی الدین فاسی اور حافظ ابن حجر جیسے اجلۂ علماء حضرت مجد الدین کے شاگرد ہیں۔ ان دونوں حضرات نے ان کے فضل و کمال اور علم لغت میں انکی امامت اور فوق العادت تبحر و استحضار کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ فن حدیث میں (ذہبی و عراقی کی طرح) ان کو بہت زیادہ مہارت نہیں تھی۔

حرمین شریفین سے غایت محبت فاسی نے لکھا ہے کہ وہ پہلی دفعہ ۷۶۰ھ میں مکہ آئے تھے۔ پھر ۷۷۰ھ میں آئے تو پانچ چھ سال تک برابر وہیں رہے۔ طائف میں ان کا ایک باغ بھی تھا۔ اُنھوں نے مکہ میں ایک مکان تعمیر کراکے اس کو شاہ یمن کا مدرسہ قرار دیا تھا اور اُسمیں مدرسین وطلبہ رکھے تھے، یہ مکان صفا پر تھا۔ اسی طرح ان کا ایک مکان مدینہ میں بھی تھا منیٰ وغیرہ میں بھی اُن کے مکانات تھے۔

مقریزی نے لکھا ہے کہ صاحب قاموس سے آخری دفعہ میری ملاقات ۷۹۱ھ میں ہوئی۔ صاحب قاموس کو حرمین سے جو محبت تھی اور حج وزیارت سے انکو جو شغف تھا، اس کا صحیح اندازہ اس "درخواست" سے ہوتا ہے جو انھوں نے ۷۹۹ھ میں ملک اشرف شاہ یمن کے پاس حج کی اجازت طلب کرنے کے لئے بھیجی تھی، وہ ہمارے آپکے پڑھنے کے قابل ہے۔ یہاں اصل درخواست کے بجائے اس کا مختصر ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ صاحب قاموس القاب وآداب کے بعد رقمطراز ہیں کہ:۔

شاہ یمن کے نام درخواست بندگان عالی سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ حقیر اب بہت سن رسیدہ، ضعیف، کمزور اور لاغر ہو چکا ہے، اس کے جسم میں اب ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں ہے، اسکی مثال اس بوسیدہ عمارت کی سی ہے جو اب گری تب گری۔ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اس مبارک ارشاد سے سمع ہمایونی بار بار آشنا ہوئے ہوں گے کہ جب آدمی کی عمر ساٹھ سال ہو جائے تو حق تعالےٰ اس کو معذور قرار دیدیتا ہے، پھر جو ستر سال سے اوپر اور اسی کے قریب ہو وہ تو بدرجہ اولیٰ اس نوازش کا مستحق ہے۔

علاوہ بریں یہ بڑی نازیبا بات ہے کہ ایک مرد مومن کو چار سال ہو جائیں اور رب العالمین کے گھر اور سید المرسلین کے مزار انور کی زیارت کا تازہ شوق وعزم پیدا نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اور یہ حقیر چھ سال سے اس رہگذر کی جادہ پیمائی سے محروم ہے۔ اضطراب شوق اب حد سے فزوں اور صبر اختیار سے باہر ہے، میری انتہائی آرزو ہے کہ تجدید زیارت اور اس آستانہ پر جبہ سائی کا شرف ایک بار اور نصیب ہو۔ اس لئے مراحم خسروانہ سے متوقع ہوں کہ موسم گرم ہونے سے پہلے تن تنہا اس حقیر کو (اہل وعیال کی معیت میں نہیں) سفر کی اجازت کے

ساتھ سامانِ سفر کا اشارہ عالی بھی فرمایا جاوے۔ اسوقت موسم بھی خوشگوار ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ایک ماہ ہر دو مقامات مقدسہ میں قیام کر کے وہاں کے فیوض و برکات حاصل کئے جائیں۔

زمانہ قدیم سے خلفائے کرام کا یہ دستور بھی رہا ہے کہ سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنا سلام پیش کرنے کے لئے مخصوص طور پر فرستادہ بھیجتے تھے، جو بالقصد صرف اسی کام کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ میری درخواست ہے کہ حضور اس حقیر کو اسی مقصد سے روانگی کا حکم دیدیں، میری کوئی دوسری تمنا نہیں ہے۔

شاہِ یمن کا جواب

شاہِ یمن کو غالباً یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر وہ حجاز چلے گئے تو پھر واپس نہ آئیں گے۔ شاہ کا یہ خیال صحیح بھی تھا اس لئے کہ وہ مکہ ہی میں وفات پانے کے امیدوار بھی رہا کرتے تھے۔ اس لئے اُس نے خلوص و محبت اور عقیدت میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں یہ جواب دیا کہ:۔

میری زبان اور قلم سے یہ لفظ نہیں نکل سکتا کہ آپ یمن سے جا سکتے ہیں اسلئے کہ یمن بالکل تاریک تھا، آپ کے وجود سے وہ منور ہوگیا۔ آپ خود جانتے ہیں کہ یہاں علم مردہ ہو چکا تھا، آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کو حیات تازہ بخشی اس لئے میں تو اس کو اللہ کی قسم دے کر یہی درخواست کروں گا کہ آپ اپنی باقی زندگی ہم کو ہی ہبہ فرما دیجئے۔ اے مجد الدین! میں اللہ کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے دنیا اور اسکی ساری نعمتوں کی جدائی گوارا ہے، مگر یمن سے آپ کی جدائی گوارا نہیں۔

وفات آپ کی وفات ۸۱۷ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(اعیان الحجاج ص ۱۶۵)

حضرت الشیخ احمد بن سلیمان الزاہد رحمہ اللہ المتوفی ۸۲۰ھ

تعارف آپ عالم ربانی اور شیخ طریقت تھے اور قوم صوفیہ میں جنید کہے جاتے تھے۔ آپ مساجد میں خاص طور پر عورتوں کے درمیان وعظ فرماتے تھے۔ اُن کو احکام دین سکھلاتے تھے اور شوہروں و پڑوسیوں کے حقوق بتلاتے تھے۔

آپ اپنے احوال کو پوشیدہ رکھتے تھے اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ مگر کبھی ظاہر نہیں کرتے تھے۔ دوسروں کے ذریعہ بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔

ایک بار ایک مرید کو کشف ہوا کہ شیخ اہل نار میں سے ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ اُن کا نام شقیوں کی فہرست سے نکال دیا جائے۔ تو شیخ مرید پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اے میرے بچے! میں تیس سال سے یہ دیکھ رہا ہوں، مگر اس کی تبدیلی کا سوال نہ کیا، اور تو تھوڑی سی دیر میں رنجیدہ ہوگیا۔ بہر حال مرید کی توجہ سے شیخ کا نام شقیوں سے نکال کر نیک بختوں میں شامل کر دیا گیا۔

ف: سبحان اللہ، کیسی کرامت شیخ کے حق میں مرید سے ظاہر ہوئی۔ فھنیئاً لھم (مرتب)

ارشادات

آپ سے جب کسی ایسے آدمی کے پاس سفارش کیلئے کہا جاتا جو آپ کو پہچانتا نہ ہوتا تو فرماتے کہ ایک صاحب اقتدار شخص کو لیکر پہلے اس کے گھر

پہنچ جاؤ، جب میں پہنچوں تو تم لوگ کھڑے ہو کر میرا استقبال کرو اور تعظیم و تکریم کا معاملہ کرو تاکہ میرے لئے سفارش کی فضا ہموار ہو جائے۔ اس لئے کہ میں اس کے نزدیک غیر معروف ہوں (لہٰذا بغیر اس کے میری سفارش کا اثر وہ قبول نہ کرے گا۔) فرماتے تھے کہ جو شخص میری اس مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھے گا تو میں قیامت کے میدان میں اسکی دستگیری کروں گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے تمام اہل عصر کے بارے میں شفاعت کا رُتبہ عطا فرمایا ہے۔ (طبقات ج ۲ صـ۷۵) فرماتے تھے کہ طریق محض مواہب الٰہیہ سے ہے، اگر اختیاری ہوتا تو میرا لڑکا اس کا زیادہ مستحق تھا۔

ف: آپ نے خوب حقیقت آشکارا فرمائی، یعنی مشائخ کے لڑکوں کو مجاہدات و ریاضات کرنا چاہئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مواہب سے نوازیں مشائخ کے بس میں کچھ نہیں ہے۔ احوال اعمال کے ثمرات ہوتے ہیں یعنی اعمال کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے احوال بخشے جاتے ہیں۔ کما قال سیدنا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ (مرتب)

آپ کے پاس جب کوئی شخص تحصیل علم کیلئے آتا اور آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا تو فرماتے کہ اے میرے بچے! ہم اس کے لئے تیار نہیں ہیں، اس کیلئے تم جامع ازہر چلے جاؤ۔ اور آپ کے پاس جو عزلت گزیں فقرا رہتے تھے ان کو عبادات کے فرائض و واجبات کے سیکھنے کا حکم دیتے تھے۔ مگر بیع و شرا، رہن اور شرکت وغیرہ کے احکام میں مشغول ہونے سے منع فرماتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جو اہم علم ہو اس کو حاصل کرو اور اس دار دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بڑھ کر کوئی بھی علم اہم نہیں ہے۔ رہے شریعت کے جزئیات و فروع تو حضرات فقہاء اس کی حفاظت کا کام بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ (لہٰذا اس میں

اشتغال کی ہم کو ضرورت نہیں ہے) ہاں اگر سب علماء و فقہاء معاذ اللہ شہید کر دیئے جائیں جس سے احکام شرعیہ معطل ہونے لگیں تو پھر ہم کو بھی ان فروع شریعت کا سیکھنا ضروری ہو جائے گا تاکہ شریعت محفوظ رہے۔

(طبقات ج ۲ ص۷۶)

ف: سبحان اللہ، کیسی عمدہ بات ارشاد فرمائی۔ یہ تھے اہل طریق جو علم و عمل، طریقت و شریعت کے جامع تھے۔ اور علوم کے فرق مراتب کو خوب سمجھتے تھے۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات قریب ۸۲۰ھ میں ہوئی۔ اور تدفین آپ کے جامع میں ہوئی۔ اور آپ کی قبر کی لوگ زیارت کرتے رہتے ہیں۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

(طبقات ص۷۶/۲)

حضرت شیخ فتح اللہ اودھی اجودھیا المتوفی ۸۲۱ھ

تعارف شیخ فتح اللہ بن نظام الدین اپنے عہد کے زبردست عالم اور بلند پایہ شیخ تھے۔ نحو، فقہ، اصول فقہ میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ ان کا آبائی وطن بدایوں تھا۔ تحصیل علم کی غرض سے دہلی گئے۔ اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی سرپرستی میں اساتذۂ دہلی سے علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مسند درس وافادہ کو زینت بخشی۔ اور طویل عرصہ تک جامع مسجد دہلی متصل مینارہ شمسی (قطب مینار) میں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔

بیعت وخلافت بعد ازاں حضرت چراغ دہلیؒ کے خلیفۂ خاص شیخ صدر الدین احمد حکیم دُلہاؒ (متوفی ۷۵۹ھ) سے بیعت ہو کر مجاہدہ وریاضت میں لگ گئے، ساتھ ہی تدریسی مشغلہ بھی جاری رہا، لیکن مجاہدہ بسیار وریاضت شاقہ کے باوجود دل کی گرہیں نہ کھلیں اور سوز دروں کی جو کیفیت حاصل ہونی چاہئے تھی وہ میسر نہ ہوئی۔ تو شیخ سے عرض حال کی، پیرومرشد حکیم دلہانے فرمایا کہ تدریسی سلسلہ بند کردیں اور کتابوں کو اپنے پاس سے علٰحدہ کردیں۔ چنانچہ پیر روشن ضمیر کی تجویز کے مطابق درس کو موقوف کردیا اور چند اہم وپسندیدہ کتابوں کے علاوہ اپنا پورا کتب خانہ دوسروں کے حوالہ کردیا، پھر بھی قلب معرفت کی چاشنی سے ناآشنا ہی رہا۔ شیخ سے دوبارہ رجوع کیا۔ انھوں نے فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمی اشتغال سے بالکلیہ

انقطاع نہیں ہوا ہے۔ "العلم حجاب اکبر" جب تک یہ پردہ درمیان میں حائل ہے معرفت کی روشنی قلب تک نہیں پہنچ سکتی۔ پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ شیخ فتح اللہ ان عمدہ کتابوں کو جنھیں حرز جان بنائے ہوئے تھے ان کے ایک ایک جزء کو الگ کرکے پانی کے کنارے بیٹھے انھیں دھل رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ بالآخر لوح دل ماسوی اللہ کے نقش سے بالکل صاف ہوگیا، نور معرفت سے سینہ جگمگا اٹھا اور حضرت حکیم دلہاؒ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا۔ **ف**: اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو بھی نور معرفت سے منور فرمائے۔ (مرتب)

اجودھیا آمد

مقام ارشاد پر فائز ہونے کے بعد حضرت چراغ دہلی اور اپنے پیر و مرشد کے منشاء سے اجودھیا تشریف لائے اور حضرت چراغ دہلیؒ کے آبائی مکان میں فروکش ہوئے، جسے حضرت چراغ دہلیؒ نے اُن کی تحویل میں دے دیا تھا۔ شیخ فتح اللہؒ زندگی کے آخری لمحے تک اُسی میں رہے جو رہائش کا بھی کام دیتا تھا اور بندگان الٰہی کی اصلاح و تربیت کے لئے خانقاہ کا بھی۔

آپ سے تربیت یافتہ حضرات

شیخ فتح اللہؒ کا ہندوستان کے مشائخ کبار میں شمار ہوتا ہے ان کے فیض تربیت سے ہزاروں گم کردہ راہ صراط مستقیم سے آشنا ہوئے شیخ محمد عیسیٰ تاج جونپوریؒ، شیخ سعدالدین اودھیؒ، شیخ قاسم اودھیؒ شیخ درویش اودھیؒ جیسے بلند مرتبہ مشائخ چشت ان کے دامن تربیت سے وابستہ، مرید اور خلیفہ تھے۔ مخدوم شیخ احمد عبدالحق ردولوی (متوفی ۸۳۷ھ) بھی شیخ اودھیؒ کی خدمت میں بغرض بیعت اجودھیا حاضر ہوئے

تھے، لیکن شیخ ردولوی مشربِ عشق و محبت کے دلدادہ تھے اور شیخ فتح کی روش زہد و فقر اور تسلیم و رضا کی تھی، اِس لئے مناسبت پیدا نہ ہوسکی۔ اسی موقع پر شیخ ردولوی نے اجودھیا میں کئی ماہ کا قیام کر کے چلہ کشی کی تھی۔

شیخ فتح اللہ جب دہلی سے رُخصت ہو کر اجودھیا کے لئے عازم سفر ہوئے تو ان کے شیخ حضرت حکیم دلہانے اپنے دو صاحبزادوں شیخ یحییٰ اور شیخ نور کو بغرض تعلیم و تربیت ان کے حوالہ کر دیا تھا۔ شیخ اودھی نے دونوں مخدوم زادوں کو علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ کر کے بغرض دعوت و تبلیغ اجودھیا سے جانب مشرق تقریباً ۳۰، ۳۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر بھیج دیا، جہاں پہنچ کر اُن دونوں حضرات نے مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہ مقام آجکل "اونچا گاؤں" کے نام سے مشہور ہے اسی میں دونوں حضرات کے مزار ہیں اور ان کی اولاد اب بھی یہاں موجود ہے۔

(مقالات حبیب، سوم ص۲۱۶)

آپ کے تبرکات

شیخ اپنے مریدوں کو درج ذیل چیزیں دیتے تھے جسکی ایک خاص مراد ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ **جائے نماز** سے مراد اطاعت و عبادت میں ثابت قدمی **تسبیح** سے دلجمعی یعنی دل میں پریشان کُن اور جو منتشر حالات تھے وہ سب جمع ہوگئے ہیں اور یہ تمام خطرات جمع ہو کر اب ایک خطرہ بن گیا ہے۔ جس طرح کہ تسبیح کے تمام دانے اکٹھے ہو چکے ہیں۔

کنگھا سے شر و فساد کا دور ہو جانا مراد ہے۔

عصا سے اللہ تعالےٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسہ مراد ہے۔

قینچی سے دنیا کی خرابیاں اور بُرے خیالات کا ختم ہو جانا مراد ہے۔

سُوئی سے صورت و معنی، ظاہر و باطن ایک طریقہ پر بنا لینا مراد ہے لیکن

سوئی بغیر دھاگے کے نہیں دیتے تھے۔

لوٹا اور کاسہ سے مراد یہ ہوتا کہ فقیر اور درویش مال جمع نہیں کرتے بلکہ وہ ہمیشہ روٹی اور نان کے محتاج ہوتے ہیں، اور جو کچھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ملے اسے فقیروں اور درویشوں کو کھلا دو اور پلا دو۔

نمکدان و طشت اور **آفتابہ** سے آپ کی مراد یہ ہوتی تھی کہ بزرگوں کا ورع اور تقویٰ اس کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔

جوتے اور **کھڑاؤں** سے ثابت قدمی اور ثبات علی الاسلام مراد ہوتا تھا اور جب کسی کو کنگھی دیتے تو اسے کپڑے یا کاغذ میں لپیٹ کر دیا کرتے تھے اس لئے کہ یہ بالوں کو جدا جدا کر دینے والی چیز ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اس سے جدائی اور علیحدگی پر دلالت کرنے لگیں، اس لئے بند کر کے دیتے تھے۔ اور اسی طرح اگر کسی کو چاقو دیتے تو اسے بھی بند کر کے دیتے تھے، اور اُس کے ساتھ خربوزہ یا گوشت کا ٹکڑا بھی دیا کرتے تھے۔ اسی طرح لوٹا یا اس کے مثل اور کوئی چیز دیتے تو اُسے پانی سے بھر کر دیتے۔ اور فرمایا کرتے کہ جب کنگھی کو کنگھی دان میں رکھا جائے تو اس کے دندانے اندر کی طرف ہونے چاہئیں۔ کیونکہ کنگھی ہی بالوں کو جدا کرنے کیلئے بڑا آلہ ہے۔ اس لئے جو آلہ تفریق کا سبب ہے اسکی دوری واضح کرنے کے لئے دندانے اندر کی جانب رہنا بہتر ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۳۶۳)

وفات ۲۶ ربیع الاول ۱۲۰۸ھ کو شیخ فتح اللہ کا وصال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مزار اجودھیا میں ہے۔ آپ کا مقبرہ محلہ چراغ دہلی (موجودہ عالم گنج کٹرا) اجودھیا میں خود اُنہی کی خانقاہ کے احاطہ میں ہے۔ مزار آج بھی موجود ہے۔ اور اچھی حالت میں ہے۔ نوراللہ مرقدہٗ۔ (مقالات حبیب، سوم ص ۲۱۷)

حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری رحؒ المتوفی ۸۲۲ھ

نام ونسب نام محمد، والد کا نام محمد۔ دادا کا نام محمود حافظ بخاری ہے۔

تعارف آپ حضرت خواجہ بزرگ علاؤالدین رحؒ کے خلفاء اعظم میں سے ہیں۔ آپ کے شیخ نے اپنے مریدوں کے سامنے آپ کے حق میں یہ ارشاد فرمایا کہ " جو حق و امانت خواجگان طریقت کے خلفائے سلسلہ سے اس فقیر کو پہنچی تھی وہ اور جو کچھ میں نے اس راہِ طریقت میں حاصل کیا ہے وہ امانت میں تم کو سپرد کرتا ہوں، جس طرح برادر طریقت مولانا عارف نے ہمارے سپرد کی تھی، پس تم اس کو قبول کرو۔ اور اس امانت کو اللہ تعالےٰ کی مخلوق تک پہنچانے کو ضروری سمجھنا۔ لہٰذا آپ نے اس امانت کو تواضع کا اظہار کرتے ہوئے قبول فرما لیا اور آپ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ میرے وجود سے مقصود اُن کا ہی وجود تھا، پس میں نے اُن کو دونوں طریقوں یعنی جذب وسلوک سے تربیت کی ہے اگر وہ اس میں مشغول رہے تو سارا جہان اُن سے روشن ہوگا۔

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ خواجہ پارسا کہتے ہیں اللہ تعالےٰ وہی کرتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ " اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی سُبْحَانَہٗ لَاَبَرَّہٗ، (یعنی اللہ تعالےٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ (کسی بات پر) اللہ تعالےٰ کی قسم کھالیں، تو اللہ تعالےٰ ان کو ضرور اس سے پار فرمادیں گے۔ یعنی ان کی قسم کو پورا فرمادیں گے۔

ف: سبحان اللہ! کیسا عظیم مقام قرب ان کو حاصل تھا۔

ع   او چنیں خواہد خدا خواہد چنیں

(یعنی جیسا وہ چاہتے ہیں اللہ تعالےٰ بھی ویسا ہی چاہتے ہیں۔) (مرتب)

حج کا سفر حضرت خواجہ ۲ محرم الحرام ۷۸۲ھ میں عمرہ وزیارت روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ سے بخارا سے روانہ ہوئے۔ نسف کے راستہ سے صفاہان، بلخ، ترمذ اور ہرات کے مزارات مقدسہ کی زیارت کرتے ہوئے اس سفر کو طے کیا۔ ان مقامات مقدسہ میں سے جہاں کہیں بھی آپ تشریف لے گئے وہاں کے شرفار وعلمار نے آپ کی تشریف آوری کو ایک نعمت عظمیٰ سمجھا اور آپ کے ساتھ بہت ہی اعزاز واکرام کا سلوک کیا۔

جب حضرت خواجہ قدس سرہٗ نیشاپور پہنچے تو باد سموم چلنے کی وجہ سے آگے کا راستہ پُرخطر ہونے کے بارے میں آپ کے ہمسفروں میں گفتگو ہونے لگی اور ان لوگوں کے عزم سفر میں تذبذب ہونے لگا۔ چنانچہ مولانا رومی قدس سرہٗ کے دیوان سے فال نکالی گئی۔ تو یہ اشعار نکلے ؎

روید اے عاشقان حق باقبال ابد ملحق
رواں باشید و ہمچوں مہ بسوئے برج مسعودی

مبارک باد تا ایں راہ توفیق و امان اللہ
بہر شہرے و ہر جائے بہر دشتے کہ می بودی

(ترجمہ: اے عاشقان حق! اقبال ابدی کے ساتھ آگے چلو اور چاند کی طرح برج سعد کی جانب بڑھے چلو۔ تم جس شہر جس قریہ اور جس جگہ بھی پہنچو توفیق الٰہی اور اللہ تعالےٰ کا امان تم کو مبارک ہو کہ وہ ہر جگہ تمھارے شامل حال ہے۔)

چنانچہ آپ نے نیشاپور ہی سے اس مضمون کا خط تحریر کیا۔ امید ہے کہ یہ شہر

اور مسلمانوں کے دوسرے شہر آفات اور تباہی سے محفوظ رہیں گے۔

ف: فال لینے اور بشارت دینے کے سلسلہ میں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فال لیا کرتے تھے۔ ہاں آپ فال لینے کے لئے پرندے نہیں اُڑاتے تھے۔ ہاں بشارت کے سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیس بعدی من النبوۃ الاّ المبشرات یراھا المؤمن او یُریٰ لہ۔ (متفق علیہ)

(ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد نبوت سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے خوشخبریوں کے جن کو مومن دیکھتا ہے یا اس کے لئے دکھلایا جاتا ہے۔)

ارشادات

آپ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ طریقت کے حصول کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا: شرع کی پابندی کرنا، کھانے میں اعتدال کو پیش نظر رکھنا، کم سونا اور اعتدال کے ساتھ طریق پر سعی کرنا خاص طور پر مغرب وعشاء کے درمیان وقت کا احیاء کرنا اور وظائف اور ذکر وعبادت میں گزارنا، اور صبح سے پہلے اِس طرح عبادت میں مصروف ہونا کہ کسی کو اس کے حال پر اطلاع نہ ہو، کامل توجہ کے ساتھ اپنی طرف متوجہ ہونا، خطرات کی نفی کرنا: خصوصاً آرزو کے خطرے کی نفی کرنا، ماضی، حال اور مستقبل کی آرزو کی نسبت دل کے پردوں کی دوری کے باعث۔

فرمایا کہ جب زبان فضول باتوں سے ساکت ہو جاتی ہے تو اس کے بعد قلب حق سبحانہ وتعالےٰ کے ساتھ گویا ہوتا ہے۔ اور جب زبان گویا ہوتی ہے

تو قلب ساکت ہو جاتا ہے۔ خاموشی دو طرح کی ہے۔ ایک تو زبان کا خاموش رہنا دوسرے موجودات کے خطرات سے دل کا خاموش وساکت رہنا۔ تو جس شخص کی زبان خاموش رہی لیکن دل خاموش نہ ہوا تو اُس کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اور جس کا دل وزبان دونوں خاموش نہ رہے تو وہ شیطان کی ملک اور اس کا مسخر بنے گا۔ ہم اللہ تعالےٰ کی اس سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ اور جس کا دل خاموش رہتا ہے اور زبان خاموش نہیں رہتی، اس کی گفتگو حکمت پر مبنی ہوگی، وہ فضول باتیں نہیں کرے گا۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے یہ نعمت عطا فرمائے۔

(نفحات الانس ص۶۲۷)

مولانا جامیؒ پانچ سال کے تھے کہ ان کو دیکھا تھا۔ فرماتے تھے کہ اس وقت جبکہ میں ساٹھ سال کا ہو گیا ہوں انکے منور روئے مبارک کی صفائی میری آنکھوں کے اندر سمائی ہوئی ہے اور ان کے دیدار کی لذت میرے دل میں موجود ہے۔

انھوں نے ارشاد فرمایا کہ فصوص؎ جان ہے اور فتوحات دل ہے جو شخص فصوص کو بخوبی جانتا ہے اس کے اندر حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی متابعت کا داعیہ قوی ہو جاتا ہے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ سلوک کی کیا حقیقت ہے؟ تو فرمایا کہ "اذا سکت اللسان عن فضول الکلام نطق القلب مع اللہ واذا نطق اللسان سکت القلب" یعنی جب زبان فضول کلام سے ساکت ہو جاتی ہے تو پھر قلب اللہ تعالےٰ سے ہمکلام ہو جاتا ہے۔ اور جب زبان بولنے لگتی ہے تو قلب خاموش ہو جاتا ہے۔

نیز فرمایا کہ زبان کی خاموشی تو ناگفتنی باتوں سے ہونی چاہیئے اور دل کی خاموشی وساوس وخطرات سے ہونی چاہیئے۔ اور جو شخص چاہتا ہے کہ اپنے ہاتھ کو محبوب کی

؎ فصوص وفتوحات یہ دونوں شیخ محی الدین ابن عربی کی تصنیف ہیں۔ (مرتب)

گردن میں ڈالے (یعنی تعلق خاص پیدا کرے) تو اسے چاہیے کہ خاموشی میں اپنی گفتگوئے ہست (یعنی دعوائے انانیت وخودی) کو ترک کر دے ؎

بخاطر ہیچ مضموں بہ ز لب بستن نمی آید خموشی معنئ دارد کہ در گفتن نمی آید

(تقصار جیود الاحرار صہ ۵۹)

یعنی زبان کو خاموش رکھنے سے بہتر دل میں کوئی مضمون نہیں آرہا ہے۔ اس لئے کہ خاموشی میں وہ حقیقت ہے جو کلام میں نہیں آسکتی۔ (مرتب)

وفات

آپ بروز چہار شنبہ ۲۳ ذی الحجہ کو مدینہ پہنچے اور دوسرے ہی دن بروز پنج شنبہ ۸۲۲ھ کو رحمت حق سے واصل ہوگئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کی نماز جنازہ میں مولانا شمس الدین فناری اور اہل مدینہ منورہ نے شرکت کی اور شب جمعہ کو جسد مبارک اُسی منزل میں جہاں آپ نے قیام کیا تھا دفن کر دیا گیا جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قبہ سے قریب ہے۔

(نفحات الانس صہ ۶۲۷)

حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ (گلبرگہ، کرناٹک) متوفی ۸۲۵ھ

نام و نسب نام سید محمد، کنیت ابوالفتح، القاب صدرالدین، ولی الاکبر الصادق ہیں۔ عام طور پر خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کہلاتے ہیں والد کا نام یوسف بن علی ہے۔ آپ نسبتہً حسینی ہیں۔

ولادت و خاندان حضرت گیسو درازؒ کے مورث اعلیٰ ہرات سے دہلی آئے تھے یہیں ۷۲۱ھ میں اُن کی ولادت باسعادت ہوئی، اُن کے والد بزرگوار سید یوسف حسینی عرف سید راجا کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے ارادت تھی۔ اپنے ملفوظات جوامع الکلم میں خود فرماتے ہیں:۔

"پدرِ من زیاران خدمت شیخ نظام الدین بود (میرے والد حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ارادتمندوں میں سے تھے) آپ کے نانا بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے۔

ابتدائی حالات جب حضرت گیسو دراز کی عمر چار سال کی تھی تو اُن کے والد بزرگوار سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی سے دیوگیر منتقل ہو گئے۔ اُس زمانہ میں دولت آباد کے صوبہ دار حضرت گیسو دراز کے ماموں ملک الامراء سید ابراہیم مستوفی تھے۔ یہاں ایک بزرگ شیخ بابو رہا کرتے تھے جن کی صحبت میں حضرت گیسو دراز کے والد ماجد برابر شریک رہتے۔ والد بزرگوار کے ساتھ حضرت گیسو دراز بھی اُن کی خدمت میں تشریف لے جاتے۔ یہ بڑی شفقت سے پیش آتے۔ چنانچہ اُنھوں نے بچپن ہی میں ان کیلئے اچھے کلمات استعمال کئے۔

آٹھ ہی سال کی عمر میں حضرت گیسو درازؒ سے دینی شغف کا اظہار ہونے

لگا، وضو اور نماز میں خاص اہتمام کرتے، چھوٹے بچے ان کی خدمت میں جمع رہتے، اور بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ اُن کے سامنے اُٹھتے بیٹھتے، اور وضو کے لیئے پانی کا گھڑا بھر کر اُن کے لیئے رکھتے۔ حضرت گیسو دراز اس کم عمری میں بھی مشائخ کی طرح اُن کو تبرک عنایت کرتے۔

جب دس سال کے ہوئے تو اُن کے والد ماجد کا انتقال ۷۳۱ھ میں دولت آباد میں ہو گیا اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ آج بھی ان کے مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

مراجعتِ دہلی جب حضرت گیسو دراز کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں کے بعد اُن کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی سے رنجش پیدا ہو گئی اور اُنھوں نے دل برداشتہ ہو کر دولت آباد کی سکونت چھوڑ دی اور بچوں کے ساتھ ۷۳۶ھ میں دہلی چلی آئیں۔ اُس وقت حضرت گیسو دراز کی عمر پندرہ سال کی تھی۔

بیعت دہلی پہنچنے کے بعد حضرت گیسو دراز جمعہ کی نماز ادا کرنے کیلئے سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں گئے، وہاں حضرت چراغ دہلی کو دور سے دیکھا، تو اُن کے چہرۂ مبارک کے جمال و انوار سے مسحور ہو گئے اور ۱۶ رجب ۷۳۶ھ کو اپنے بڑے بھائی سید چندن کے ساتھ حضرت چراغ دہلی کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

گیسو دراز کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک بار اپنے مرشد حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اُٹھائی، اُن کے بال بڑے بڑے تھے، پالکی کے پایہ میں اُلجھ گئے۔ پالکی

کو کندھے پر لے کر دو ز نکل گئے، بالوں کے اُلجھ جانے سے تکلیف ہوتی رہی، لیکن مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے اور غایت تعظیم میں بالوں کو پالکی کے پایہ سے نہ نکال سکے۔ جب حضرت شیخ نصیر الدین کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی اس محبت و عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور اُسی وقت یہ شعر پڑھا ؎

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد　　واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

(ترجمہ: یعنی جو شخص سید گیسو دراز سے مرید ہو گیا، واللہ بالیقین وہ عاشق الٰہی ہو گیا۔) (بزم صوفیہ صفحہ ۵۶۰)

تربیت بیعت کے بعد حضرت گیسو دراز کی خواہش ہوئی کہ مرشد کی جلد جلد قدم بوسی کریں، لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہیں ہوئی، پھر بھی مرشد اُن سے بڑی شفقت سے پیش آتے۔ ایک مرتبہ مرشد نے اُن سے فرمایا، تم جب بھی میرے پاس آتے ہو یے وقت آتے ہو، میں اُس وقت ملول رہا کرتا ہوں۔ اسلئے میرا جی چاہتا ہے کہ تم سے کچھ بات چیت کیا کروں۔ حضرت گیسو دراز اِس شفقت کو اپنے لئے بڑی دولت تصور کرتے رہے۔

مرشد کی ہدایت کے مطابق عبادت و ریاضت میں تدریجی ترقی کی۔ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:۔

"ایک بار اشراق کے بعد پا بوسی کے لئے حاضر ہوا (حضرت خواجہ نے) فرمایا، صبح کی نماز کے لئے جو وضو کرتے ہو، کیا وہ آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد تک باقی رہتا ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! آپ کے صدقہ میں باقی رہتا ہے۔ فرمایا، اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق بھی پڑھ لیا کرو! میں نے کھڑے ہو کر عرض کی، آپ کے صدقہ میں

پڑھوں گا۔ پھر فرمایا، اُسی کے ساتھ شکر النہار اور نماز استخارہ بھی پڑھ لیا کرو۔ جب چند روز اس کی پابندی کر چکا تو ایک روز فرمایا، دوگانہ ُاشراق پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا، بلاناغہ پڑھتا ہوں، ارشاد فرمایا، اگر اُس میں چاشت کی بھی چار رکعت ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔

ف : سبحان اللہ، حضرت شیخ نے اپنے مرید و مسترشد کو کیسی حکمت سے بتدریج وظائف کا پابند فرمایا۔ اسی کا نام تربیت ہے۔ آج بھی اسکی ضرورت ہے کہ مشائخ مریدوں کی تربیت موعظت و حکمت سے بتدریج کیا کریں۔ واللہ الموفق - (مرتب)

باطن کو آراستہ کرنے کے علاوہ علوم ظاہری کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رکھا کچھ کتابیں مولانا سید شرف الدین کیتھلی، کچھ مولانا تاج الدین بہادر اور کچھ مولانا قاضی عبد المقتدر سے پڑھیں۔

ریاضت ذکر و فکر میں زیادہ لذت ملنے لگی تو گھر چھوڑ کر حظیرۂ شیر خاں جہاں پناہ کے ایک حجرہ میں آکر مراقبہ کرنے لگے۔ اور یہاں دس برس تک ریاضت کی، یہیں سے مولانا قاضی عبد المقتدر سے تعلیم حاصل کرنے جاتے، اور وہاں سے مرشد کی پابوسی کیلئے پہنچتے۔ علوم باطن کے حاصل کرنے میں علوم ظاہر کی تحصیل سے دل برگشتہ رہنے لگا۔ اس لئے مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علم ظاہری کی تعلیم اب چھوڑ دوں اور علم باطن کی تحصیل میں مشغول رہوں۔ لیکن مرشد نے فرمایا، ہدایہ، بزدوی، رسالہ شمسیہ، کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھ لو، تم سے ایک کام لینا ہے۔ مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا

سلسلہ جاری رکھا، اور اُنیس ۱۹ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ اور جب اُن علوم سے فراغت ہوگئی تو ریاضتِ شاقہ کی طرف توجہ کی۔

حضرت چراغ دہلیؒ اپنے مرید کی ریاضت سے بہت متأثر ہوئے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ: ستّر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کردی ہے۔ اور پہلے زمانہ کے واقعات مجھے یاد دلادیئے ہیں۔ چنانچہ اُن کی شفقت روز بروز بڑھتی گئی۔ ایک بار خود حظیرۂ شیر خاں تشریف لے گئے اور اپنے محبوب مرید کو کچھ روپئے بھی نذرانے میں پیش کئے، جس کے بعد سے حضرت گیسو درازؒ کی بڑی شہرت ہوئی، اور باکمال صوفیہ کہا کرتے تھے کہ "اِس شخص کو جوانی میں مقامِ پیرانِ واصل ومقتدایانِ کامل کا درجہ حاصل ہے"۔

ریاضت کا ذوق اتنا بڑھ گیا کہ انسانی آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں جاکر مجاہدہ کرنے لگے۔

خدمتِ مرشد عزلت وخمول کی ریاضت کے بعد مرشد کی خدمت میں آکر ایک عرصہ تک رہے، اُس زمانہ میں اُن کے معمولات یہ تھے: علی الصباح اُٹھ کر مرشد کو وضو کراتے، پھر خود وضو کرکے نمازِ صبح باجماعت ادا کرتے۔ اور جب تک مرشد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے طالبانِ حق کو سلوک کی تعلیم دیتے۔ اور جب مرشد کی مجلس منعقد ہوتی تو اُس میں شریک ہوتے۔ اور جب برخاست ہوتی اور مرشد حجرہ میں عبادت میں مشغول ہوتے تو خود بھی ایک گوشہ میں بیٹھ کر یادِ حق میں مصروف رہتے۔ پھر چاشت کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر قیلولہ کرتے، اُس کے بعد کلام پاک کی تلاوت فرماتے۔ ظہر کا وقت آتا تو پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے۔ ظہر کی نماز کے بعد مرشد حجرہ میں تشریف لے جاتے تو خود

بھی اپنے حجرہ میں آکر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ سہ پہر کا وقت ہو جاتا، مرشد کی مجلس پھر منعقد ہوتی، اس مجلس میں وضو کر کے شرکت کرتے، اور مرشد کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر مغرب تک تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے۔ مغرب کی نماز اور اوابین ادا کر کے عشاء تک طالبان سلوک کو تعلیم دیتے۔ پھر بقدر رمق (جس سے حیات باقی رہے) کھانا تناول فرما کر سو جاتے۔ اور نصف شب کو بیدار ہو کر پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے، اور جب مرشد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی یاد میں مشغول ہو جاتے تو خود بھی نماز تہجد ادا کر کے باہر دروازہ سے پشت لگا کر ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے اُس وقت بھی پانی کا لوٹا وغیرہ ساتھ رکھتے کہ جب مرشد صبح کی نماز کے لئے حجرہ سے باہر آئیں تو اُس وقت وضو کے لئے سامان تیار ملے۔ (بزم صوفیہ ص۵۶۳)

ف: سبحان اللہ، ہمارے اکابر نے کیسی ریاضت و عبادت کی ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے مرشد کی کیسی خدمت کی ہے جو اس زمانہ میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ انھیں ریاضت و خدمت کا صلہ بھی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دیا کہ اپنی مخلوق کے قلوب میں ان حضرات کی ایسی محبت و عقیدت ڈال دی کہ ان کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہتے۔ اور آخرت میں جو مراتب عالیہ اور قرب و قبول سے نوازے جائیں گے ان کا تو تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان بزرگوں کے فیوض و برکات اور علوم و فتوحات سے بہرہ ور فرمائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

تصانیف آپ نے عربی و فارسی زبان میں چھوٹی بڑی کتابیں بکثرت تصنیف فرمائیں، مثلاً ملتقط، تفسیر کلام پاک،

حواشی کشاف، شرح مشارق الانوار، معارف شرح فصوص الحکم وغیرہ۔

(بزم صوفیہ ص۵۰۳)

اردو میں سب سے پہلی تصنیف مولانا افتخار احمد قاسمی بستی پوری اپنی تصنیف "افکار کا درپن" میں آپ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:۔

اردو زبان میں تصنیف و تالیف کا آغاز فیروز شاہ بہمنی کے دور سے ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ نے تصوف پر اردو زبان میں "معراج العاشقین" نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ اور پھر اس زبان و ادب میں تخلیق کا سلسلہ چل پڑا۔ (افکار کا درپن ص۱۶۷)

آپ کے رسائل آپ کے تحریر کردہ رسائل میں سے گیارہ رسائل کا مجموعہ "یازدہ رسائل" کے نام سے مشہور و معروف ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

گلبرگہ کا سفر دہلی میں تقریباً چالیسؔ سال کے قیام کے بعد تیمور کے حملہ کے زمانہ یعنی ۸۰۱ھ میں گلبرگہ منتقل ہو گئے۔

معمولات گلبرگہ شریف کے قیام کے زمانہ میں حضرت سید گیسو درازؒ کے معمولات حسب ذیل تھے:۔

پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا فرماتے۔ کسی وقت تنہا یا ایک آدمی کے ساتھ نماز ادا نہیں فرمائی۔ آخر عمر میں جب کھڑے ہونے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی تو فرض، سنت اور نفل بیٹھے بیٹھے ادا فرماتے۔ اشراق کی نماز کے بعد اپنے صاحبزادوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ جوانی میں ہمیشہ روزے رکھتے تھے لیکن آخر عمر میں صرف ایام بیض کے روزوں پر اکتفا کر لیا تھا۔ چاشت کی نماز کے بعد درس دیا کرتے۔ درس زیادہ تر تفسیر، حدیث اور سلوک کا ہوتا۔ کبھی کبھی علم کلام

اور علم فقہ بھی پڑھاتے۔ درس میں علمار اور شاہی حکام کے لڑکے بھی شریک ہوتے۔ دوپہر کو قیلولہ کرتے اور فرماتے: جو صوفی قیلولہ نہیں کرتا ہے وہ رات کو اُٹھنے کی نیت نہیں رکھتا ہے، ساری رات چاہتا ہے کہ پڑا سویا رہے۔ اگر کوئی کتاب یا رسالہ تصنیف فرماتے تو زوال کے بعد کسی سے لکھواتے۔ ظہر کی نماز کے بعد تلاوتِ کلام پاک کرتے، تلاوت کے ساتھ مراقبہ بھی کرتے جاتے۔ آخر عمر میں جب خود تلاوت نہیں کر سکتے تھے تو مولانا بہاؤالدین امام سے پڑھوا کر سُنتے، تلاوت کے بعد پھر درس ہوتا۔ عصر کی نماز کے بعد بلا ناغہ دعار پڑھتے۔ نماز مغرب کے بعد اوابین کی نماز ادا فرماتے۔ مغرب اور عشار کے درمیان سالکین کو خاص خاص تعلیم دیتے۔ پھر عشار کی نماز پڑھ کر مریدوں اور صوفیوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے۔ داہنی طرف رشتہ دار اور بائیں طرف دوسرے لوگ بیٹھتے اور شرکائے دسترخوان کے سامنے روٹیاں اور سالن ہوتے، لیکن خود آش کے ایک پیالہ پر اکتفا فرماتے۔ اُس میں سے تھوڑا نوش فرما کر جس پر کچھ نظر عنایت ہوتی اس کو مرحمت کر دیتے۔ کھانے کے بعد مریدوں سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے، اس کے بعد آرام کرتے، پھر تہجد کے لئے اُٹھتے، تہجد کے بعد ذکر و مراقبہ کرتے اور فرماتے کہ ذکر و مراقبہ سے بہت سی حکمت کی باتیں منکشف ہوتی ہیں۔

جمعہ کے دن غسل فرماتے اور بلا ناغہ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد تشریف لے جاتے۔ مسجد میں پہنچ کر چھ رکعتیں (دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار رکعت سنت) ادا کرتے۔ پھر بیٹھ کر مراقبہ فرماتے۔ کسی کیلئے تعظیماً کھڑے نہ ہوتے لیکن بادشاہِ وقت یعنی سلطان فیروز شاہ بہمنی آتا تو کھڑے ہو جاتے اور اس کو مخاطب کر کے

فرماتے، تم اولی الامر ہو لہذا تمھارے واسطے کھڑا ہوجاتا ہوں۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے اکابر کس قدر متمسک بالکتاب والسنت تھے۔ چنانچہ بادشاہ کے لئے کھڑے ہونے کے جواز پر اس آیت کو پیش فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ جس کا ترجمہ یہ ہے: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اولی الامر (حاکموں) کی اطاعت کرو۔

اسی طرح شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں کوئی امیر آتا تو اس کے لئے کھڑے ہوجاتے۔ کسی نے بطور اشکال یہ کہا کہ حضرت! آپ امیر کے آنے پر کھڑے ہوجاتے ہیں؟ تو فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نعم الامیر علی باب الفقیر" (یعنی بہترین امیر وہ ہے جو فقیر کے دروازے پر ہو) تو میں اس کے امیر ہونے کی وجہ سے نہیں کھڑا ہوتا، بلکہ اَمیر سے پہلے جو نِعْمَ ہے اسکی وجہ سے کھڑا ہوتا ہوں

اس واقعہ کو مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بیان فرماتے تھے اور آپ کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا۔ اور اس کے استدلال میں یہ حدیث پڑھتے تھے: اِذَا اَتَاكُمْ كَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَكْرِمُوْهُ یعنی جب تمھارے پاس کسی قوم کا باعزت شخص آوے تو اُس کا اکرام کرو۔

اسی حدیث سے استدلال کرکے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اُس بزرگ کے عمل کو جنھوں نے بادشاہ کی آمد پر پاؤں پھیلا دیئے تھے ناپسند فرماتے تھے کہ حاکم وقت کا اکرام سنت کی اتباع ہے۔ (مرتب)

شفقت مرشد

مرشد کو بھی اپنے مرید سے ہمیشہ بڑی محبت رہی۔ چنانچہ جب وہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے باسوربادی کے مرض میں مبتلا ہوئے تو غایت تکلیف میں حضرت گیسو دراز ہی سے اپنی صحت کے لئے دعا کرائی۔

اس کے بعد جب حضرت گیسو دراز اپنی عمر کے ۳۷ ویں سال خلہ کے مرض میں مبتلا ہوئے اور خون تھوکنے لگے اور اس کے ساتھ ہچکیاں بھی آتی تھیں، مرشد نے اُن کے لئے دوا، طبیب اور تیماردار بھیجے۔ اور روزانہ ایک آدمی ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرماتے اور جب اُن کو شفا ہوئی تو اُن سے مل کر بیحد خوش ہوئے اور اپنا کمبل عطا فرمایا۔ اِس ملاقات کے بارے میں "سیر محمدی" کے مؤلف رقمطراز ہیں:۔

اپنا کمبل اپنے سامنے سے اُٹھا کر حضرت مخدوم کو عنایت فرمایا اور حضرت مخدوم کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے لئے محنت و مشقت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ، سید محمد! اس کام کو میری طرف سے قبول کرو۔ یعنی لوگوں سے بیعت لیا کرو۔ حضرت مخدوم نے سر نیچا کر لیا اور خاموش رہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قبول کر لیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا میں نے قبول کیا۔ پھر ارشاد فرمایا: قبول کر لیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا "قبول کیا"۔ اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے ظاہری اوراد ترک نہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ میرے متعلقین کے ساتھ رعایت و مراعات کرنا۔ (بزم صوفیہ ص ۵۶۵)

ف: حضرت سید گیسو درازؒ کی مذکورہ نصیحتوں کے پڑھنے کے بعد دل میں جذبہ ہوا کہ اپنے احباب کو بھی چند نصیحتیں کروں۔

اوّلاً یہ کہ ظاہری و باطنی سنّتوں پر عمل کو لازم سمجھیں، نیز اوراد و اشغال جو بزرگوں سے چلے آرہے ہیں اُن پر مداومت کریں۔ اور ثانیاً یہ کہ میرے جملہ متعلقین کے ساتھ رعایت و عنایت کا معاملہ کریں۔ اسی طرح میری اولاد و متعلقین کے لئے بھی خاص نصیحت ہے کہ باہم میل و محبت سے رہیں اور ہم سے دینی تعلق و محبت رکھنے والوں کے ساتھ محبت، ادب و احترام کا سلوک کریں۔ (مرتّب)

آداب طعام آپ نے فرمایا: سالکوں کے لئے تقلیل طعام ضروری ہے۔ اور جب وہ کھائیں تو ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہیں، بلکہ سورۂ فاتحہ پڑھیں۔ جو چیز کھائیں وہ بالکل حلال ہو۔ اپنی روزی کو حلال ثابت کرنے کے لئے کوئی تاویل نہ کریں۔

فرمایا: کسی حال میں بھی پیر سے غافل نہ رہے۔ پیر سے غافل رہنا بڑی محرومی ہے۔ ایک مرید جہاں بھی ہو اس کا دل پیر کے تصور سے خالی نہ ہو، اور رفتار، گفتار، وضع قطع میں اُس کا اتباع ضروری ہے۔ اُس کا ایک حکم بجالانے سے مرید ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ سو سال کی عبادت سے نہیں پہنچ سکتا، پیر جس کام کا حکم دے مرید سمجھے کہ یہ حکم اللہ تعالےٰ کی اجازت سے صادر کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی گفتگو میں اشارۃً وکنایۃً بھی کسی کے پیر کی اہانت کرتا ہو تو اُس سے مرید اس طرح دور رہے جس طرح کہ ایک زاہد شیطان سے دور رہتا ہے۔

اگر پیر کی طرف سے کوئی لباس یا کپڑا ملے تو اُس کو بڑے احترام سے رکھے پیر کے بیٹھنے کی جگہ کا بھی پورا احترام کرے۔

پیر کی زندگی میں کوئی مرید کسی دوسرے پیر کی تلاش نہ کرے، اگر پیر مرید کو نامشروع کاموں کی دعوت دیتا ہو، تو مرید ایسے پیر کو چھوڑ دے، لیکن اس طرح کہ پیر کو معلوم نہ ہو کہ اُس نے بداعتقادی کی وجہ سے علٰحدگی اختیار کی ہے۔

احترامِ شریعت

آپ نے فرمایا: ایک مرید حقیقت و طریقت کو شریعت کا ضد نہ سمجھے، بلکہ اُن میں سے ہر ایک کو دوسرے کا خلاصہ تصور کرے۔ جس طرح اخروٹ کا مغز اخروٹ کے چھلکے سے بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہے، پھر بھی مغز کا جزر چھلکے میں اس طرح ملا ہوتا ہے کہ اُس سے بھی تیل نکالا جاتا ہے، اسی طرح حقیقت و طریقت اور شریعت تینوں ایک ہی ہیں۔

ف: ماشاءاللہ تینوں میں بہت ہی عمدہ مثال سے تطبیق دی ہے جس سے حقیقت واضح ہو گئی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ (مرتب)

ارشادات

فرمایا کہ مرید کو ریا و غصہ سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اگر بضرورت غصہ کرے بھی تو اس کو قابو میں رکھنا چاہیئے۔

فرمایا: دُنیاداروں کی مجلسوں اور محفلوں سے دور رہے۔ **ف**: اس لئے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ناجنسوں کی صحبت سم قاتل ہے۔ (مرتب)

فرمایا: وراثت میں جو مال و دولت ملنے والی ہو اُس سے بھی باز آئے۔

ف: یہ عزیمت کی بات ہے۔ یوں لینے کی اجازت و رخصت بھی ہے۔ (مرتب)

فرمایا: اگر کوئی اس کا مال لے لے تو اُس کے لئے شور و غوغا

نہ کرے۔ **ف** : یہ صبر و حلم کی بات ہے جو محمود ہے۔ اور حدیث میں اس کی فضیلت وارد ہے۔ (مرتب)

فرمایا : اگر اُس کے دل میں مال وجاہ کی ہوس ہو، تو اس کو دور کردے۔ ورنہ تو مجاہدہ وریاضت کرتا رہے۔ تاکہ دور ہوجائے۔

فرمایا : ایسی تفریح سے جو جائز بھی ہو پرہیز کرے۔ **ف** : یہ عزیمت ہے۔ یوں بضرورت سیر و تفریح کرسکتا ہے۔ (مرتّب)

فرمایا : آج کا کام کل پر نہ اُٹھا رکھے۔ **ف** : اِس لئے کہ اکثر ایسی صورت میں کام ہونے سے رہ جاتا ہے۔ (مرتب)

فرمایا کہ کسی حال میں اپنے نام کی شہرت کی خواہش نہ کرے۔

ف : اس لئے کہ شہرت میں ہزار آفت ہے۔ (مرتب)

فرمایا : گرسنگی (بھوک) تشنگی (پیاس) اور شب بیداری کو دوست رکھے **ف** : اس لئے کہ یہ قلب کی صفائی میں معین ہے۔ مگر اس پر اعتدال کے ساتھ عمل پیرا ہونا چاہیے، بلکہ اپنے مرشد کامل سے اس باب میں مشورہ کرلینا چاہیئے۔ (مرتّب)

فرمایا : سالکین کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیئے۔ ہر فرض نماز کے لئے تازہ وضو کرنا بہتر ہے۔ وضو کے بعد تحیۃ الوضو ادا کرے۔ بے وضو نہ سوئیں۔ اگر رات کے وقت بیدار ہوجائیں تو وضو کریں اور دوگانہ ادا کریں۔ وضو کرنے میں کسی سے بات چیت نہ کریں۔ (بزم صوفیہ ص۵۵)

ف : سبحان اللہ کیسی مفید نصیحتیں ہیں جو لائحہ عمل بنانے کے لائق ہیں۔ (مرتّب)

وفات

گلبرگہ میں بائیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۶؍ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں اشراق و چاشت کے درمیان آپکا انتقال ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اور وہیں مدفون ہوئے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔ (بزم صوفیہ ص۵۰)

ف: الحمدللہ آپ کے مزار کی زیارت ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض سے مستفیض فرمائے۔ آمین!

ایک نہایت خوشی کی بات ہے کہ محب مکرم مولانا اسمٰعیل صاحب بھوٹا ٹنکاروی نے جامع مسجد ابراہیم عادل شاہی میں دارالعلو گلبرگہ ہیراپور گلبرگہ (کرناٹک) میں مدرسہ قائم فرمایا، جہاں الحمدللہ کتاب وسنت کی بخوبی تعلیم ہورہی ہے۔

مزید وہاں چند سالوں سے رمضان المبارک کے آخر عشرہ میں اعتکاف واقامت خانقاہ کے لئے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سلمہ پالنپوری تشریف لے جاتے ہیں۔ اسی طرح مولانا ثناء اللہ صاحب پالنپوری سلمہ بھی افضل گڑھ (کرناٹک) میں اسی مقصد کیلئے دوتین سال سے جاتے ہیں۔

الحمدللہ ۱۲؍۱۳؍ذوقعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق یکم و ۲؍نومبر ۲۰۰۹ء میں خانقاہی نظام کے لئے ایک جلاس بھی یہاں ہوا، جسمیں مولوی محمد حارث صاحب، مولوی سراج الدین صاحب، مولوی صادق صاحب اور مکرم الحاج ایوب صاحب اور اُنکے بھائی پیش پیش رہے۔ اللہ تعالیٰ خواجہ بندہ نواز کے فیوض وبرکات کو اس نظام کے ذریعہ عام وتام فرمائے اور علمی، عملی اور روحانی چشمے جاری فرمائے۔ آمین! (مرتب)

حضرت خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی المتوفی کے بعد ۸۲۵ھ

نام ونسب سید محمد اشرف اسم گرامی، جہانگیر لقب، والد کا نام محمد ابراہیم ہے۔

ولادت وخاندان آل سمنان میں تھے۔ ولادت باسعادت بقول بعض مضمون نگار ۷۰۹ھ میں سمنان میں ہوئی۔ والد بزرگوار محمد ابراہیم سمنان کے سلطان تھے، والدہ ماجدہ خدیجہ بیگم خواجہ احمد یسوی کی لڑکی تھیں، ان کے زہد وعبادت کا حال یہ تھا کہ ان سے تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی، پوری رات عبادت میں گزارتیں اور صائم الدہر رہیں۔ (بزم صوفیہ ۵۱۶)

تعلیم تین بہنوں کے بعد حضرت ابراہیم مجذوبؒ کی دعاؤں کی برکت سے حضرت سید اشرف پیدا ہوئے۔ سات سال کے ہوئے تو سات قرأتوں کے ساتھ کلام پاک حفظ کیا، چودہ سال کی عمر میں معقولات ومنقولات کی تعلیم ختم کی، جس سے تمام عراق میں مشہور ہوگئے۔

علمی مرتبہ علمی حیثیت سے بھی حضرت اشرف جہانگیر کا مرتبہ بلند تھا۔ وہ معقولات ومنقولات کے بھی جید عالم تھے۔ اور جب کبھی علماء وفضلا سے علمی بحث کرتے تو اس میں بڑی گہرائی ہوتی۔ "لطائف اشرفی" میں بعض علمی مسائل پر بھی مباحث ہیں، ان مباحث میں ان کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ صوفیانہ رموز ونکات بیان کرنے میں بھی عالمانہ انداز اختیار کرتے تھے اور کسی حال میں بھی جادۂ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہ فرماتے۔ تمام علوم

و فنون میں علمِ شریعت کو زیادہ اہمیت دی ہے اور علم کے ساتھ اسکی متابعت کی بھی پوری تاکید کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اُس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک وہ ظاہراً و باطناً، قولاً، فعلاً، اعتقاداً اور حالاً شریعت کا پابند نہ ہو۔ (بزم صوفیہ صفحہ ۵۴)

اورنگ نشینی والد بزرگوار کی وفات کے بعد سمنان کی عنانِ حکومت سنبھالی۔ اُن کے زمانۂ حکومت کے عدل و انصاف کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔

ترکِ سلطنت حکومت کے زمانہ میں بھی حضرت سید محمد اشرف فرائض و سنن اور واجبات و نوافل کے پابند تھے۔ راہِ سلوک کی طرف طبیعت صغر سنی ہی سے مائل تھی، اس لئے خواب میں بزرگانِ دین ہی کو دیکھتے اور اُن سے فیوض حاصل کرتے۔ بالآخر ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خضرؑ فرما رہے ہیں کہ سلطنتِ الٰہی چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ۔ اس خواب کے بعد والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ والدہ نے فرمایا: تمھاری پیدائش سے پہلے (مجھ کو میرے والد بزرگوار نے) بشارت دی تھی کہ میرے گھر میں ایک فرزند پیدا ہوگا جس کے نورِ ولایت سے تمام عالم منور ہوگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ وقت آ پہنچا سفر مبارک ہو۔

ہندوستان کا سفر والدہ ماجدہ کی اجازتِ سفر کے بعد سلطنت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ تین منزل تک بارہ ہزار سپاہی اور توپچی رخصت کرنے آئے۔ اُن کو وداع کر کے حضرت سید محمد اشرف ماوراء النہر ہوتے ہوئے

بخارا پہنچے، بخارا سے سمرقند آئے۔ سمرقند تک کچھ گھوڑے سواری کے لئے ساتھ تھے، لیکن اُن گھوڑوں سے راحت کے بجائے رسوائی محسوس کی، اس لئے فقراء کو دے دیئے۔

بیعت وخلافت سمرقند سے اوچہ وارد ہوئے، جہاں حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت جہانیاں جہاں گشتؒ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا، بہت دنوں کے بعد طالب صادق کی خوشبو دماغ میں آئی۔ آپ حاضر ہوئے اور بیعت ہوئے، اس کے بعد مرشد کی خدمت میں بارہ سال رہے۔ خرقۂ خلافت کے علاوہ اُنہی سے جہانگیر کا لقب پایا۔ ایک موقع پر حضرت اشرف جہانگیر کمر باندھ رہے تھے کہ مرشد نے پوچھا، کیا کر رہے ہو؟ حضرت جہانگیر نے جواب دیا: خدمت کے لئے کمر کس رہا ہوں۔

مرشد نے فرمایا: اگر کمر کس رہے ہو تو مضبوط کسو، تاکہ پھر درمیان میں کوئی چیز باقی نہ رہے حضرت اشرف جہانگیر نے عرض کیا: اپنی میان سے نفس کی آرزو کو دور کر دیا ہے جبتک زندہ ہوں نفس کی آرزو کو دور رکھوں گا۔ مرشد نے یہ سن کر فرمایا: مبارک ہو۔ (بزم صوفیہ ص۲۰)

ف: سبحان اللہ، مرید کیسے با صلاحیت اور مصلح بھی کسقدر باکمال تھے جسکی بنا پر کسقدر کمالات سے بہرہ ور ہوئے اللہ تعالیٰ ہمکو بھی ایسی طلب صادق عطا فرمائے کہ ہم بھی کام کے آدمی بنجائیں۔ (مرتب)

کچھوچھہ (فیض آباد) کا سفر جب ہر قسم کے روحانی فیوض سے متمتع ہو چکے تو مرشد نے اپنے جلیل المرتبت خلیفہ کو نواح جونپور کی طرف جانے کا حکم دیا۔ حضرت جہانگیرؒ دل پر جبر کر کے مرشد سے رخصت ہوئے۔ منیر (پٹنہ) ہوتے ہوئے قصبہ محمد آباد گہنہ (ضلع مئو) پہنچے۔ چند روز قیام کیا۔ پھر ظفر آباد ضلع جونپور

تشریف لائے، یہاں بھی کچھ دنوں قیام فرمایا، پھر یہاں سے منتقل ہو کر کچھوچھہ پہنچے اور آخر تک یہیں رہے۔

تعلیمات و ہدایات

علم کی اہمیت حضرت اشرف جہانگیرؒ نے حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ علم کے بغیر ایک زاہد شیطان کا مسخرہ ہے، اس لئے راہِ سلوک میں توحید، معرفت، ایمان، شریعت، طریقت وغیرہ سے پوری واقفیت رکھنا ایک سالک کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔

فرمایا کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ اُس کی زندگی کے صرف سات دن باقی رہ گئے ہیں، تو اُس کو صرف علم فقہ حاصل کرنا چاہیئے۔ علمِ دین کا ایک مسئلہ جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے۔

ف: علم کی فضیلت میں حضرت شیخ اشرفؒ کا کتنا اہم ارشاد ہے مگر ہم لوگوں کو جتنی اُن کی کرامت کی قدر ہے اتنی اس ارشاد کی نہیں، کیونکہ اس پر عمل کرنے میں تو محنت ہے۔ بخلاف شیخ کی کرامت کی عقیدت میں کہ اس میں اپنی بھی ایک گونہ قدر و منزلت ہے جسکی بنا پر مریدین تعلیمات سے زیادہ کرامات کا ذکر کرنے سے تھکتے نہیں ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

توحید حضرت اشرف جہانگیرؒ نے مسئلہ توحید پر بڑی عمیق اور عالمانہ بحث کی ہے۔ جس شرح و بسط کے ساتھ یہ مباحث لطائفِ اشرفی میں ہیں اُن کو ہو بہو یہاں پیش کرنا آسان نہیں، ہم صرف انکا خلاصہ درج کرتے ہیں

ان مباحث میں توحید کی کئی قسمیں بتائی گئی ہیں: (۱) توحید ایمانی یعنی قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کی صداقت پر اعتماد کر کے توحید کا عقیدہ رکھنا۔

(۲) توحید علمی، ادراکِ باطن سے درجۂ یقین تک پہنچنا کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی موحّد حقیقی اور مؤثر مطلق نہیں۔ یہ توحید مراقبہ سے حاصل ہوتی ہے

(۳) توحید رسمی، اپنی ذہانت یا مطالعۂ اشیا یا سنی سنائی باتوں کی بنا پر اللہ کو ایک سمجھنا۔ حضرت اشرف جہانگیرؒ کے نزدیک توحید کا یہ تصور کوئی اثر نہیں رکھتا۔ یہ توحید اعتبار کے درجہ سے ساقط ہے۔

(۴) توحید حالی، اِس توحید میں موحّد ذاتِ واحد کے وجود کے جمال میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اسکو واحد کی ذات وصفات کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی وہ واحد کی صفات کو اپنی تمام صفتوں سے ماورا ہو کر دیکھتا ہے۔ اور بحرِ توحید میں اپنے کو صرف ایک قطرہ پاتا ہے۔ توحید حالی کا یہ احساس مشاہدہ کے نور سے ہوتا ہے۔ اس میں بشریت کے اکثر لوازم فنا ہو جاتے ہیں، اور جو باقی رہ جاتے ہیں اُن سے اقوال وافعال سرزد ہوتے ہیں۔

ایک موقع پر فرمایا:۔

"ہر کہ ازیں طائفہ (صوفیہ) خلاف روش نبوی وغیر متابعت مصطفویؐ پیش گرفتہ بمقصود نرسیدہ است۔"

یعنی اِس جماعت صوفیہ میں سے کوئی روشِ نبوی کے خلاف اور متابعتِ مصطفویؐ کے خلاف طریقہ اختیار کر کے منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکا۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید　　　کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(ترجمہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو راستہ اختیار کرے گا وہ کبھی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔)

محال است سعدی کہ راہِ صفا　　تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

(ترجمہ: اے سعدی! اتباع مصطفیٰ کے بغیر راہِ صفا پر چلنا محال ہے۔)

شیخ کیلئے آداب

(۱) مرید کی استعداد اس کی نظر میں ہو، یعنی اس کی انفرادی صلاحیت اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر راہ سلوک میں اُسکی تربیت کرتا ہو۔ (ج ۱ ص ۱۸۱)

(۲) وہ مرید کے مال و متاع سے استفادہ کی لالچ سے بالکل پاک ہو۔ (ص ۱۸۵ ج ۱)

(۳) وہ صاحب ایثار ہو۔ (ج ۱ ص ۱۸۶)

(۴) اس کے فعل اور قول میں مطابقت ہو۔ (ج ۱ ص ۱۸۸)

(۵) وہ کمزوروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہو۔ (ص ۱۸۹)

(۶) اُس کی گفتگو نفسانیت کے شائبہ سے پاک ہو۔ (ص ۱۹۰)

(۷) وہ کنایہ میں گفتگو کرتا ہو اور تصریح سے اِجتناب کرتا ہو۔ (ص ۱۹۱)

(۸) اس کے احوال کا غلبہ اس کے اعمال صالحہ کا مانع نہ ہو۔ (ص ۱۹۴)

(۹) وہ اپنے مرید سے تعظیم کی توقع نہ رکھتا ہو۔ (ج ۱ ص ۱۹۶)

(۱۰) وہ مرید سے نہ زیادہ قریب ہو اور نہ زیادہ دور۔ (ص ۱۹۸)

مرید کے آداب

مرید کے آداب حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وہ شیخ کی صحبت کو اپنے لئے فتح الباب سمجھتا ہو (ص ۲۰۰ ج ۱)

(۲) وہ شیخ سے تسلیم و رضا کا تعلق رکھتا ہو۔ (ص ۲۰۱)

(۳) دنیا اور آخرت کا کوئی کام شیخ کی اجازت کے بغیر نہ کرتا ہو (ص ۲۰۲)

(۴) شیخ کی جگہ پر نہ بیٹھتا ہو۔ (ص ۲۰۳)

(۵) اپنے خواب اور بیداری کے واقعات میں شیخ سے رجوع کرتا ہو۔ (ص ۲۰۴)

(۶) شیخ کی صحبت میں بلند آواز سے گفتگو نہ کرتا ہو۔ (ص ۱۰۵)

(۷) شیخ سے کسی موقع پر بھی کوئی بات دلیرانہ طریقہ پر نہ پوچھتا ہو اور نہ کہتا ہو (ص ۲۰۶)

(۸) شیخ جس چیز کو مخفی رکھتا ہو، اُس کو اِفشا نہ کرتا ہو۔ (ص ۲۰۶)

(۹) شیخ سے اپنے اسرار بیان کردیتا ہو۔ (ص ۲۰۹)

(۱۰) شیخ کی کوئی بات نقل کرتا ہو تو اپنی فہم کا خیال رکھتا ہو (ص ۲۱۰) یعنی جس بات کو بیان کرے خوب سمجھ کر بیان کرے۔

شیخ کے اوصاف شیخ میں حسب ذیل اوصاف ہونے چاہئیں:۔

(۱) اُس میں خاص قسم کی عبدیت ہو۔

(۲) اُس کو اللہ سے براہِ راست حقائق حاصل ہوں۔

(۳) اُس پر خاص قسم کی رحمت مقامِ عبدیت (یعنی قربت) سے ہو۔

(۴) علوم کی تعلیم اللہ تعالےٰ سے حاصل کی ہو۔

(۵) علم لدُنی کی دولت سے مالا مال ہو۔ (ص ۲۵۵) (علم لدُنّی وہ ہے جو اللہ کی طرف سے بلا واسطہ ملے۔ (مرتب)

توبہ یہ منزل ذکر اور فکر سے طے ہوتی ہے، ذکر و فکر کی پہلی شرط توبہ ہے۔ توبہ سے مراد افعال ناپسندیدہ یعنی غل و غش، حسد، نفاق، کذب، بخل، حرص، طمع، غضب، تلبیس، ریا، بہتان اور غیبت وغیرہ سے قطعی اعراض کرے۔ (ج ۲ ص ۱۸۰)

پھر توبہ کے ساتھ شریعت کی ساری پابندیوں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کو لازمی قرار دیا ہے۔ البتہ ان چیزوں میں ایک عامی مسلمان اور ایک سالک کی پابندی میں جو فرق ہے اسکو بہت واضح طور پر بتایا ہے۔

نماز نماز کے لئے سالک وضو کرتا ہے تو اس کے لئے (۱) اسکی جسمانی

طہارت ہو۔ (۲) اس کی دماغی طہارت یعنی اس کا ذہن اوہام ووساوس سے پاک ہو (۳) اُس کے حواس باطن پاک ہوں (۴) اسکی روح پاک ہو۔ (ج۲ص۱۵۵)

نماز میں خشوع وخضوع ضروری ہے، ورنہ اسکی مثال قالب بے جان کی ہوگی۔ فرمایا: نماز میں حسب ذیل چیزوں سے لذت ملتی ہے:۔

(۱) حضور قلب (۲) فہم معانی (۳) تعظیم ماہیت (۴) خوف و رجا (۵) حیا ۔ لذت بھری نماز میں سالک نور کا مشاہدہ کرتا ہے، جو اُس کے تمام جسم میں سرایت کرجاتا ہے، اس سے اُس پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے ۔

روزہ سالک روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ حواس ظاہرہ سے باطن کو مغلوب کرکے ہوا ونفس کو اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اپنے باطن کو منور کرکے کشف حاصل کرتا ہے۔ (ج۲ص۱۵۸)

زکوٰۃ شریعت کی زکوٰۃ کے علاوہ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ سالک کا دل ذمائم (باطنی برائیوں) سے پاک ہو۔ اولیاء ومشائخ کو چاہئے کہ وہ علم سلوک کو سمجھائیں، مریدوں کو دل کی صفائی، روح کی تجلی، عشق، محبت، معرفت، قربت اور حقائق ومعارف کی تعلیم دیں۔

حج سالک کا حج یہ ہے کہ وہ احرام باندھتا ہے تو دنیا کے علائق وعوائق (موانع) سے تجرید حاصل کرتا ہے، عرفات میں آتا ہے تو اسرار ومعارف سے واقف ہوتا ہے، جب مزدلفہ پہنچتا ہے تو اُس کی مرادیں پوری ہونی شروع ہوتی ہیں۔ اور جب طواف کرتا ہے تو دل اللہ کی طرف گردش کرنے لگتا ہے، جب صفا ومروہ میں سعی کے لئے جاتا ہے تو گویا بشری کدورت سے نکل کر ملکوتی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے، جب منیٰ آتا ہے تو اُس کے خیالات تمام خطروں اور وسوسوں سے پاک ہوجاتے

ہیں۔ جب قربانی کرتا ہے تو اپنے نفس کے دیو کو ہمیشہ کیلئے ذبح کر دیتا ہے۔ (ص ۱۶۳/۲)

جہاد حضرت اشرف جہانگیرؒ نے جہاد کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ جب کفا مسلمانوں کے مقابلہ میں خروج کریں تو اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

اور اگر کوئی جہاد سے معذور ہو تو وہ حج کرے۔ اور اگر حج بھی نہ کرسکے تو جمعہ کی نماز میں شرکت کرے، کیونکہ جمعہ کی نماز مسکینوں کا حج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے۔

ف : سبحان اللہ، کیسے حقائق و اسرار بیان فرمائے جو جملہ مسلمین خصوصاً سالکین راہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے تاکہ ان حقائق تک رسائی ہو۔ (مرتب)

اسلام کے ان ارکان کی پابندی کے ساتھ توکّل، تسلیم و رضا، جود و ایثار وغیرہ کی بھی تعلیم دی ہے۔

توکّل اگر سالک اُن چیزوں کو قبول کرتا ہے جو شریعت کی رو سے حرام ہیں تو وہ عاصی اور فاسق ہے۔ توکّل کی علامت یہ ہے کہ کسی چیز کے لئے کسی سے سوال نہ کیا جائے اور جب غیب سے فتوح آئے تو قبول کرے، اور جب قبول کرے تو اس کو اپنے پاس نہ رکھے۔

ایک سالک کا توکل یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ اللہ تعالےٰ ہی روزی دیتا، اور واپس لے لیتا ہے۔ لیکن وہ بہرحال روزی پہنچاتا ہے۔ اس لئے اُس کو یقین رکھنا چاہیئے کہ روزی اُس کے پاس پہنچے گی۔ لیکن اُس کا دل روزی کے عدم و وجود کو برابر سمجھے۔

تسلیم و رضا اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہو تو وہ خوش رہے، لیکن کوئی بلا نازل ہو تو اس سے غمگین نہ ہو، یہی تسلیم و رضا ہے۔ لیکن ہر حال

میں روزی کے لئے کسب کرنا لازم ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت اشرف جہانگیرؒ کے ملفوظات ملاحظہ ہوں:۔

"حضرت قدوۃ الکبریٰ نے فرمایا: اکثر مشائخ ہمیشہ کوئی پیشہ کرتے تھے اور دل و جان سے اُس کی طرف بڑھتے تھے۔ اگلے مشائخ و علماء بھی پیشے میں مشغول رہتے تھے اور اُن کو موجب عزت سمجھتے تھے ہندوستان میں پیشہ کرنا بدترین خصلت سمجھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے محتاجی اور فقیری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کسی نہ کسی پیشہ کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے پیشہ کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے۔ لوگوں نے کہا کہ جو لوگ توکّل کے آخری درجہ تک نہیں پہنچے ہیں، اگر وہ پیشہ میں مشغول رہیں تو اُن کے لئے جائز بلکہ لازم ہے۔"

جود و ایثار

کسبِ روزی کے ساتھ ضروری ہے کہ سالک میں سخاوت، جود اور ایثار ہو، وہ اپنے مال میں سے تھوڑا سا کسی کو دے دیتا ہو اور تھوڑا سا رکھ لیتا ہو، تو وہ سخی ہے۔ لیکن اگر کچھ بھی نہ رکھتا ہو، تو وہ جوّاد ہے۔ اور سب کچھ دے کر اپنے اوپر تکلیف اُٹھاتا ہو، تو وہ صاحبِ ایثار ہے۔

ف: سبحان اللہ، کیا خوب تعریف فرمائی۔ اللہ ہم سب کو صاحبِ ایثار بنائے۔ آمین (مرتب)

حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ایک سالک کو معاشرتی حیثیت سے بھی اعلیٰ قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کی تلقین کی ہے۔ مثلاً کھانے پینے کے آداب یہ بتلاتے ہیں:۔

کھانے پینے کے آداب

زندہ رہنے کیلئے کھانا فرض ہے۔ خداوند تعالیٰ کی عبادت اور کسب معاش کیلئے کھانا سنت

ہے۔ سیر ہو کر کھانا مباح ہے۔ لیکن سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے۔

ایک سالک کیلئے کھانے میں چار چیزیں فرض ہیں :۔

(۱) جو چیزیں کھاتا ہو وہ حلال ہوں۔ (۲) کھاتے وقت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ چیز خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (۳) راضی برضا ہو کر کھاتا ہو۔ (۴) کھانا عبادت و اطاعت کیلئے کھاتا ہو۔

اسی طرح اس کے لئے چار چیزیں سنت ہیں :۔

(۱) کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہے۔ (۲) کھانا ختم ہونے کے بعد اَلحمدُ لِلّٰہ کہے۔ (۳) کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ دھوئے (۴) کھانے کے وقت داہنا پاؤں اٹھاوے اور بایاں پاؤں گراوے۔

ف: ہاں اگر عذر ہو تو مجبوری ہے۔ (مرتب)

کھاتے وقت کھانا اس کے سامنے ہو، لقمہ چھوٹا ہو، اس کو خوب چباتا ہو، دوسروں کے لقمے نہ دیکھتا ہو، کوئی ٹکڑا گر جاتا ہو تو اسکو اٹھا کر کھالیتا ہو۔ انگلیاں چاٹ کر صاف کرتا ہو۔ کھانا سونگھ کر نہ کھاتا ہو۔ (بزم صوفیہ ص۵۵۶)

ف: سبحان اللہ، کھانے پینے کے شرعی آداب کی تعلیم دی جو آپ کے متبع سنت ہونے کی دلیل ہے۔ مگر افسوس کہ ہم معتقدین میں بھی سنتوں پر عمل کرنے کے جذبہ کا فقدان ہے۔ فیا حسرتاہ۔ (مرتب)

وفات وصال کی تاریخ صحیح نہیں بتائی جاسکتی۔ ہاں یہ واقعہ ہے کہ وہ حضرت خواجہ گیسو دراز سے بھی گلبرگہ میں ملے۔ حضرت خواجہ گیسو دراز کی وفات ۸۲۵ھ میں ہوئی۔ اس لحاظ سے وہ ۸۲۵ھ کے بعد تک بقید حیات رہے۔ انکی طویل سیاحت سے اندازہ ہوتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی ہوگی۔ تب ہی اتنے مختلف مقامات

کا سفر کر سکے تھے۔ مارچ ۱۹۶۶ء کے "معارف" میں ان کی تاریخ پیدائش اور وفات پر ایک مضمون نکلا تھا۔ مضمون نگار کا خیال ہے کہ اُن کی تاریخ پیدائش ۷۰۹ھ رہی ہوگی۔ وفات سے کچھ روز پہلے سُکر کا عالم طاری رہا، نماز کے وقت عالم صحو میں آتے۔ مرض الموت میں بھی رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ اُسی زمانہ میں ذکر کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔ (بزم صوفیہ ۵۳)

مورخ اسلام قاضی اطہر صاحب مبارکپوری نے "دیار پورب میں علم اور علماء" میں آپ کی تاریخ وفات ۸۰۸ھ درج کی ہے۔

آپ کے روضہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جو کوئی آسیب زدہ یہاں آکر کچھ دنوں قیام کرتا ہے تو اس کا آسیب جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ آج بھی وہاں مختلف گوشوں سے آکر آسیب زدوں کی بڑی تعداد مقیم رہتی ہے۔ (انتخاب از بزم صوفیہ)

ف: سبحان اللہ، آپ کے مزار کی یہ برکت ہے کہ اس کے پاس قیام سے آسیب جاتا رہتا ہے، تو اگر آپ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور انکو اپنایا جائے تو کیا اُس کی برکت سے ہماری نفسانیت وشیطنت دور نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ آج جتنی قدر ومنزلت ان بزرگانِ دین کے مزارات وکرامات کی ہے اتنی عقیدت ان کی ہدایات وتعلیمات کی نہیں، جس کی وجہ سے نفسانیت وبدعات کا دور دورہ ہے العیاذ باللہ تعالیٰ

اگر آج ہم مسلمان ان اکابر کی تعلیمات وہدایات پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت مبذول ہو، جس سے ہمیں دینی ودُنیوی ہر قسم کی عافیت نصیب ہو۔

وباللہ التوفیق۔ (مرتّب)

حضرت مخدوم شیخ سارنگ لکھنوی المتوفی ۸۳۲ھ

تعارف آپ شیخ قوام الدینؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ بڑے صاحب کرامت، بلند ہمت اور رفیع الشان تھے، ترک و تجرید میں آپ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ شیخ مینا ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ: آپ اہل ہنود کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ جب آپ کی بہن کا عقد نکاح سلطان محمد بن فیروز شاہ سے ہوا تو بادشاہ کے ہاں رہنے لگے۔ آپ کو ملک سارنگ کہتے تھے۔ آپ کا شمار بادشاہ کے ارکین دولت میں ہوتا تھا۔ جب مخدوم جہانیاںؒ اور شیخ راجو قتالؒ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے اسوقت ملک سارنگؒ ایک صاحب جمال نوجوان تھے، سلطان فیروز شاہ اکثر کھانا اور دیگر اشیاء ملک سارنگ کے ذریعہ حضرت مخدومؒ کی خدمت میں ارسال کرتا تھا۔ ایک دن شیخ راجو قتال نے کمال شفقت سے فرمایا کہ ملک سارنگ اگر تم پنجگانہ نماز پر قائم ہوجاؤ تو میں مخدوم جہانیاں کا پس خوردہ تمھیں دیا کروں چونکہ آپ کا وقت آچکا تھا لہذا یہ بات فوراً قبول کرلی اور پابند نماز ہوگئے۔ ایک دن پھر شیخ راجو نے آپ سے کہا کہ اگر نماز اشراق اور چاشت بھی پڑھو تو میں کھانا تمھارے ساتھ کھایا کروں، یہ بات بھی آپ نے قبول کرلی۔ ایک دفعہ آپ نے مخدوم جہانیاں اور شیخ راجو کے ساتھ مل کر کھانا کھایا، اس سے نور معرفت آپ کے دل میں سرایت کرگیا اور آپ کی حالت دگرگوں ہوگئی۔

بیعت و خلافت اور چند روز کے بعد شیخ قوام الدینؒ سے بیعت کرلی، ابھی آپ امراء کا لباس پہنتے تھے کہ شیخ نے آپ کو مشائخ چشت کے طریق پر شغل باطن تلقین فرمایا جو بہت مؤثر ثابت ہوا۔ اس کے بعد حرمین شریفین کیلئے ایک قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ کچھ دنوں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں رہنے کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور شیخ یوسفؒ کی خدمت میں رہکر مرتبہ کمال تک پہنچے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ کبھی اپنے پیر قوام الدینؒ کی خدمت میں لکھنؤ جاتے اور فیض حاصل کرتے۔ اس اثناء میں شیخ راجو قتال نے بھی مشائخ چشتیہ و سہروردیہ کا خلافت نامہ آپ کے گھر بھیج دیا۔

وفات آپ کی وفات ۸۳۲ھ میں ہوئی۔ منجگواں لکھنؤ میں مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہٗ (مرأۃ الاسرار ص۱۱۰)

حضرت شیخ القراء ابن الجزری صاحب حصن حصین المتوفی ۸۳۳ھ

نام ونسب محمد نام، ابوالخیر کنیت، شمس الدین لقب اور ابن الجزری عرف ہے۔ آپ کے والد اور دادا کا نام بھی محمد ہے۔

ولادت آپ کے والد ایک تاجر تھے۔ شادی ہوئے چالیس برس گزر گئے مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ حج پر جانا ہوا، مکہ معظمہ پہنچے، خانہ کعبہ کا طواف کیا، چاہِ زمزم پر تشریف لائے، زمزم پیا اور ہاتھ اُٹھا کر دعا کی، بارالٰہا! نیک اولاد عطا فرما! دل سے دعا نکلی، عرش تک پہنچی، فرشتوں نے استقبال کیا اور بارگاہِ الٰہی سے شرفِ قبول عطا ہوا۔ شب شنبہ مورخہ ۲۵ رمضان ۷۵۱ھ دمشق کے مشہور محلہ قصاعین میں ابن الجزری رحؒ کی ولادت ہوئی۔

حلیہ ابن الجزری رحؒ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کے خط وخال کی تفصیل نہیں لکھی، لیکن اِس امر کی سب نے تصریح کی ہے کہ آپ نہایت حسین اور بڑے جمیل وشکیل انسان تھے۔ تقی الدین احمد المقریزی المتوفی ۸۴۵ھ "العقود الفریدہ فی تراجم الاعیان المفیدہ" میں لکھتے ہیں:۔

"کان شکلاً حسناً فصیحاً بلیغاً (یعنی آپ نہایت جمیل وشکیل اور فصیح وبلیغ انسان تھے۔) حافظ ابن حجر "انباء الغمر فی ابناء العمر" میں رقمطراز ہیں:۔

"انہ کان ثریاً وشکلاً حسناً" (یعنی آپ بڑے دولتمند اور نہایت حسین وجمیل تھے۔)

تعلیم وتربیت آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں دمشق علوم وفنون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت دمشق ہی میں ہوئی۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، بارہ سال کی عمر میں پورا قرآن پاک حفظ کرلیا اور ہر سال تراویح میں سنایا۔

فقہ شافعیہ کی پانچ مشہور اور متداول کتابوں میں سے فقیہ ابواسحٰق ابراہیم الشیرازی (المتوفی ۴۷۶ھ) کی مشہور تالیف "التنبیہ" کو حفظ کیا۔

ف : اس کے بعد آپ کی تعلیم کی تفصیل مذکور ہے۔ اس کیلئے اصل کتاب یعنی "قول متین ترجمہ حصن حصین" کا مطالعہ کیا جائے۔ (مرتب)

درس وتدریس تحصیل علوم کے بعد اور علماء کے درس وتدریس، افتاء وتحدیث کی اجازت کے بعد آپ نے درس وتدریس کا شغل اختیار کیا۔ اسکی تفصیل مورخ سخاوی اس طرح لکھتے ہیں:۔

چند سال آپ نے دمشق کے اندر "جامع بنو امیہ" میں قبہ نسرین کے نیچے بیٹھ کر فن قرارت کی تعلیم دی۔ پھر دار العلوم عادلیہ کے شیخ القراء مقرر ہوئے اس کے بعد دار الحدیث اشرفیہ میں شیخ القراء رہے۔ پھر اپنے شیخ ابن السلار کی وفات کے بعد تربۃ ام الصالح کے شیخ القراء ہوگئے۔ یہاں آپ نے ائمہ فن کی موجودگی میں درس دیا۔ اور شیخ شہاب بن حجی (جیسے نامور علماء) نے اس امر کا اعتراف کیا کہ آپ کا درس نہایت شاندار ہوتا ہے۔ یہاں آپ نے ایک مدرسہ دار القرآن کے نام سے بھی کھولا تھا۔

خطابت انہی ایام میں الملک الظاہر سیف الدین برقوق (المتوفی ۸۰۱ھ) نے جو ایک متدین اور نیک نفس بادشاہ تھا، آپ کو جامع توبہ کا

خطیب مقرر کر دیا۔ ۷۹۵ھ میں الجامعۃ الصلاحیۃ (بیت المقدس) میں امور تعلیمی کے ناظم مقرر ہو گئے تھے۔

عہدۂ قضاء

امیر شاہ قطلبک استاد دار التمش نے ۷۹۷ھ میں مملکت شام کا عہدۂ قضاء آپ کو سپرد کیا۔ لیکن اوقاف کے حسابات درست نہ ہونے کے باعث امیر التمش ناراض ہو گیا۔ اور آپ پر ناروا سختی کی گئی، سارا مال و اسباب ضبط کر لیا گیا۔ ان کے مظالم سے تنگ آکر اسکندریہ سے سمندر کے راستہ روم پہنچے۔ اور روم کے پایۂ تخت بروصہ میں اُترے۔ شاہِ بروصہ ابو یزید بن عثمان سے ملاقات ہوئی۔

بروصہ میں قیام

یہ خود عالم اور اہلِ علم کا بڑا قدرداں تھا، آپ کا شہرہ پہلے سے سن چکا تھا۔ بڑی تعظیم اور تکریم سے پیش آیا، اور ازراہِ قدردانی اپنے پاس ٹھہرایا اور تازندگی بروصہ چھوڑنے نہ دیا۔

علم قرات اور حدیث کی اشاعت

اللہ تعالےٰ نے آپ کو جس فیاضی کے ساتھ علم کی دولت عطا فرمائی تھی اُسی فیاضی کے ساتھ آپ نے اس کو تقسیم کیا، یہاں بھی آپ نے فن قرات اور حدیث کا درس دیا۔ حاکم بروصہ ابو یزید بن عثمان نے قراتِ عشرہ کی تکمیل کی۔ آپ ہرات، یزد اور اصفہان ہوتے ہوئے رمضان المبارک ۸۰۸ھ میں شیراز پہنچے۔

شیراز کا عہدۂ قضاء

یہاں پیر محمد حاکم شیراز نے مملکتِ شیراز کے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر تقرر کر دیا، جسے آپ نے مجبوراً قبول کیا اور نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرائض منصبی کو انجام

دیتے رہے۔ یہاں بھی آپ نے حدیث اور قرارت کی تعلیم کے واسطے ایک مدرسہ کھولا، جس میں بعض نے سبعہ قراءتوں اور بعض نے عشرہ کی تکمیل کی اور سندلی۔ اور اہل شیراز نے آپ سے بڑا فیض حاصل کیا۔ مورخ سخاوی کا بیان ہے:۔

"ونشر بها ایضا القراءة والحدیث وانتفعوا به"

(یعنی شیراز میں بھی آپ کی ذات سے حدیث اور قراءتوں کی بڑی اشاعت ہوئی اور اہل شیراز کو آپ سے بڑا فیض پہنچا۔)

درس و تدریس کا یہ سلسلہ ۸۲۲ھ تک برابر قائم رہا۔ یہاں آپ نے اپنے فضل و کمال کی وجہ سے امام اعظم کے لقب سے شہرت پائی۔ کسی وجہ سے حاکم وقت کی نگاہیں بدل گئیں، تو آپ حج کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔

فضل و کمال

ابن الجزری رح بسہ واسطہ امام شاطبی رح کے شاگرد اور نہایت عالی اسناد کے حامل تھے۔ آپ کا خاص اور امتیازی فن قرارت تھا اور اس فن کے آپ امام تھے۔ مورخ سخاوی کا بیان ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے "ابناء الغمر" میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"الحافظ الامام المقری انه لهج بطلب الحدیث والقراءات وبرز فی القراءات انتهت الیه ریاسة علم القراءات فی الممالك"۔

(یعنی حافظ اور امام قرارت تھے، آپ کی حدیث اور قراءتوں کی تحصیل کیطرف رغبت ہوئی، آپ قراءتوں کے فن میں مشہور ہوگئے۔ بلاد اسلامیہ میں علم قرارت کی ریاست آپ پر ختم ہوگئی۔

اخلاق و عادات

آپ بڑے ملنسار، شیریں گفتار اور خدا ترس بزرگ تھے۔ جب بات کرتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ ہر ہر جملہ سے

فصاحت وبلاغت ٹپکتی تھی، مزاج میں تواضع اور انکسار تھا، لوگوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دولت بھی خوب دی تھی، اہل حجاز کے ساتھ خصوصیت سے بہت احسان کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ "انباء الغمر" میں لکھتے ہیں:-

"کثیر الاحسان لاھل الحجاز" (اہل حجاز کے ساتھ دل کھول کر احسان کرتے تھے۔)

آپ گفتگو میں ہر شخص کے مرتبہ کا خیال رکھتے اور اس کی فہم کے مطابق اس سے گفتگو کرتے تھے۔ بسا اوقات علماء اور فقہاء کے سامنے بھی ایسی باتیں بیان کرنے سے گریز کرتے جنہیں آپ انکی فہم وادراک سے بالاتر سمجھتے تھے۔

تالیفات تصنیف وتالیف میں بھی آپ کو کافی رغبت تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے شبانہ روز کے مشاغل واوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ (۱) قرارت کی تعلیم اور درس حدیث (۲) تصنیف وتالیف (۳) عبادت۔ چنانچہ آپ نے تجوید وقراءت میں انیس [۱۹] کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں سے ایک اہم کتاب "المقدمۃ الجزریۃ" منظوم رسالہ ہے جو ایک سو بیس بیتوں پر مشتمل ہے۔ جو اس وقت مدارس میں زیر نصاب ہے۔ اسی طرح تفسیر وحدیث میں بھی آپ کی متعدد کتابیں ہیں۔ اس میں ایک اہم تصنیف "الحِصْنُ الحَصِینُ مِن کلامِ سَیِّدِ المُرسَلین" صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے معنی ہیں "سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے انتخاب کیا ہوا مضبوط قلعہ"۔

وفات ابن الجزری رحؒ نے کم و بیش پچپن ۵۵ سال تک متواتر قرآن وحدیث کی خدمت کرکے بیاسی (۸۲) سال کی عمر میں جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل ۵ ربیع الاول ۸۳۳ھ میں (جو میرزا شاہ رُخ کا عہد تھا) شیراز کے اندر اپنی قیامگاہ محلہ اسکافیین (موچی محلہ) میں انتقال فرمایا اور اپنے مدرسہ دارالقرآن میں سپرد خاک ہوئے۔ سقی اللّٰہ ثراہ وجعل الجنۃ منزلہ ومثواہ۔ آمین!

"غایۃ النہایۃ" میں آپ کے جنازہ کی کیفیت آپ کے ایک تلمیذ کی زبانی اس طرح مرقوم ہے کہ:-

جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو اتنا ہجوم تھا کہ اعیان مملکت، عوام وخواص جنازہ کو کندھا دینے، چھونے اور بوسہ دینے میں ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ جن کو جنازہ تک پہنچنا ممکن نہ تھا وہ ان لوگوں کو ہاتھ لگا کر برکت حاصل کرتے تھے۔ (قول متین ترجمہ حصن حصین ص۵۴

مترجم: مولانا عبدالعلیم صاحب ندوی)

قطبِ کوکن حضرت فقیہؒ مخدوم علی مہائمیؒ المتوفی ۸۳۵ھ[۱]

ولادت باسعادت سرزمین ماہم میں دسویں محرم الحرام ۷۷۶ھ کو خاندانِ نوایت کے معزز گھرانے میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کا مولد عروس البلاد ممبئی کا پُررونق اور آباد محلہ ہے جو ماہم کے نام سے مشہور ہے۔

نام ونسب آپ کا اسم مبارک علاء الدین اور علی دونوں ہی ہے، کنیت ابوالحسن اور لقب زین الدین ہے۔ خاندانِ نوایت کے قبیلہ پرّو سے تعلق رکھتے ہیں۔

علم فقہ میں مجتہدانہ بصیرت کی بنا پر فقیہ اور مرجع خلائق ہونے کی وجہ سے مخدوم کے لقب سے پکارے گئے۔ آپ کے والد محترم کا نام نامی مولانا شیخ احمد ہے جو بہت بڑے عالم اور ولیٔ کامل تھے اور کوکن کے دولتمند تاجروں میں ان کا شمار تھا، چنانچہ آپ نے خود اپنے ہونہار لختِ جگر کی تعلیم وتربیت میں غیر معمولی توجہ سے کام لیا۔ آپ کی تعلیم وتربیت نے جلد ہی بیٹے کو عالم بنایا

۱؎ آپ کی سوانح "مخدوم علی مہائمیؒ حیات، آثار وافکار" کے نام سے مولانا عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی نے مفصل تحریر فرمایا ہے جو ماشاء اللہ بہت ہی مرتّب ومحقّق ہے۔ عزیزم مولانا فضل محمود صاحب ممبئی والے کے بدست موصول ہوئی۔ اسی مذکورہ سوانح سے ضروری اقتباسات مختصراً درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ مزید علیٰحدہ رسالہ کی شکل میں قدرے اضافہ کے ساتھ بھی طبع کرا دیا گیا ہے۔ تاکہ حضرت مخدومؒ کے متعلق اہل ہند خصوصاً اہل ممبئی کیلئے بصیرت ومعرفت کا سبب بلکہ موجبِ محبت وعقیدت ہو۔ اور عجب نہیں کہ ہماری زندگی میں علمی ودینی انقلاب آجائے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

خداداد صلاحیت، ذہانت اور جدّتِ طبع نے تھوڑے سے عرصہ میں آپ کو فقہ، منطق، فلسفہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ علوم کی تحصیل سے فارغ کر دیا۔ والدہ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہ بھی ولیہ کاملہ تھیں۔ اس لئے ان دونوں کی خاص توجہ اور تعلیم و تربیت سے علمی و عملی کمالات تک پہنچے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

عادات و خصائل

زندگی کا حقیقی جوہر حسنِ سیرت ہے۔ دونوں جہان میں حقیقی کامیابی کیلئے سب سے زیادہ ضروری اور اہم سیرت کی استواری ہے۔ پاکیزہ سیرت ہی نے اکابر کی یاد کو دوام اور ان کے ذکر کو رفعت بخشی ہے۔

رسالہ ضمیر الاسلام کے مصنف سید ابراہیم مدنی لکھتے ہیں کہ:

"حضرت مخدوم صاحبؒ بچپن ہی سے نہایت باادب، فرماں بردار اور والدین کے خدمت گزار تھے۔ اتفاق سے ایک رات آپ کی والدہ ماجدہ عشاء کی نماز کے بعد بستر پر لیٹی تھیں پیاس لگی تو آپ نے اپنے صاحبزادے مخدوم علی سے پانی مانگا، آپ پانی لے کر آئے تو دیکھا کہ والدہ صاحبہ کی آنکھ لگ گئی ہے نیند سے اٹھانا سوءِ ادب جان کر پانی کا کٹورا لئے تمام رات کھڑے رہے یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی۔ جب والدہ کی آنکھ کھلی تو پوچھا، بیٹا! کب سے پانی لئے کھڑے ہو؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا، اماں جان! آپ نے سونے کے وقت پانی طلب فرمایا تھا اُسی وقت سے آپ کے بیدار ہونے کے انتظار میں کھڑا ہوں۔ والدہ صاحبہ کو اپنے بیٹے کی یہ سعادت مندانہ ادا اتنی پسند آئی کہ دل باغ باغ ہو گیا، فوراً بستر سے اٹھیں وضو کیا

بارگاہِ ربّ العزت میں اپنے بیٹے کے لئے دعائے خیر کی۔ ماں کی دعاؤں کا اثر تھا کہ مخدوم صاحب علوم ظاہری و باطنی دونوں میں درجۂ کمال کو پہنچے، اور بہت جلد مرتبۂ ولایت پر فائز ہو گئے۔

ف: مگر افسوس کہ ماں باپ کی فرمانبرداری وخدمت گزاری کے واقعات تو بہت کم سننے میں آتے ہیں، البتہ اسکے برعکس ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی و نافرمانی کے واقعات اکثر سننے اور اخبارات میں پڑھنے کو مل جاتے ہیں جسکی وجہ سے اولاد عموماً ماں باپ کی نیک دعاؤں سے محروم رہتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ علم ہے نہ عمل، بزرگی ہے نہ ولایت۔ بلکہ دریں زمانہ مسلمان ہی رہ جائیں تو غنیمت ہے۔ (مرتب)

مخدوم صاحبؒ کے اخلاق کریمانہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ بیحد فیاض اور کشادہ دست تھے، حاجتمندوں کی دل کھولکر مدد فرماتے تھے، آپ کے دولتکدہ پر ہمیشہ مہمانوں کا ہجوم رہتا تھا، آپ کے دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے تھے اور آپ مہمانوں کو کھلاکر خوش ہوتے تھے۔

عبادت وریاضت

صاحب "برکات الاولیاء" لکھتے ہیں:۔ آپ بڑے زاہد، عابد، جامع علوم شریعت وطریقت اور صاحبِ تصرفات ظاہری و باطنی تھے۔

عجیب وغریب واقعہ

مشہور صوفی شیخ عبدالوہاب متقی شاذلی قادریؒ اپنی کتاب "حبل المتین فی تقویۃ الیقین" میں حضرت مخدوم صاحبؒ کا ایک عجیب وغریب واقعہ فارسی زبان میں نقل کرتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

صاحب تفسیر رحمانی حضرت شیخ علی مہائمیؒ پر مراقبہ واستغراق کی کیفیت غالب تھی، بادشاہِ وقت کی بہن آپ کے نکاح میں تھیں۔ ایک دن بادشاہ کی بیگمات بادشاہ کی بہن سے ملنے کی غرض سے شیخ کے مکان پر آئیں، شیخ اُس وقت دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بیگمات کو اندر آنے میں تردد ہوا، شیخ کی والدہ موجود تھیں، اُنھوں نے کہا، کیوں توقف کر رہی ہو چلی آؤ، آخر رکاوٹ کیا ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ ہم کیسے آئیں، شیخ چوکھٹ پر تشریف فرما ہیں، ہمیں دیکھ لیں گے۔ شیخ کی والدہ نے فرمایا، وہ تو بیخبری کے عالم میں ہے، اُسے نہ تو تمھارا ہوش ہے اور نہ دنیا ومافیہا کا، یہ سننا تھا کہ شاہی بیگمات اندر داخل ہو گئیں۔ اور پھر شیخ کی والدہ سے اس کا ثبوت مانگا۔ شیخ کی والدہ شیخ کے پاس آئیں اور ان سے کہا، بیٹا علی! اِس تہبند سے پردہ پوشی کر لو اور اپنے کپڑے دھونے کیلئے دیدو! شیخ اُسوقت صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے، فوراً ہی اپنے کپڑے اُتار دیئے اور اُس تہبند کو پہن لیا اور پھر بیٹھ گئے۔ ایک گھنٹہ کے بعد اُن کی والدہ دوسرے میلے کپڑے لیکر آئیں اور اُن سے کہا کہ اے بیٹے! اپنے کپڑے پہن لو۔ شیخ نے وہی میلے کچیلے کپڑے پہن لئے۔ اُنھیں اسکی بالکل خبر نہ تھی کہ کس کو پہنوں اور کس کو اُتار دوں۔

"حبل المتین" کی اِس عبارت سے جہاں حضرت مخدوم صاحبؒ کے استغراق ومحویت اور یادِ الٰہی میں انہماک پر روشنی پڑتی ہے، وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بادشاہِ وقت کے ساتھ اُن کا رشتہ داری کا بھی تعلق تھا۔ آپ نے ترک وتجرد کی زندگی نہیں گزاری بلکہ رشتۂ ازدواج سے بھی منسلک رہے۔

ظاہر ہے کہ اُسوقت کا بادشاہ سلطان احمد شاہ والیٔ گجرات تھا جو مظفر شاہ اول کا پوتا اور تاتار خاں کا بیٹا تھا۔ تاتار خاں نے اپنے باپ کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ سلطان احمد شاہ بڑا اولوالعزم بادشاہ تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے نام پر احمد آباد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کے دور حکمرانی کا سب سے بڑا کارنامہ اس کے ضوابط و قوانین تھے جو اُس نے وزراء صلحاء اور اہل الرائے کے مشورے سے مقرر کئے۔ اس نے ۸۱۴ھ سے ۸۴۳ھ تک بڑی شاندار حکومت کی۔ مخدوم صاحبؒ کے شباب کا زمانہ میں اسکی حکومت کے عروج کا زمانہ تھا۔ اُسوقت تھانہ اور ماہم حکومت گجرات ہی کے ماتحت تھے

مولانا ابوظفر ندوی "گجرات کی تمدنی تاریخ" میں لکھتے ہیں :۔

"احمد شاہ اوّل نے اپنے عہد میں احمد آباد، احمد نگر، بالاسور، سلطانپور، دوحد، سنکھیڑا، مہائم وغیرہ میں قلعوں کے علاوہ محلات بھی تعمیر کرائے، جن میں سے بعض آج بھی موجود ہیں۔

منصبِ قضا

بمبئی گزیٹیر میں لکھا ہے کہ :۔

صوفی مخدوم علی فقیہ جوانی کے کئی سال سفر اور مطالعہ میں گزارنے کے بعد ماہم کے مسلمانوں کے قاضی مقرر ہوئے۔

اس بات کو شیخ محمد اکرام نے اپنی "آپ کوثر" میں بھی لکھا ہے :۔

چونکہ شاہانِ گجرات بڑے دیندار اور علم دوست تھے، اس لئے انھوں نے اپنی قلمرو میں اسلامی قوانین کو رواج دیا۔ ان کے یہاں مقدمات کے فیصلے شریعتِ اسلامی کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ اُس وقت قاضی کا عہدہ بڑا معزز خیال کیا جاتا تھا اور اُس پر جیّد اور خدا ترس عالموں کا تقرر ہوا کرتا

تھا، ممکن ہے کہ مخدوم صاحبؒ کی اعلیٰ قابلیت، دیانت وتقویٰ اور فقیہانہ و مجتہدانہ بصیرت کو دیکھ کر یہ منصب تفویض کیا گیا ہو۔

درس وتدریس

ہندوستان میں جب اسلام کا قدم آیا تو اسی کے ساتھ بہت ساری علم وعمل کی دولتیں بھی اس کے حصہ میں آئیں اور یہاں کے بسنے والے انسانوں کو جسم کی توانائی کے ساتھ عقل وشعور کی تابندگی بھی ملی، اسلامی تعلیمات کے مدارس ومراکز بھی قائم ہوئے۔ گجرات کے مختلف علاقوں میں علومِ اسلامی کی ترویج مدرسوں کے ذریعہ ہوئی، اساتذہ خالصاً للہ درس دیتے اور ان کے گرد وپیش شاگردوں کا حلقہ بن جاتا تھا۔ حضرت مخدوم علی مہائمیؒ علوم معقول میں جو تبحر اور دستگاہ کامل رکھتے تھے اس کی بنا پر طالبان علوم کی اچھی خاصی تعداد آپ سے فیضیاب ہوئی ہوگی، مگر اب نہ اُس حلقۂ درس کی کیفیات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اُن اساتذہ ہی کا پتہ چلتا ہے جنھوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ پھر بھی صاحب "برکات الاولیاء" لکھتے ہیں کہ:-

"چنانچہ مہائم میں مدرسہ تھا وہاں طلبہ کو آپ درس علوم ظاہری و باطنی دیا کرتے اور اکثر اوقات تصانیف میں گزارتے تھے"۔

انھوں نے اپنی دوسری کتاب "تاریخ الاولیاء" میں مخدوم صاحبؒ کے ایک شاگرد شیخ محمد سعید کوکنی رتناگیری کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:-

"آپ شاگرد رشید مولانا فقیہ علی مخدوم مہائمی کے ہیں، آپ کے علم حقائق و تصوف میں کئی رسائل عربی زبان میں موجود ہیں۔ اور ضلع کوکن میں یہ دو شخص مثل آفتاب و ماہتاب کے ہوئے ہیں، جن کے وجود ذی جود

سے سینکڑوں گمراہوں نے فیض پایا اور چراغ علم ظاہری اور باطنی کا اس ملک کوکن میں آپ سے روشن ہوا۔ سن وفات معلوم نہیں، قبر آپ کی رتناگیری میں ہے۔"

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی اپنی کتاب "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان" میں لکھتے ہیں :۔

"شیخ علی مہائمی باریک بیں علماء اور اصحاب ذوق و عرفان میں سے تھے، توحید وجودی کا اثبات کرنے والے اور شیخ ابن عربی کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔

حضرت مخدوم مہائمی کا رُوحانی مرتبہ۔ شاہ ولی اللہ کی نظر میں

حضرت مخدوم علی مہائمیؒ روحانیت کے اعتبار سے کس اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اِس کا اندازہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس تحریر سے ہوتا ہے جو انھوں نے "نور نبوت کے طبقات" کے عنوان سے اپنی کتاب "الخیر الکثیر" میں درج کیا ہے۔ اِس تحریر میں شاہ صاحبؒ مخدوم صاحبؒ کو اکابر اولیاء اللہ کے زمرہ میں جگہ دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :۔

"ہمارے نزدیک نبوت کے چار مختلف طبقے ہیں :۔

پہلا طبقہ تو وہ جو باعتبار اپنی فطرت کے حکم لئے امت کے حصہ میں آیا ہے یعنی تمثلات عین ثابتہ کے ماتحت مقہور ہو گئے ان کے علم و عبادات سب خیر محض ہیں۔

دوسرا یہ کہ نفس پر ناطقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ چڑھ

جائے کیونکہ تم جان چکے ہو کہ جسے معرفت میں کمال حاصل ہو جاتا ہے تو اُس میں فطری یا اکتسابی طور پر یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ تمام مخلوق کو اپنی ہدایت میں شامل سمجھتا ہے۔ اب جو بھی تام المعرفت ہوگا اُس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے انوار نمایاں ہوں گے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رح جن کا علم سب اولیا کرام سے وسیع ہے اسی قسم میں داخل ہیں۔

تیسرا یہ کہ کسی کو سنن اور طاعات شرعیہ کی پابندی نے اس رنگ میں رنگ دیا ہو، کیونکہ تم جانتے ہو کہ فرائض میں فطری طور پر انسلاخ ہوتا ہے اور سنن کو تحقق حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک عبد معصوم جو سب سے زیادہ اس مقام کا مستحق ہے ایک جزئی کو عمل میں لایا اور اس کی پابندی فرمائی تو اس کا کلی بھی اسی رنگ میں رنگا گیا۔ چنانچہ اصحاب طریقت میں سے حضرت عبد القادر جیلانی رح، شیخ سہروردی رح، شیخ نجم الدین کبری رح شیخ بہاؤ الحق والدین رح، بلکہ شیخ ھروی رح، مخدوم علی مہائمی رح اور مولانا جامی رح اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

(الخیر الکثیر ص ۱۸۴ مخدوم علی مہائمی رح ص ۶۰)

کشف و کرامات کی حقیقت

جن بزرگوں نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زندگی کو نمونہ بنا کر چلنا شروع کیا، کچھ دنوں کے بعد ان کی محبوبیت کا تجربہ شروع ہو جاتا ہے جس کا وعدہ قرآن مجید میں ہر اُس شخص کے ساتھ کیا گیا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ ڈھنگ، چال ڈھال، طور و طریق، ہدی و سنت کو اختیار کرتا ہے۔

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱)

کہہ دو اگر اللہ کو تم چاہتے ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ تمکو چاہنے لگے گا۔

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کا اپنے محبوب بندوں کی مرضی اور خواہش کو پورا کرنا اُنکی محبوبیت کے اظہار کی ایک شکل ہوتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ جو بہت سے مسائل میں صوفیہ سے اختلاف رکھتے ہیں وہ بھی لکھتے ہیں :۔

کرامات الصالحین تدل علی صحة الدین الذی جاء به الرسول۔ (کتاب النبوات ص۵)

صالحین کی کرامتیں بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کو لے کر آئے ہیں وہ صحیح اور سچا دین ہے۔

اولیاء اللہ کی کرامت کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ ان کی خواہش اور مرضی کو اللہ تعالےٰ پوری فرما دیتے ہیں۔ صالحین کی کرامتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ؛ پیغمبروں سے جس قسم کے معجزے صادر ہوتے ہیں اُسی نوعیت کی کرامتیں اولیاء اللہ سے بھی صادر ہوسکتی ہیں۔ اس لئے کہ جیسے ولایت ظل ہے نبوت کی ویسے ہی کرامت فرع ہے معجزہ کی۔

کما صارت النار برداً وسلاماً علی ابی مسلم الخولانی کما صارت علی ابراهیم

جیسے آگ حضرت ابومسلم خولانیؒ کیلئے سرد اور سلامتی کا ذریعہ بن گئی، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی صورت

وکما یکثر الطعام والشراب لکثیر من الصالحین کما جری فی بعض المواطن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم او احیی اللہ میتا لبعض الصالحین کما احیاہ للانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

اور اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے نیک بندوں کیلئے اُنکی کرامت کے طور پر خورد و نوش کی چیزوں کو بڑھا دیتا ہے، جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعض موقعوں پر یہ صورت پیش آئی۔ یا بعض نیک بندوں کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے مردے کو زندگی عطا کی جیساکہ حضرات انبیاء کے معجزے کے طور پر اللہ نے مردوں کو زندہ فرمایا۔

چنانچہ حضرت مخدوم علی مہائمی رحؒ اکابر اولیاء میں سے تھے، آپ سے بھی بیشمار کرامتوں کا ظہور رہا۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے "کراماتِ مخدوم" کے نام سے کتابیں بھی لکھی ہیں، مگر ان میں سے بیشتر سماعی ہیں اور اسناد کے اعتبار سے انکی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ مشکل ہے، اس لئے ہم صرف آپ کی اُن کرامتوں کو پیش کرتے ہیں جسے رسالہ "ضمیر الانسان" کے مصنف مولانا سید ابراہیم مدنی نے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے:۔

ف: ہم بغرض اختصار ان میں سے ان کی دو کرامتوں کو یہاں درج کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت شیخ کے فیوض و برکات و کرامات سے متمتع فرمائے۔ آمین!

آپ کی دو کرامتیں

(۱) روایت ہے کہ مہائم سے ایک ہندو تاجر کا جہاز سامانِ تجارت لے کر کسی بندرگاہ کے لئے روانہ ہوا تھا۔ سات سال گزر گئے نہ جہاز

واپس آیا اور نہ اس کا کچھ پتہ چلا، تاجر نے بڑے بڑے پنڈتوں اور نجومیوں سے دریافت کیا، لیکن سب نے یہی جواب دیا کہ وہ ڈوب گیا۔

اثنائے گفتگو میں ایک دن تاجر نے اپنے ایک مسلمان دوست سے جہاز کے لاپتہ ہونے کا ذکر کیا۔ اُس مسلمان دوست نے کہا کہ ہر قسم کی کوششیں تم کر چکے، اب ذرا حضرت مخدوم صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر عرض حال کر دیکھو، ممکن ہے صحیح صورت حال معلوم ہو جائے چنانچہ وہ تاجر مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا، گھبرانے کی بات نہیں، جاؤ انشاء اللہ تمھارا جہاز واپس آجائے گا، مخدوم صاحبؒ کے امید افزا کلمات سُن کر تاجر کی مسرت کا ٹھکانہ نہ رہا، اور اس کی مایوسی امید سے بدل گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ اس خدارسیدہ بزرگ کی بات غلط نہیں ہو سکتی، اور اس کا گم شدہ جہاز ضرور واپس آجائے گا۔ چنانچہ اُس کے انتظار میں سمندر کے کنارے اس کی ہر موج میں اپنے جہاز کا نقشہ دیکھنے لگا۔

یہاں تک کہ دور سمندر میں اس کا جہاز آتے ہوئے دکھائی دیا اور آتے آتے کنارے پر آلگا۔ جہاز اور سامان کو صحیح سلامت دیکھ کر مخدوم صاحب کی بزرگی کا قائل ہوا۔ اور اُسی وقت بیوی بچوں سمیت آپ کی خدمت میں آکر مشرف باسلام ہوا۔

(۲) روایت ہے کہ آپ کے یہاں ایک کنیزک صالحہ تھی، ہمیشہ آپ کے اور آپ کی والدہ محترمہ کے کپڑے دھوتی اور پہلے وقت کا پانی طشت میں جمع کر کے پی جاتی۔ آپ کے فیوض و برکات اور باطنی توجہ سے بڑے

مدارج حاصل کئے، اس کو کشف و کرامات طی الارض کی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ایک روز ایک مسافر فقیر روشن ضمیر حضرت قطب الوقت فقیہ علی مخدوم مہائمی کی ملاقات کو مہائم میں تشریف لائے۔ اور مسجد میں آپ سے ملاقات کی۔ آپ فقیر کے لئے کھانا لانے گھر گئے، جب گھر میں آئے تو والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تم میرے ہمراہ کھانا کھاؤ۔ آپ نے کہا ایک مسافر مسجد میں بیٹھا ہے، پہلے اُس کو کھانا بھجوا دوں، بعد میں کھانا کھاؤں گا، تب آپ نے کنیزک کے ہاتھ کھانا بھجوا دیا، اور فرمایا، اِس لباس و شکل کا فقیر مسجد میں بیٹھا ہوا ہے، اُس کو جا کر یہ کھانا دیدے۔ کنیزک جب مسجد میں آئی تو دیکھا وہ فقیر نہیں ہے۔ مشرق و مغرب کی طرف دور دور نظر دوڑائی تو اسکی نگاہوں نے دیکھا کہ فقیر تو خانۂ کعبہ میں بیٹھا ہوا ہے، چنانچہ اسی قدم پر حرم شریف میں پہنچی اور فقیر مذکور سے کہا کہ میرے آقا نے آپ کے واسطے یہ کھانا بھیجا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ فقیر کی صورت میں خواجہ خضر علیہ السلام تھے

اعمال واشغال

حضرت مخدوم علی مہائمی رح کے اعمال واشغال کے متعلق کسی کتاب میں تصریح نہیں ملتی۔ لیکن انکی تحریروں میں شرح سید الاستغفار ملتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا آپ کی مخصوص دعاؤں میں رہی ہے۔

استغفار کے معنی ہیں، معافی مانگنا، بخشش چاہنا۔ انسان کو اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کا احساس ہونا اور اس پر اظہار ندامت بھی ہو تو وہ نہایت سچے دل سے اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ بندے

کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ استغفار نزول رحمت کا سبب اور مال و اولاد میں ترقی کا موجب بنتا ہے۔ اس لئے ہم دعائے سیدالاستغفار یہاں درج کرتے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ وَاَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔	الٰہی! آپ ہی میرے پروردگار ہیں آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ہی نے مجھے پیدا کیا اور میں آپ کا بندہ ہوں، میں حتی الوسع آپ کے عہد و پیمان پر قائم رہونگا میں اپنی بدکرداریوں سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں اور آپ کے مجھ پر جو احسانات ہیں ان کا اعتراف کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں آپ مجھے بخش دیجئے۔ کیونکہ گناہوں کو آپ کے سوا کوئی نہیں بخشے گا۔

مخدوم علی مہائمیؒ کی تفسیر میں امتیازی شان

حضرت مخدوم علی مہائمیؒ بھی ان ہی بزرگوں میں سے ہیں جن کے حصہ میں قرآن میں نظم و ترتیب کے بعض حصوں سے پردہ اُٹھانے کی سعادت آئی اور اس سلسلہ میں انھوں نے جس ذہانت و متانت سے کام لے کر ایک آیت سے دوسری آیت کا ربط بتایا ہے اور تمام قرآنی مضامین کو باہم مربوط کیا ہے، یہ ان کا شایان شان اور امتیازی کارنامہ ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہندوستان میں قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کی ابتدا، مخدوم علی مہائمی رح کے دور سے شروع ہوئی۔ آپ کے معاصرین میں شیخ محمد بن احمد گجراتی نے ۸۲۰ھ میں "کاشف الحقائق وقاموس الدقائق" کے نام سے اور حضرت خواجہ گیسو دراز (المتوفی ۸۲۵ھ) نے "درملتقط" کے نام سے تفسیریں لکھیں۔ پہلی تفسیر کا مکمل نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں اور دوسری تفسیر کا ایک حصہ لکھنؤ میں کتب خانہ ناصریہ میں ہے، اور بعض اجزاء انڈیا آفس لائبریری میں بھی موجود ہے۔

مخدوم علی مہائمی رح کی تفسیر کا اصل نام "تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان بعض مایشیر الی اعجاز القرآن" ہے۔ لیکن مشہور ہے "تفسیر رحمانی اور تفسیر مہائمی کے نام سے، اور کہنا چاہیے کہ یہ تفسیر قرآن آپ کا سب سے بڑا تصنیفی شاہکار ہے۔

یہ تفسیر دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ سنہ تصنیف ۸۳۱ھ ہے۔ اور اس پر تقریظیں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح، مولانا محمد حسین دہلوی رح اور مصری فاضل محمد البیسونی البیبانی کے قلم سے ہے۔ سنہ طباعت ۱۲۹۵ھ ہے۔

ف: اب اس کے بعد اسکی سند میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے بڑے علماء اعلام نے اس پر تقریظیں لکھی ہیں۔ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رح کو بھی یہ تفسیر بہت پسند تھی، مگر آپ کے کتب خانہ میں موجود نہ تھی، عاریۃً لیکر اس کا مطالعہ فرمایا اور پسند فرمایا۔ الحمد للہ اس حقیر نے پوری تفسیر حاصل کرلی ہے۔ (مرتب)

تفسیری مسلک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے:۔
مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ یعنی جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی تو اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لینا چاہیے۔

اِس حدیث کی رو سے تفسیر لکھنے کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے اور مفسر کو سوچنا پڑتا ہے کہ وہ قرآن کے معانی بیان کرتے وقت احتیاط سے کام لے۔ اِس حدیث کی رو سے مفسرین کا ایک گروہ احادیث وآثار، اقوال صحابہؓ وتابعینؒ اور سلف صالحین سے منقول تفسیروں سے ہٹ کر اپنی فہم وخرد سے کام لینا گناہِ عظیم سمجھتا ہے۔ قرآن کی عقلی اور حکیمانہ توجیہات کو تفسیر بالرائے قرار دیتا ہے۔

حضرت مخدوم علی مہائمیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن میں تدبّر وتفکر کی دعوت دی گئی ہے اور احادیث وآثار کا جو حصہ تفسیر کے سلسلہ میں نقل کیا گیا ہے وہ پورے قرآن سے متعلق نہیں ہے بلکہ صرف بعض حصوں کے متعلق ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے گنجائش ہے کہ بقیہ حصہ کے بارے میں مزید غور وتعمق سے کام لیں، استخراج معانی کریں، سیاق وسباق سے آیات کے مفہوم کو متعین کریں، قرآن میں جملہ دینی علوم موجود ہیں، بعض صراحت کے ساتھ اور بعض اجمالی طور پر اور بہت سے ایسے امور ہیں جو تفسیر ماثور سے بالکل ماوراء ہیں۔ اِس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

مَنْ اَرَادَ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فَلْيَتَدَبَّرِ	جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اولین وآخرین کا علم حاصل کرے اسے چاہئے کہ

القرآن	قرآن میں تدبر کرے۔

اور ظاہر ہے کہ تدبّر فی القرآن صرف ظاہری الفاظ پر اقتفار کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا، اس کے لئے اشارات و مقاصد کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اُن کے نزدیک ایک مفسر کے لئے حقائق کی بصیرت لازمی ہے، غور و فکر اور تدبر کے بعد اس پر قرآنی مطالب واضح ہوتے جائیں گے۔ حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں:۔

لا یفقہ الرجل	کوئی شخص صحیح معنوں میں فقیہ نہیں
حتی یجعل للقرآن	بن سکتا جب تک کہ وہ قرآنی الفاظ کے
وجوھاً۔	مختلف استعمالات کا علم نہ حاصل کرلے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دعا دی کہ:۔

اللھم فقھہ فی الدین	اے اللہ! ابن عباس کو دین کی
وعلمہ التاویل۔	سمجھ اور تاویل کی فہم عطا فرما۔

ظاہر ہے تاویل سے مراد قرآن کی تفسیر ہی ہے اور اس کی عبارت و غایت کے اشاروں کو سمجھنا ہے۔ تفسیر بالرائے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے تو دراصل اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جو ہوا و ہوس پر مبنی ہو اور کھینچ تان کر معنی پہنائے گئے ہوں۔ حضرت مہائمیؒ کے نزدیک ایسی تفسیر مذموم ہے جس میں اپنی رائے کو معیار بنانے کی کوشش کی جائے، اور محض اپنی رائے اور نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لئے من مانی تفسیر کی جائے۔ اُن کے نزدیک ظاہری قرآن سے جو معنی متبادر ہوتے ہیں اسے چھوڑ دینا صحیح نہیں، بلکہ محمود طریقہ یہ ہے کہ اپنی رائے کو ہدایت قرآنی کے تابع بنایا جائے۔

ان کے نزدیک تفسیر قرآن کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی وماثور ہے اس پر اعتماد کرنا ضروری ہے، لیکن منقولات ودلالات لغویہ کے پہلو بہ پہلو عقل وفہم کو بھی کام میں لانا چاہیئے، تاکہ قرآن کے دوررس، وسیع اور گہرے معانی کا استخراج کیا جاسکے اور کوئی نفسی حقائق کی گہرائیوں میں ڈوب کر گوہر مراد حاصل کیا جاسکے۔ شاید یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی روایت میں بیان کی گئی ہے

ان للقرآن ظاھرا و باطنا وحدا ومطلعا — یعنی قرآن کے ظاہری معنی بھی ہیں اور علمی نکتے بھی، حلال وحرام کے مسائل بھی ہیں اور وعدہ و وعید بھی۔

ان باطنی حقائق کو ایک دقیقہ رس عالم ہی اپنی بصیرت کی روشنی میں سمجھ سکتا ہے وہ بصیرت جو نور الٰہی سے مستنیر ہو اور جو استقامتِ فکر اور عقل رسا کی حامل ہو۔ مخدوم صاحب کا نقطۂ نظر تقریباً وہی ہے جو اس سلسلہ میں امام غزالیؒ کا ہے۔

حروف مقطعات کی توجیہ

علمار کے نزدیک حروف مقطعات متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں اور ایسے اسرار ہیں جس کے حقیقی معنی اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ اس کے معانی منقول ہیں اور نہ صحابہ وتابعین سے اس لئے عام طور سے مفسرین ان کے معانی بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں اور ہمیشہ اس موقع پر " واللہ اعلم " لکھ دیا کرتے ہیں۔ لیکن محققین کا کہنا ہے کہ یہ عربی زبان کا مخصوص اسلوب ہے، جس سے قرآن کریم کے اولین

مخاطب اچھی طرح واقف تھے۔ عربی شعراء کے یہاں بھی اس قسم کے طرز کلام کا رواج تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین جہاں قرآن کریم پر اعتراضات کرنے سے نہیں چوکتے تھے، اُنھوں نے بھی اس کے متعلق کچھ نہ کہا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ اِس قسم کے اسلوب کے عادی تھے۔ اِس لئے علماء راسخین فی العلم اِس کے معانی بیان کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ سلف میں جن لوگوں نے اس کے معانی پر توجہ کی ہے، اُن کے مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:۔

(۱) یہ حروف بطور قسم کے آئے ہیں۔ (۲) یہ اللہ کے نام ہیں۔
(۳) تنبیہ کے لئے ان کا استعمال کیا گیا ہے۔ (۴) تعجب کے لئے ہیں۔
(۵) ان سے حروف تہجی کی طرف توجہ دلانا ہے (۶) بطور علامت نبوت کے ہیں۔ (۷) ان میں ابجد کے قاعدے کے مطابق حسابی اعداد ہیں، ان سے واقعات عالم کے زمانوں کا تعین کرکے پیشین گوئیاں ہیں۔

مخدوم علی مہائمیؒ اُن لوگوں میں ہیں جو انھیں مختلف الفاظ کا مخفف (Short Forms) سمجھتے ہیں، ان کے خیال میں لفظ کے بجائے ان کا ایک ایک حرف استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ہر زبان میں اس کا طریقہ مروج ہے۔ اسی لئے انھوں نے قرآن کے تمام حروف مقطعات کی موقع و محل کے لحاظ سے توجیہ کی ہے اور بتایا ہے کہ اِن حروف کے اندر ایسے معانی پوشیدہ ہیں جو سلسلۂ مضمون سے الگ نہیں ہیں، بلکہ اس کی ایک کڑی ہیں، چنانچہ انھوں نے ہر حرف سے اندازاً ایک لفظ بنا لیا ہے اور پھر اسکی تشریح کی ہے۔

اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے تمام مفسرین قرآن سے

اپنی الگ راہ نکالی ہے۔ مثال کے لئے آپ کی چند توجیہیں یہاں
دی جاتی ہیں۔

طٰہٰ ، یعنی اے نقائص اور اسباب شقاوت سے پاک، اور کمالات واسباب سعادت کی راہ دکھانے والے۔ یا اے بلند ہمت۔ یا اے طالب حق اور ماسوا اللہ سے فرار اختیار کرنے والے۔ یا اسی طرح کی عبارت جو اس مقام کے لئے موزوں ہو۔

الٓمٓ : یعنی میں اللہ ہوں جس کا علم محیط ہے۔ یا اللہ جس کا لطف وکرم محیط ہے۔ یا اللہ تعالےٰ کا لطف آزمائشوں کے ساتھ ملا ہوا ہے یا لطف میں اعتبار انجام کا ہے۔ یا اسی طرح کی کوئی اور عبارت جو مناسب ہو۔

یٰسٓ : یعنی میں قسم کھاتا ہوں اے تیرے ہاتھ جو تمام انسانی کمالات پر حاوی ہے۔ اور ان کمالات میں تمام انسانوں پر قدرتی طور پر آپ کی سیادت وبرتری کی قسم کھاتا ہوں۔ یا قسم کھاتا ہوں آپ کی اور فضائل میں آپ کی سبقت کی۔ یا قسم کھاتا ہوں یقین کی اور آپ کی پاک سیرت کی جس کے آپ حامل ہیں اور جس کی دعوت دیتے ہیں۔ یا قسم کھاتا ہوں مدارج کمالات میں آپ کی تیز رفتار ترقی کی۔

صٓ : یہاں اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کی قسم کھائی ہے، جس کا دعوائے نبوت کے علاوہ دوسری تمام چیزوں میں سب کو اعتراف تھا۔ یہاں تک کہ غیب کی خبر دینے میں اہل کتاب نے بھی آپ کی تصدیق کی، اور جب اس میں آپ صادق تھے تو لازمی طور پر دعوائے نبوت میں بھی آپ کو صادق ماننا چاہیئے۔ یا اللہ نے قسم کھائی ہے

رذائل و قبائح سے اجتناب کی، جس سے جھوٹ کی برائی سے بھی آپ کا پاک ہونا لازم آتا ہے۔ یا قسم کھائی ہے مدارجِ کمالات میں آپ کے صعود کی، جس سے اللہ کی جانب سے آپ کے درجات کی بلندی ثابت ہوتی ہے یا قسم کھائی ہے آپ کے صبر کامل کی جو رسالت کے لوازم میں سے ہے۔

حٰمٓ (المومن) : یعنی بھلائیوں پر اُبھارنا اور برائیوں سے روکنا۔

حٰمٓ (السجدۃ) یعنی کمالات پر جو حاوی ہے اور نقائص کو ختم کرنے والا یا حلاوت و ملاحت، یا حیات و مناصب، یا محبت و مقام۔

حٰمٓ (الدخان) : یعنی میں قسم کھاتا ہوں اپنے نام حکیم و متین کی، یا حمید و مجید کی یا حبیب و مقیت کی، یا حنّان و منان کی۔

حٰمٓ (الاحقاف) یعنی حبل متین (مضبوط رسی)

آپ سورہ والضحیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

تفسیری نمونے

اس سورت کا نام "ضحیٰ" (چاشت) اس لیے رکھا گیا تاکہ فترۃ الوحی (وقفہ کے بعد وحی) کے دوبارہ آنے کی دلیل ہو سکے۔ اور یہی اس سورت کی غایت و مقصود ہے۔ (اللہ کے نام سے) جو اپنے مختلف ناموں کے ذریعہ سورج چڑھتے وقت اور رات میں اپنی تجلی کا ظہور کرتا ہے، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر کبھی وحی کا نزول ہوتا ہے اور کبھی اس کا سلسلہ رُک جاتا ہے۔ تو یہ نظام اس کی ہر چیز میں کارفرما ہے۔ (بڑا مہربان ہے) اس لحاظ سے کہ ان پر بشریت کی تاریکی کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سے وہ ناراض و خفا نہیں ہوتا اور نہ اُنھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ (بڑا رحم دل ہے) اپنے اس

نورِ حق کو دوبارہ غالب کرکے، یعنی دوبارہ ان پر وحی کا نزول کرتا ہے۔
(قسم ہے چاشت کے وقت کی) یعنی جب سورج بلند ہوتا ہے تو گویا یہ مثال ہے نورِ الٰہی کے اشراق کی روحِ محمدی پر۔ (اور قسم ہے رات کی) جو کہ دراصل آپ کی بشریت سے مشابہت رکھتی ہے (آپ کو پروردگار نے خیرباد نہیں کہا) یعنی اِس طرح آپ کو رخصت نہیں کردیا کہ پھر طویل مدت تک آپ کو اپنے فیضان سے محروم رکھے (آپ کا پروردگار) جس نے آپ کی تربیت اپنی نورانی تجلی سے فرمائی اور آپ پر براہِ راست اپنے نور کا فیضان کیا، اگر دھوپ کے بعد تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی و ناراضگی کا سلب نہیں ہوسکتا تو پھر چند روز وحی کے رُکے رہنے سے یہ مطلب نہیں کہ اللہ اپنے نبی سے ناراض ہوگیا، جیسا کہ مشرکین آپ کے متعلق کہتے ہیں۔ دراصل یہ قدرت کا بندھا ٹکا نظام ہے، کبھی بشریت کی تاریکی کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے بعد تجلیٔ حق نمودار ہوتی ہے، وحی کی چند روزہ رکاوٹ ناراضگی کی وجہ سے نہیں، بلکہ آپ کے روحانی عروج و ارتقار کی تیاری کے لئے ہوتا ہے۔ پروردگار کا ناراض و بیزار ہوکر چھوڑ دینا کیسا؟ (آپ کا پروردگار دنیا سے بڑھ کر آخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا) جہاں آپ پر بشری کمزوریوں کا نہ غلبہ ہوگا، اور نہ دولت کی کمی کا احساس، بلکہ نورانیت کا فیضان ہوگا۔ (آپ اس دولت گراں مایہ سے راضی و مطمئن ہو جائیں گے) آپ کو مقامِ شفاعت عطا ہوگا۔ اس کی نورانی شعاعوں کا فیضان آپ کے ہر اُمتی پر ہوگا، جس نے صدقِ دل سے آپ کی رسالت تسلیم کی ہوگی۔ اگرچہ وہ اس وقت معاصی کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے، لیکن اُس دن آپ کے

پیروؤں سے بشری گناہ کی تاریکی دور ہو جائے گی۔

آپ کو میرے متعلق انتہائی خیر کے بارے میں شک ہو تو پھر اپنی ابتدائی زندگی پر ذرا غور کیجئے (کیا آپ کو یتیمی کی حالت میں نہیں پایا) یعنی بشریت کے اقتضار کی بنار پر بے سہارا پایا تو آپ کو ٹھکانہ بخشا۔ جس پروردگار نے اس شان سے آپ کی تربیت اور پرداخت کی ہو اور آپ کی طرح طرح کی مدد کی ہو، اور آپ پر اپنے نور کا پر تو ڈالا ہو (اور جس نے آپ کو بشریت کی تاریکی میں بے قرار اور سرگرداں پایا) پھر اپنے غلبۂ نور سے ہدایت کی راہیں کھول دیں اور خواص بشریت کے بعد الٰہی خواص آپ پر مسلط کر دیئے (اور آپ کو فقر و ناداری کی حالت میں پایا) اور فقر و ناداری بشری خواص میں سے ہے (تو اپنے الٰہی خواص سے دولتِ غنا عطا فرمائی) اور غنا الٰہی خواص میں سے ہے اور ان اشیار کے ذریعہ آپ کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا، تاکہ آپ بھی ان نعمتوں سے اس کی مخلوق کو نوازیں۔ جب آپ کے اخلاق اللہ کے رنگ میں رنگ جائیں گے تو یہ دلیل ہوگی قیامت کے دن آپ کے مقامِ شفاعت پر سرفراز ہونے کی، جس طرح حالتِ یتیمی میں اس نے ٹھکانہ دیا، تو آپ بھی دوسرے یتیموں پر جھڑکی اور ڈانٹ نہ کریں۔ جس طرح پروردگار نے غنی اور بے نیاز کر دیا، اُسی طرح (آپ بھی سوال کرنے والوں سے دل تنگ نہ ہوں) بلکہ حاجتمندوں سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں (سوال سے گھبرا کر ڈانٹنے کا شیوہ نہ اختیار کریں) بلکہ انکی دل جوئی کریں (اور نعمتِ ہدایت جو آپ کو ملی ہے، اس کو بیان کیجئے) سائل کا ذکر یہاں اس لئے پہلے لائے کیونکہ اس کو یتیم سے زیادہ مناسبت ہے، اور ہدایت و رہنمائی کا ذکر اس کے بعد کیا

کیونکہ ہدایت کو مالوں میں تصرف اور اسکی علم و معرفت سے گہرا تعلق ہے۔

وَاللّٰہُ الموفّق والملھم، والحمدُ للہ ربّ العٰلمین، والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّد المرسلین سیّدنا محمّد وآلہٖ اجمعین۔ (مخدوم علی مہائمیؒ حیات، آثار و افکار)

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب تفسیری نکات و حکم ہیں جن کو پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ پوری تفسیر پڑھنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین! اور حضرت مخدوم العلامہ مہائمیؒ کی قبر کو نور سے منور فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وفات آپ کی وفات ۸ رجادی الاخری ۸۳۵ھ مطابق ۱۲۳۱ء جمعہ کی رات کو ہوئی۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

جمعہ کے روز چاشت کے وقت مہائم میں اپنے اقرباء کے قبرستان میں اپنی والدہ کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ ونوّر اللہ مرقدہٗ۔

مادۂ تاریخ وفات جنّاتُ الفردوس ہے۔ ۸۳۵ھ

اپنی سعادت الحمد للہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ آپ کی مزار پر جو بمبئی کے محلہ ماہم میں ہے فاتحہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اسی طرح یہ حقیر بھی آپ کی مزار مبارک پر متعدد بار زیارت کے لئے حاضر ہوا اور فاتحہ خوانی کی سعادت نصیب ہوئی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ حضرت شیخ مہائمیؒ کے فیوض و برکات سے ہم سب کو بہرہ ور فرمائے اور ان کے نور ایمان سے سارے قلوب کو منور فرمائے۔ آمین! (مرتب)

حضرت شیخ احمد عبدالحق صاحب ردولوی المتوفی ۸۳۷ھ

نام و نسب احمد نام، عبدالحق لقب، والد کا نام عمر تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اُن کے شیخ داؤد سلطان علاؤالدین خلجی (۶۹۶ھ تا ۷۱۶ھ) کے عہد میں بلخ سے ہندوستان آئے۔ ابتدا میں کچھ دنوں دہلی میں ان کا قیام رہا۔

ولادت آپ کی ولادت ۷۷۶ھ میں ہوئی۔

ردولی میں سکونت اس زمانہ میں اسلامی ملکوں سے جو نامور خاندان اور ممتاز شخصیتیں ہندوستان آتی تھیں اُن کے ذریعۂ معاش کے لئے سلاطین کی طرف سے جاگیریں ملتی تھیں اور یہ جاگیریں دیہاتوں میں ہوتی تھیں، اس لئے وہ قصبات و دیہات میں سکونت اختیار کرتے تھے۔ چنانچہ آج تک باہر کے آئے ہوئے بیشتر خاندان قصبات ہی میں آباد ہیں۔ جنھوں نے شہروں میں سکونت اختیار کر لی ہے وہ بھی درحقیقت قصبات ہی کے ہیں۔ سلطان علاؤالدین نے شیخ داؤد کو ردولی میں جاگیر دی تھی، اس لئے اُنھوں نے وہیں سکونت اختیار کی۔

شیخ داؤد شیخ داؤد حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے مرید اور خلیفہ تھے، اُنہی سے سلوک و معرفت کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن اس کو ہمیشہ مخفی رکھا۔ اُن کی وفات ردولی میں ہوئی۔ اُن کے ایک صاحبزادے عمر تھے، یہ بھی بڑے صاحب کمال اور زیورِ صلاح و تقویٰ سے آراستہ تھے۔

اُن کی وفات بھی ردولی میں ہوئی۔ اُن کے دو صاحبزادے تھے شیخ تقی الدین اور شیخ احمد۔ تقی الدین نے ردولی کی سکونت ترک کر کے دہلی میں قیام اختیار فرمایا تھا اور شیخ احمد ردولی میں رہے۔

بچپن اور تعلیم حضرت شیخ احمد عبدالحق رح کے دادا اور والد دونوں شیخ وقت تھے۔ اِس وراثت کا اثر اُن میں بچپن ہی سے نمایاں تھا۔ جب آپ سات سال کے تھے جب ہی سے عبادت کا بیحد ذوق و شوق تھا۔ اس لئے جب اُن کی والدہ تہجد کی نماز کے لئے اُٹھتیں تو یہ بھی بیدار ہوجاتے اور اُن کی لاعلمی میں نماز تہجد ادا فرماتے۔ جب ماں کو معلوم ہوتا تو شفقت مادری کی بنا پر منع فرماتیں۔ مگر شیخ پر چونکہ عظمتِ الٰہی اور محبتِ حق کا غلبہ تھا اس لئے اُس سے باز آنے پر قادر نہ ہوتے۔

والدہ محترمہ نے شیخ احمد کو تعلیم کے لئے اُن کے بڑے بھائی شیخ تقی الدین کے پاس دہلی بھیج دیا، لیکن بچپن ہی سے اُن پر جذب کی کیفیت طاری تھی اور اُن کو دوسرے ہی علم کی طلب تھی۔ اس لئے تحصیل علم کی طرف طبیعت راغب نہ ہوتی تھی۔ شیخ تقی الدین جب اُن کو پڑھانے کی کوشش کرتے تو کہتے کہ مجھ کو باری تعالےٰ کا علم پڑھاؤ۔ آخر میں تنگ آکر شیخ تقی الدین انکو دہلی کے بعض اساتذہ کے پاس لے گئے اور فرمایا یہ لڑکا مجھ کو بہت پریشان کرتا ہے، پڑھانے سے نہیں پڑھتا، آپ لوگ پڑھانے کی کوشش کیجئے، شاید آپ ہی لوگوں سے پڑھے۔ اُن اساتذہ نے میزان الصرف پڑھانا شروع کی۔ جب ضَرَبَ یَضْرِبُ کی گردان تک پہنچے، اور ضَرَبَ کے معنی بتائے کہ "اُس ایک مرد نے مارا" تو شیخ احمد بولے، اللہ کی راہ میں

مارا جانا تو بڑا اعزاز ہے، انتقام کے لئے نہیں ہے۔ مجھ کو اس علم کی ضرورت نہیں، مجھے ایسا علم سکھایئے جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہو، اس کے سوا دوسرا علم پڑھنا میں پسند نہیں کرتا۔ یہ رنگ دیکھ کر انھوں نے شیخ تقی الدین سے کہا، بابا اس بچہ کے خیال میں نہ پڑو، یہ تو حضرت الٰہ سے تلمذ (شاگردی) حاصل کر چکا ہے۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ دہلی آنے کے بعد شیخ احمد اپنی بھاوج شیخ تقی الدین کی بیوی سے برابر شکایت کرتے کہ بھائی صاحب مجھ کو پڑھاتے نہیں، آپ اُن سے کہہ دیجئے۔ شیخ تقی الدین کی بیوی شوہر سے کہتیں میاں احمد کو پڑھاتے کیوں نہیں؟ وہ تمھارا چھوٹا بھائی ہے۔ تم نہ پڑھاؤگے تو کون پڑھائے گا۔ شیخ تقی الدین کو شیخ احمد کا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے جواب دیتے کہ میں کس کو پڑھاؤں، وہ اپنے مولیٰ کی طلب میں مدہوش ہے، اس کو کسی چیز کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ تم کو اس کا مشاہدہ کرائے دیتا ہوں۔ اور شیخ احمد کو بلا کر اپنی چاندی کی مہر رکھنے کے لئے دی۔ انھوں نے اس کو صحن میں گاڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ تقی الدین نے مہر مانگی، شیخ احمد نے بھاوج سے کہا کہ بھائی صاحب مجھ کو خواہ مخواہ پریشان کرتے ہیں، انھوں نے مجھے مہر کب دی تھی شیخ تقی الدین نے فرمایا، میں نے مہر دی تھی، تم نے اسکو صحن میں گاڑ دیا ہے۔ شیخ احمد نے کہا، مجھ کو کچھ خبر نہیں۔ اگر میں نے گاڑا ہے تو آپ نکال لیجئے۔ شیخ تقی الدین نے مہر کھود کر نکالدی۔ اور یہ واقعہ مشاہدہ کرانے کے بعد بیوی سے کہا یہ بھلا مجھ سے پڑھ سکتے ہیں؟ یہ ایسے علم میں مستغرق ہیں کہ انکو ہمارے علم کی پروا نہیں۔

مگر اس سے یہ قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کہ شیخ احمدؒ رسمی علوم سے بیگانہ تھے

عہ یہ دونوں روایتیں "انوار العیون" میں ہیں۔ ص ۹-۱۰

بلکہ آپ اچھی طرح مروجہ علوم سے واقف تھے اور کلام مجید کی آیات اور عربی کے مقولے برمحل استعمال کرتے تھے، ہندی اور فارسی کے اشعار پڑھتے تھے۔ بعض اشعار میں احمد تخلص ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی میں اشعار بھی کہتے تھے۔ لیکن ان کا اصلی ذوق علم باطن کا تھا اور اس کا اُن پر اسقدر غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں رسمی علوم کا نقش بالکل مدھم پڑ گیا تھا۔ (بزم صوفیہ ص ۶۰۲)

مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کے آستانہ پر حاضری

شیخ احمد پر بچپن ہی سے سوز باطن اور معرفتِ حق کا غلبہ تھا اور اس کی تلاش میں سارے ملک کی خاک چھانتے پھرتے تھے۔ مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آتا تھا۔ اس تلاش و جستجو نے آپ کو حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کے آستانہ پر پانی پت پہنچا دیا۔ وہ کشفِ باطنی سے شیخ احمدؒ کے انتظار ہی میں تھے۔ دیکھتے ہی زبانِ حال سے فرمایا ؎ آمد آں یارے کہ ما می خواستیم (یعنی وہ دوست آ گیا جس کا ہمیں انتظار تھا) اور بڑی پذیرائی فرمائی۔ اُسی وقت اپنی کلاہ اُتار کر شیخ احمد کے سر پر رکھ دی اور فرمایا: یہ خدا کے حکم سے ہوا ہے۔ اور انتہائی لطف و کرم کا اظہار فرمایا۔ خاص اہتمام سے کھانا تیار کرایا اور دسترخوان پر سیخ کے کباب کے ساتھ امتحاناً بعض مشتبہ[1] چیزیں بھی رکھوا دیں۔ شیخ احمدؒ نے اُن کو دیکھتے ہی کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ کیسا شیخ ہے جس کو جائز و ناجائز میں امتیاز نہیں۔ اور اُسی وقت کلاہ واپس کر کے پانی پت سے چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچے جس سے

---

[1] مشتبہ چیزوں میں غالباً گائے کی اوجھڑی تھی جس کا کھانا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

نکلنے کا راستہ نہ ملتا تھا، اس کو دیکھنے کے لئے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ دور سے دو آدمی آتے ہوئے دکھائی دیئے، وہ درخت سے نیچے اُتر کر اُن کی سمت چلے، وہ خود ان کی طرف آرہے تھے۔ قریب پہنچ کر اُن سے راستہ پوچھا، اُنھوں نے جواب دیا: راستہ تو تم نے شیخ جلال الدین کے آستانہ پر گم کر دیا۔ شیخ احمدؒ نے تین مرتبہ راستہ پوچھا، تینوں مرتبہ یہی جواب ملا۔ اُس وقت ان کو یقین ہو گیا کہ دونوں آدمی منجانب اللہ رہنمائی کیلئے آئے ہیں اور انکا مقصود مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کے آستانہ ہی پر حاصل ہوگا، اس لئے وہ پانی پت لوٹ گئے۔

حضرت مخدومؒ پہلے سے انتظار میں تھے۔ شیخ احمدؒ ان کو دیکھتے ہی اُن کے قدموں پر گر پڑے۔ اُنھوں نے سینہ سے لگا لیا اور اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ تعظیم و تکریم اور لطف و کرم کا اظہار فرمایا، ظاہر و باطن دونوں نعمتوں سے نوازا۔ اور عبدالحق کے لقب سے ملقب کیا اور پھر امتحان لیا۔ (جسے اختصار کی غرض سے حذف کر دیا گیا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے بزم صوفیہ ص۶۰۳)

بیعت، سلوک کی تربیت اور خلافت

اشارۂ غیب سے دوبارہ پانی پت واپسی کے بعد مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ نے اپنی چہار ترکی کلاہ شیخ عبدالحق کے سر پر رکھ دی اور کھانے پر وہی باتیں ارشاد فرمائیں جن کا ذکر "انوار العیون" میں ہے اس سے شیخ احمد عبدالحقؒ کے تمام وساوس دور ہو گئے، ان کو پوری تسکین ہو گئی، ان کا قلب انوار باطن سے متجلی ہو گیا اور اپنے کو بے چون و چرا مرشد کے حوالے کر دیا۔ اور ان کی خانقاہ میں ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے اور ان کی تربیت میں مراحل سلوک کی تکمیل کے بعد مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ

نے خلعتِ خلافت سے بھی سرفراز فرمایا اور عبدالحق کے خطاب سے نوازا، اُن کے لئے بڑی دعائیں کیں اور فرمایا کہ میں نے خدائے عز وجل سے دعا کی ہے کہ میرا سلسلہ تم سے جاری ہو، تم سارے عالم کو نورِ معرفت سے منور کرو، اس کا اثر قیامت تک باقی رہے اور اس کا غلغلہ کبھی کم نہ ہو۔

سوزشِ عشق میں سیاحت

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ پر سوزشِ عشق اور ذوق وطلب کا اتنا غلبہ تھا کہ کہیں اُن کی پیاس نہ بجھتی تھی۔ حضرت شیخ عبدالقدوس لکھتے ہیں کہ:۔

اگرچہ حضرت شیخ العالم اپنے پیر دستگیر شیخ المشائخ جلال الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت وحدت کے دریا نوش کر چکے تھے۔ لیکن باطن کی تشنگی نہ بجھتی تھی۔ ہر دم هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ کی صدا لگاتے تھے۔ ہر چند وہ مقام کبریٰ پر فائز ہوکر سب کو عبور کر چکے تھے۔ لیکن جس چیز کی طلب تھی اس کے حدود و مراحل میں امتیاز نہ ہوتا تھا، اس لئے شور انگیز دم بھرتے اور فرماتے احمد! ذات حقیقی کی طلب میں پچاس سال عالم گردی کرتے رہے، مگر اب تک مقصود حاصل نہ ہوا۔ اور دنیا میں کوئی ایسا نہ ملا جو مقصود حقیقی کا پتہ دیتا۔ اے احمد! عمر کے پچاس سال ضائع ہو گئے، نہ اپنی ذات کو آرام ملا نہ مقصود ہی حاصل ہوا ؎

از نکتہ مقصود نشد فہم حدیثے لا دین و لا دنیا بے کار بماندیم

(یعنی مقصود اصلی کے نکتہ سے کوئی بات بھی فہم میں نہ آئی، نہ دین ہی ملا نہ دنیا ہی حاصل ہوئی۔ بلکہ بے مقصد ہی رہ گئے۔)

اسی ذوق وطلب میں پورے ہندوستان کی سیاحت کی اور مختلف مقامات کے علماء و مشائخ سے ملے، ان کی سیاحت کا دائرہ سندھ و پنجاب سے

لے کر بنگال تک وسیع تھا۔ بنگال میں پنڈوہ تشریف لے گئے، اور وہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ نورالدینؒ سے ملے۔ ملاقات کے لئے جاتے وقت اِس خیال سے کہ بزرگوں کے پاس خالی ہاتھ نہ جانا چاہئے، تحفہ میں ایک سبز گھاس لیتے گئے۔ اُس کو حضرت نورالدین کی خدمت میں پیش کر کے فرمایا "باصفا ہے" شیخ نورالدینؒ نے جواب دیا "باعزت ہے"۔ تھوڑی دیر دونوں بزرگ ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے مگر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ اِس روحانی ملاقات کے بعد حضرت مخدوم واپس ہو گئے۔

ارشاد و ہدایت اور طریقۂ تربیت ان مراحل سے گزرنے کے بعد مسندِ ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے۔ راہِ سلوک میں اصل چیز فنا اور اپنے کو مٹانا ہے۔ اِس لئے حضرت مخدوم سب سے پہلے طالبین کے نفس کی اصلاح فرماتے تھے اور اُن سے خانقاہ میں پانی بھرنے، لکڑیاں چیرنے، جاروب کشی کرنے اور اِس قسم کی دوسری خدمت لیتے تھے۔ (انوار العیون ص۵۶)

بیعت کے لئے امتحان ایک مرتبہ ایک امیر تاتار خاں کے ملازم میاں سالار نے جو خود بھی ایک معزز آدمی تھے، حضرت مخدومؒ سے بیعت کی درخواست کی، اُس وقت اُن کے مرید خانقاہ کے لئے گارا بنا رہے تھے اور میاں سالار بڑے پُر تکلف لباس میں تھے، پاؤں میں زرتار موزہ تھا، حضرت مخدوم نے فرمایا، تم بھی گارا بناؤ۔ میاں سالار بے تکلف اُسی لباس میں تگار میں گھس گئے۔ اس امتحان کے بعد اُنکو مرید کیا۔ جو شخص امتحان میں پورا نہ اُترتا اس کو مرید نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک

امیر فضیل غوری آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زر تار موزہ پیش کر کے مرید ہونے کی درخواست کی۔ آپ کو اس کی طلب میں شبہہ تھا، اس لئے فرمایا تیری گردن موٹی ہے اور فقیر کی رسی تنگ ہے، اس میں نہ آئے گی۔ اُس نے دوبارہ عرض کیا، فرمایا: اچھا گھڑا لے کر حوض سے پانی بھر لاؤ۔ اُس نے گھڑا اُٹھالیا، لیکن باہر جاکر دوسرے شخص سے پانی بھروایا اور خود سر پر لے کر آیا۔ اُنھوں نے فرمایا: میں نے کہا نہ تھا کہ تیری گردن موٹی ہے اور فقیر کی رسی تنگ ہے، اسمیں نہ آئے گی۔ اور مرید نہیں فرمایا۔

آپ کی خانقاہ میں یہ روایت آپ کے بعد بھی قائم رہی۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح اگرچہ حضرت مخدوم رح کے پوتے شیخ محمد رح کے مرید تھے لیکن روحانی تربیت تمامتر حضرت مخدوم رح کی روحانیت سے پائی تھی (جس کا ذکر آئندہ آئے گا، وہ جس زمانہ میں ان کی خانقاہ میں مجاہدات میں مشغول تھے، خانقاہ میں جھاڑو دیتے، لکڑی چیرتے، پانی بھرتے، گلکاری کرتے تھے۔

نماز باجماعت کا اہتمام لیکن اس محویت و استغراق کے باوجود نماز باجماعت کا بڑا اہتمام تھا۔ پانچوں وقت کی نماز ردولی کی جامع مسجد میں پڑھتے تھے۔ ایک خادم آگے آگے حق حق کی صدا لگاتا جاتا تھا اور آپ اُس کی آواز پر راستہ طے کرتے تھے۔ چالیس پچاس سال تک جامع مسجد میں نماز پڑھی لیکن راستے کا اندازہ نہ ہوسکا۔ مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے۔ پوری رات بیداری میں بسر ہوتی تھی۔ کامل بتیس ۳۲ سال تک تکیہ پر سر نہ رکھا۔ (بزم صوفیہ ص ۶۱۲)

حفظ شریعت کا اہتمام اس استغراق کے باوجود جو حضرت مخدوم پر طاری

رہتا تھا، حفظ و احترامِ شریعت کا بڑا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ وہ پنجاب میں تھے کہ غلبۂ حال میں اُن کی زبان سے بعض شطحیات نکل گئے۔ جب ہوش آیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ایسے ایسے کلمات آپ کی زبان سے نکلے ہیں، انھوں نے سُنکر فرمایا کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ منہا میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گیا! اور اُس کے کفارہ میں سخت سردی کے موسم میں دریائے سندھ میں گلے گلے پانی میں اُتر کر کئی مہینے رات سے صبح تک "دینِ محمد قائم و دائم، دینِ محمد قائم و دائم" کا ورد کرتے رہے۔ سردی کی شدت سے بدن کی کھال پھٹ کر خون جاری ہو گیا تھا، اس لئے صبح کو تازہ غسل کر کے فجر کی نماز پڑھتے۔

اُن کا ایک مرید ایک دن عالم مستی میں انکی خانقاہ میں "حق پیر من پاک حق پیر من پاک" کا نعرہ لگانے لگا۔ ہر چند لوگوں نے منع کیا، مگر وہ خاموش نہیں ہوا، اور یہی نعرہ لگاتا رہا۔ اُس کی آواز سُن کر حضرت مخدوم کوٹھے سے اُتر آئے اور فرمایا کہ پیر کس طرح پاک ہو سکتا ہے جبکہ وہ بندہ ہے۔ بندہ سرتاپا پلید ہوتا ہے وہ کس طرح پاک ہو سکتا ہے۔ پاکی صرف حق تعالیٰ کیلئے ہے۔ اور کسی کو راست نہیں آتی۔

ف: سبحان اللہ، توحید کا حال کیسا غالب تھا کہ اپنی طرف ادنیٰ پاکی کو گوارا نہ فرمایا۔ جو ہمارے اکابر کا طغرائے امتیاز تھا۔ (مرتب)

اتباعِ سُنّت

مریدوں کو اتباعِ سنت کی ہدایت فرماتے تھے۔ اپنے ایک محبوب مرید شیخ بختیار کو مراحلِ سلوک طے کرانے کے بعد فرمایا کہ تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے طفیل میں اللہ تعالیٰ کو پالیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" دونوں جہان کو زیرِ قدم چھوڑ کر بلند ترین مقام پر فائز ہو گئے "مَنْ لَّهُ الْمَوْلٰی فَلَهُ الْكُلُّ" جس کا مولا ہو گیا اُس کا سب کچھ ہو گیا۔ شیخ عبدالقدوس رح لکھتے ہیں کہ شیخ بختیار کاکی رح کی کوئی بات اور

کوئی گفتگو کتاب اللہ اور احادیثِ رسول ﷺ کے سوا نہیں ہوتی تھی۔ (بزم صوفیہ ص۶۱۳)

ارشادات

ایک مرتبہ کسی سفر میں ایک مسجد میں قیام ہوا، یہ جمعہ کی شب تھی، بستی کے لوگ آتے اور اذانیں دیتے، تو آپ نے دریافت کیا کہ آخر مکرّر سہ کرر اذان دینے کا کیا مقصد ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ سنا ہے کہ جمعہ کی رات میں اگر سات مرتبہ اذان دے دی جائے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس بستی کو عذاب سے محفوظ رکھتے ہیں۔ تو حضرت مخدوم نے فرمایا، اس کام میں نیت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے احسان کی وجہ سے کرتا ہے اور اس کی بلاؤں سے بھاگتا ہے تو وہ اللہ تعالےٰ کا بندہ نہیں بلکہ اپنے نفس کا بندہ ہے۔ راقم الحروف (نواب صدیق حسن خاں) کہتا ہے کہ یہ مضمون اس آیت کریمہ کے بالکل موافق ہے:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ	اور بعض آدمی اللہ کی عبادت (ایسے طور پر) کرتا ہے
عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ	جیسے (کسی چیز کے) کنارے پر (کھڑا) ہو۔ پھر اگر اس کو
اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ	کوئی (دُنیوی) نفع پہنچ گیا تو اسکی وجہ سے (ظاہر)
فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ	قرار پا لیا۔ اور اگر اس پر کچھ آزمائش ہو گئی تو منہ اُٹھا
خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ	کر (کفر کی طرف) چل دیا (جس سے) دنیا اور آخرت دونوں
هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝	کو کھو بیٹھا۔ یہی کھلا نقصان (کہلاتا) ہے۔

حضرت مخدوم رحؒ نے فرمایا ہے کہ "منصور بچہ بود کہ طاقت نیاورد و اسرار بیروں زد و بعضے مردانند کہ دریا ہا فرو برند و آروغ نمی آرند۔"

یعنی منصور اس راہ میں ابھی بچے تھے کہ احوال کو برداشت نہ کر سکے اور اسرار کا افشار کر دیا۔ ورنہ یہاں تو بعض ایسے جواں مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا

جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔ (تقصار جیود الاحرار، بزم صوفیہ)

ف : شاید اسی کی ترجمانی کسی نے اس شعر میں کی ہے ؎

ہم نہیں بدمست ایسے جو بکیں دیوانہ وار
خم کا خم پی جاتے ہیں رہتے ہیں لیکن ہوشیار
(مرتب)

نیز حضرت مخدومؒ نے یہ بھی فرمایا کہ نظامی شاعر ناقص تھا جو اس نے یہ کہا ؎

صحبتِ نیکاں از جہاں دور است
خوانِ عسل خانۂ زنبور است

(یعنی نیکوں کی صحبت دُنیا سے رُخصت ہو چکی ہے اور شہد کا خوان خانۂ زنبور ہو چکا ہے۔)

نظامی شاعر کو ناقص کہنے کی یہ وجہ بتلائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت جیسے صحابۂ کرامؓ کو میسر ہوئی ویسے ہی بہت سے اصحاب حال اور محبانِ ذوالجلال کو اب بھی نصیب ہے۔ اس لئے کہ ؎

در راہ عشق مرحلۂ قرب و بُعد نیست
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

یعنی راہ عشق میں قُرب و بُعد کا کچھ بھی مرحلہ و مسئلہ نہیں ہے۔ میں تمکو عیاناً دیکھ رہا ہوں اور دُعا بھیج رہا ہوں۔ اسی کو کسی نے یوں کہا ہے ؎

نظر در دیدہا ناقص فتاد است
وگرنہ یارِ من از کس نہاں نیست

(یعنی آنکھوں میں روشنی ہی کم ہو گئی ہے، ورنہ تو ہمارا معشوق کسی سے نہاں نہیں ہے)۔ (مرتب)

وفات آپ نے ۸۳۶ھ میں اس دنیا سے کوچ فرمایا۔ آپ کا مزار رُدَولی شریف میں آج تک مرجع خلائق ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(بزم صوفیہ ص۶۳۶)

حضرت مخدوم اخی جمشید راجگیری قنوجیؒ المتوفی ۸۴۲ھ

تعارف جب آپ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے کمال لطف سے آپ کو آخی (بھائی) کہا، اسوجہ سے آپ کا لقب آخی ہوگیا۔ آپ قوی الحال تھے، عین شباب کی حالت میں آپ کے دل میں طلب حق پیدا ہوئی، تو اُسوقت حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں پہنچ کر سالہا سال تک تربیت حاصل کرکے مرتبۂ تکمیل وارشاد پر پہنچے۔ اطراف لکھنؤ کے قدوائیوں میں سے تھے بادشاہ کی طرف سے کوئی منصب ملا تھا، مگر اُس کو ترک کرکے مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہوگئے۔ موضع راجگیر ضلع قنوج میں مقیم تھے۔ (مرآۃ الاسرار ص۱۰۹۷)

ارشادات آپ کے کلمات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا۔ اور اپنی کتاب میں خود فرمایا ہے وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ یعنی جاہلوں سے اعراض کرو۔ پس جاہلوں کی صحبت سے اعراض لازم ہے ؎

صحبت بدکارہ تبہ می کند دیگ سیہ جامہ سیہ می کند

(یعنی بدکردار شخص کی صحبت تباہ کردیتی ہے جیسے کہ سیاہ دیگ کپڑے کو بھی سیاہ کردیتی ہے۔)

آپ نے فرمایا کہ رَجُلٌ، ونِصفُ رَجُلٍ، ولا شیء۔ فالرَّجُلُ الواصِلُ، نصفُ الرَّجُلِ الطالبُ، ولا شیءَ طالبُ الدُّنیا (یعنی آدمی تین طرح کے ہیں۔ پورا مرد، ادھورا مرد اور نامرد۔ پس کامل تو وہ ہے جو واصل باللہ ہوچکا ہو، اور مرد ناقص وہ ہے جو طالبِ خدا ہے (مگر ابھی واصل نہیں ہوا ہے) اور جو طالبِ دنیا ہے وہ کچھ نہیں ہے۔

فرمایا کہ طالب صادق کو چاہیئے کہ اپنا قدم حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت میں رکھے اور اعمال میں انھی کی پیروی کرے۔ اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس سے سوئی کے برابر بھی تجاوز نہ کرے، اور ہمیشہ سنت کی راہ پر قائم رہے۔ اور اگر کوئی دریا پر چلتا ہو، یا آگ میں داخل ہو جاتا ہو، اور مخلوق کو خرق عادت دکھلاتا ہو، اور اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کو ترک کرتا ہو، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کی اتباع میں کوتاہی کرتا ہو تو جان لو کہ وہ شیطان ضالّ و مضل ہے۔ اور اس کی کرامت درحقیقت استدراج اور منجانب اللہ ڈھیل ہے۔ اور وہ اپنے دعویٰ میں کذّاب ہے۔ پس جاہل صوفیہ سے بچتے رہو۔ اس لئے کہ یہ دین کے چور اور طریق مسلمین کے ڈاکو ہیں۔

(تقصار جیود الاحرار ص۹۲)

ف: رہے اہل حق صاحب معرفت صوفیہ صافیہ تو ان کا طریق عین حق وصواب ہے جو قابل اقتداء وسلوک ہے۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات بروز چہار شنبہ دسویں شوال ۸۴۲ھ میں ہوئی، موضع راجلیر ضلع قنوج (یو۔پی) میں مدفون ہیں۔

رحمہ اللہ تعالےٰ رحمۃً واسعۃً۔

(تقصار جیود الاحرار ص۹۲)

حضرت شاہ بدیع الدین مدار مکنپوری قنوج المتوفی ۸۴۴ھ

نام ونسب نام بدیع الدین، لقب شاہ مدار، والد کا نام علی ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔
آپ شیخ محمد طیفور شامی کے مرید تھے۔

تعارف مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے "تقویۃ الایمان" کے حاشیہ پر آپ کا تعارف یوں کرایا ہے:۔

آپ سرزمین ہند کے مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ان کی طرف ایسے واقعات منسوب کئے جاتے ہیں جو عقل ودانش دونوں کے خلاف اور بعید از قیاس ہیں۔ ہندوستان کے بہت سے قصبات اور دیہاتوں میں عوام میں رائج جنتری کے سال میں ایک مہینہ کی نسبت انہی کی طرف کرتے ہیں اور ایک مہینہ کا نام مدار ہے۔ عوام میں ان کا نام ضرب المثل ہوگیا ہے اور وہ طریقۂ مداریہ کے بانی ہیں جو اخیر زمانہ میں غلط رخ اختیار کرگیا ہے۔ اس میں بہت سی خرافات اور پہلوانوں کی ورزشیں داخل ہوگئی ہیں۔ (تقویۃ الایمان ص۲۵)

قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "دیار پورب میں علم وعلماء" میں قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ کے تذکرہ کے تحت آپ کا ذکر خیر کیا ہے۔ اسکو بعینہ نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ کی آپ کے متعلق رائے

اس دور میں شیخ بدیع الدین مدار مکن پوریؒ (متوفی ۸۴۴ھ) کی شخصیت بھی بڑی

پُراسرار اور مختلف فیہ تھی۔ اُن کے ابتدائی احوال و خیالات غیر اسلامی تھے اور اُن کا ظاہر سخت قابلِ اعتراض تھا۔ اِس لئے قاضی صاحب ابتدا میں ان کی مشیخت وبزرگی کے منکر تھے۔ حالانکہ شاہ مدار اُن کے مرشد سید اشرف سمنانی رح کے معاصر وہمسفر رہ چکے تھے۔ جب شاہ مدار نے قاضی صاحبؒ کے شکوک دور کردیئے اُس وقت وہ اُن کے قائل ہوگئے۔ شاہ عبدالحق صاحبؒ نے شاہ مدار اور قاضی صاحب کی معاصرت اور تعلق کا تذکرہ صرف اتنا کیا ہے کہ :۔

مکتوبے او مردم ہست کہ گویند شاہ مدار آں را بجانب قاضی شہاب الدین نوشتہ بود۔	ان کا ایک خط "مردم" نام سے ہے کہتے ہیں کہ شاہ مدار نے اسے قاضی شہاب الدین کو لکھا تھا۔

اور "اخبار الاصفیار" میں ہے کہ قاضی شہاب الدین ابتدا میں شاہ مدار کے منکروں میں تھے، مگر آخر میں اُن کے معتقد ہوگئے۔ ایک مرتبہ قاضی صاحب نے شاہ مدار سے پوچھا کہ اس حدیث "اُلعُلَماءُ وَرَثَۃُ الاَنبِیَاءِ" میں کن علمار کی طرف اشارہ ہے شاہ مدار نے کہا، وہ علمار مراد ہیں جنھوں نے ظاہری تعلیم کیطرف رخ نہیں کیا اور علم لدنی میں کامیابی حاصل کی۔ کیونکہ میراث کسب سے نہیں ملا کرتی۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اس خط وکتابت کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قاضی صاحبؒ نے شاہ مدار کو لکھا کہ کیا حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء کی رو سے مجھے وارثِ انبیار کہہ سکتے ہیں؟ شاہ مدار نے جواب دیا کہ نہیں! وجہ یہ ہے کہ وارث کو وراثت بغیر جدوجہد کے ملتی ہے۔ اور آپ نے دود چراغ اور محنت شاقہ سے چند وہمی نقوش حاصل کئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث وہ فقرار ہیں جنھوں نے علمِ الٰہی بغیر کسب کے وہبی طور سے پایا ہے۔

دوسری جگہ لکھا ہے کہ میں نے ذمہ داروں سے سُنا ہے کہ شاہ مدار کی صحبت سلطان ابراہیم شرقی اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین سے راس نہیں آسکی، اس لئے شاہ مدار نے مجبوراً مکن پور میں اقامت اختیار کی۔

جبتک شاہ مدار کے ظاہری احوال قاضی صاحبؒ کے سامنے تھے، اُن کے منکروں میں رہے۔ مگر بعد میں جب افہام وتفہیم اور خط وکتابت کے ذریعہ اصل حقیقت معلوم ہوگئی اُسوقت قاضی صاحبؒ اُنکی مشیخت کے قائل ہوئے۔

(دیار پورب میں علم وعلماء ص۱۸۱)

وفات آپ کی وفات ۸۴۴ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ آپ کی مزار مکن پور، قنوج (یو،پی) میں ہے ہر سال جمادی الاولی میں عوام وخواص کا زبردست مجمع اکٹھا ہوتا ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

(اخبار الاخیار ص۳۵۴)

حضرت الشیخ مولانا شمس الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۴۷ھ

تعارف آپ مشائخ مصر اور سادات عارفین میں سے تھے۔ اور آپ منجملہ اصحاب کرامات ظاہرہ و افعال فاخرہ، احوال خارقہ اور مقامات عالیہ کے تھے۔

تعلیم و تربیت آپ کی پرورش یتیمی کی حالت میں ہوئی۔ بچپن میں ہی آپ کے والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ تو آپ کی پرورش کی ذمہ داری آپ کی خالہ نے لے لی۔

آپ کے خالو آپ کو صنعت و حرفت سکھلانا چاہتے تھے، لہذا اس کے لئے آپ کو غرابلی کے پاس لے گئے۔ لیکن آپ نے اس کو چھوڑ کر کتاب اللہ کی تعلیم کو اختیار کیا۔ پھر آپ کے خالو آپ کو مناخلی کے پاس لے گئے۔ تو وہاں سے بھی آپ چلے آئے اور تعلیم کو ترجیح دیا۔ اور آپ نے قرآن کریم کا حفظ کیا۔ آپ کے اُس وقت کے درس کے ساتھی ابن حجرؒ تھے۔ (طبقات ص۸۵ ج۲)

زہد و قناعت آپ فراغت کے بعد کتابوں کی تجارت میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن آپ اپنی دوکان پر تھے تو کچھ لوگ وہاں سے گزرے، اُن لوگوں نے کہا کہ اے محمد! تم کو دنیا سے کیا لینا دینا۔ تو آپ اُسی وقت اپنی دوکان سے اُترے اور دوکان میں جتنا روپیہ اور کتابیں تھیں سب کو چھوڑ دیا۔ اور اُس کے بعد کبھی بھی اس کے بارے میں کسی سے سوال نہ کیا۔ اور اس کے بعد آپ نے خلوت کو ترجیح دی۔ آپ زمین کے نیچے (تہہ خانہ میں) سات سال تک عبادت میں مصروف رہے۔ اس دوران آپ تہہ خانہ سے اوپر نہیں آئے۔ آپ جب تہہ خانہ میں گئے تھے اُس وقت آپ کی عمر صرف

چودہ سال تھی۔

فضل وکمال آپ کو احکام شریعت نافذ کرنے میں قدرت کاملہ حاصل تھی اور احکام ولایت میں آپ کو دسترس تھی اور آپ کو بلند درجات حاصل تھے، ثابت قدمی میں آپ کے قدم راسخ (جمے ہوئے) تھے آپ اُن لوگوں میں سے تھے جو اپنے اسرار کے مالک اور اپنے احوال وامور پر غالب تھے۔ اور آپ اس طریق کے رُکنوں میں سے ایک رُکن تھے اور اس کے چوٹی کے لوگوں کے صدر اور اس کے اماموں کے سردار تھے، یعنی علم وعمل کے اعتبار سے سردار تھے۔

اللہ تعالےٰ نے آپ سے عجیب عجیب چیزیں ظاہر کیں اور آپ سے بہت زیادہ فائدے ہوئے، آپ طالبین علم کے مرجع تھے۔ اہل طریق کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اور اُس دور کے علمار وصلحار اور اولیار کی ایک جماعت آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئی۔ اور ان لوگوں نے آپ کے فضل ومرتبہ کا اعتراف کیا۔ اور تمام عالم سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے اور آپ اُن کی مشکلات کو حل کرتے تھے۔

ارشادات

آپ فرمایا کرتے تھے کہ کرامات اولیار کے انکار سے اپنے کو بچاؤ۔ اس لئے کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اور خرق عادات بطور کرامت کے اہل سنت والجماعت کے نزدیک جائز ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک دن حضرت امام ابوحنیفہ رح نے دعا فرمائی تو آسمان سے ایک نامعلوم جگہ سے خوان اُترآیا۔

ف: لیجئے ہمارے صوفیہ کرام سے تو کرامات کا ثبوت تھا ہی۔ راس الفقہاء

امام اعظمؒ سے بھی اس کا ثبوت مل گیا۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ یہ حضرات ان حسّی کرامتوں سے بڑھ کر علمی اجتہادی، روحانی کرامات سے مشرف تھے۔ تو اگر کسی حسّی کرامت کا ظہور ہو گیا تو محل تعجب کیا ہے۔ (مرتب)

شیخ کی یہ عادت تھی کہ ان کے پاس خرچ کے لئے نہ ہوتا تو دوستوں سے قرض لیتے اور جب اللہ تعالیٰ عطا فرماتے تو ادا کر دیتے۔ آپ ظالم سے خوفزدہ لوگوں سے فرماتے کہ جب ظالم کے پاس جاؤ تو بِسۡمِ اللّٰہِ الۡخَالِقِ الۡاَکۡبَر پڑھ لیا کرو۔ اس لئے کہ یہ ہر خائف کیلئے حصن حفاظت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی مخلوق کو کچھ طاقت نہیں ہے۔ چنانچہ اس کلمہ کی برکت سے کبھی مظلوم ظالم کے پاس سے خلعت شاہی سے آراستہ ہو کر لوٹتا ہے۔

اپنے اصحاب کو حکم فرماتے کہ سڑکوں، ویرانوں میں ذکر بالجہر کیا کرو، تاکہ یہ مقامات تمھارے لئے اس کی شہادت دیں۔ ایک دن فقراء کے ساتھ حمام میں داخل ہوئے تو حوض سے پانی لے کر اپنے اصحاب پر چھڑک دیا، اور فرمایا کہ امتِ محمدیہ کے گنہگار جو جہنم میں عذاب دیئے جائیں گے تو بس اسی پانی کے مثل گرم ہوگا۔ یہ سن کر فقراء خوش ہو گئے۔ (طبقات ج ۲ صفہ ۹)

ف: یعنی ان کا جہنم میں داخل کیا جانا تطہیر کیلئے ہوگا۔ تعذیب کیلئے نہیں۔ (مرتب)

آپ نے ایک حنفی مسلک کے مدرس کو یہ کہتے سنا "خلافاً للشافعی" تو اس کو تنبیہ فرمایا اور کہا "خلافاً للشافعی" کہنا خلاف ادب ہے۔ کیوں نہیں شافعی کے آگے رضی اللہ عنہ یا کم از کم رحمۃ اللہ علیہ کہا۔ تو مدرس نے کہا اے سید میں نے اس سے توبہ کیا۔

ف: سبحان اللہ، یہ حضرات کیسا ادب ملحوظ رکھتے تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے

مراتب عالیہ سے نوازا۔ سچ ہے "با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب"۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ قسم اللہ تعالیٰ کی، حضرت سیدنا جیلانیؒ اور حضرت سیدنا رفاعی رحمہم اللہ وغیرہما نے طریق الی اللہ کو کسی شیخ ہی کے ذریعہ پہچانا تھا۔ ورنہ تو بہت سے عابدوں کے ساتھ شیطان نے کھیل کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے راستہ کو قطع فرما دیا اور وصال سے محروم رکھا۔ (طبقات ص۸۲)

ف: اِس سے صحبتِ صالحین کی کیسی کچھ ضرورت محسوس ہوئی، جس کا امر الٰہی کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ میں مذکور ہے۔ اِس امر الٰہی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صالحین اور نیکوں کا وجود ہمیشہ تا قیامت رہے گا، تاکہ لوگ ان کی صحبت و معیت سے مستفیض ہوتے رہیں۔ واللہ الموفق۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۸۴۷ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص۸۲)

حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی جونپوری رح ۸۴۹ھ

نام و نسب آپ کا نام احمد، لقب شہاب الدین اور والد کا نام عمر، لقب شمس الدین ہے۔ آپ کے والد کے القاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء میں تھے۔ ہماری تحقیق میں آپ کا نام شہاب الدین احمد بن شمس الدین عمر ہے۔ بعض کتابوں میں جو شمس الدین کے بعد "بن عمر" ہے اسے صرف عمر ہونا چاہیئے۔

وطن زاولی اور غزنوی کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا آبائی وطن زابلستان کا شہر غزنین تھا۔ تاریخ فرشتہ میں اس کی تصریح موجود ہے " اصل او از غزنین ست"۔ زابل یا زابلستان ایک وسیع و عریض علاقہ کا نام ہے جو بلخ اور طخارستان کے جنوب میں واقع ہے۔ غزنین یا غزنہ اسی کا دارالسلطنت تھا غزنین اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شہر تھا جو خراسان اور ہندوستان کے درمیان حدفاصل تھا۔ آجکل یہ شہر افغانستان میں واقع ہے۔

ولادت سنہ ولادت کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ ملتا ہے۔ البتہ اندازہ ہے کہ قاضی صاحب رح کی ولادت ۷۵۰ھ کے حدود میں ہوئی ہوگی۔

چنانچہ آپ کی جائے ولادت کے متعلق قاضی اطہر صاحب مبارکپوری رح لکھتے ہیں کہ: صحیح بات یہ ہے کہ آپ کے آباء و اجداد میں سے کوئی بزرگ ہندوستان آئے

ع قاضی اطہر مبارکپوری رح نے اپنی لاجواب کتاب "دیار پورب میں علم و علماء" میں قاضی صاحب رح کے متعلق بالتفصیل تحریر فرمایا ہے۔ اسی کے زیادہ تر اقتباس آپ کے تذکرہ میں نقل کر رہا ہوں۔ (مرتب)

اور آپ کی ولادت دولت آباد میں ہوئی۔ اس بارے میں دو رائیں ہیں کہ یہ مقام دہلی سے متعلق تھا، یا دکن کا دولت آباد تھا۔ پہلا قول یہ ہے کہ دولت آباد دکن مراد ہے۔ "تاریخ فرشتہ" میں ہے کہ "در دولت آباد دکن نشو ونما یافت" (ج ۲ ص۳۰۶) دوسرا قول یہ ہے کہ دولت آباد دہلی میں پیدا ہوئے۔ "اخبار الاصفیار" میں ہے کہ "زادگاہ او دولت آباد دہلی است"۔ یعنی آپ کا مولد دولت آباد دہلی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ قاضی صاحب کے کسی تذکرہ نویس نے ان کی نسبت دہلی اور جونپور نہیں لکھی ہے۔ حالانکہ اُن کی پوری زندگی اِنہی دونوں مقامات میں گزری ہے۔ اسلئے اگر انکو جونپوری کہا جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت قاضی صاحبؒ نے ان کو علمائے پورب میں شمار فرمایا ہے۔ اس لئے یقیناً یہ وجہ وجیہ ہے۔

مِلکُ العلماء کا خطاب پانے والے حضرات

اسلامی تاریخ میں بہت سے علماء اپنے علم و فضل اور شاندار علمی کارناموں کی وجہ سے بڑے بڑے القاب وخطابات سے یاد کئے گئے ہیں۔ مگر ان میں سے تین اقلیم علم ودانش کے بادشاہ قرار دیئے گئے ہیں ایک مشہور حنفی امام وفقیہ شیخ علاؤالدین ابوبکر بن شیخ مسعود کاشانی متوفی ۵۸۷ھ صاحبِ البدائع والصنائع" ان کا لقب ملک العلماء تھا۔ دوسرے امام ابومحمد عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام سلمی شافعیؒ متوفی ۶۶۰ھ ان کو ان کے مجاہدانہ کارناموں کی وجہ سے ملک العلماء کا لقب دیا گیا۔ تیسرے ہندوستان کے مشہور عہد آفریں وعہد ساز شخصیت قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ متوفی ۸۴۹ھ ان کو بھی ملک العلماء کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

فضل و کمال | ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ علوم و فنون میں امامت و عبقریت کا مقام رکھتے تھے اور شریعت و طریقت کے درمیان واسطۃ العقد تھے۔ اور اپنے دور میں عالم اسلام کے مصنفین کبار میں شمار کئے جاتے تھے۔
ان کے علمی کمالات و خصوصیات کی وجہ سے ملک العلماء انکے نام کا جزء بن گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ملک العلماء اپنے علم کے تنوع میں عہد آفریں انجمن ساز تھے۔ جنھوں نے جونپور کی شرقی سلطنت کے دور میں دیار پورب کے قریہ قریہ میں علم و معرفت کی شمع روشن کی جس کی روشنی سے پورا ہندوستان منور ہوا۔

اس طالب علم کے مقام علم و فضل کا اعتراف اس کے شیخ و مرشد اور اپنے زمانہ کے مشہور روحانی بزرگ اور عالم و مصنف حضرت سید اشرف سمنانی رح متوفی ۸۰۸ھ نے ان گرانقدر الفاظ میں کیا ہے:۔

"درہندوستان این مقدار فضیلت درکسے کم دیدہ ایم۔"

(یعنی ہم نے قاضی شہاب الدین جیسی فضیلت و بزرگی ہندوستان کے اندر کسی دوسرے میں کم دیکھی ہے۔)

ایک دوسرے موقع پر اُنکی جامعیت کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں:۔

"برادر اعز وارشد جامع العلوم قاضی شہاب الدین نور اللہ قلبہ بانوار الیقین۔"

(یعنی برادر اعز و ارشد جامع العلوم قاضی شہاب الدین کے قلب کو اللہ تعالیٰ ایمان و یقین کے نور سے منور کرے۔)

ایک جگہ ان کی علمی برتری کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے:۔

"ہر چند برادر قدوۂ علمائے روزگار و زبدۂ فضلائے ہر دیار ست۔"

(یعنی مسلّم ہے کہ میرے بھائی آپ اس زمانہ کے علمار کے پیشوا اور ہر مقام کے فضلار کے خلاصہ ہیں۔)

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح متوفی ۹۴۴ھ نے ایک موقع پر گرانقدر خطابات والقابات سے یاد کیا ہے:۔

"صدر العلمار بدر الفضلار استاذ الشرق والغرب عالم ربانی نعمان ثانی مخدوم قاضی شہاب الدین۔ نور اللہ مرقدہٗ"

(یعنی مخدوم قاضی شہاب الدین نور اللہ مرقدہ صدر العلمار بدر الفضلار استاذ الشرق والغرب عالم ربانی اور نعمان ثانی تھے۔)

شیخ عبدالقدوس رح حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رض کی نسل سے تھے اور قاضی صاحب رح شیخ عبدالقدوس رح کے پرنانا ہوتے ہیں۔ (دیار پورب میں علم اور علمار ص۱۴۹)

قاضی صاحب رح کے دوسرے استاذ مربی

شیخ نصیر الدین اودھی رح کے دوسرے شاگرد و خلیفہ مولانا خواجگی دہلوی رح ہیں جو قاضی صاحب رح کے دوسرے مربی و مرشد اور معلم ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ قاضی صاحب رح کی شخصیت سازی میں ان دونوں استاذوں کی توجہ نے بڑا کام کیا۔ اس میں کوئی تیسرا نظر نہیں آتا۔

آپ کی جونپور آمد

قاضی صاحب رح اور ان کے متعلقین کے مستقل طور سے جون پور آنے کی صحیح تاریخ معلوم نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اُس وقت سلطان ابراہیم شرقی کی سلطنت قائم ہوچکی تھی اور سید اشرف جہانگیر سمنانی رح بقید حیات تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دہلی کی بربادی کے نتیجہ میں جونپور آباد ہو رہا تھا اور ہند و بیرون ہند کے علمار، فضلار، مشائخ اور دانشوروں

کے قافلے یہاں چلے آرہے تھے۔

"طبقات اکبری" میں اس دور کے جون پور کا نقشہ یہ درج ہے کہ:۔
سلطان مبارک شاہ شرقی کے مرنے پر جب سلطان ابراہیم شرقی سریر آرائے سلطنت ہوا تو امن وامان کی فضا میں عوام وخواص نے سکون کا سانس لیا اور جو علماء ومشائخ آشوب زمانہ سے پریشان تھے جونپور چلے آئے۔ وہ اُس زمانہ میں دارالامن تھا۔ اور شرقی سلطنت علماء کی کثیر تعداد کے آنے سے دارالعلوم بن گئی۔

جونپور کی رونق

قاضی صاحبؒ جونپور میں کیا رونق افروز ہوئے کہ دیار پورب میں علمی وروحانی سلسلہ کی وہ تمام دولت جو دہلی میں لُٹ رہی تھی سمٹ سمٹا کر پھر پورب میں آگئی۔ اور آٹھویں صدی میں اودھ کی جو روشنی دہلی کے میناروں پر ہو رہی تھی وہ نویں صدی کے شروع ہوتے ہی جونپور کے فصیلوں پر ہونے لگی، جس سے دیار پورب کے بام ودر چمک اُٹھے۔ اِس طرح اس دیار کی متاعِ علم وفن پھر اسی دیار میں لوٹا دی گئی۔

هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا۔

قاضی صاحبؒ کو سارا علمی وروحانی سرمایہ شیخ الاسلام فریدالدین اودھیؒ اور اُن کے تلامذہ شیخ شمس الدین اودھیؒ اور شیخ نصیرالدین اودھیؒ سے ملا تھا۔ اُن کے دونوں استاذ ومرشد عبدالمقتدر اور مولانا خواجگی اسی دبستان علم ومعرفت کے فضلاء میں تھے۔ اِس لئے آپ نے بھی اس خانوادہ کی روایات کے مطابق جونپور میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری کیا۔

سلطان ابراہیم شاہ کی عقیدت و فریفتگی

سلطان ابراہیم شاہ شرقی بڑا نیک دل، علم پرور علمار نواز اور خدا پرست فرمانروا تھا۔ اُسے علمار و مشائخ سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ اُن کی خدمت اور تعظیم و تکریم میں اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ اُس نے اپنی چالیس سالہ دورِ حکومت میں قاضی صاحب کو سر آنکھوں پر رکھا۔

سلطان ابراہیم شاہ کا آپ سے مشورہ

قاضی صاحب اور سلطان ابراہیم میں قلبی تعلق کا یہ نتیجہ تھا کہ سلطان اُن سے تمام علمی و دینی امور و معاملات اور افراد و رجال کے بارے میں مشورہ کیا کرتا تھا اور اُن کو پوری شرقی سلطنت کا قاضی القضاۃ بنا دیا تھا اور اُنہی کے مشورہ سے قضاۃ کا تقرر کرتا تھا۔ حاجتمندوں کے بارے میں قاضی صاحب کی سفارش کا خاص خیال رکھتا تھا۔ سید اشرف سمنانی رح جیسے بزرگ تک سلطان سے اپنے متوسلین و متعلقین کی سفارش میں قاضی صاحبؒ کو وسیلہ بناتے تھے۔

قاضی شہاب الدین کو ملک العلمار و قاضی القضاۃ بنانے میں بادشاہ کی مرحمتِ خسروانہ کے ساتھ ملک العلمار کے قلندرانہ فقر کو بھی بڑا دخل ہے۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ ان دونوں میں سے کس کا پلہ بھاری ہے۔

حضرت سید اشرف سمنانیؒ کی عنایات

قاضی صاحبؒ جس زمانہ میں یہاں آئے حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رح کا آخری زمانہ تھا۔ اُن کی مقبولیت و شہرت اپنے کمال عروج پر تھی۔ سیّد صاحب سمنان میں پیدا ہوئے اور وہیں مروجہ علوم و فنون کی تکمیل

کی۔ پھر ترک و تجرید اختیار کر کے عالم اسلام کی سیاحت فرمائی اور علم و عرفان کے ہر خرمن سے خوشہ چینی کر کے آخر میں ہندوستان آئے اور سندھ میں شیخ جلال الدین بخاریؒ سے، بہار میں شیخ شرف الدین منیریؒ سے اور بنگال میں شیخ علاؤ الدین لاہوریؒ وغیرہ سے کسب فیض کر کے جونپور آئے جہاں شرقی سلطنت کی بدولت ہر قسم کا امن و سکون تھا۔ یہیں روح آباد عرف کچھوچھہ نامی مقام پر سکونت اختیار فرمائی اور ارشاد و تلقین کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ شیخ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ نامور عالم و مصنف بھی تھے۔ ان کی جامعیت کا اندازہ ان کی تصانیف سے ہوتا ہے۔ تفسیر، فقہ، علم کلام، ادب، تاریخ و انساب، ارشاد و تلقین اور سلوک و تصوف میں اُن کی متعدد معیاری تصانیف ہیں، جن سے ان کی علمی استعداد اور قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔

قاضی شہاب الدینؒ اور سید اشرفؒ میں یہی علمی ذوق وجہ اشتراک ثابت ہوا۔ جب دونوں ملے تو ایسا معلوم ہوا کہ ایک مکتب فکر کے دو عالم مل گئے ہیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ سید صاحبؒ پر مشیخت کا رنگ غالب تھا اور قاضی صاحبؒ پر علم و فن کا، مگر دونوں ہم ذوق و ہم فکر تھے۔ تصانیف کی تفصیل اصل کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

خلافت حضرت سید اشرف سمنانیؒ جب دوبارہ جونپور تشریف لائے اُس وقت آپ نے قاضی صاحبؒ کو اپنی خلافت سے نوازا، اور دونوں بزرگوں کے درمیان علمی اور روحانی دونوں نسبتیں مکمل ہو گئیں۔

قاضی صاحبؒ جس علمی و روحانی سلسلہ سے منسلک تھے اس کے بزرگوں

کے نزدیک شریعت اصل تھی۔ خود قاضی صاحبؒ اس معاملہ میں بڑے سخت تھے اور بقول اپنے ایک معاصر کے "تشرع بسیار داشت" کی صفت سے مشہور تھے۔ وہ خود بھی صاحب عرفان تھے اور روحانی طریق وسلاسل کا احترام کرتے تھے، مگر شریعت کے معاملہ میں کسی شخص اور روحانی سلسلہ سے مفاہمت نہیں کرتے تھے۔ اور اس بارے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اور اپنے شاگردوں اور متوسلوں کو لے کر مقابلہ پر آجاتے تھے۔ اس لئے قاضی صاحب کے احتساب سے بچنا بڑا مشکل تھا۔

خانقاہوں کی طرف رجوع

اُس دور میں جونپور میں متعدد علمار فحول بڑے بڑے کی درسگاہیں جاری تھیں۔ مگر آہستہ آہستہ اُن درسگاہوں کی افادیت میں کمی آتی گئی اور حالات میں کچھ ایسی تبدیلی آئی کہ علمار کا ذوق روحانیت ومشیخت کا رنگ اختیار کرنے لگا۔ بڑے بڑے علمار اور اساتذہ مدرسوں کی بھیڑ بھاڑ سے نکل کر خانقاہوں کی پُرسکون فضار میں قال کے بجائے حال سے مانوس ہو گئے۔ اس سے جونپور کی اکثر درسگاہیں ختم ہو گئیں مگر اس زمانہ میں بھی شیخ شہاب الدینؒ کا مدرسہ پوری شان سے چلتا رہا۔ اور اُن کے بعد بھی ان کا فیض جاری رہا۔ اُن کے شاگرد رشید شیخ عبدالملک جونپوری متوفی ۸۹۷ھ اس کے صدر مدرس ہوئے اور اُن کے فیض یافتگان میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

تصانیف

قاضی شہاب الدین تدریسی خدمات کے ساتھ تصنیفی کارناموں میں بھی اپنے معاصرین پر خاص شہرت رکھتے تھے۔ اُنھوں نے مختلف علوم وفنون پر ایسی معیاری کتابیں لکھیں جو آٹھویں صدی کے

اسلامی ہند کی یادگار بن گئیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اُن کی کئی کتابوں کا شاندار الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔ آپ کے شیخ و مرشد سید اشرف سمنانی کچھوچھوی نے جو خود بھی زبردست عالم و مصنف تھے ان کی تصانیف کی داد دی ہے۔ مختلف کتابوں سے آپ کی تصانیف کی تعداد اٹھارہ ۱۸ معلوم ہوسکی ہے۔ جن میں سے چند کا تذکرہ کرتا ہوں: الارشاد فی النحو، حواشیہ کافیہ، بدیع البیان، جامع الصنائع، تفسیر بحر المواج، شرح اصول بزدوی، رسالہ در تقسیم علوم، مناقب السادات، المصباح، شرح قصیدہ بردہ وغیرہ۔

وفات قاضی صاحب کی وفات ۲۵ رجب ۸۴۸ھ یا ۸۴۹ھ میں جونپور میں ہوئی اور اپنے محلہ خواجگی میں مسجد اٹالہ کے جنوبی دروازہ کے پاس دفن کئے گئے۔ آج بھی انکی قبر مشن اسکول کے احاطہ میں موجود ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ و نور اللہ مرقدہ۔ (دیار پورب میں علم اور علماء)

"تاریخ جونپور" کے مؤلف سید اقبال جونپوری نے اپنی تالیف میں لکھا ہے کہ مولوی نورالدین زیدی جونپوری نے "تجلی نور" حصہ دوم میں لکھا ہے کہ محلہ خواجگی ٹولہ سے متصل اٹالہ مسجد کے دکھنی دروازے کے پاس احاطہ مشن اسکول میں آپ کا سنگی مزار موجود ہے۔ جس کی چوحدی یہ ہے کہ مزار آپکا اور آپکی اہلیہ کا سنگی ایک گھیرے میں ہے۔ گھیرے کے پچھم پانی کی ٹنکی ہے پورب میں دیوار انٹر کالج، اُتر میں پیپل کا درخت ہے، بعدہٗ پوسٹ آفس ہے۔ دکھن میں دیوار انٹر کالج ہے۔ گھیرے کے باہر دکھن میں ایک مزار کوہانی سنگی ہے اور مزار پانی کی ٹنکی کے دکھن میں ہے۔ (تاریخ جونپور ص ۱۳۵)

سعادت الحمد للہ عزیزم مولوی انوار الحق سلمہ، جونپوری کی معیت میں آپ کی مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ (مرتب)

حضرت شیخ احمد کھٹو رحمۃ اللہ علیہ سرخیز (گجرات) المتوفی ۸۴۹ھ

نام و نسب نام احمد، لقب گنج بخش، جمال الدین، شہاب الدین ۔ والد کا نام عبداللہ ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۷۳۷ھ میں دہلی میں ہوئی، حکمتِ الٰہی نے کھٹو میں پہنچا دیا جو جودھپور کے ضلع ناگور میں ایک بستی ہے، جہاں بہت سی مساجد، مزارات اور دیگر پرانے آثار موجود ہیں۔ ان میں سب سے قدیم ایک مسجد ہے جو سلطان شمس الدین التمش کے دور سے تعلق رکھتی ہے۔

بابا اسحٰق مغربیؒ کی خدمت میں آپ کے آباء و اجداد دہلی کے باشندے تھے آپ کا بچپن بھی دہلی میں گزرا۔ ایک بار دہلی میں بچوں کے ساتھ آپ کھیل رہے تھے کہ سخت طوفان آیا، جو آپ کو وہاں سے کسی اور طرف لے گیا۔ مسافروں کی طرح آپ بے یار و مددگار ہو گئے اُس زمانہ میں آپ کسمپرسی کے عالم میں ادھر سے اُدھر بھٹک رہے تھے کہ ایک دن بابا اسحٰق مغربیؒ سے آپ کی ملاقات ہو گئی جو اُس وقت کے بڑے کامل درویش تھے اور شیخ ابومدین مغربی سے فیض صحبت حاصل کیے ہوئے تھے، وہ آپ کو اپنی قیامگاہ کھٹو میں لے آئے۔ اِس طرح آپ نے شیخ مغربیؒ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی اور آپ سے خلافت حاصل کی۔

شیخ اسحٰق کی محبت کا یہ عالم تھا کہ شیخ احمد کھٹو کو ایک لمحہ کے لئے نہیں بھولتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شیخ احمد کو بھی حسن و جمال سے نوازا تھا، جو بھی آپ کو دیکھتا بے اختیار ہو جاتا، آپ کی آواز میں بڑی جاذبیت تھی۔ شیخ احمد کی عمر بیس سال ہوئی تو شیخ اسحٰق نے آپ کو خرقۂ خلافت کے ساتھ ساتھ اپنے پیران کرام کے تبرکات اور روحانی امانتوں سے بھی نواز دیا۔ بابا اسحٰق مغربیؒ کا سلسلہ شیخ ابومدین مغربیؒ سے جا کر ملتا ہے اور یہ اسقدر عالی سلسلہ ہے کہ صرف پانچ بزرگوں کے واسطہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ کیونکہ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ "اخبار الاخیار" میں تحریر فرماتے ہیں کہ: آپ کے سلسلہ کے تمام بزرگوں کی عمریں ڈیڑھ سو برس سے زائد تھیں۔

سفر حج ۷۸۳ھ میں آپ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ پھر حجاز سے واپسی پر آپ ٹھٹھہ ہوتے ہوئے اُچھ پہنچے، وہاں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ملاقات کی اور ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ پھر کھٹو ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے اور مسجد خانجہاں میں آپ نے قیام فرمایا۔

عملی کیفیت مسجد خانجہاں میں آپ کا زیادہ وقت مراقبہ، ذکر، فکر وغیرہ میں گزرتا۔ عبادت و ریاضت میں ایسے مشغول ہوئے کہ دن بھر روزہ رکھتے اور شام کو کھلی کے ایک ٹکڑے سے افطار کرتے۔

سفر سرخیز تیمور کی درخواست پر آپ اسکے ساتھ سمرقند پہنچے۔ وہاں کچھ دن قیام کر کے ہندوستان لوٹے اور سرخیز گجرات میں سکونت اختیار فرمائی اور تادمِ حیات یہیں مقیم رہے۔

آپ کا مدرسہ شیخ احمد نے سرخیز میں خانقاہ، مسجد اور تالاب بنوایا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد محمد شاہ دوم نے آپ کا مقبرہ اور مدرسہ وغیرہ بنوادیا، اسکے ساتھ طلبہ کے رہنے کے لئے ایک دارالاقامہ کی تعمیر کرائی جو عرصہ تک موجود تھا۔

احمد آباد کا سنگ بنیاد شہر احمد آباد (گجرات) کی بنیاد ایسے چار احمد نامی اشخاص نے رکھی جن کی عصر کی سنتیں بھی کبھی قضا نہیں ہوئیں: (۱) سلطان احمد (۲) قاضی احمد (۳) ملک احمد (۴) شیخ احمد کھٹو، جن کے حالات آپ پڑھ رہے ہیں۔

وفات آپ کا انتقال ۱۴ر شوال ۸۴۹ھ کو سرخیز میں ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(مشائخ احمد آباد ص۱۳۵/۱)

شیخ نصیر الدین ابن جمال الدین نوساری گجراتیؒ المتوفی ۸۵۱ھ

مرتبہ عزیزم مولانا اقبال محمد صاحب ٹنکاروی مہتمم دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ

نام ونسب آپ کا اسم گرامی نصیر الدین اور والد کا نام جمال الدین تھا۔ آپ کا وطن اصلی بغداد تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے ہو کر سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور سلسلۂ طریقت حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہندوستان کے بہت سے لوگ ناواقف ہیں۔ اِس سلسلہ کے بہت سے بزرگوں کی ہندوستان آمد ورفت رہی ہے۔ لیکن اُن کے فیض سے گجرات، دکن حیدرآباد کے لوگوں نے فائدہ اُٹھایا اور یہ سلسلہ یہیں خوب پھلا پھولا۔

فضل وکمال حضرت شیخ شرف الدین اساولی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے بزرگ تھے اُنہی سے شیخ نصیر الدینؒ کو خلافت ملی تھی۔ آپ کے نوساری آنے کے بعد نوساری کے باشندوں کو اور اطراف وجوانب کے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ اور آپ کی توجہاتِ باطنی سے بہت سے لوگ مشرف باسلام ہوئے۔

آپ کی کشف وکرامات بھی بہت زیادہ مشہور تھیں۔ اعلیٰ درجہ کی پرہیزگاری اور تہجد کی پابندی آپ کی خاص پہچان تھی۔ رات دن یادِ الٰہی، درود شریف اور تعلیم میں وقت گزارتے تھے۔ توکل علی اللہ آپ کی عادتِ شریفہ تھی۔ مخلوق کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

"تاریخ نوساری" (جو تقریباً ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک لکھی گئی ہے) کے مصنف لکھتے ہیں کہ: حضرت سے جاننے کے قابل حقیقت کو شیخ فقیر اللہ (جو دیوان صاحب سے مشہور تھے، بڑے عالم تھے) نے اپنی "رافت" نامی کتاب میں جو ۱۲۰۱ء میں حضرت مخدوم کی سوانح سے متعلق لکھی گئی ہے واشگاف کر دیا ہے۔ اگر اسمیں سے آپ کی سوانح لکھی جائے تو بڑی ضخیم کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔

"تاریخ نوساری" میں آپ کے پیر طریقت شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اور شرف الحق رحمۃ اللہ علیہ نامی دو بزرگوں کا تذکرہ ملتا ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے۔ ممکن ہے سہواً ہوا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے پیر طریقت کا نام شرف الدین اسالویؒ تھا۔

آپ کی نوساری آمد

آپ جب سلسلۂ طریقت کے اونچے مقام پر پہنچے، تو نوساری آنے کا عجیب واقعہ پیش آیا۔ جو مختصراً عرض ہے:۔

"تاریخ نوساری" کے مصنفؒ لکھتے ہیں کہ آپ کے شیخ طریقت کے پاس ایک عورت آئی اور کسی کام سے متعلق دعا کی درخواست کی، تو شیخ نے کہا کہ یہ کام نہیں ہوگا۔ اسکے بعد وہ عورت حضرتؒ کے پاس پہنچی اور دعا کی درخواست کی، حضرت نے دعا فرمائی اور وہ کامیاب ہوگئی۔ جب اس بات کا علم اُنکے شیخ کو ہوا تو ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ آپ گجرات اور کوکن کے درمیان جاکر مقیم ہو جائیے (آپ شیخ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اُس جگہ پر پہنچے جہاں آج نوساری میں آپ کا مزار ہے)۔ اُس وقت یہ جگہ گجرات اور کوکن کے درمیان شمار کی جاتی تھی۔ اُس وقت کوکن کی حد نوساری کے "نُونشی کوئی" نامی جگہ میں شربتیہ تالاب کی جنوبی جانب تک تھی اور گجرات کی حد اس تالاب کی شمالی جانب تک تھی۔

آپ کی کرامت

اس کے کچھ ہی مدت بعد آپ حج کیلئے تشریف لے گئے۔

اور واپسی میں زیتون نامی درخت کی ایک شاخ مسواک کیلئے ساتھ لے آئے روزانہ اسی سے مسواک کرتے اور پھر زمین میں گاڑ دیتے۔ آپ کے انتقال کے وقت جہاں جہاں آپ نے مسواک گاڑی تھی وہاں وہاں پانچ چھ زیتون کے درخت اُگ آئے (اور کافی مدت تک وہ درخت سرسبز و شاداب رہے) اُس جگہ کے علاوہ صوبۂ گجرات میں اور ہندوستان میں بھی کسی جگہ یہ زیتون کا درخت دیکھنے میں نہیں آیا۔

وفات: آپ کی وفات "تاریخ نوساری" کے مطابق ۸۸۱ھ اور "یاد ایام" کے مطابق ۸۵۱ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ۔ آپ کی قبر پر ایک کتبہ ہے جس میں آپ کی مختصر سوانح درج ہے۔ وہ یہ ہے:۔

آپ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا نام نصیر الدین، لقب مخدوم ہے۔ ۸۲۵ھ میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ بغداد سے مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے احمد آباد تشریف لائے، پھر نوساری گجرات میں سکونت اختیار کر لی، جہاں تقریباً ۲۶، ۲۷ سال تک آپ تبلیغ فرماتے رہے اور آپ کے ارشادات، ہدایات نیز توجہات باطنی سے اکثر مشرکین مشرف باسلام ہوئے۔ آپ نے ۹ شعبان المعظم ۸۵۱ھ کو اس عالمِ فانی سے رحلت فرمائی۔ خانقاہ عالیہ کا حصہ مخدوم پورہ (نوساری) مشہور ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(اکابرین گجرات، گجراتی ج ۱ ص ۴۲۴، ۴۲۶)

---

۵۷ الحمد للہ، آپ کی مسجد میں متعدد بار نماز ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ذات بابرکات کے فیوض باطنی سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین! (مرتّب)

حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ المتوفی ۸۵۱ھ

تعارف ماشاء اللہ حضرت مولانا یعقوب چرخی رح تفسیر قرآن پاک اور دیگر کتب دینیہ کے مصنف ہیں۔ آپ موضع چرخ کے رہنے والے تھے۔ چرخ غزنی میں ایک دیہات ہے۔ آپ کو اگرچہ اجازت خواجہ بہاؤالدین نقشبند سے ہے، لیکن چونکہ آپ کی تکمیل حضرت علاؤالدین عطارؒ کی خدمت میں ہوئی، اس سبب سے اُنہی کے خلفاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ابتداء میں کچھ مدت آپ نے جامع ہرات میں اور کچھ مدت مصر میں پڑھا۔ تحصیل علم کے بعد محبت الٰہی کے جذبہ سے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ نقشبندؒ نے ان کو اپنی خدمت میں قبول کر لیا۔ حضرت یعقوب چرخی رح اس بات سے بہت خوش ہوئے۔

خواجہ بہاؤالدین کی نصیحت حضرت خواجہ نقشبندؒ نے انکو وقوف عددی[عہ] کی تعلیم دی اور فرمایا کہ حتی المقدور طاق عدد کی رعایت رکھنا۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد حضرت خواجہ نے انکو سفر کی اجازت دی اور فرمایا کہ جو کچھ تجھ کو ہم سے ملا ہے اس سے بندگان خدا کو فیضیاب کرنا۔ اور رخصت کرتے وقت تین مرتبہ فرمایا: "میں نے تجھ کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کیا" اور اس وقت اشارہ حضرت خواجہ علاؤالدین رح کی متابعت کرنے کی طرف کیا۔ آپ وہاں سے روانہ ہو کر کیش میں پہنچے۔ وہاں خبر پہنچی کہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند رح کا انتقال ہو گیا۔

عہ یہ کلمات نقشبندیہ میں سے ہے جن کی تعداد گیارہ بتائی جاتی ہے۔ اس سے مراد ذکر میں سانس چھوڑتے وقت طاق عدد کا لحاظ رکھنا ہے۔ (مشائخ نقشبندیہ مجددیہ صـ۹۱)

آپ نہایت محزون ومغموم ہوئے اور اندیشہ ہوا کہ جان نہ نکل جائے۔ اسی اثناء میں خواجہ علاؤالدین کا خط آیا اور اس میں حضرت خواجہؒ کے اشارہ متابعت کو یاد دلایا۔ چنانچہ اس خط کے پہنچتے ہی آپ حضرت خواجہ علاؤالدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُنھوں نے آپ کے حال پر نہایت کرم فرمایا۔ اور جب تک وہ حیات رہے آپ ان کی صحبت سے الگ نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔

ارشادات مولانا یعقوب چرخیؒ سے منقول ہے کہ جو طالب کسی شیخ کی صحبت میں آئے اس کو خواجہ عبیداللہ کی طرح ہونا چاہیئے کہ چراغ بھی تیار ہو، اور اس میں فتیلہ (بتّی) بھی پڑا ہو۔ صرف گندھک اس میں رکھنا باقی ہو۔ (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص۱۷۷)

ف: یہ نصیحت ہم سب کو یاد رکھنا چاہیئے، تاکہ بزرگوں کی خدمت سے باطنی نسبت حاصل ہو۔ (مرتّب)

وفات

آپ کی وفات ۸۵۱ھ میں ہوئی اور مقام ملغتور میں مدفون ہوئے۔

نوّراللہ مرقدہٗ۔

(ماخوذ از "انوار العارفین")

حضرت الشیخ محمد ابوالمواہب الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۵۱ھ کے بعد

تعارف آپ بہت بڑے زیرک و نیکوکار و علماء راسخین و ابرار میں سے تھے آپ کو علی ابو الوفا کی گویائی عطا ہوئی تھی۔ آپ نے اعلیٰ کتابیں تصنیف کیں۔ جامع ازہر کے قریب میں رہا کرتے تھے، سلطان غوری کے تعمیر کئے ہوئے منارہ کے مقام پر اُن کا حجرہ تھا، اکثر ان پر سُکر کی حالت طاری رہتی تھی، اسی حال میں وہ نیچے اُترتے تھے اور جامع ازہر میں جھومتے ہوئے ٹہلا کرتے تھے۔

فضل وکمال آپ علماء راسخین میں سے تھے۔ علوم صوفیہ کے سلسلہ میں آپ کی تصنیف کتاب القانون ہے۔ وہ عجیب و غریب کتاب ہے کہ ویسی کتاب پہلے تصنیف نہ کی گئی تھی۔ اور وہ طریق میں اس کے مؤلف کے ذوقِ کامل پر شاہد ہے۔

اخلاق ایک مرتبہ آپ حجرہ کے اندر سادات کی زیارت کر رہے تھے کہ ان لوگوں نے ان کو پکڑا اور اس قدر مارا کہ آپ کا سر خون آلود ہو گیا، مگر آپ مسکراتے اور یہی کہتے رہے کہ آپ ہمارے سردار ہیں اور میں آپ کا غلام ہوں۔

ارشادات فرماتے تھے کہ عارف کا حال اسکی حیات کی حالت میں پڑھتا ہے اور وہ مشہور نہیں ہوتا مگر مرنے کے بعد۔

شیخ تاج الدین نے "حِکَم" میں فرمایا ہے کہ اُس جاہل کی صحبت جو اپنے نفس سے راضی نہ ہو، اُس عالم کی صحبت سے بہتر ہے جو اپنے نفس سے راضی ہو۔ فافہم۔

ف: اس لئے کہ ایسا جاہل درحقیقت عالم و عارف ہے اور جو عالم اپنے نفس سے راضی ہے وہ جاہل اور ناقص ہے، اسکی صحبت سمِّ قاتل ہے اور مشائخ نے

اسکو مضر ترین اشیاء میں شمار فرمایا ہے۔ (مرتّب)

فرماتے تھے کہ بعض اولیاء اپنے سچے مرید کو اپنے مرنے کے بعد اپنی زندگی کی حالت سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے ان کی تعلیم کو انجام فرماتا ہے۔ وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس بغیر کسی واسطہ کے انکو تعلیم کرتے ہیں۔ **ف:** سبحان اللہ، کیسی بڑی بشارت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے کثرت صلوٰۃ وسلام کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی سعادت نصیب ہو۔ (مرتّب)

آپ فرماتے تھے کہ اگر تم اپنے بُرے بھائیوں کو چھوڑنے کا ارادہ کرو تو پہلے اپنے بُرے اخلاق کو ترک کرو۔ اس لئے کہ بھلائی کا زیادہ مستحق تمہارا نفس خود ہے۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ قریب ہے۔ (اس لئے اس کو چھوڑنا مقدم ہے۔ مرتب)۔

فرماتے تھے کہ ابنائے دنیا (یعنی دُنیادار) دُنیا پر لوٹے پڑ رہے ہیں حالانکہ دنیا سے وہ ہر لمحہ کوچ کر رہے ہیں۔ اور یہ اِس لئے کہ ان کو نہیں معلوم کہ کدھر جا رہے ہیں۔

فرماتے تھے کہ ریاء کی ایک علامت یہ ہے کہ ریاکار کی طرف کسی نقص و خرابی کی نسبت کی جائے تو اس کا جواب دے (یعنی ہر طرح اس کی صفائی دے) اور ہمعصر صالحین کا تذکرہ ہو تو ان کا نقصان و عیب بیان کرے تا کہ اپنا کمال ثابت ہو۔

فرماتے تھے کہ فقراء احوال میں ریا کرتے ہیں اور فقہاء اقوال میں۔ فرماتے تھے کہ جو شخص لوگوں میں نام و نمود کا طالب ہو گا تو اس کے لئے لازم ہے کہ مخلوق کو

ایسی باتوں سے راضی کرے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ اور ان سے میل ملاپ اللہ کیلئے نہیں بلکہ محض ہوائے نفسانی کے تحت اختیار کرے گا۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ ولی ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ اس سے تکلیف ساقط ہو جاتی ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اعمال کی کلفت و مشقت ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے بلال! ہم کو نماز کے ذریعہ راحت پہنچاؤ۔

ف: یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وارثین کو بھی نیابۃً ووراثۃً یہ دولت نصیب ہوتی ہے کہ ان کو عبادت وطاعت میں کلفت تو کیا، راحت وحلاوت ملنے لگتی ہے اور یہ ان کی سب سے بڑی باطنی کرامت ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ مخلوقات کے طالب نہ بنو۔ اس لئے کہ یہ سب دراصل تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اور تم اپنے رب کیلئے پیدا کئے گئے ہو۔ پس اگر تم نے ایسی چیزیں طلب کیں جو تمہارے ہی لئے پیدا کی گئی ہیں اور اپنے مطلوب کو تم نے چھوڑ دیا تو تمہارا سلوک اُلٹا ہو گیا۔ اور اگر تم اپنے مطلوب رب تعالیٰ کو طلب کروگے تو تم جملہ موجودات کے مطلوب بن جاؤ گے۔

فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے علماء نے کیا خوب بات ارشاد فرمائی ہے کہ عزلت وخلوت اسی کے لئے زیبا ہے جو فقہ یعنی مسائل کا علم حاصل کر چکا ہے۔ اور سلف چالیس سال کی عمر تک تو علم میں مشغول رہتے تھے، پھر اپنے علم پر عمل کرنے کی غرض سے عزلت اختیار فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جب حضرت شبلی نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا۔ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (یعنی تم میں کے بعض وہ ہیں جو دنیا کے طالب ہیں اور بعض آخرت کے۔) تو بہت زور سے چیخے، اور فرمایا کہ آخر وہ لوگ کہاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے طالب ہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ اے مریدو! جب تم لوگ کسی صاحبِ حال کو نہ پاؤ، تو صاحبِ قال ہی کی صحبت کو اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَاِن لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ (یعنی اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار ہی اس کو کافی ہے) اور ایسے شخص کی صحبت سے احتراز کرو جو نہ صاحبِ حال ہو اور نہ صاحبِ قال ہی۔

فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے محمد! یہ کیسی غفلت اور کیسی نیند اور کیسی روگردانی ہے؟ تجھ کو کیا ہو گیا ہے، جو تو نے قرآن پاک کی تلاوت چھوڑ دی ہے۔ قرآن کے مقابلہ میں اِن کمتر وظیفوں کی کیا وقعت ہے؟ ہرگز ایسا نہ کرو، بلکہ ہر روز کم از کم دو منزل تلاوت کیا کرو۔ شیخ کے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ اُس دن سے شیخ نے کبھی قرآن کی تلاوت ناغہ نہ کی اور بعض آیتوں کو بار بار پڑھتے اور اس قدر روتے تھے کہ رخساروں اور ڈاڑھی پر آنسو بہتے تھے اور اس قدر آہ آہ کرتے تھے کہ ان کے وجد اور گریہ کی شدت کو دیکھ کر کسی شخص کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ ان کے سامنے کچھ بات کر سکے۔

ف: سبحان اللہ، کیا ہی مبارک حال تھا۔ اللہ تعالےٰ ہم کو بھی ایسی حقیقی تلاوت سے شاد فرمائے جسکی طرف حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحبؒ برابر ترغیب ہی نہیں بلکہ تاکید فرماتے تھے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا تو یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ! جو شخص آپ پر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتے ہیں، تو یہ اس شخص کیلئے ہوگا جو حضور قلب سے پڑھے؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، یہ اس شخص کیلئے ہے جو غفلت

کے ساتھ پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو پہاڑوں کی مانند فرشتے عطا فرماتے ہیں جو اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور بخشائش چاہتے ہیں۔ اور جو حضور قلب کے ساتھ درود پڑھتا ہے تو اس کے اجر کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

ف: اس کا تقاضا ہے کہ ہم درود شریف پڑھنے کا اہتمام کریں۔ وباللہ التوفیق (مرتب)

آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں پڑھا ؎

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَا کَالْبَشَرِ بَلْ ھُوَ یَاقُوْتٌ بَیْنَ الْحَجَرِ

(یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر ہیں مگر عام بشر کی طرح نہیں، بلکہ وہ ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت۔)

اس کے بعد مجھے آں حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو مجھ سے فرمایا کہ اللہ نے تجھ کو اور جتنے آدمی اس قول میں تیرے ہمزبان تھے سب کو بخش دیا اس کے بعد سے مرتے دم تک یہ مبارک جملہ ہر مجلس میں کہا کرتے تھے۔ (طبقات ص ۶۹/۲)

فرماتے تھے کہ اولیاء اللہ کو بہت سے ایسے امور کی اطلاع ہوتی ہے جن پر علماء کو اطلاع نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ جس کو اپنا دین پیارا ہو اس کیلئے ادب و تسلیم کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ فرماتے تھے کہ فقیر کو لازم ہے کہ اپنے بھائی سے یہ معاہدہ کرے کہ دونوں میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہلے پہنچے وہ دوسرے کیلئے اپنے پروردگار کے پاس وسیلہ بنے گا۔

فرماتے تھے، ہم نے سنا ہے کہ قیامت کے دن جب ایسا شخص حاضر کیا جائے گا جس کا نام محمد ہوگا، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ میری نافرمانی کرتے وقت تجھے شرم نہ آئی کہ تو میرے حبیب کا ہمنام تھا، مگر مجھے تجھ کو سزا دیتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ تو میرے حبیب کا ہمنام ہے۔ جا! جنت میں داخل ہوجا!

فرماتے تھے کہ اہلِ صلاح کی حقیقت کو صرف دُبلا پن و غربت (فقر) وغیرہ سے بیان کرنے میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ ان میں موٹے، دُبلے، نعمت والے، فقر و فاقہ والے سبھی قسم کے ہوتے ہیں موٹے ہونے کی دلیل تو اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (اللہ تعالےٰ نے اُن کو علم و جسم میں بڑھایا ہے) خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر سلوٹیں تھیں، اور حضرت علیؓ موٹے اور توند والے تھے۔ اسی طرح ہمارے شیخ حافظ ابن حجرؒ نے اپنے اُستاذ کبیر سید احمد البدویؒ کی صفت میں بیان فرمایا ہے کہ وہ گداز پنڈلیوں والے اور توند والے تھے۔ بہر حال اہلِ نعمت اور صاحبِ فقر دونوں ہی قسم کے لوگ کثرت سے اُمتِ محمدیہ میں رہے ہیں۔ (طبقات ج۲ ص۲)

فرماتے تھے کہ بعض دوستوں کے پاس بہت سی باتوں کے کہنے سے احتراز کرنا چاہئے کیونکہ بہت سے لوگوں کو اس سے ضرر پہنچا ہے، اس لئے کہ انھوں نے اپنے دوستوں پر اعتماد کرلیا اور یہ نہیں خیال کیا کہ وہ اس کو عداوت و مخالفت کے وقت اپنا ہتھیار بنائیں گے۔ پس ایسے لوگوں سے خوب بچتے رہو۔ (طبقات ج۲ ص۱)

ف: بہت ہی تجربہ کی بات ارشاد فرمائی۔ جو اس زمانہ میں خاص طور سے قابلِ عمل ہے، اسلئے کہ مجالس کی امانت کی سعادت نادر الوجود ہے۔

العیاذ باللہ تعالےٰ۔ (مرتب)

فرماتے تھے، جو ظالم کی صحبت میں بیٹھا وہ بھی ظالم ہے۔ اس لئے کہ ظالم کا منشاء اللہ تعالےٰ سے غفلت اور نفس سے رضا کا سبب ہے اور اس کا نتیجہ شیطان کی ہمنشینی ہوتا ہے۔ فرماتے تھے کہ دیکھو! کم عمر لڑکوں، عورتوں، امیروں، بادشاہوں اور دنیا داروں کی صحبت سے بچتے رہو جن میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

فرماتے تھے، جب نیتیں زیادہ ہوں گی تو عمل کے معنی بھی زیادہ ہوں گے، گو صورت ایک ہی ہو۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص نماز پڑھے اور اسمیں اس کی اتنی نیتیں ہوں۔ ادائے فرض، اور سنت جماعت کا زندہ کرنا۔ اور لوگوں کا اس عمل میں اس کی پیروی کرنا۔ اسلام کی شان وشوکت کو ظاہر کرنا اور نمازیوں کی جماعت کو بڑھانا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان اعمال کی وجہ سے لوگ جو تعریف کریں تو اس کی طرف التفات نہ کرے۔ پس یہ بہت سی نیکیاں ہیں جو ایک ہی عمل میں مندرج ہیں۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ" (یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ کا ذکر اکبر ہے۔) حالانکہ نماز اشرف العبادات ہے، تو اس لئے کہ نماز کا پڑھنا بعض اوقات میں حرام ہو جاتا ہے، بخلاف ذکر اللہ کے، کہ اس کی مشروعیت دائمی ہے۔

فرماتے تھے کہ اس بات میں اکابر کا اختلاف ہے کہ ذکر بالجہر افضل ہے یا بالسر؟ تو میں اس بات کا قائل ہوں کہ جس کے قلب پر سختی وقساوت غالب ہو تو اس کے لئے ذکر جہری افضل ہے۔ اور جس پر جمعیت وطمانینت غالب ہو تو اس کے لئے ذکر سری مفید ہے۔

ف : سبحان اللہ، کیا خوب فیصلہ فرمایا۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ اہل تعریف نے بجائے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے اَللّٰہ اَللّٰہ کے ذکر کو اختیار کیا ہے تو یہ اس لئے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ الٰہ کے وجود کا وہم ہوتا ہے جسکی نفی کی جا رہی ہے۔

ف : یعنی جب اُن کے وجود کا توہم ہوا تب ہی تو نفی کی ضرورت ہوئی۔

تو یہ حضرات اس توہم سے بھی احتراز فرمانا چاہتے ہیں۔ (مرتب)

اور میں اس بات کا قائل ہوں کہ جس پر خواہشات کا غلبہ ہو اس کے لئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر زیادہ مفید ہے۔ اور جس نے ان سے نجات حاصل کرلی ہو تو اس کے لئے اَللہُ اَللہ کا ذکر زیادہ نافع ہے۔

فرماتے تھے کہ عبادت ہی خیر و برکت کی کلید ہے۔ اس لئے جس کے اوراد و وظائف ابتدا ہی میں ضائع ہو گئے، تو پھر وہ انجام میں واردات واحوال سے محروم رہے گا۔ اس لئے کہ جس طرح معارف کے اسرار ہوتے ہیں ویسے ہی اعمال کے انوار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اے سالکین راہ! اپنے وظائف پر مداومت اختیار کرو، اگرچہ مراد و مقصود تک پہنچ چکے ہو۔ (طبقات ج ۲ صـ۷۲)

فرماتے تھے کہ فقیر کو زیبا نہیں ہے کہ باقی و اُخروی عمل کے مقابلہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی متاع کو عظیم سمجھے۔ چنانچہ شیخ ابن ابی زید قیروانی نے اپنے بیٹے کے ادب آموز (ادب سکھانے والے) کو سو دینار دیئے جبکہ اس نے انکے لڑکے کو قرآن پاک کے دو جزء پڑھائے تھے، تو اس مؤدِّب و معلّم نے کہا کہ یہ میری محنت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے تو ابو زید قیروانی نے فرمایا کہ یہ دنیا کو عظیم و برتر سمجھتا ہے، اسلئے اپنے لڑکے کو ان کے پاس سے اٹھالیا۔ (طبقات ج ۲ صـ۷۳)

فرماتے تھے کہ جب تم اپنے نفس کو اہل اللہ کی محبت کے بجائے اعراض کرنے والا پاؤ تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کے باب سے تم مردود ہو چکے ہو۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام کی اجازت کی علامت یہ ہے کہ تمھاری باتیں لوگ قبول کریں۔ فرماتے تھے کہ جو اپنے نیک ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ چیونٹی کو بھی نہ ستائے۔ فرماتے تھے کہ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جو

اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ ان کی قدر کی جائے، اور نہ ان لوگوں میں سے جو اپنی پیشانیوں کو اس لئے سیاہ کرتے ہیں کہ جاہ حاصل ہو۔ بلکہ اللہ کی عبادت کسی غرض نفس کے لئے ہرگز نہ کرو۔ (طبقات ج ۲ ص ۷۳)

فرماتے تھے کہ جب تم خواب میں کوئی بشارت سنو تو بس اتنے سے خوش نہ ہو جاؤ، جبتک کہ یہ نہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہیں یا نہیں!

ف: اپنے اعمال و معاملات کو دیکھنا چاہیئے کہ موجب رضائے الٰہی ہیں، یا نہیں؟ اگر ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ ورنہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے۔ (مرتب)

وفات

تاریخ وفات کی تعیین تو نہیں ملی۔ البتہ یہ صراحت مذکور ہے کہ اپنے شیخ ابو سعید الصفوی رح (المتوفی ۸۵۱ھ) کی وفات کے وقت بقید حیات تھے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ (طبقات ص ۴۲)

حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن حجر العسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ

نام ونسب نام احمد، کنیت ابو الفضل، لقب شہاب الدین ہے۔ والد کا نام علی بن محمد ہے۔ آل حجر کی طرف نسبت کرکے ابن حجر کہا جاتا ہے قبیلہ کی نسبت سے کنانی اور ساحل فلسطین کے ایک گاؤں کی طرف نسبت کرکے عسقلانی کہا جاتا ہے۔

ولادت ابن حجرؒ مصر میں ۲۲ر شعبان ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی حالات ابن حجرؒ خوبصورت، دُبلے پتلے، شیریں زبان اور بہت ذہین وزیرک تھے۔ آپ کے والدین آپ کی کمسنی میں وفات پا گئے تھے۔ اس لئے زکی الدین خروبی نام کے ایک بڑے تاجر نے بحیثیت وصی کے اُن کی پرورش وپرداخت کی۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے اور نو برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا اور پھر کم عمری میں ہی فنون کی بہت ساری کتابیں زبانی یاد کرلیں۔ اس کے بعد ان کو تاریخ اور شعروادب کا شوق ہوا اور اس میں کمال مہارت حاصل کی۔ تحصیل علم حدیث کے لئے دنیا کے مختلف ممالک کا سفر کیا اور اُس زمانہ کے اجل اہل علم سے سند واجازت حاصل کی۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد مختلف درسگاہوں کو درس وافادہ کی زینت بخشی۔ تقریباً ۲۱ سال تک مصر کے منصب قضا پر فائز رہے۔

ابن حجرؒ کا فضل وکمال اور تصنیف وتالیف میں ان کا مرتبہ وپایہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ پوری علمی دنیا میں اُن کے علم ومعرفت کا سکہ چلتا ہے

حتیٰ کہ اگر حافظ کا لفظ بولا جائے تو اس سے ابن حجرؒ کے علاوہ کسی اور کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ (حیات ابوالمآثر ص ۲۴۲)

تصنیفات ان کی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے۔ آپ کی تصنیفات کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ خصوصاً بخاری شریف کی شرح فتح الباری تو اس قدر مقبول ہوئی کہ مختلف بلاد کے بادشاہوں نے بھی اسکی خواستگاری کی۔ اور اس کا ایک نسخہ تقریباً تین سو دینار میں فروخت ہوا۔

حافظ ابن حجرؒ بھی اپنی اس خدمت کو حق تعالیٰ کا بہت بڑا احسان سمجھتے تھے، اس لئے جب اس سے فارغ ہوئے تو خوشی میں ایک شاندار دعوت کی جس میں پانچ سو دینار صرف ہوئے تھے۔ شاذونادر ہی کوئی عالم یا رئیس ہوگا جو اس دعوت میں شریک نہ ہوا ہو۔

فضل وکمال آپ اپنے دور کے شیخ الاسلام، امامِ حدیث، قابل حجت اور فقیہ وناقد تھے۔ اور تاریخ میں آپ کا ایک مقام ومرتبہ ہے۔ بلکہ آپ دیارِ مصر ہی نہیں اُس وقت تمام عالم میں حفاظِ حدیث میں سب سے اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

آپ سب سے پہلے علم ادب اور فن شعر میں مشغول ہوئے اور اس میں پوری مہارت وقدرت حاصل کی۔ اس کے بعد ۷۹۴ھ میں آپ علمِ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے علم حدیث کے حصول کے لئے بہت اسفار کئے، لیکن آپ نے ابوالفضل العراقی کی صحبت کو لازم کرلیا اور اُن ہی سے علم حدیث میں پوری مہارت اور علم حدیث کے ہر شعبہ میں پورا کمال حاصل کرلیا۔ اور آپ اپنے دور کے فقہ کے امام اور حدیث وفن حدیث میں حجت

اور دلیل تھے۔ اور آپ کئی بار مصر کے عہدۂ قضار پر فائز ہوئے، لیکن آپ نے اُس سے علیحدگی اختیار کر لی اور تصنیف و تالیف میں پوری طرح مشغول ہو گئے۔

(علم رجال الحدیث ص۲۹۲، نزہۃ النظر ص۶ مطبوعہ مکتبہ علیہ، مدینہ منورہ)

اقتباس جی چاہتا ہے کہ "فتح الباری" سے ایک مختصر سی عبارت کا ترجمہ نقل کروں جس کو بغرض افادہ حضرت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اپنی مجالس میں اکثر سنایا کرتے تھے۔ وہ یہ ہے :۔

"اللہ تعالیٰ کی محبت دو قسم کی ہے۔ ایک فرض، دوسرے مندوب، پس فرض وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کے ادا کرنے اور معاصی سے باز رہنے، اور تقدیر پر راضی رہنے پر اُبھارے۔ پس جو شخص کسی معصیت میں مبتلا ہوتا ہے خواہ کسی فعل حرام کے ارتکاب سے یا واجب کے ترک سے، تو (درحقیقت) اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی محبت میں کمی و قصور ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اپنی ہوائے نفسانی کو (احکام محبوب اور محبت الٰہی پر) ترجیح دیتا ہے۔

اور مندوب محبت وہ ہے کہ نوافل پر مداومت کرے اور شبہات تک کے ارتکاب سے احتراز کرے۔ اور ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت بھی دو قسم پر ہے، یعنی فرض و مندوب۔ اور محبتِ رسولؐ کا تقاضا ہے کہ ماموات یا ممنوعات میں سے جو بھی اختیار کرے وہ مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہو، اور آپ کے طریقے پر چلے اور آپ کی شریعت سے راضی رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی طرف سے جو بھی فیصلہ ہو، اس سے ذرہ برابر تنگ دل نہ ہو، اور آپؐ کے اخلاق حسنہ مثلاً جود، ایثار، حلم اور تواضع وغیرہ سے متخلق ہو۔

پس جو شخص ان امور کا اپنے نفس کو خوگر بنائے گا وہ (یقیناً) ایمان کی حلاوت

پائے گا۔ اور اسی لحاظ سے مومنین کے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔ (فتح الباری ص ۶۱ ج ۱)

طریق تحصیل محبت

ف: سبحان اللہ اس سے محبت کی کتنی عظمت واہمیت ثابت ہوئی کہ خود تو فرض ہے ہی مزید براں بہت سے فرائض کی ادائیگی کا ذریعہ ووسیلہ بھی ہے۔ اسی کی وجہ سے تکلیفاتِ شرعیہ واعمالِ شاقہ کی بجاآوری میں بجائے کلفت ومشقت کے یُسر وسہولت پیدا ہوجاتی ہے، بلکہ اس میں محبِّ مخلص کو عجیب حظ وحلاوت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اسی کو کسی نے خوب کہا ہے ع از محبت تلخہا شیریں شود

اس نعمت عظمیٰ کی تحصیل کا طریق بزرگوں کی تصریح کے مطابق کثرتِ ذکر اور معاصی سے پرہیز ہے۔ نیز اہلِ محبت کی صحبت اس کے لئے انتہائی مفید بلکہ اکسیر ہے۔ اور جن جن سعادتمندوں کو اب تک یہ دولت ملی انہی اصول کی پابندی سے نصیب ہوئی۔ اور یہ تو بالکل عیاں ہے کہ اُمّت کے سب سے اول واعلیٰ افراد صحابہ کرام رض اسی محبت رسول ص کے فیض وبرکت سے اس منصب عالی تک پہنچے۔ اور صحابہ کرام رض کے لئے یہ کیا کم فضل ہے کہ اس دُنیا ہی میں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ کی شہادت سے نوازے گئے۔ (مرتّب)

منبّہات سے کچھ نصیحتیں

علامہ ابن حجر عسقلانی رح کی معرکۃ الآراء کتاب "منبّہات" کے اردو ترجمہ "تنبیہات" سے کچھ مفید اقتباس نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں:۔

حضرت اعمش رح کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا اصل سرمایہ تقویٰ ہو اسکے دین کے فوائد اور خوبیاں بیان کرنے سے زبانیں عاجز ہیں۔

جس شخص کا اصل سرمایہ دُنیا ہو، اُس کے دین کے خسارہ کے بیان کرنے

سے زبانیں عاجز ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحؒ کا ارشاد ہے کہ: جو معصیت شہوت کی وجہ سے ہو، اُس کی تو معافی کی امید ہوتی ہے۔ مگر جو معصیت کبر کی وجہ سے ہو اُس کی معافی کی امید نہیں ہوتی (کیونکہ متکبر کبر وانانیت کیوجہ سے توبہ ہی نہیں کرتا) چنانچہ ابلیس کی معصیت کبر کی وجہ سے تھی اس لئے اکڑتا ہی چلا گیا اور راندۂ درگاہ ہوا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش شہوت کی بنا پر تھی اس لئے ان کو ندامت ہوئی اور روئے گڑگڑائے اور صدقِ دل سے توبہ کی تو اللہ تعالےٰ کے یہاں سے خلعتِ خلافت سے نوازے گئے۔

مقولہ: اپنی کوتاہی کا اقرار کرنے والا ہمیشہ قابلِ تعریف ہوتا ہے اور کوتاہی کا اقرار قبولیت کی نشانی ہے۔

حضرت علی رضؓ سے منقول ہے کہ: دنیا کی نعمتوں میں نعمتِ اسلام کافی ہے۔ اور مشاغل میں شغلِ عبادت کافی ہے۔ اور عبرت کی چیزوں میں سے موت کافی ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: جو شخص دنیا کو ترک کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو محبوب رکھتا ہے۔ اور جو شخص گناہوں کو ترک کرتا ہے فرشتے اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اور جو شخص مسلمانوں سے طمع ختم کرتا ہے مسلمان اس کو محبوب رکھتے ہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین نصیحتیں فرمائیں۔ (۱) جتنا چاہو زندہ رہو، آخر کو مرنا ہے۔ (۲) جس سے چاہو دوستی کرلو، آخر اُس سے جُدا ہونا ہے۔ (۳) جو چاہے عمل کرو، آخر اس کا بدلہ ملنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے کس چیز کی وجہ سے خلیل بنایا؟ ارشاد فرمایا: تین چیزوں کی وجہ سے۔ (۱) میں نے اللہ تعالےٰ کے حکم کو اُس کے غیر کے حکم پر ترجیح دیا۔ (۲) جس چیز کا (یعنی روزی) اللہ تعالےٰ نے میرے لئے ذمہ لیا ہے میں نے اس کی فکر نہیں کی۔ (۳) مہمان کے بغیر صبح وشام کا کھانا نہیں کھایا۔

بعض حکماء سے منقول ہے کہ تین چیزیں رنج وغم کو دور کرتی ہیں۔ (۱) اللہ تعالےٰ کا ذکر۔ (۲) اولیاء اللہ کی ملاقات (۳) عقلمندوں کا کلام۔

ف: سبحان اللہ، کیا خوب باتیں ارشاد فرمائیں جو لائحۂ عمل بنانے کے لائق ہیں۔ (مرتب)

حضرت حسن بصری رحؒ سے منقول ہے: (۱) جس کو ادب نہیں اس کو علم نہیں۔ (۲) جس کو صبر نہیں اس کو دین نہیں۔ (۳) جس کیلئے پرہیزگاری نہیں اُس کے لئے قربِ خداوندی نہیں۔

حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف اللہ تعالےٰ نے وحی بھیجی کہ اے عزیر! جب[۱] تم چھوٹا گناہ کرو، تو اُس کے چھوٹے ہونے کو نہ دیکھو بلکہ اُس کو دیکھو جس کی نافرمانی کی ہے۔ اور جب[۲] تم کو معمولی خیر پہنچے تو اُس کے معمولی ہونے ہونے کو نہ دیکھو، بلکہ اُس کو دیکھو جس نے تمکو وہ خیر عطا کی ہے۔ اور جب[۳] تم کو کوئی تکلیف پہنچے تو میری مخلوق سے میری شکایت نہ کرو، جس طرح جب تمھارے گناہ مجھ تک پہنچتے ہیں تو میں اپنے فرشتوں سے تمھاری شکایت نہیں کرتا۔

ف: سبحان اللہ، کیسی معرفت کی باتیں ہیں اللہ تعالےٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (مرتب)

حضرت لقمان حکیم سے منقول ہے کہ اُنھوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ انسان کے تین حصے ہیں۔ (۱) ایک حصّہ اللہ کے لئے (۲) ایک حصّہ اُس کے نفس کے لئے (۳) ایک حصہ کیڑے مکوڑوں کے لئے۔ اللہ کا حصہ اس کی روح ہے، اُس کے نفس کے لئے اُس کا عمل ہے اور کیڑے مکوڑوں کے لئے اُس کا جسم ہے۔ (اس لئے ضروری ہے کہ انسان جسم کے مطالبات سے زیادہ روح کے تقاضوں کو پورا کرے۔)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاری رضؓ سے فرمایا (۱) انسان کو چاہئے کہ کشتی کی تجدید یعنی مرمت کرے، اِس لئے کہ دریا بہت گہرا ہے۔ (۲) پورا توشہ ساتھ لے لے، اِس لئے کہ سفر بہت لمبا ہے۔ (۳) بوجھ ہلکا کرے، اِس لئے کہ گھاٹی بہت دُشوار ہے۔ (۴) عمل کو خالص کرے، اس لئے کہ پرکھنے والا بہت تیز نظر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص میں پانچ چیزیں ہیں وہ دنیا و آخرت میں سعادت مند ہوگا۔ (۱) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کا ذکر کرتا رہے۔ (۲) کوئی مصیبت پیش آئے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھے۔ (۳) جب کوئی نعمت ملے تو اُس کے شکر کے لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہے۔ (۴) جب کوئی کام شروع کرے تو بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہے۔ (۵) جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اَسْتَغْفِرُ اللہَ الْعَظِیْمَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ پڑھے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چھ چیزیں چھ جگہوں پر

پردیسی ہیں۔ (۱) مسجد پردیسی ہے اُس قوم کے درمیان جو بے نمازی ہوں۔ (۲) قرآن پاک پردیسی ہے اُس مکان میں جس میں لوگ اُس کی تلاوت نہ کرتے ہوں (۳) قرآن پاک پردیسی ہے فاسق کے سینہ میں (جو نہ اُسکی تلاوت کرے نہ اُس پر عمل کرے) (۴) مسلمان فرماں بردار عورت پردیسی ہے بداخلاق ظالم کے پنجہ میں۔ (۵) مسلمان نیکو کار مرد پردیسی ہے کمینی بداخلاق عورت کے قبضہ میں۔ (۶) عالم پردیسی ہے اُس قوم کے درمیان جو اس کی بات نہ سُنیں۔ (تنبیہات المعروف کام کی باتیں ص۸۱،۸۲) ترجمہ مولانا محمد فاروق میرٹھی

وفات آپ کی وفات ۲۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ میں شنبہ کی رات بمقام قاہرہ مصر ہوئی۔ اور قرافۂ صغریٰ میں مزار بنوالخروبی سے متصل مدفون ہوئے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

آپ کے جنازہ میں بہت زیادہ لوگ تھے، جن کا احصار ممکن نہیں، حتیٰ کہ بادشاہِ وقت نے برکت حاصل کرنے کی غرض سے خود جنازہ کو کندھا دیا۔ اور پھر اُمراء اور روسائے شہر دست بدست مزار تک جنازہ کو لے گئے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

(بستان المحدثین ص۲۹۲، نزہۃ النظر، مطبوعہ: اتحاد بک ڈپو، دیوبند

حضرت مخدوم مولانا حسام الدین حسام الحق مانکپوریؒ (پرتاپگڈھ) المتوفی ۸۵۳ھ

نام ونسب نام حسام الدین، والد کا نام مولانا خواجہ، اور آپ کے جد امجد مولانا جلال الدین ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت ۷۴۲ھ مطابق ۱۳۴۱ء میں ہوئی۔

تعارف آپ مانک پور (ضلع پرتاپگڈھ یو، پی) میں مقیم تھے اور شیخ نور الدین قطب عالمؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔ آپ وقت کے شیخ کبیر اور علم شریعت وطریقت کے عالم تھے۔ آپ کے ملفوظات کو بعض مریدین نے جمع کیا ہے جو "رفیق العارفین" کے نام سے موسوم ہے۔ (اخبار الاخیار ص۱۳۸)

"بزرگانِ دین" کے مؤلف مکرم سید محمد شمیم صاحب آپ کے متعلق یوں تحریر کرتے ہیں:۔

یعنی حضرت مخدوم شاہ حسام الحقؒ روحانی سلسلہ میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کی پانچویں پشت میں ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب "تاریخ مشائخ چشت" میں لکھتے ہیں کہ "حضرت حسام الحق مانکپوریؒ کے ایک سو بیس خلفاء تھے"۔

مشہور عالم ومفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ:۔ شیخ حسام الحق مانکپوریؒ، شیخ عبد الکریم مانکپوریؒ، شاہ پیر سلونیؒ اور شاہ پیر محمد لکھنویؒ اور مختلف مقامات کے کئی دیگر مشائخ سلسلۂ نظامیہ کے شیوخ کبار ہیں جنھوں نے ارشاد وہدایت اور تعلیم وتربیت کا سلسلہ سرگرمی

کے ساتھ جاری رکھا۔" مزید لکھتے ہیں کہ۔ "اُن سے فیض پانے والوں کی تعداد خدا کے سوا کوئی شمار نہیں کرسکتا۔" (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۱۵۳/۳)

کڑہ مانکپور کی سیاسی اہمیت بلبن اور خلجی دور کے بعد تغلق دور، جونپور کے شرقی خاندان کا دور اور پھر لودھی دور میں برقرار رہی۔ شروع مغل دور میں اور سوری خاندان کے زمانہ میں بھی کڑہ مانکپور پوربی خطہ کا دارالخلافہ رہا اکبر کے پچاس سالہ دور حکومت کے درمیانی حصہ میں بادشاہ اکبر نے ۱۵۸۰ء میں صوبہ الہ آباد قرار دیا اور کڑہ مانکپور کا دارالخلافہ ختم کردیا گیا۔ (بزرگان دین ص ۴۶)

مانک پور آبادی کے اندر ایک بڑے احاطہ میں جہاں حضرت مخدوم ؒ کا مزار ہے، اسی احاطہ کے سامنے مانکپور کی تاریخی خانقاہ ہے۔ خانقاہ کے پاس بہت ہی شاندار گنبدوالا مقبرہ ہے جسے بادشاہ سلیم شاہ سوری نے بنوایا تھا۔ مخدوم حسامیؒ کے خاندان کے ایک صاحب نے خانقاہ اور مقبرہ دکھلاتے ہوئے تفصیل بتلائی کہ شیرشاہ سوری کی ایک دختر مسماۃ سلیمان خاتون اُس وقت کے مشہور بزرگ حضرت بندگی شاہ قاسم حسامیؒ سے بیعت تھیں اور بعد میں شاہ قاسم کے نکاح میں آئیں، حضرت بندگی شاہ قاسمؒ حضرت مخدوم حسام الدینؒ کی پانچویں پشت میں تھے (بزرگان دین ص ۴۶)

ف: اللہ اکبر، کیسی نیک خاتون تھیں. شاہی محلات وباغات کی زندگی چھوڑ کر درویشانہ زندگی اپنائی۔ ــــــ ذالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

ارشادات: آپ کا ارشاد ہے کہ مریدین کی اپنے پیر کے ساتھ وہی مثال ہے. جو پیوند کی جامہ کے ساتھ ہے، لیکن جو مرید صادق اور اپنے پیر کا فرمانبردار ہوتا ہے وہ سفید جامہ پر سفید پیوند کی طرح ہے کہ اس کے دُھلنے سے وہ بھی دُھل جاتا ہے اور سفید ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو فیض شیخ کو پہنچتا ہے اس کے مرید کو بھی پہنچتا ہے۔ اور وہ اس سے منتفع ہوتا ہے۔ اور جو مرید اپنے پیر کا کہنا

نہیں مانتا وہ رسمی مرید ہے اور سفید جامہ پر سیاہ پیوند کے مانند ہے۔ اگرچہ پیر کا فیض اس کو بھی پہنچتا ہے مگر مطیع و فرمانبردار مرید کے بقدر نہیں پہنچتا۔

ارشاد فرمایا کہ: سالک ذکر سے عاشق ہو جاتا ہے۔ مگر عارف فکر سے عاشق ہو جاتا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ فیض الٰہی ناگاہ پہنچتا ہے (مگر ہر دل کو نہیں) بلکہ دلِ آگاہ کو پہنچتا ہے۔ اس لئے سالک کو سراپا انتظار رہنا چاہیئے کہ دیکھیں پردۂ غیب سے کیا فتح و کشائش ہوتی ہے۔

ف: معلوم ہوا کہ فتح و کشائش کا انتظار مستقل ایک مقام ہے اس لئے اس کی سعی کرنی چاہیئے۔ (مرتب)

فرمایا کہ محبوب حقیقی سے فراق کہاں ہے۔ یا تو وہ خود ہیں یا ان کا نور، یا اُنکے نور کا پرتو۔ فرماتے تھے: خلافت ملنے کے بعد میں مسلسل سات برس تک فقر و فاقہ میں مبتلا رہا۔ جب شدید بھوک لگتی تو پانی پی کر اپنے ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا: ابتدائے سلوک میں روزانہ قرآن پاک کے پندرہ پارے کی تلاوت کرتا تھا۔ تلاوت کے وقت تفسیر مدارک سامنے رہتی۔ اگر کسی مقام پر معنی کے سمجھنے میں کچھ توقف ہوتا تو تفسیر مدارک کو دیکھ لیتا تھا۔ اس سے بہت لطف و ذوق نصیب ہوتا تھا۔ ایک دن ہاتفِ غیبی نے آواز دی کہ آپ بہت ہی خوب تلاوت کرتے ہیں۔ یعنی جیسی قرآن کی تلاوت ہونی چاہیئے ویسی ہی آپ تلاوت کرتے ہیں۔

فرمایا، اگر کوئی مقامِ قطبیت کو بھی پہنچ جائے تو اسے تلاوت قرآن پاک کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ کم از کم روزانہ ایک پارہ ضرور ہی پڑھ لینا چاہیئے۔

فرمایا: دنیا مثل سایہ کے ہے اور آخرت مثل آفتاب کے، کوئی سایہ کی طرف

کتنا ہی دوڑے سایہ کو نہیں پکڑ سکتا۔ اور جب آفتاب کی طرف بڑھے گا تو اس کا سایہ خود بخود اس کے ساتھ چلے گا۔

ف : یعنی آدمی جب آخرت کا طالب ہوگا تو اسکو دنیا لامحالہ ملے گی۔ (مرتّب)

فرمایا۔ اتنے میٹھے نہ ہو جاؤ کہ مکھیاں لپٹنے لگیں۔ فرمایا کہ ہر شخص سے ملتے جلتے رہو مگر اس سے بالکل چپک نہ جاؤ۔ (اخبار الاخیار ص۳۸)

ف : سبحان اللہ، کیسی حکمت و نصیحت کی باتیں ہیں جو حرز جان بنانے کے لائق ہیں۔ و باللہ التوفیق۔ (مرتّب)

فرماتے تھے کہ مجھے اکثر کتابیں زبانی یاد تھیں، لیکن جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سب کچھ نسیاً منسیا ہوگیا۔ اور اب ایک بہترین علم کا مالک ہوں جو ان کتابوں کے علم سے بدرجہا بہتر ہے، جس کے ذریعہ ہر نیکی کو معلوم کر لیتا ہوں اگر کوئی چاہے تو میں فقہ کی مشہور کتاب "الھدایہ" کو سلوک کے طرز پر سناؤں۔

وفات

آپ کی وفات ۸۵۳ھ مطابق ۱۴۴۹ء میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(اخبار الاخیار ص۳۸)

سعادت مانک پور، پرتاپگڈھ (یو، پی) میں ایک احاطہ کے اندر آپ کا مزار ہے اس احاطہ میں دیگر اولیاء کرام کی بھی مزارات ہیں۔ اور اسی احاطہ کے سامنے آپ کی تاریخی خانقاہ بھی ہے۔ یہ حقیر مع حقیر زادہ مولوی عبداللہ قاسمی اور مولوی مقصود احمد قاسمی اور مولوی ابوالحسن قاسمی ذوقعدہ ۱۴۳۳ھ میں مزار پر حاضر ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ کے باطنی فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین! (مرتب)

حضرت مخدوم حسام الدین چشتی فتحپوری بارہ بنکوی المتوفی ۸۵۵ھ کے بعد

نام و نسب نام حسام الدین، والد کا نام محمد اکبر ہے۔ آپ حضرت مخدوم کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ اپنے ذاتی علم و فضل کے علاوہ عرب کے اُس خاندان سے تھے جو اپنے کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیطرف منسوب کرتا ہے۔ اسی لئے بکری کہلاتے ہیں۔

دہلی آمد یہ خاندان عرب سے نکلا سہرورد میں آباد ہوا۔ اور اسکی ایک شاخ سہرورد سے آکر غزنی میں مقیم ہوئی۔ اور حضرت مخدوم رح تنہا یا اپنے والد ماجد کے ساتھ ملتان آئے پھر ملتان سے دہلی تشریف لائے۔ قاضی عبد المقتدر دہلوی رح سے ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل کی۔

جب آپ دہلی آئے اُسوقت قاضی صاحب رح کا حلقۂ درس و افادہ وسیع تھا، مریدوں اور طالبعلموں کا ہجوم آپ کے پاس رہتا تھا۔ اُنہی حضرات میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی رح اور شیخ ابو الفتح جونپوری جیسی باکمال شخصیات پرورش پا رہی تھیں، اُنہی میں ایک تیسرا نام شیخ حسام الدین رح کا اضافہ ہوتا ہے۔ قاضی صاحب رح کے بیشمار طالبعلموں اور مریدوں میں یہی تین حضرات ہیں جن کے حال پر خاص توجہ و الطاف کی نظر ہے۔

بہر حال آپ نے قاضی صاحب رح سے ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل فرمائی، مشہور شاگرد اور خلیفہ کہلائے، تزکیہ اور روحانیت کے معاملہ میں اُنکے مشیر اور راز دار تھے۔ قاضی صاحب رح کی وفات کے بعد اُنکے پوتے شیخ ابو الفتح جونپوری رح سے خاص تعلق قائم رہا اور اُنکی شیخ زادگی کی وجہ سے اُنکا بہت اکرام و احترام فرماتے تھے۔

فتحپور آمد چنانچہ جب شیخ ابو الفتح جونپوری رح نے دہلی سے جونپور آنے کا قصد کیا تو آپ بھی ہولیے

ع محب مکرم قاضی اشفاق حسین صاحب کے بہنوئی مکرم حسام الدین مخدومی مدظلہ سجادہ نشین خانقاہ حضرت مخدوم رح کے توسط سے کتاب "مخدوم زادگانِ فتحپور" حاصل ہوئی، اسی سے اقتباسات نقل کئے جا رہے ہیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

قافلہ کے ساتھ جونپور کیلئے روانہ ہوگئے۔ جب قافلہ فتحپور بارہ بنکی پہنچا تو شیخ ابو الفتح نے فرمایا کہ آپ خلق اللہ کی ہدایت کیلئے یہاں قیام فرمائیں، آپنے قبول فرمایا اور یہیں رہنے لگے۔

اسی اثناء میں شیخ سارنگ لکھنوی سے سلسلۂ سہروردیہ میں بیعت ہوئے اور آپ سے بھی خلافت و اجازت حاصل فرمائی۔

آپ کی خانقاہ کا حال حضرت مخدوم کی بزرگی و عظمت کی شہرت نے گرد و نواح کو گھیر لیا اور آپ کی خانقاہ واردین و صادرین کی ماوا و ملجا بن گئی اتفاق سے ملک کے اس حصہ میں مسلسل دو سال قحط پڑا۔ حضرت مجا شاہ قلندر اپنی کتاب "حجۃ العارفین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ: اُس زمانہ میں حضرت شیخ حسام الدین کی دولت و ثروت کی یہ حالت تھی کہ انکی خانقاہ میں تقریباً دو ہزار غریب و فقیر علاوہ حضرت کے متعلقین کے روزانہ کھانا کھاتے تھے۔

مکتوب عالی مخدوم اخی جمشید راجگیری سے آپکے تعلقات دوستانہ تھے۔ آپنے اپنے دوست کے نام ایک خط لکھا تھا، اسے نصیحت کیلئے نقل کر رہا ہوں:۔

مسکین حسام الدین سالکوں کے قدم کی خاک اور فقیروں کے دروازہ کا سگ ناپاک و یرانۂ عالم میں پریشان اور سرگرداں ہے، نہ اسکو یہ معلوم ہے کہ کیا کرنا چاہئے اور نہ یہ معلوم ہے کہ کس طرح کرنا چاہئے ؎

در دل ہمہ شرک روئے بر خاک چہ سود　　زہرے کہ بجاں رسید تریاق چہ سود

ترجمہ: دل میں شرک ہو تو سجدے سے کیا فائدہ اور زہر جب جان تک پہنچ جائے تو تریاق سے کیا فائدہ۔

توحید کے ساتھ نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن سب کار آمد ہیں، ورنہ سب بیکار۔ مردان خدا اور نامردوں کے کام میں بڑا فرق ہے۔ یہ لوگ بصورت ظاہر مرد مگر فی الحقیقت نامردوں سے بدتر ہیں۔ اس زمانہ میں ہر شخص شیخی بگھارنے کیلئے تیار ہے، مگر یہ سب بیکار ہے۔ یہ ہوا پرستی ہے نہ کہ خدا پرستی۔ جو ہمارے دل کو پسند ہے وہی ہمارا خداوند ہے۔ خدا کو ایک جاننے اور ایک کہنے سے بھی کام نہیں چلتا، کیونکہ علم بے عمل قطعاً وبال اور قول بے فعل یقیناً نکال ہے۔ جب دل کے فعل اور

زبان کے قول میں تطابق ہو جاتا ہے اُسوقت توحید کا اطلاق ہوتا ہے۔ مجھ شرمسار میں بھی قابلیت نہیں کہ میں حقیقی موحد کو پہچان سکوں، مگر آپ کے برادرانہ الطاف سے امید ہے کہ آپ خود جس طرح ظلمتکدۂ کفر سے نکل گئے ہیں اسی طرح اس عاصی کو اپنی صحبت بابرکت میں لے کر لوث کفر و شرک سے پاک و صاف کردیں گے۔ یہ غریق دریائے معاصی ہر طرف ہاتھ پیر مارتا اور تنکے تنکے کا سہارا ڈھونڈھتا ہے بار بار دل میں القا ہوتا ہے کہ خدا کی محبت کا راستہ صرف دو ہی طرح مل سکتا ہے، یا پیر و مرشد کی نظر یا دینی بھائیوں کی مدد سے۔ مگر بد قسمتی سے زمانہ ایسا آگیا کہ نہ پیر رہے اور نہ بھائیوں کی مدد ؎

صحبتِ نیکاں ز جہاں دور شد　　خوان عسل خانۂ زنبور شد

یہ عاصی محبت کا طالب ہے، لیکن یہ دیکھ کر کہ خود نماؤں اور خود پرستوں کا دور دورہ ہے، حضرت ابی سفیان کے اس قول کے مطابق کہ ھٰذا زمانُ السُّکوت وَلُزومِ البیُوت عزلت اور مزید گوشہ نشینی کی ترغیب ہوتی ہے، ساتھ ہی اس کے حضرت جنیدؒ کا یہ قول یاد آجاتا ہے کہ العُزلۃُ مُقارَبۃُ الشَّیطٰن وَالصُّحبۃ رضاءُ الرحمٰن جسکی تائید حضرت رسالت پناہی کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ الشیطٰن مع الواحد ومن الاثنین بعید اور وہ صحبت کی طرف کھینچتا ہے۔ دیوانگی اور جنون میں جو کچھ لکھا گیا وہ سب قال ہے اگرچہ درویشی حال میں ہے نہ کہ قال میں۔ جو سچا حال تھا وہ ظاہر کر دیا گیا۔ آپ خود سچے ہیں، امید ہے کہ اس کو سچا سمجھ کر اس بیچارے دردمند کو اپنی دعا میں نہ بھولیں گے ؎ یاریٔ یاراں مدد محکم است　　کار کہ بے یار برآید کم است

استدعا صرف اسقدر ہے کہ آپ دعا کے وقت اپنی زبان سے اسقدر فرمائیں کہ فلاں کو اللہ تعالیٰ مسلمان ہونا نصیب کرے۔ خواجہ اوحد فرماتے ہیں ؎

اے اَوحد خستہ دل بسامان نشدی　　وز کردہ تباہ خود پشیمان نشدی

صوفی شدی و کبود پوش و چلہ دار　　ایں جملہ شدی ولے مسلمان نشدی

ترجمہ: اے اَوحد! سامان کیوجہ سے تو خستہ دل نہو سکا تو ریزہ ریزہ ہو کر تباہ ہو گیا، لیکن ابتک تائب نہوا! اگرچہ تو نیلے

کپڑے پہنکر صوفی بن بیٹھا ہے اور شیخ کہلاتا ہے، یہ سب کچھ تو ہو گیا لیکن تو مسلمان نہ ہوا۔
ایسے بزرگ باوجود ایسے اسلام کے جب اسطرح فرمائیں گے تو ہم گنہگار اپنے اسلام سے کس طرح بے فکر اور بے غم رہ سکتے ہیں ؎

مست خسپی کر کمیں کردہ اند ٭ کار شناساں نہ چنیں کردہ اند

ترجمہ: تو غافل سویا ہے اور شکاری تیری گھات لگائے بیٹھے ہیں، عقلمند لوگ ایسا نہیں کرتے۔

واللہ اعلم بالصواب

مصنف کتاب مولوی مسعود علی صاحب نے (جو اسی خانوادے کے فرد فرید ہیں) اس مکتوب عالی پر بہت مفید تبصرہ تحریر فرمایا ہے جو ہم سب کے لئے پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔ وہ یہ ہے:۔
یہ خط حضرت مخدوم شیخ حسام الدین علیہ الرحمۃ کی فروتنی، بزرگی اور انکی صحیح الحالی کا صاف و شفاف آئینہ ہے۔ طریقت کے راستے میں کبر و عجب (خود بینی) بڑے خوفناک گڑھے ہیں جو اسکے ہر موڑ توڑ پر موجود ہیں اور غضب یہ ہے کہ ان میں گرنے کے بعد بھی سالک کو اسکی خبر نہیں ہوتی۔ مگر شیخ مخدوم کا یہ مقام تھا کہ قاضی عبد المقتدرؒ اپنے تمام مریدین کے مجمع میں فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو شیخ حسام الدین کی مریدی پر فخر ہے۔ جس شخص کی نسبت عوام کو جانے دیجئے خاص عزیزوں اور رشتہ داروں کے خیالات اس قسم کے ہوں کہ وہ ایک زمانہ کا قطب اور ایک مجمع کثیر کا شیخ اور ہادی سمجھا جاتا ہو اسکے قلم سے اپنی نسبت ایسی عاجزی اور فروتنی کے الفاظ کا نکلنا ہمارے خیال میں اسکی کمال بزرگی اور عظمت کی دلیل ہے فللہ الحمد والمنۃ

سنہ وفات صحیح روایت کے مطابق آپ شیخ سارنگ المتوفی ۸۵۵ھ کے تجہیز و تکفین میں شریک تھے اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ دو ایک سال بعد آپ کا انتقال ہوا ہوگا قصبہ فتحپور ضلع بارہ بنکی یوپی میں مدفون ہیں نور اللہ مرقدہ

اولاد آپکی یادگار ایک فرزند مخدوم منہاج الدین اور ایک دختر نیک اختر ہیں۔ شیخ منہاج الدین کے پوتے مخدوم قطب الدین اور پڑپوتے مخدوم عبد الغنی کثیر الاولاد ہوئے اور مخدوم زادگان فتحپور انہی دونوں حضرات کے سلسلہ کے ہیں۔ (مخدوم زادگان فتحپور، حصہ اول، مولفہ مولوی مسعود علی صاحب محوی (علیگ)

حضرت علامہ بدرالدین عینیؒ شارح بخاری المتوفی ۸۵۵ھ

نام و نسب نام محمود، والد ماجد کا نام احمد، کنیت ابو الثنا اور ابو محمد، لقب بدرالدین، وطنی نسبت عین تابی (مخفف عینی) اور مذہبی نسبت حنفی ہے۔

ولادت ۲۶ رمضان المبارک ۷۶۲ھ میں علامہ عینیؒ مقام عین تاب کے درب کیکن میں پیدا ہوئے۔ مگر سخاوی نے تاریخ ولادت ۲۷ رمضان ذکر کی ہے۔

عین تاب ایک خوبصورت بڑا شہر ہے۔ چٹانوں میں تراشا ہوا مضبوط قلعہ ہے، اس میں باغوں اور نہروں کی کثرت ہے۔ یہ شہر حلب سے تین مراحل پر واقع ہے۔ یہ دلوک کے نام سے بھی پہچانا جاتا تھا۔ موجودہ دور میں دلوک ویران قلعہ کی شکل میں حلب کے ضلع میں موجود ہے۔ اس شہر کی طرف نسبت کرکے عین تابی اور تخفیف کرکے عینی کہا جاتا ہے۔

خاندان علامہ عینیؒ کا خاندان علم، دینداری اور صلاح و تقویٰ میں مشہور تھا۔ آپ کے والد محترم اور دادا جان دونوں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے۔ نیز آپ کے اجداد میں حسین بن یوسف قرآن مجید کے مقری تھے۔ ان کے والد مقام حلب میں ۷۲۵ھ میں پیدا ہوئے، اور اسی جگہ نشو و نما ہوئی اس کے بعد عین تاب منتقل ہوئے اور وہاں قاضی کے عہدے پر مقرر کئے گئے۔ ساتھ ساتھ مسجد کی امامت بھی ان کے سپرد ہوئی۔ شب جمعہ اور شب پیر میں مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔ وہ بہت نیک و خیر پسند، اجنبیوں، مساکین،

خصوصاً نو وارد علماء کے ساتھ خصوصی احسان کا معاملہ فرماتے تھے۔

(علامہ بدر الدین عینیؒ صفہ۳ مولفہ مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی)

فضل وکمال

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ نے آپ کے متعلق "اعیان الحجاج" میں جو رقم فرمایا ہے اس کو نقل کرتا ہوں:۔

۷۸۴ھ میں ان کے والد کا انتقال ہوا، اس کے بعد انھوں نے حج کیا اور دمشق آئے، بیت المقدس کی زیارت کی، اور علامہ سیرامی فقیہ حنفی کی خدمت میں فقہ کی تحصیل میں لگ گئے۔ اُن ہی کے ساتھ پھر قاہرہ آئے اور برابر اُن سے استفادہ کرتے رہے۔ قاہرہ میں بلقینیؒ، زین الدین عراقیؒ اور ہیثمیؒ وغیرہم سے فن حدیث حاصل کیا اور کتب احادیث کی سماعت کی۔

سخاویؒ نے لکھا ہے کہ وہ امام وعلامہ تھے، تاریخ ولغت کے حافظ تھے مطالعہ سے تھکتے نہ تھے۔ اُنھوں نے اِس کثرت سے کتابیں تصنیف کی ہیں کہ اپنے شیخ ابن حجرؒ کے بعد ان سے زیادہ کثیر التصنیف عالم میرے علم میں نہیں ہے۔ وہ بہت تیز اور اچھا لکھتے تھے۔ رات بھر میں پوری قدوری لکھ ڈالی تھی۔ مقریزی کا بیان ہے کہ اسی طرح حاوی بھی ایک رات میں اُنھوں نے لکھ لی تھی۔

اُنھوں نے حدیث کا درس دیا، افتار کی خدمت انجام دی، اور ہر مذہب کے ائمہ نے کئی طبقہ تک ان سے استفادہ کیا، حتیٰ کہ حافظ ابن حجر نے بھی اُن سے سن کر چند فوائد قلمبند کئے۔ بلکہ ان سے تین حدیثوں کی سماعت بھی کی۔

(مولانا اعظمیؒ فرماتے ہیں؛) ناچیز کہتا ہے کہ یہ حافظ ابن حجرؒ کی انصاف پسندی کی دلیل ہے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ عینیؒ بھی رجال طحاوی لکھنے کے وقت حافظ ابن حجرؒ سے بعض رجال کی نسبت استفسار کیا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اپنے لڑکے محمد کے لئے بھی عینیؒ سے اجازت حاصل کی تھی۔

سخاویؒ کہتے ہیں کہ عینیؒ بہت متواضع اور ملنسار تھے۔ ان کا نام بہت مشہور اور اُن کی شہرت دور دور تھی۔

عینیؒ نے جامع ازہر کے قریب اپنے گھر سے متصل ایک مدرسہ بھی بنوایا تھا، اسی میں نماز جمعہ بھی پڑھتے تھے۔ اس لیئے کہ وہ جامع ازہر میں نماز پڑھنے کو صاف صاف مکروہ کہتے تھے، کیونکہ اس کا واقف رافضی تھا اور صحابہؓ کو بُرا کہتا تھا۔ ف: یہ لبغض للہ تھا جو مستحسن ہے۔ (مرتب)

وہ بیک وقت قاضی، محتسب اور ناظر احباس تینوں تھے۔ اُن سے پہلے ایک ساتھ یہ تینوں عہدے سخاوی کے خیال میں کسی اور کو حاصل نہیں ہوئے۔

مدرسہ مؤیدہ میں حدیث کا درس دیتے تھے۔ کئی بادشاہوں نے اُنکی بڑی قدر ومنزلت کی۔ المؤید نے ان کو اپنا سفیر بنا کر بلاد روم (ٹرکی) بھیجا پھر جب الظاہر بادشاہ ہوا تو اس نے اور زیادہ اُن کا اِکرام کیا۔ اس کے بعد الاشرف بر سرِ آئے تو اُن کا اتنا گرویدہ ہوا کہ ان سے ان کی تاریخ پڑھوا کر ٹرکی زبان میں اس کا ترجمہ سنا کرتا تھا۔

عینیؒ کو دونوں زبانوں میں مہارت تامہ تھی۔ اس کے علاوہ عینی اُسکو امورِ دین کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ جس سے اشرف کی بہت کچھ اصلاح ہوئی، وہ کہا کرتا تھا کہ عینی نہ ہوتے تو ہمارے اسلام میں خامی رہ جاتی۔

عینیؒ کی تصنیفات میں "عمدۃ القاری شرح بخاری" حافظ ابن حجرؒ کی شرح کی طرح علماء میں مقبول و متداول ہے۔ اور ہر چند کہ خوردہ گیر مصنفین بہ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ عینیؒ نے بہت سے مطالب فتح الباری سے لئے ہیں، مگر اس سے عینیؒ کے فضل و کمال اور اُنکی وسعتِ معلومات پر پردہ ڈالنا ممکن نہیں ہے۔

عینیؒ کا یہی ایک علمی کارنامہ نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ "بنایہ شرح ہدایہ" اور شرح معانی الآثار کی دو شرحیں "مبانی الاخبار اور نخب الافکار" وغیرہ بھی اُن کے علمی شاہکار ہیں۔ خوردہ گیروں کو بتانا چاہئے کہ اُن کی یہ تصنیفات کن کتابوں کا چربہ ہیں؟۔ ان کو پڑھئے تو آپ کو عینیؒ کی علمی عظمت کا اندازہ ہوگا۔

امام عینیؒ نے ایک حج تو ۷۸۳ھ سے پہلے کیا ہے۔ دوسرا حج اُنھوں نے ۷۹۹ھ میں کیا۔ (اعیان الحجاج ص۱۷۵/۲)

عینی کے اسفار

عینیؒ نے علم کے حصول کے لئے اپنے شہر و ملک کے علماء پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اُن کی علمی پیاس نے دوسرے ممالک کے سفر پر بھی آمادہ کیا۔ اُس دور کے علماء محدثین وطلبہ کا یہی طریقہ تھا۔

امام شافعیؒ ایسے اسفار میں بہت فوائد محسوس کرتے تھے اور فرماتے تھے:۔

سَاَضْرِبُ فِیْ طُوْلِ الْبِلَادِ وَعَرْضِهَا　　اَنَالُ مُرَادِیْ اَوْ اَمُوْتُ غَرِیْبًا
فَاِنْ تَلِفَتْ نَفْسِیْ فَلِلّٰهِ دَرُّهَا　　وَاِنْ سَلِمَتْ کَانَ الرُّجُوْعُ قَرِیْبًا

(ترجمہ: میں جلد ہی ملک کے طول و عرض میں سفر کروں گا۔ یا تو مقصد حاصل کروں گا یا غریب الوطنی میں مروں گا۔ اگر میں ہلاک ہو گیا تو زہے نصیب! اور اگر سلامت رہا تو جلد لوٹ آؤں گا۔)

یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ چار آدمیوں میں سمجھ و عقل پیدا نہیں ہو سکتی،

اُن میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے ہی شہر میں علم حاصل کرے، اور حدیث کی طلب میں دوسری جگہ کا سفر نہ کرے۔

عینیؒ کے طلبِ علم کے لئے اسفار کی تفصیل تو معلوم نہ ہو سکی، مگر یہ فطری بات ہے کہ ان کا پہلا سفر حلب کی طرف ہوا ہو گا جو اُن کے شہر کے قریب ہے چنانچہ ۷۸۳ھ میں حلب کا سفر کیا۔ اور وہاں جمال یوسف بن موسیٰ الملطی (۸۰۳ھ) کے پاس علم حاصل کیا۔ (علامہ بدرالدین عینیؒ ص۵۵)

عینی کے بارے میں علماء کی رائیں

بہت سے علماء نے عینیؒ کی تعریف کی ہے۔ مثلاً ابن تغری بردی نے فرمایا۔

(عینیؒ) بہت سے علوم میں ماہر تھے۔ خصوصاً فقہ، اصول فقہ، صرف و نحو اور لغت، اس کے علاوہ دیگر علوم میں بھی بہترین واقفیت رکھتے تھے۔ نادرۂ روزگار اور شیریں بیان تھے۔ ملک ظاہر کے علاوہ بادشاہوں اور اُمراء کے منظورِ نظر تھے۔ معقول و منقول میں وسیع معلومات رکھتے تھے۔ حاسد کے علاوہ کوئی ان کی تنقیص نہیں کر سکتا۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں:۔

آپ امام، عالم علامہ تھے۔ فن صَرف، فن عربیت اور دیگر فنون سے واقف تھے، تاریخ اور لغت کے حافظ تھے، لغت کا بکثرت استعمال کرنے والے اور دیگر بہت سے فنون کا ذوق رکھنے والے تھے۔ مطالعہ اور کتابت سے کبھی نہ اُکتاتے تھے۔

ابن خطیب الناصریہ سے منقول ہے:۔

وہ ایک فاضل امام، کئی علوم کا ذوق رکھنے والے تھے۔ اُن میں
عزت و وقار، انسانیت، عصبیت اور دینداری تھی۔
ابوالمعالی الحسینیؒ فرماتے ہیں:۔
آپ امام، عالم، علامہ، حافظ، متقن، روایت اور درایت
میں یکتا، معاندین کے خلاف اللہ کی حجت اور مبتدعین کے خلاف
اس کی ایک نشانی تھے۔

عینی کی تالیفات علامہ عینیؒ کی معلومات و ثقافت، تدریس و تعلیم، اور تالیفات ان کے دور کی ثقافت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ وہ دور کثرت تصانیف و تالیفات کا دور تھا۔ چنانچہ عینیؒ کی تالیفات بھی بہت ہیں۔ ان کی تالیفات کا عمومی رنگ اپنے دور کے رواج کے مطابق شرح واختصار ہے۔

علامہ عینیؒ کی تالیفات کی فہرست کافی طویل ہے، جس کو مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے تفصیل سے ارقام فرمایا ہے۔ تفصیل کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ سب سے اہم تصنیف عمدۃ القاری فی شرح البخاری ہے۔

"عمدۃ القاری" علامہ عینیؒ کی سب سے بڑی تصنیف اور علمی شاہکار ہے بلکہ بخاری شریف کی تمام شروحات میں یہ سب سے بڑی شرح ہے۔

وفات آپ کی وفات منگل کی شب ۴ ذی الحجہ ۸۵۵ھ میں ہوئی جامع ازہر میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور اپنے ہی مدرسہ میں مدفون ہوئے۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(علامہ بدرالدین عینی اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام ص۶۹)

حضرت شیخ ابوالفتح جونپوری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۵۵ھ

ولادت وطفولیت آبائی وطن دہلی ہے۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے شکم میں چودہ ماہ رہے، جس کی وجہ سے جد بزرگوار قاضی عبدالمقتدرؒ متفکر اور پریشان رہے تو حضرت رکن الدین ابوالفتح سہروردیؒ ملتانیؒ نے ایک شب قاضی صاحبؒ کو خواب میں بشارت دی کہ

"آپ کے گھر میں جس بچہ کی ولادت ہونے والی ہے وہ ولیٔ کامل اور مشہور زمانہ ہوگا۔ اُس کا نام میرے نام پر "ابوالفتح" رکھئے گا۔"

چنانچہ اس منامی بشارت کے بعد ہی ۱۴ محرم الحرام ۷۷۲ھ کو سرزمین دہلی میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اور نام نامی ابوالفتح رکھا گیا۔ جس روز آپ تولد ہوئے تو قاضی عبدالمقتدرؒ کے دولت خانہ پر حضرت شیخ عثمانی سیاحؒ کے مرید رشید حضرت جمال الدینؒ تشریف لائے اور بشارت دی کہ جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ "ولی باکرامت" ہے۔ اور اس سے آپ کا گھر پُر نور ہوگا۔ گویا ان بزرگان دین کی بشارت سے ثابت ہوا کہ حضرت شیخ ابوالفتح جونپوریؒ مادر زاد باکرامت ولیٔ کامل تھے۔ (چراغوں کی روشنی ص۳۲۰)

تعلیم وتربیت چونکہ شیخ ابوالفتح جونپوریؒ کے والد گرامی شیخ عبدالحیؒ نے قاضی عبدالمقتدرؒ کی حیات ہی میں حضرت شیخ کی ولادت سے پہلے ہی وفات پائی، اِس لئے تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قاضی عبدالمقتدرؒ پر آگئی۔ چنانچہ قاضی صاحبؒ نے اپنے پوتے کی نشوونما اور

تہذیب واخلاق، نگہداشت و پرداخت اور تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی اور بڑی عنایت و شفقت اور لطف و محبت سے اس ذمہ داری کو پورا فرمایا۔ لہٰذا شیخ ابوالفتح ؒ نے اپنے جدِ مکرم کی مبارک آغوش اور اُن ہی کے ظلِ عاطفت میں عمر کی ابتدائی منزل کو طے کیا اور جوان ہوئے۔ علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل بھی اپنے داداجان ہی سے فرمائی۔

احسان و تصوّف علومِ ظاہری سے فراغت کے بعد اپنے جد محترم قاضی عبدالمقتدرؒ سے شرفِ بیعت حاصل کی۔ قاضی صاحبؒ نے پوری توجّہ سے طریقت کی تعلیم دی اور ذکر و شغل میں لگایا، جس سے احسان و تصوف اور محبت و معرفت کی وادی کو بہت جلد طے کر لیا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس راہ میں کمالات سے نوازا کہ قاضی صاحبؒ نے اجازت و خلافت سے شرف یاب کر دیا۔

مرزا محمد اختر صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ :۔

> "آپ نے اپنے دادا (قاضی عبدالمقتدرؒ) سے تربیت (ظاہری و باطنی) پائی اور خرقۂ خلافت (واجازت) حاصل کیا بعد انتقال قاضی عبدالمقتدرؒ کی مسند خلافت چشتیہ پر متمکن ہوئے۔"

درس و افادہ تحصیل کمال اور دادا کے انتقال کے بعد دادا کی جانشینی بھی ملی۔ جس کی وجہ سے آپ دہلی میں درس و تدریس، وعظ و ارشاد میں مصروف ہوگئے۔ جدِ مکرمؒ کے منصب اور جانشینی کو اس انداز پر سنبھالا اور رشد و ہدایت کی ذمہ داری کو نباہا کہ قاضی عبدالمقتدرؒ کی یاد

تازہ کردی۔ آپ کے اندازِ گفتگو اور شیریں کلامی نیز فصاحت و بلاغت نے لوگوں کے قلوب میں کشش پیدا کردی۔ یہی وجہ ہے کہ سرزمین دہلی میں ایک مدت تک عوام و خواص کو علمی نفع پہنچایا اور روحانیت کا درس دیا

فتنۂ تیموری و سفر جونپور

مگر ۸۰۱ھ میں فتنۂ تیموری نے سر اُٹھایا اور وسط ایشیا کو روندتا ہوا ۸۰۱ھ میں دہلی پہنچ گیا، جس سے وہاں کے باشندے پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ ادھر جونپور امن و امان اور علم و علماء کا گہوارہ بن رہا تھا۔ ان حالات میں خاص طور سے دہلی کے اودھی علماء و فضلاء اور اُن کے تلامذہ و مسترشدین نے جونپور کا رخ کیا اور دہلی کی تباہی کے نتیجہ میں جونپور کی آبادی ہوئی۔

مولانا نظام الدین ہروی کہتے ہیں کہ :-

"سلطان مبارک شاہ شرقی کے انتقال پر جب سلطان ابراہیم شاہ شرقی سریرآرائے سلطنت ہوا تو امن و امان کی فضا میں عوام و خواص نے سکون کا سانس لیا۔ اور جو علماء و مشائخ آشوبِ زمانہ سے پریشان تھے وہ جون پور چلے آئے وہ اُس زمانہ میں دارالامان تھا۔ اور شرقی سلطنت علماء کی کثیر تعداد کے آنے سے دارالعلوم بن گئی۔ چنانچہ اُن ہی واردین و صادرین کے نورانی قافلے میں سرفہرست حضرت شیخ علامہ ابوالفتح جونپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

قیام جون پور

شیخ ابوالفتح جونپوری ان حالات و فسادات میں جب جونپور تشریف لائے تو قیام و طعام کا ظاہری

طور پر کوئی انتظام واہتمام نہیں تھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے یقین و توکل کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا، جد مکرم قاضی عبدالمقتدرؒ کی ظاہری دولت کے ساتھ روحانی اور باطنی دولت بھی ملی تھی۔ لہٰذا کسی کے سامنے کسی قسم کی کوئی پیشکش نہیں فرمائی، بلکہ جون پور کے مکانات کے دیواروں کے سایہ میں بسیرا ڈال کر متوکلانہ اور فقیرانہ زندگی گزارنی شروع کردی۔ جیسا کہ جناب اقبال احمد صاحب جونپوری لکھتے ہیں کہ :۔

"واقعہ امیر تیمور میں دوسرے اکابرین کے ہمراہ جون پور آئے بطریقۂ فقر و توکل بسر کرتے رہے اور فقراء کاملین کی خدمت میں حاضر ہو کر ریاضت فرماتے اور ایک بے مثالی حالت وجد میں رہا کرتے جونپور آنے کے بعد بہت دنوں تک بلا مکان سایۂ دیوار کے نیچے مجاہدہ میں مصروف رہے۔ کھانے پینے کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا اکثر بھوک کی وجہ سے ایسا ضعف پیدا ہو جاتا تھا کہ ہاتھ پیر کانپنے لگتے۔ اکثر آپ کے خاندان والوں اور مریدوں نے آپ کے لئے مکان رہائش وغیرہ کا انتظام کرنا چاہا، مگر آپ نے منظور نہیں کیا۔

غرضیکہ قیام جونپور میں شیخ ابو الفتح جونپوریؒ نے سارے مصائب و آلام کو بخوشی برداشت کیا، مگر کسی پر بار نہیں بنے اور نہ کسی کے احسانمند ہوئے۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ نے عُسر اور تنگدستی کو دور فرما کر یُسر اور فراخدستی عطا فرمائی اور فتوحات کی بارش شروع ہوئی تو اپنی درسگاہ بھی تعمیر فرمائی جہاں سے علوم دینیہ کے چشمے پھوٹے، اور اپنی خانقاہ بھی بنوائی جو رُشد

ہدایت کا مرکز بنی اور جہاں سے وعظ و نصیحت کا نور پھیلا۔

جناب مرزا محمد اختر دہلوی لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک روز ایک سوداگر مرید قاضی عبدالمقتدرؒ کا آیا۔ آپ کی یہ صورت (فقر و فاقہ وغیرہ) دیکھ کر کہنے لگا کہ ایک مکان قریب مسجد نہایت عمدہ ہے خرید لیجئے۔ اگر پیسہ نہ ہو تو میرے پاس موجود ہے، اور تھیلی آپ کے آگے رکھ دی۔ آپ نے اُس پیسہ سے وہ مکان خریدا اور بتدریج خانقاہ تیار کرائی۔"

جناب اقبال احمد جونپوری لکھتے ہیں کہ:۔

"کچھ روز بعد خزانۂ غیب آپ پر ظاہر ہوا۔ آپ نے مکان اور خانقاہ تعمیر کرائی۔"

ف: اکثر بزرگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہے کہ ابتدائی ریاضات و مجاہدات بلکہ مفلسی و تنگدستی کے بعد اللہ تعالےٰ یُسر و کشادگی عطا فرما دیتے ہیں جس کو عموماً فتوحات کہا جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ عموماً اُن کی ذریت و اولاد کی نظر ان کے ہدایا و تحائف کی طرف ہی ہو جاتی ہے اور اپنے بزرگوں کی پہلی حالت یعنی فقر و فاقہ کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں اور بھول کر بھی یہ یاد نہیں کرتے کہ یہ فتوحات اُن ہی ابتدائی مجاہدات و ریاضات کے ثمرات ہیں اسلئے اپنے آباء و اجداد کی اصل دولت اور باطنی نعمت کے حاصل کرنے کا تصور بھی ان کو نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے محروم کے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔

اور ایک دوسری جماعت معترضین و منکرین کی ہوتی ہے کہ ان کو دین و دیانت سے کوئی تعلق ہوتا ہی نہیں، اس لئے وہ محض یہ دیکھتے ہیں کہ

لوگ علماء و مشائخ کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کرتے ہیں، ہدایا و تحائف دیتے ہیں، تو اُن کے دِل میں جلن و حسد کی آگ سلگتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کو بغیر محنت و مشقت کے روزی مل رہی ہے جس سے ہم محروم ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ اُنھوں نے ابتداء میں کیسی کلفت و تنگی برداشت کی ہے اب اگر اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے کسی قدر وسعت و کشائش فرمادی ہے تو کیا تعجب ہے۔ مگر یہ لوگ ایسے بے ادب و بے باک ہوتے ہیں کہ اپنی زبان کی تیزی اور دل کی جلن سے ان کے ساتھ بدسلوکی و بدزبانی ہی کرتے رہتے ہیں اور غیبت و شکایت کے شکار ہوجاتے ہیں اور اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ (مرتب)

وصال یہ آفتاب عالمتاب ۱۳ ربیع الاول ۸۵۸ھ یوم جمعہ کو ضوفشانی کرتا ہوا سرزمین جونپور میں غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ مزار پُرانوار جونپور میں ہے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ (چراغوں کی روشنی ص ۳۲۷)

ف: غور فرمائیے کہ قاضی عبدالمقتدر دہلوی ؒ کے انتقال کے بعد ان کے باصلاحیت پوتے نے ظاہری و باطنی علوم و معارف، وعظ و ارشاد نیز درس و تدریس کے نامور دادا کی جانشینی کا پورا پورا حق ادا فرمایا اور اللہ تعالےٰ نے ان کو قبول عام عطا فرمایا۔ ذالک فضل اللہ یُؤتیہ من یشاء۔ اللہ تعالےٰ قیامت تک علماء ربانیین اور مشائخ محققین کے بعد نسلاً بعد نسلٍ ایسی اولاد عطا فرمائے جو اپنے آباء و اجداد کے صحیح وارث قرار پائیں۔ اور ان کے علمی مدارس و عرفانی، روحانی دائروں کو صحیح اسلامی و دینی نہج پر جاری وساری رکھیں۔ آمین!

وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ (مرتب)

حضرت علامہ کمال الدین ابن الہمامؒ صاحب فتح القدیر المتوفی ۸۶۱ھ

نام ونسب نام محمد، کمال الدین ابن الہمام کے نام سے موصوف ہیں۔ والد کا نام عبدالواحد ہے۔ ان کے والد روم کے مشہور شہر سیواسی میں قاضی تھے پھر اسکندریہ آنے کے بعد وہاں کا عہدۂ قضا سنبھالا۔

ولادت آپ کی ولادت اسکندریہ میں ۷۸۸ھ یا ۷۸۹ھ میں ہوئی۔ دس سال کی عمر میں آپ کے والد کی وفات ہوگئی، نانی نے پرورش کی۔ علامہ بدرالدین عینیؒ شارح بخاری کے تلامذہ میں آپ کا شمار ہے۔

تحصیل علوم حدیث کی تحصیل جمال حنبلیؒ، شمس شامیؒ، شمس بوصیریؒ، شہاب واسطیؒ اور حافظ ابن حجرؒ سے کی۔ ہدایہ کامل سراجؒ قاری الہدایہ سے دو برس میں خوب تحقیق کے ساتھ اس طرح پڑھی کہ خود سراجؒ فرماتے تھے کہ ابن ہمام نے مجھ سے جتنا استفادہ نہیں کیا اس سے زیادہ مجھ کو فائدہ پہنچایا۔

(اعیان الحجاج ص ۱۶۹/۲)

اصول فقہ میں شرح منار محب ابن الشحنہؒ کے پاس قاہرہ میں پڑھنا شروع کی جب وہ حلب جانے لگے تو یہ بھی اُن کے ساتھ چلے گئے۔ تحصیل علوم سے فارغ ہوکر درس وافادہ میں مشغول ہوئے اور تھوڑے دنوں میں ان کے فضل وکمال کی شہرت کا ستارہ چمکنے لگا۔

برہان انباسیؒ ان کے رفیق درس تھے۔ کسی نے دراندازی کرکے چاہا کہ ان میں اور ابن ہمام میں بگاڑ ہوجائے۔ تو انباسیؒ نے کہا کہ اگر دین کی حجتوں کی تحقیق وتفتیش

شروع ہو تو ہمارے شہر میں ابن ہمام کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو بیان کرنے کا حق ادا کر سکے۔

آپ کے متعلق آپ کے اساتذہ کی رائے عالی

بساطی اکابر علمائے وقت میں تھے اور وہ ابن الہمام کے اُستاذ بھی تھے، جب ان سے اور علاء بخاری سے ابن الفارض کے باب میں مناظرہ کی بات چیت ہونے لگی، تو کسی نے کہا، حکم کون ہوگا؟ بساطی نے کہا، ابن الہمام اس قابل ہیں کہ علماء کے درمیان حکم بن سکیں۔

ایک دفعہ بساطی سے دریافت کیا گیا کہ آپ سے کس کس نے پڑھا ہے؟ تو اُنھوں نے قایاتی اور ونائی جیسے اکابر کے نام لینے کے بعد کہا کہ اور ابن ہمام، اور وہ تو ان لوگوں کے شیخ واستاذ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ابن الہمام علمی کمالات کے ساتھ خوبصورتی، پاکدامنی، خوش آوازی، فصاحت وبلاغت، نہایت ادب کے ساتھ بحث ومباحثہ، ریاضت اور کرم وبلند حوصلگی میں بھی ضرب المثل تھے۔

تدریس کا حال

پہلی دفعہ جب وہ قبہ منصوریہ میں فقہ کا درس دینے کیلئے بیٹھے تو اس موقع پر اکابر علماء کا اجتماع ہوا۔ ان کے اساتذہ میں ابن حجرؒ، بساطیؒ قاری الہدایہ اور بدر اقصرائیؒ بھی اس مجمع میں تھے جب درس کا وقت آیا تو حاضرین کے سخت اصرار کے باوجود وہ اپنے اساتذہ کا احترام کرتے ہوئے صدر مجلس میں نہیں بیٹھے۔ بلکہ جہاں پڑھنے والا بیٹھتا ہے وہاں بیٹھے اور قرآن پاک کی آیت "يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ" پر جو تقریر شروع کی تو علمی مہارت اور وسعت معلومات کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ تمام لوگ

ان کا لوہا مان گئے۔ ابن حجرؒ کی عادت تھی کہ جب کسی کی تقریر طولانی ہو جاتی تو مقرر کی تعریف شروع کر دیتے، تاکہ وہ بند کر دے۔ اس موقع پر بھی انھوں نے مدرس ابن الہمام کے علم اور مختلف فنون میں اُن کی مہارت کو سراہنا شروع کیا، تو بساطی نے کہا کہ ان کی تقریر جاری رہنے دیجئے، وہ ایسا بول رہے ہیں، جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

جب وہ شیخونیہ کے شیخ نامزد ہوئے تو اُسوقت بھی اپنے فرائض نہایت دیانت وامانت سے انجام دیئے، اس کے اوقاف کو آباد کیا، اس کی آمدنی بڑھائی اور کسی بڑے سے بڑے کے ساتھ کوئی رو رعایت نہیں کی۔

علمی کمالات

سخاوی شافعی نے لکھا ہے کہ: کان اماما علامة باصول الدیانة والتفسیر والفقه واصوله والفرائض والحساب والتصوف والنحو والصرف والمعانی والبیان والبدیع والمنطق والجدل والادب والموسیقی وجل علم النقل والعقل۔

(یعنی وہ امام تھے اور اصول مذاہب تفسیر، فقہ، اصول فقہ، فرض، حساب تصوف، نحو، صرف، بیان، بدیع، منطق، مناظرہ ادب، موسیقی اور اکثر عقلی و نقلی علوم کے علامہ تھے۔ بلکہ لکھا ہے کہ عالم اهل الارض ومحقق اولی العصر (یعنی وہ روئے زمین کے واحد عالم اور اہل زمانہ میں یکتا محقق تھے)۔

ہر چہار مذاہب کے جن جن علماء نے اُن کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا وہ سب ان کی زندگی ہی میں رئیس العلماء ہو گئے تھے۔ مثلاً حنفیہ میں

تقی شمنی اور قاسم، شافعیہ میں ابن خضر ومناوی، مالکیہ میں عبادہ قرانی اور حنبلیہ میں جمال بن ہشام۔

اس علمی جلالت کے ساتھ وہ بہت منصف مزاج، خوش اخلاق، ظرافت پسند، بلند ہمت، بے کینہ، علمار کا احترام ملحوظ رکھنے والے، صالحین کے معتقد اور اہل دولت سے دور رہنے والے تھے۔

آپ سلطان کی نظر میں

سلطان الظاہر چقمق ان کا بڑا معتقد تھا مگر وہ ان کے پاس بھی نہیں جلاتے تھے، سلطان یا اس کے وزرار وامرار کو ضرورت ہوتی تھی تو تحریر بھیج کر وہ لوگ دریافت کیا کرتے تھے۔ بلکہ جب ابن الہمام حج کو جانے لگے ہیں تو سلطان نے خود آکر ملاقات کی۔

آپ نے بار بار حج کیا اور مدتوں مجاور بھی رہے ہیں۔ جب انھوں نے چاہ زمزم کے پاس پانی پیا ہے تو اس وقت دین پر ثابت قدم رہنے اور ایمان واسلام پر مرنے کی دعار کی ہے۔ جیسا کہ انھوں نے خود فتح القدیر میں لکھا ہے۔ اور مکہ و مدینہ میں بھی انھوں نے علم کی نشر واشاعت کی ہے۔

ابن الہمام نے ادکاویؒ اور خوافیؒ کی صحبت میں سلوک کی منزلیں طے کی ہیں۔ خوافیؒ کی ساتھ بیت المقدس تک سفر بھی کیا ہے۔ خوافی نے ان کے حق میں دعار کی تھی کہ حق تعالیٰ ان کو عالم باعمل اور بندۂ صالح بنائے۔

(اعیان الحجاج ص ۱۷/۲)

تصانیف

بہر حال ابن الہمام رح نے بڑی خوبی کے ساتھ صلاح وزہد اور تحقیق وعلم کو جمع کر رکھا تھا۔ اور وہ اپنی

تصانیف اور بحث میں جب حق بات سمجھ لیتے تو برابر انصاف سے کام لیتے تھے۔ اُن کی بہت سی تصنیفات ہیں، زیادہ تر فقہ حنفی اور اس کے اصول میں ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:۔

۱۔ شرح الہدایہ، جس کا نام فتح القدیر ہے۔ اس کتاب میں باب الوکالۃ تک کی شرح ہو سکی۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس طرز کی کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی۔

۲۔ المسامرۃ فی العقائد المنجیۃ من الآخرۃ۔

۳۔ التحریر فے اصول الفقہ

۴۔ زاد الفقیر فے الفقہ

۵۔ سبحان اللہ والحمد للہ کی ترکیب میں ایک رسالہ

۶۔ ایضاح البدیع لابن الساعاتی۔ وغیرہ۔

وفات

آپ کی وفات ۸۶۱ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالےٰ رحمۃ واسعۃ

(علامہ عینیؒ اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام صـ ۱۲۰)

حضرت علامہ جلال الدین محلی صاحب جلالین ثانی المتوفی ۸۶۱ھ

نام ونسب نام محمد، کنیت ابو عبداللہ، لقب جلال الدین، والد کا نام احمد، دادا کا نام محمد ہے۔ آپ "محلہ کبریٰ" کی طرف منسوب ہیں جو مغربی مصر کا ایک شہر ہے۔

ولادت ۷۹۱ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم آپ ابتداء میں کپڑے کے تاجر تھے، پھر اپنی جگہ اس کام کے لئے ایک دوسرے شخص کو رکھا اور خود تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے بدر المحمود اقصرائیؒ، شمس بساطیؒ، علاء بخاریؒ، شیخ عراقیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ سے تحصیل علم کیا جو اپنے وقت کے جلیل القدر اساتذہ تھے۔

فضل وکمال آپ نے فقہ، کلام، اصول، نحو اور منطق وغیرہ میں بھی غیر معمولی کمال پیدا کیا۔ یوسف الیان سرکیس تحریر کرتے ہیں:

آپ زبردست عالم اور ذکاوت و ذہانت میں امام تھے۔ آپ کے بعض ہمعصر کہتے تھے کہ آپ کا ذہن اس قدر تیز ہے کہ ہیرے میں سوراخ کرتا ہے۔ (جو بہت سخت ہوتا ہے۔)

آپ شہر مؤیدہ اور برقوقیہ میں فقہ شافعی پڑھاتے تھے۔ آپ پر عہدۂ قضاء پیش کیا گیا تو آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں علامہ سیوطیؒ بہت ہی مشہور و معروف ہیں، انھوں نے ہر فن میں بے شمار تصنیفات کر کے

اُمت مسلمہ پر ایسا زبردست احسان کیا ہے کہ اسے کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

تصانیف

آپ نے بھی بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، لیکن آپ نے ہر کتاب میں بہت اختصار سے کام لیا ہے۔

آپ کی کتابوں میں (تفسیر جلالین) کتاب الجلالین فی تفسیر القرآن العظیم سورۂ اسراء سے ختم قرآن تک مع سورۂ فاتحہ کے آپ نے تفسیر کی ہے۔ پھر اس کی تکمیل آپ کے شاگرد رشید علامہ جلال الدین سیوطی نے کی ہے۔ اور اس کے علاوہ شرح جمع الجوامع تاج الدین السبکی، اصول فقہ، شرح ورقات امام الحرمین کنز الراغبین فی شرح منہاج الطالبین، فقہ شافعی، مقدمۃ النیل السعید تصنیف کی ہیں۔

آپ علوم عقلیہ ونقلیہ دونوں میں یکساں مہارت رکھتے تھے، اور تقویٰ ودیانت داری کا یہ حال تھا کہ جو کوئی بھی حق بات کہتا تو آپ فوراً اسکی طرف بلا چون وچرا رجوع فرمالیتے۔

علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ اگر آپ کے اوصاف حمیدہ لکھے جائیں تو دفتر کے دفتر درکار ہوں گے۔ آپ نے متعدد بار بیت اللہ شریف کی زیارت وحج کیا ہے۔ (تذکرۃ المصنفین ص۳۵)

وفات

آپ کی وفات ۱۵ رمضان المبارک ۸۶۴ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ باب نصر میں ایک عظیم مجمع کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی گئی اور اپنے آبار کے قریب اس قبرستان میں مدفون ہوئے جو جوشن کے سامنے بنایا گیا تھا۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(ظفر المحصلین ص۱۲۰)

حضرت شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوری المتوفی ۸۵۸ھ

نام ونسب نام محمد، والد کا نام قاضی عیسیٰ بن تاج الدین ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۷۸۸ھ میں دہلی میں ہوئی۔

فضل وکمال آپ جونپور کے بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے، ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ کی راہ پر صدق دل سے چلتے ہیں۔ آپ صاحب مقامات عالیہ واحوال مفیدہ تھے۔ آپ کی ولایت اور عظمت وکرامت پر سب کا اتفاق ہے۔ آپ شیخ فتح اللہ اودھی کے مرید تھے۔ آپ کے والد دہلی کے محترم لوگوں میں سے تھے۔ (اخبار الاخیار صـ ۳۸۹)

دہلی سے جونپور آمد فتنۂ تیموری کے وقت دہلی جو کبھی رشک بغداد، اور غیرت مصر تھی، جہاں چپہ چپہ پر خانقاہیں اور قدم قدم پر درس گاہیں تھیں۔ ایسی تباہ وبرباد ہوئی کہ دور دور تک خاک اُڑنے لگی، علمی وروحانی محفلیں اُجڑ گئیں، گھر کے گھر بے نور وبے چراغ ہوگئے اسی ہنگامۂ قیامت خیز میں قاضی عیسیٰ نے اپنے دونوں بیٹوں شیخ محمد وشیخ احمد کو ہمراہ لے کر دہلی کو بصد حسرت ویاس خیرباد کہا اور جونپور کا رُخ کیا، جو اُسوقت تاجدار سلطنت شرقیہ ابراہیم شاہ شرقی (متوفی ۸۴۴ھ) کے حسن انتظام، علم دوستی اور علماء نوازی کی بناء پر مرجع ارباب کمال بنا ہوا تھا۔

تعلیم وتربیت حضرت شیخ محدث دہلوی کی تصریح کے مطابق اسوقت شیخ محمد کی عمر آٹھ برس کی تھی۔

شیخ جونپوری رح نے ایسے گہوارہ میں آنکھیں کھولیں جو علم وفضل کا مرکز تھا آپ کے والد قاضی عیسیٰ صوفی المشرب ہونے کے ساتھ عالم، فقیہ اور قاضی بھی تھے۔ علاوہ ازیں اُس زمانہ میں شاہ شرقی کی قدر شناسی اور علم پروری کی بدولت جونپور مدرسوں اور خانقاہوں کا ایک عظیم مرکز تھا۔

شیخ جونپوری رح نے پہلے اپنے والد ماجد سے اکتساب فیض کیا۔ بعد ازاں ملک العلماء قاضی شہاب الدین (متوفی ۸۴۹ھ) کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے اور خداداد صلاحیت کی بدولت تھوڑے ہی دنوں میں اُستاذ کے منظور نظر بن گئے یہاں تک کہ قاضی صاحب نے اُن کی تعلیم کے لئے بطور خاص اصول بزودی کی شرح لکھی۔ (مقالات حبیب ص۲۳۲، مؤلفہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، دار العلوم، دیوبند)

تصوّف و سُلوک

اُس زمانہ میں علم ظاہری کے ساتھ تصوف میں کمال حاصل کرنا بھی ضروری سمجھا جاتا تھا۔ عام طور پر علماء مشائخ اور مشائخ علماء ہوتے تھے۔ خود شیخ کے والد زبردست صاحب تدریس عالم، فقیہ اور قاضی ہونے کے ساتھ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مرید وخلیفہ تھے۔ اِس لئے طلب علم ہی کے زمانہ سے شیخ کا دل سلوک وطریقت کی طرف مائل تھا، اور نوعمری ہی میں شیخ ابوالفتح جونپوری رح (متوفی ۸۵۸ھ) کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے تھے، لیکن تعلیم وتحصیل میں انہماک کی وجہ سے طریقۂ صوفیہ کے اخذ وکسب کی جانب پوری توجہ نہ ہوسکی، اِس لئے تعلیم سے فراغت کے بعد حسب منشاء ادھر متوجہ ہوئے۔ اور شیخ فتح اللہ اودھی (متوفی ۸۲۱ھ) سے بیعت ہوکر عبادت وریاضت میں لگ گئے۔

کثرتِ ریاضت اور اس کے اثرات

شیخ اودھی رح کی صحبت میں

نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ بچپن کی دبی ہوئی چنگاری شعلہ جوالہ بن کر بھڑک اٹھی اور شیخ کی پوری زندگی اس کی نذر ہو گئی۔ سارے مشاغل و تعلقات سے یکسو ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے اور اس میں انہماک اس درجہ بڑھا کہ بارہ برس کی طویل مدت میں نہ زمین سے پیٹھ لگایا اور نہ نماز پنج وقتہ کے علاوہ حجرہ سے باہر قدم نکالا۔ کثرت مراقبہ سے گردن کی ہڈیاں اوپر کو نکل آئیں اور ٹھوڑی سینہ سے لگ گئی تھی۔

حضرت مولانا عبدالحی حسنیؒ لکھتے ہیں:۔

"واخذ الطريقة بالشيخ فتح الله اودهي وجاهد فى الله حق جهاده حتى قيل ان ظهره لم يمس الارض اثنتى عشرة سنة۔ (نزہۃ الخواطر ص۱۵۲/۴)

(یعنی سلوک کی تعلیم حضرت شیخ فتح اللہ اودھیؒ سے حاصل کی اور اس راہ میں جدوجہد کا حق ادا کر دیا۔ حتیٰ کہ کہنے والے کہتے ہیں کہ بارہ سال تک زمین سے پیٹھ نہ لگایا۔)

مراقبہ اور ذکر و فکر کی کثرت نے عشق و محبت کی ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ اسی کی حلاوت و لذت میں شیخ ہر آن سرمست اور اپنے گرد و پیش سے بالکل بے خبر رہتے تھے۔

انہماک کا واقعہ

بیان کرنے والوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ شیخ کے حجرہ کے متصل ایک درخت اُگ آیا تھا، مگر مدت دراز تک انھیں اس کا علم نہ ہو سکا۔ ایک دن اتفاقاً اسکی چند پتیاں ہوا سے اڑ کر حجرے میں آگئیں تو حیرت سے دریافت کرنے لگے کہ

یہ پتیاں کہاں سے آگئیں؟ بتانے والوں نے بتایا کہ دروازے کے قریب جو درخت ہے یہ اُسی کی پتیاں ہیں۔ تو نہایت متعجب ہو کر فرمایا: کیا یہاں کوئی درخت ہے؟ (مقالات حبیب ص۲۳۶)

شانِ استغناء شیخ جونپوری رح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان پر شدت سے عامل تھے جس میں علماء اور ارباب فضل وکمال کو اُمراء واغنیاء کے یہاں بلا ضرورت آمد ورفت سے منع کیا گیا ہے اور ان سے تعلق رکھنے کو علماء کے حق میں فتنۂ عظیم بتایا گیا ہے۔

آپ کا معمول تھا کہ وہ نہ خود کسی امیر ورئیس کے یہاں جاتے اور نہ اسے موقع دیتے کہ وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہو۔ چنانچہ ایک بار سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے ازراہِ نیازمندی کچھ نقد اور خلعت خدمت میں پیش کئے تو بکمال استغناء اسے واپس کر دیا۔

عبرتناک واقعہ شیخ کے استغناء کے سلسلہ میں شیخ مصطفےٰ جونپوری نے ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک دن سلطان حسین شاہ شرقی نے شیخ کے صاحبزادہ شیخ حبیب اللہ سے نہایت اصرار کے ساتھ یہ درخواست کی کہ مخدوم زادہ اگر کچھ زمین قبول فرمالیں تو اہلِ خانقاہ کے صرف وخرچ میں آسودگی وآسائش ہو جاتی شیخ حبیب اللہ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہے۔ سلطان حسین ایک دیہات کی جاگیر کا پروانہ خانقاہ کے کسی خادم کو دے کر چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد جاگیر کی پیداوار لے کر اُس کے کاشتکار خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ دیہات کے لوگ آدابِ خانقاہ سے ناواقف تھے، اس لئے کچھ شور وشغب ہوگیا۔ شیخ کے

کان میں اس کی آواز پہنچی، تو پوچھا، کیا ہنگامہ ہورہا ہے؟ کسی نے عرض کیا "مخدوم زادہ کی جاگیر سے غلہ آیا ہے اسے وزن کیا جارہا ہے۔ یہ سنتے ہی شیخ کا تیور بدل گیا، غضبناک ہوکر فرمایا:۔

"حبیب اللہ ایں را نخورد و خلیفہ او خواہد خورد، وطعام خود می رسد حبیب اللہ ایں راچرا قبول کرد و ساکت ماند"

(یعنی حبیب اللہ اسے نہ کھاسکے گا، بلکہ اس کا قائم مقام کھائیگا۔ طعام تو خود سے پہنچتا ہے حبیب اللہ نے اسے کیوں قبول کرلیا اور کیوں خاموش رہا۔)

انجام کار شیخ نے جو فرمایا تھا وہی ہوا۔ اس واقعہ کے تیسرے دن شیخ حبیب اللہ کا انتقال ہوگیا اور اس غلہ کو وہ نہ کھاسکے۔

شیخ اور تعمیر مسجد جامع جونپور

شاہان شرقیہ کو شیخ سے غایت درجہ عقیدت وارادت تھی، وہ ہمہ وقت انکی خدمت کو سرمایۂ سعادت سمجھتے تھے، اگرچہ شیخ اس کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔ شیخ کی خانقاہ کے قریب کوئی جامع مسجد نہ تھی، اس لیے جمعہ وعیدین کی ادائیگی کیلئے خانقاہ سے کافی فاصلہ پر محلہ خالص پورہ کی مسجد میں جانا پڑتا تھا، آخر عمر میں ضعف و نقاہت کیوجہ سے دشواری پیش آنے لگی، تو سلطان محمود شرقی کو شیخ کی رضا حاصل کرنے کا ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ حاضر خدمت ہوکر عرض کیا کہ اگر حضرت پسند فرمائیں تو خانقاہ سے قریب ہی ایک جامع مسجد تعمیر کرادی جائے، شیخ نے فرمایا "خوب است" چنانچہ ۸۴۲ھ میں انکے مکان سے قریب مسجد کی بنیاد رکھدی گئی اور دس سال میں تعمیر مکمل ہوگئی۔ "مسجد جامع الشرق" تکمیل کی تاریخ ہے۔

مسجد کے مکمل ہوجانے کے بعد شیخ اسی میں جمعہ وعیدین کی نماز ادا کرنے لگے۔ آجکل یہ مسجد "بڑی مسجد" کے نام سے مشہور ہے اور سلاطین شرقیہ کی عظمت رفتہ کی ایک عظیم یادگار ہے۔

درس و تدریس شیخ کی زندگی کا روحانی پہلو اتنا پرکشش اور نمایاں رہا کہ تذکرہ نگاروں نے عام طور سے انکی اسی حیثیت کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ دوسرے مشائخ چشت کیطرح ظاہری علوم کا درس بھی دیتے تھے۔ ملا خیر الدین لکھتے ہیں :۔

" درحضور پدر بتدریس طلبۂ علوم پرداخت وغوامض مسائل را در اندک تأمل منکشف ساخت "۔ (یعنی اپنے والد کی موجودگی میں طلبہ کو درس دیتے تھے اور دقیق مسائل علمیہ کو ادنیٰ غور و فکر سے حل کر دیا کرتے تھے۔)

قبولِ عام شیخ رح کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا کی تھی اور ہر طبقہ کے لوگ انکے فضل و کمال کے معترف تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :۔

" وھو ممن یتفق علیٰ ولایتہ وعظمتہ وکرامتہ "۔

(یعنی شیخ جونپوری ان بزرگوں میں سے ہیں جنکی ولایت عظمت اور کرامت پر سب کا اتفاق ہے۔) اور تو اور، خود انکے استاذ اجل ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی آپ کی اس حیثیت کے نہ صرف قائل تھے، بلکہ اپنے آڑے وقتوں میں طالب توجہ بھی ہوتے تھے۔ صاحبؒ گنج ارشدی" لکھتے ہیں کہ : ایک بار قاضی صاحبؒ کا ملا خیراتیؒ سے دربار شاہی میں مناظرہ طے پا گیا۔ قاضی صاحب نے آخر عمر میں درس و تدریس کا مشغلہ کچھ کم کر دیا تھا، اس لئے اُنھیں تشویش ہوئی تو خانقاہ میں حاضر ہوئے اور کامیابی کی دعا چاہی۔ شیخ نے عرض کیا، آج رات کو اپنے کتب خانہ کی جس کتاب پر پہلے نظر پڑے اُسی کا مطالعہ فرمائیں، انشاءاللہ فتح و کامرانی نصیب ہوگی۔ شیخ کی تجویز کے مطابق قاضی صاحب کتب خانہ پہنچے تو اُنکی نظر اپنی ہی تصنیف کردہ کتاب " الارشاد فی النحو" پر پڑی۔ قاضی صاحب نے اُسی کا مطالعہ کیا اور بفضلہ تعالیٰ شیخ کی دعا کی برکت سے کامیاب ہوئے۔

ملفوظات شیخ کے چند ملفوظات درج کئے جاتے ہیں جو حقیقتاً روح تصوف

اور خلاصۂ سلوک ہیں، ان سے شیخ کے اندازِ تربیت کا بھی کچھ اندازہ ہوگا۔

(۱) اپنے متعلقین سے بتاکید فرماتے رہتے تھے: ہمہ وقت اللہ کو حاضر و ناظر جانو اور تدریجاً اس بات کی کوشش کرو کہ " اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی " (کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالےٰ سب کچھ دیکھ رہے ہیں) کا تصور دل میں اس طرح جاگزیں ہوجائے کہ ایک لمحہ بھی دل اس خیال سے غافل نہ ہو۔

(۲) اوراد و اشغال سے مقصود اصلی یہ ہے کہ ظاہراً و باطناً اللہ تعالےٰ سے تعلق قائم ہوجائے اور دل میں یہ یقین راسخ ہوجائے کہ " انہ ارحم بہ من نفسہ وانصح لہ من نفسہ ومن الناس اجمعین۔ (یعنی اللہ تعالےٰ میری ذات پر خود مجھ سے زیادہ مہربان ہے، اور خود مجھ سے اور تمام لوگوں سے زیادہ میرا خیر خواہ ہے)

(۳) جو کام بھی کیا جائے صرف اللہ تعالےٰ کی رضا کیلئے کیا جائے اور ہر امر میں فاعل حقیقی اُسی کو سمجھا جائے۔

(۴) سعی اس بات کی ہونی چاہیئے کہ قلب یادِ حق میں اور قالب کارِ حق میں مشغول رہے۔

ف: اسی معنی میں یہ مقولہ ہے " دست بکار دل بیار" اسی معنی میں حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے اس حقیر کے نصیحت طلب کرنے پر یہ شعر ارقام فرمایا ؎

تن از پئے کار آمدہ بے کار مدار — دل از پئے یار آمدہ بے یار مدار

(یعنی بدن کام کیلئے ہے اسے بیکار مت رکھ اور دل یار یعنی محبوب حقیقی کیلئے ہے اسے بے یار مت رکھ) اللہ اس حقیر کو بلکہ جملہ متعلقین کو اس جامع نصیحت پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے آمین! (مرتب)

وفات آپ کی وفات ۱۴؍ ربیع الاول ۸۷۰ھ میں ہوئی۔ بعض مورخین سے دوسرے اقوال بھی منقول ہیں۔ آپ کا مقبرہ جامع الشرق (بڑی مسجد) جونپور میں ہے۔

رَحِمَہُ اللّٰہُ و نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ۔ (مقالات حبیب ص ۲۴۲/۳)

حضرت شیخ محمد مینا لکھنوی ؒ المتوفی ۸۷۰ھ

تعارف آپ لکھنؤ کے صاحبِ ولایت درویش ہیں۔ آپ کا نام شیخ محمد ہے۔ بچپن سے حضرت شاہ قوام الدین ؒ کے ساتھ تربیت وعنایت میں پرورش پائی، پھر حضرت شیخ سارنگ ؒ کے مرید ہوئے جن کا اطراف ملک میں طوطی بولتا تھا۔ اور بہت ریاضت ومجاہدہ کیا ہے۔ اور شیخ نے ان کو درجۂ کمال کے عطا کے لئے اللہ سے دعا کی ہے۔ حضرت شاہ مینا ؒ نے شادی نہیں کی اور عرفان الٰہی میں مست وبیخود رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ قطب الدین ؒ ایک بہت ہی عظیم درویش تھے، جو حضرت شیخ قوام الدین سہروردیؒ کی خدمت خاص سے مخصوص تھے۔ حضرت شیخ ؒ نے اُن سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے یہاں ایک لڑکا پیدا ہو اور اُس کا نام محمد مینا ہو۔ (لکھنؤ کے محاورہ میں مینا ہنرمند اور باعزت سردار کو کہتے ہیں) چنانچہ جب حضرت شاہ مینا پیدا ہوئے تو شیخ کی عنایت وشفقت سے مخصوص ہوئے اور فرزند کی طرح تربیت پائی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اول روز جب آپ کو مکتب بھیجا گیا تو وہاں الف وب کے اتنے حقائق ومعارف بیان فرمائے کہ حاضرین دنگ رہ گئے۔

ریاضت ومجاہدہ ایام سلوک میں آپ نے سخت ریاضتیں کیں۔ کہتے ہیں کہ آپ اکثر اپنے پیرومرشد شیخ سارنگ ؒ کی زیارت کو جاتے تھے، جن کا روضہ مبارک وہاں سے بیس کوس (۶۰ کلومیٹر) تھا۔ پیدل اور کبھی کھڑاؤں پہن کر اور زیادہ ننگے پاؤں جاتے تھے۔ باوجودیکہ جنگل کا ناہموار راستہ اور خاردار جھاڑیاں تھیں آبلے پڑجاتے تھے۔ لیکن اس سے معمول اور ادب میں فرق نہ آتا تھا۔ راتوں کو

اکثر و بیشتر دیواروں پر بیٹھ کر شب بیداری کرتے تھے اور اپنے گرد اگرد کانٹے رکھ لیتے تھے۔ تاکہ اگر نیند سے گریں تو کانٹوں کے چبھنے سے بیدار ہو جائیں اور نیند اُکھٹ جائے۔ اکثر جاڑے کے دنوں میں اپنے کپڑے کو پانی سے تر کر کے حضرت شیخ قوام الدین رحؒ کے صحن میں ذکر کیلئے بیٹھتے تھے۔ اور اس طرح شب بیداری اور ریاضت شاقہ کرتے تھے۔

وفات آپ کا وصال سلطان حسین شرقی جونپوری کے عہد میں ۸۷۰ھ مطابق ۱۴۶۵ء میں ہوا۔ مزار مبارک لکھنؤ میں بہت ہی مشہور اور مرجع خلائق ہے۔ آپ کا فیض جاری ہے۔ (تاریخ جونپور ص ۱۰۱)

حضرت الشیخ ابراہیم المتبولی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۸۰ھ کے بعد

تعارف: آپ صاحب ولایت بزرگوں میں سے تھے۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی آپ کا رہبر نہ تھا۔

ف: یعنی آپ براہِ راست بلا واسطہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے فیضیاب تھے۔ ایسے بزرگ کو اویسی کہا جاتا ہے۔ (مرتب)

آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ امیر شرف الدین کی جامع مسجد کے قریب جو قاہرہ کے محلہ حسینیہ میں ہے وہاں بھُنے ہوئے چنے بیچا کرتے تھے۔

ف: رزق حلال و طیب کیلئے کسب فرماتے تھے، خواہ کسب کا ذریعہ مخلوق کے نزدیک کمتر درجہ کا ہی کیوں نہ ہو، اسکی پروانہ کرتے تھے اور یہی ہونا بھی چاہیئے۔ (مرتب)

فضل وکمال آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بکثرت دیکھتے تھے تو اسکو بطور فخر کے اپنی ماں سے بیان فرماتے تھے۔ تو انکی ماں فرماتی تھیں کہ اے میرے بیٹے! مرد تو وہ ہے جو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیداری میں مجتمع ہو۔ پس جب آپ کو یہ مرتبہ مل گیا یعنی حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیداری میں مجتمع ہونے لگے اور اپنے امور میں آپ سے مشورہ کرنے لگے تو آپ کی والدہ محترمہ نے فرمایا کہ اب تم مقام اہل اللہ میں شروع ہوئے ہو۔

ف: سبحان اللہ، کس درجہ کی ماں تھیں کہ اپنے بچّے کو اس قدر اعلیٰ و برتر تعلیم دیتی تھیں، بخلاف آجکل کی ماؤں کے کہ اپنے بچوں کو دین کی معمولی معمولی باتوں کو بھی نہیں سکھلاتیں۔ بلکہ بعض تو بجائے خیر وصلاح کے فساد کی تعلیم دیتی ہیں، تو پھر نئی پود کی کیسے اصلاح ہو۔ (مرتب)

آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جن امور میں مشورہ کیا تھا، ان میں سے ایک یہ تھا کہ مقام حاج میں ایک زاویہ کی تعمیر کرنی تھی، تو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابراہیم! اسی جگہ زاویہ تعمیر کرو، اسلئے کہ جو لوگ دُنیا سے الگ ہوکر یہاں رہنا چاہیں انشاء اللہ تعالےٰ اُن کے لئے یہ زاویہ جائے پناہ ہوگا۔ اور مصر کے شرق سے جو بلا آنے والی ہوگی اُس کو یہ دور کرنے والا ہوگا۔ اور جب تک یہ زاویہ آباد رہے گا مصر بھی آباد رہے گا۔ اور جب برکہ کے قریب کھجور کے درخت لگانے لگے تو کسی کنویں کا مناسب موقع نظر آیا، تو اُنھوں نے اِس بارے میں بھی آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے اجازت مانگی۔ ارشاد ہوا کہ انشاء اللہ تعالےٰ کل علی بن ابی طالبؓ کو تمھارے لئے بھیجوں گا وہ تم کو اللہ کے نبی حضرت شعیبؑ کے اُس کنویں کی جگہ بتادیں گے جس سے وہ اپنی بکریوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔

صبح ہوئی تو اُنھوں نے خط کھنچی ہوئی علامت پائی۔ لہذا آپ نے اُس جگہ کو کھودا تو عظیم الشان کنویں کا چشمہ نکلا جو اس وقت تک ان کے احاطہ میں موجود تھا۔

کرامت سلطان قاتیبائی کے زمانہ میں قحط ہوا۔ یہاں تک کہ تقریباً پانچ سو آدمی شیخ کے زاویہ میں جمع ہوگئے۔ چنانچہ ہر روز تقریباً ۲۲۸ کلو آٹا پکتا تھا اور لوگوں کو صرف روٹیاں بغیر سالن کے دی جاتی تھیں۔ آخر لوگوں نے سالن کا بھی مطالبہ کیا۔ تو آپ نے خادم سے فرمایا کہ فلاں کھجور کے درخت کے پاس جاؤ، اُس میں جو بوریا بندھا ہوا ہے اس کو اُٹھا کر اس میں جو سونا چاندی ہے بقدر ضرورت لے لو۔ اُس خادم نے جا کر حسب حکم تعمیل کی،

اور مٹھی بھر سونا چاندی اُس میں سے لے لیا، اور اس سے سالن خریدا۔ تو اس خانقاہ کے ذمہ دار نے کہا کہ حضور، جب ایسا معاملہ ہے تو اگر آپ اجازت دیں تو کسی قدر زیادہ لے لیا جائے اور اُس کے ذریعہ لوگوں کو زیادہ آرام دیا جائے۔ شیخ نے فرمایا، اب وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ خادم نے شیخ کے پیچھے پیچھے جا کر جو دیکھا تو وہاں کچھ نہ ملا۔

والد کے ناراضگی کی نحوست فقراء سے ان کے احوال کے بارے میں سوال فرماتے تھے اور اُن سے بے تکلف رہتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص کو دیکھا کہ عبادت اور اعمال صالحہ تو بہت کرتا ہے اور لوگ بھی اُس پر اعتقاد کی بنا پر لوٹے پڑتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اے میرے بیٹے! کیا وجہ ہے کہ تم عبادت تو بہت کرتے ہو مگر درجہ کے اعتبار سے ناقص و کمتر ہو ایسا تو نہیں ہے کہ تمھارے والد تم سے ناراض رہے ہوں؟ تو کہا کہ ہاں! یہ بات صحیح ہے۔ تو فرمایا کہ ہمارے ساتھ ان کی قبر پر چلو، شاید وہ تم سے خوش ہو جائیں۔ شیخ یوسف کردی ؒ فرماتے ہیں کہ جب سیدی ابراہیم ؒ نے انکو ندا دی تو قسم اللہ کی میں نے اس شخص کے والد کو دیکھا کہ اپنی قبر سے اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے شیخ کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ تو شیخ نے فرمایا کہ آپ کی خدمت میں فقراء سفارش کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں، لہذا آپ اپنے اس لڑکے سے خوش ہو جائیے، تو انھوں نے کہا کہ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں اس سے راضی ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ اپنی جگہ لوٹ جائیے۔ تو پھر وہ اپنی قبر میں واپس چلے گئے۔

ف: عبرت کی بات یہ ہے کہ باپ کی ناراضگی کا اثر و ثمرہ یہ ہوا کہ باوجود اوراد و وظائف

کی ادائیگی کے ناقص کے ناقص ہی رہ گئے۔ یہی اثر ماں کی ناراضگی کا بھی ہوتا ہے مگر افسوس کہ اس دور میں ان باتوں کی طرف التفات نہیں۔ اسی بنا پر اکثر محروم کے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ اپنی محرومی کا احساس و شعور بھی نہیں ہے ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا (مرتب)

ارشادات

آپ کا یہ معمول تھا کہ جب امراء و رؤسا میں سے (مصلحۃً یا مجبوراً) کسی کے پاس جاتے تو کسی کو ساتھ نہ لے جاتے اور فرماتے کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ اس لئے کہ میں زہر کھانے جا رہا ہوں، تم اس کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب اُمراء کا طعام زہر ہے تو پھر بادشاہوں کے کھانے کا کیا پوچھنا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے قلب کو محبتِ دنیا سے پاک کرو گے تو ایمان کا پانی نہر در نہر تمھارے قلب میں جاری ہو جائے گا۔ اور جو اپنے قلب کو اس سے خالی نہ کرے گا تو ایمان کا پانی اس کے قلب میں ذرا بھی جاری نہ ہوگا

فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر فقیر کے لئے یہ پسند کرتا ہوں کہ کوئی صنعت و حرفت سیکھے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچ سکے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر تم تکبر نہ کرو تو بڑے ہو جاؤ گے۔

ف: معلوم ہوا کہ آدمی تکبر سے بڑا نہیں ہوتا، بلکہ لوگوں کی نظروں میں گر جاتا ہے۔ جبکہ تواضع کی وجہ سے لوگ عظمت و رفعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اسلئے وہ بڑا ہو جاتا ہے۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۲۸۰ھ کے کچھ اوپر ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص ۸۰ ج ۲)

حضرت شاہ نعمان آسیری رح برہانپوری المتوفی ۱۰۸۱ھ

نام ونسب اسم گرامی شاہ نعمان۔ آپ فرزند ارجمند خواجہ حافظ شیرازی رح کے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

شاہ نعمان بن خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی بن خواجہ نورالدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ محمد زاہد۔ اس طرح یہ سلسلہ خواجہ مودود چشتی (المتوفی ۵۱۷ھ) پر منتہی ہوتا ہے۔

جدّ بزرگوار بقول مصنف "گلزار الابرار" آپ کے جد اعلیٰ خواجہ محمد زاہد رح جن کی آخری آرام گاہ دہلی میں ہے کسی زمانہ میں دشت قبچاق سے ہندوستان آئے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ لیکن مصنف "تاریخ الاولیاء" نے مرآۃ الصفا کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ کے جد بزرگوار خواجہ شرف الدین سیر و سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان آئے اور جب دولت آباد پہنچے تو وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اور اس مقام پر خواجہ نورالدین پیدا ہوئے جہاں اُنھوں نے تعلیم حاصل کی اور عالم وفاضل ہوئے۔ ان کے یہاں خواجہ شمس الدین حافظ پیدا ہوئے جو صاحبِ ریاضت وکرامت اور خوارقِ عادات تھے انکے فرزند حضرت شاہ نعمان ہیں۔

تعلیم وتربیت آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے پدر بزرگوار کے زیر عاطفت ہوئی۔ علمائے وقت سے علوم دینی ودنیوی حاصل کیا اور عالم وفاضل ہوئے۔ (تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص۵۲)

بیعت وخلافت منقول ہے کہ جب آپ کا سن مبارک بارہ سال کا

ہوا تو علم طریقت و حقیقت سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ لہٰذا حضرت سید علاؤالدین ضیار دولت آبادی رح کی خدمت میں پہنچے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور کچھ عرصہ تک ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوئے۔ اور اپنے پیر سے خرقہ، خلافت و فرمانِ اجازت حاصل کیا۔

مرشد کے انتقال کے بعد حضرت شاہ نعمان کچھ عرصہ تک حضرت سید نظام الدین ادریس حسینی چشتی رح کی خدمت میں رہے اور طریقت میں اُن کی رہنمائی اختیار کی۔ اور نعمتِ چشتیہ سے فیضیاب ہوئے۔ اس کے بعد آپ برہان پور شاہ بھکاری رح کے یہاں گئے۔

حضرت شاہ بھکاری رح نماز اور درود و وظائف سے فارغ ہونے کے بعد آئے اور اپنا مصلیٰ حضرت شاہ نعمان کو دیکر فرمایا کہ حضرت معبود لم یزل (اللہ تعالیٰ) کا حکم تمھیں آسیر گڑھ بھیجنے کا ہوا ہے۔ اسلئے وہاں جاکر سکونت اختیار کرو۔

آسیر گڑھ میں سکونت

چنانچہ حضرت شاہ نعمان مع احباب آسیر گڑھ پہنچے اور پایاں قلعہ مسجد کے قریب قیام پذیر ہوئے۔

کشف و کرامات

آپ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔ کئی خرق عادات امور آپ سے ظاہر ہوئے، ان میں سے ایک کرامت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

کرامت: منقول ہے کہ ایک جوگی سدھ ناتھ نامی جو اپنے علم میں کامل تھا، بڑے بڑے پنڈتوں اور فاضلوں سے علم حقائق و سلوک میں بحث مباحثہ کیا کرتا تھا، گھومتا ہوا آسیر گڑھ کے قریب پہنچا اور کوڑیا پہاڑ پر سکونت اختیار کی۔ اُس سے استدراج ظاہر ہونے لگے۔ سادھوں کے قافلے کبھی ہر ماہ اور کبھی ہر سال اُس

جوگی کے پاس گجرات اور مالوہ سے آتے اور تربیت حاصل کرتے اور وہ انکو رقم کثیر دیتا۔ مدت تک اُس جوگی نے اپنا ٹھاٹھ خوب جمایا۔

ایک روز جوگی حضرت شاہ نعمان رحؒ کی خدمت میں آیا اور چشم فراست و کیاست سے آپ کو دیکھا، جو ہر ولایت آپ کی ناصیہ مبارک میں ہویدا پایا۔ اس کے بعد وہ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگا اور سوائے عبادتِ الٰہی اور ذکر اللہ کے کوئی دوسری بات نہیں دیکھی۔ اس سبب سے وہ آپ کی طرف زیادہ مائل ہو گیا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت خانقاہ میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ سدھ ناتھ جوگی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قواعدِ خدمت بجا لا کر خانقاہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت درود و وظائف سے فارغ ہوئے اور اپنے حجرہ کی طرف جانا چاہا، تو جوگی نے عرض کیا کہ حضرت! میں کچھ حقیقت آپ سے بیان کرنا چاہتا ہوں یہ سُن کر حضرت ٹھہر گئے۔ اُس جوگی نے کہا، میں بہت ضعیف ہو گیا ہوں، میری عمر سو سال سے زیادہ ہو گئی ہے اور عنقریب میرا رشتۂ حیات ٹوٹنے والا ہے۔ میرے پاس ایک نایاب چیز ہے، جس کو میں نے ملکوں ملکوں کا سفر کر کے بکمالِ محنت و مشقت سیاح جوگیوں سے حاصل کیا ہے۔ لیکن اپنے لوگوں میں سے کسی کو اس امانت کے رکھنے کے لائق نہیں پاتا ہوں، باعتماد و اعتقاد یہ اکسیر بُشد بیدمنی آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ تانبے کو آگ سے گرم کر کے نرم کئے جانے کے بعد یہ اکسیر اس کو لگانے سے خالص سونا کر دیتی ہے۔ اور یہ اکسیر کچھ کم نہیں ہوتی اس لئے آپ اس سے سونا بنا کر اُس رقم کو فقراء و مساکین کے اخراجات میں صرف کرتے رہیں۔ جوگی نے وہ اکسیر آپ کے سامنے رکھ دی۔

آپ نے تبسم کیا، اور اس کو ایک کاغذ پر ڈال کر سب ہوا میں اُڑا دی۔ جوگی

یہ حال دیکھ کر متحیر و پریشان ہوا، اور اس کا تمام بدن لرزنے لگا۔ جب وہ اپنی حالت میں آیا، تو حضرت نے فرمایا: خاطر جمع رکھ۔ اس صحرا میں سے پتھر لاؤ۔ جوگی نے دونوں ہاتھوں سے ایک بڑا پتھر اُٹھایا اور حضرت کی خدمت میں لایا۔ حضرت نے اُس پتھر پر اپنی نظر کیمیا اثر ڈالی، وہ پتھر اُسی وقت خالص سونا بن گیا۔ پھر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ ربّ العزت نے یہ قدرت دی ہو پھر وہ اپنے مالک کو چھوڑ کر اس کیمیائے فانی پر کیونکر اعتماد اور تکیہ کرے۔ جوگی نے یہ حال دیکھ کر بکمال اعتقاد عرض کیا ؎

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(آپ ان حضرات میں سے ہیں جو مٹی کو اپنی نظر سے سونا بنا دیتے ہیں۔ کاش کہ ایسی ہی ایک نظر مجھ پہ ڈال دیتے۔)

اس کے بعد وہ جوگی دولتِ اسلام سے مشرف ہوا، اور دولتِ ابدی اور کیمیائے سروری حاصل کی، اور حضرتؒ کی خدمت میں رہ کر دینِ نبویؐ سیکھا اور خرقہ ارادت سے سرفراز ہوا۔ اور دو تین سال کے بعد حضرت کی زندگی میں ہی عالمِ فانی سے عالمِ بقا کو روانہ ہوگیا۔ اس کی قبر حضرت کی مزار کے سامنے جنوبی رُخ پر گنبد کے دروازے کے قریب ہے۔

عادات واخلاق

آپ عبادت گزار اور پرہیزگار تھے۔ دن رات ریاضت و مجاہدہ اور درود ووظائف میں مشغول رہتے، اکثر روزہ رکھتے تھے۔ اور بطریق چلہ کشی چھ ماہ یا کم وبیش گوشہ نشین رہتے۔ اور قلعہ آسیر کے اطراف میں صحرا میں گھومتے اور جھاڑوں کے پتیوں کے سوا کوئی غذا

نہ کھاتے تھے۔ جنگل کے جانور آپ سے مانوس ہو گئے تھے اور آپ کے آس پاس پھرتے تھے۔

وصیّت جب آپ کی رحلت کا وقت قریب ہوا تو آپ نے اپنے خلفاء سید پیارہ اور شیخ منجھو کو طلب کیا اور فرمایا کہ ابھی تمھارے مقاماتِ سلوک کی تکمیل باقی رہ گئی ہے۔ میری وفات کے بعد حضرت شاہ بھکاری کی خدمت میں رہنا اور اپنے مقاصد کو درجۂ کمال کو پہنچانے کے لئے ریاضت کرنا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد یہ دونوں بزرگ حضرت شاہ بھکاری کی خدمت میں رہے اور درجۂ کمال کو پہنچے اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

وصال

آپ کا وصال یکم ربیع الاول ۱۸۸ھ مطابق ۱۴۷۶ء میں آسیر گڑھ برہانپور میں ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(تاریخ اولیائے کرام برہان پور ص۵۹)

شیخ کمال الدین قزوینی ثم گجراتی رح المتوفی ۸۸۹ھ

مرتبہ عزیزم مولانا اقبال محمد ٹنکاروی

نام ونسب پورا نام اس طرح ہے: شیخ، عالم کبیر کمال الدین بن صفی بن محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبد الغنی الحسینی قزوینی ثم بھروچی، گجراتی۔

ولادت وفضل وکمال بڑے عالم وفاضل اور ماہر تجوید وقرات تھے۔ آپ کی ولادت ۷۹۰ھ میں قزوین میں ہوئی تھی۔ مدت دراز تک شیخ کبیر محمد بن یوسف حسینی گلبرگوی کی صحبت میں رہے جو سید محمد گیسو دراز کے نام سے مشہور تھے، اور اُن ہی سے خلافت بھی حاصل کی۔

قیام مدرسہ اس کے بعد اپنے مرشد کی اجازت سے گجرات کے قدیم شہر بھروچ میں سکونت اختیار کی، اور بھروچ ہی میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ عمر کا بڑا حصہ درس وتدریس میں گزارا۔ لوگ اُن کی طرف خوب مائل تھے، اُن سے شیخ حسین بن محمد قاضی علی بن عبد الملک اور اُن کے بیٹے امین الرحمن بن کمال الدین اور بہت سے علماء ومشائخ نے علم وفیض حاصل کیا۔

شیخ رح کے انتقال کے بعد اُنکے فرزند امین الرحمن نے مدرسہ جاری رکھا۔ اُن کی وفات کے بعد مخدوم کمال الدین کے پوتے نصیر الدین عرف ننھے میاں خلیفہ ہوئے اور مدرسہ جاری رکھا۔ مخدوم صاحب کے نواسے سید صبغۃ اللہ

نے بھی اس مدرسہ میں درس دیا ہے۔ سید صبغۃ اللہ کی وفات ۱۰۱۵ھ میں ہوئی۔ پہلے تین بزرگوں کی مزاریں شہر کے درمیان میں ایک ٹیلے پر ہیں۔ اور مدرسہ کے کھنڈر بھی پاس ہی ہیں، جہاں اس خاندان کے تین بزرگوں نے ڈیڑھ سو سال تک خدمت انجام دی ہے۔ حضرتؒ کی اولاد اب بھی بھروچ میں موجود ہے۔

تالیفات حضرتؒ کی کچھ تالیفات بھی ہیں۔ جن میں سے ایک "منظر الحق فی بحث السماع" ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جامع مسجد بمبئی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ایک اور رسالہ "بازار مصطفیٰ وخریدار خدا" ہے۔

(نزہۃ الخواطر ص۱۲۹/۳)

وفات اُن کی وفات ۲۵ر شوال ۹۸۹ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۸۹ھ میں اتوار کے دن عصر کے آخری وقت میں ہوئی اور بھروچ ہی میں واقع "نومیاں قبرستان" میں مدفون ہیں۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(نزہۃ الخواطر ص۱۲۹/۴)

حضرت الشیخ علی بن شہابؒ المتوفی ۸۹۱ھ

تعارف آپ کا نسب محمد بن حنفیہؒ تک پہنچتا تھا، مگر آپ اسکو ظاہر نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نسب پر تفاخر سے منع فرمایا ہے اور انسان کو درحقیقت اس کا عمل ہی مقدس بناتا ہے اگرچہ اکابر صحابہؓ کی اولاد میں سے کیوں نہ ہو۔

ارشادات فرمایا کرتے تھے کہ طریق الی اللہ میں حلال وطیب چیزوں کا کھانا اصل و بنیاد ہے۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ جب چکی میں آٹا پیسنے تو پہلے سے جو آٹا موجود رہتا اس کو چکی کا پاٹ اٹھا کر نکالتے اور گوندھ کر کتے کو دیدیتے پھر اس کے بعد پیستے اور کچھ اپنے گیہوں کا آٹا لوگوں کے واسطے چھوڑ دیتے۔ (طبقات ج صـ ۹۹)

ان کے طلبہ بیان کرتے تھے کہ شیخ دودھ اور رقیق غذائیں کو ڈھیوں کے ساتھ کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب شکستہ ہیں، جن کی اللہ کے نزدیک بڑی قدر و قیمت ہے۔

ف: اسی لئے کہا گیا ہے کہ ہر چیز کی قدر و قیمت ٹوٹنے کے بعد کم ہوجاتی ہے مگر دل جتنا ٹوٹتا ہے اتنی ہی اسکی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ (مرتب)

فرمایا کرتے تھے کہ ان غلاموں کی طرف دیکھو تو سہی جنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی جیسے سلمان رضؓ اور بلال رضؓ کہ اللہ و رسولؐ کی اطاعت کی وجہ سے انکی کیسی شان ہوگئی۔

وفات آپ کی وفات بعمر ۷۰ سال ۸۹۱ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (طبقات صـ ۱۰۹/۲)

صاحبِ نفحاتُ الاُنس

حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۸۹۸ھ

نام و نسب نام عبد الرحمٰن، لقب نور الدین، کنیت ابو البرکات، والد کا نام نظام الدین احمد ہے۔ قصبہ جام کی طرف نسبت کر کے جامی کہلاتے ہیں۔ آپ حضرت امام محمدؒ کی نسل سے ہیں۔

ولادت آپ کے والد ماجدؒ ترکمانوں کی غارتگری اور یورش کے زمانہ میں مقام رشت سے ہجرت کر کے خراسان آگئے تھے اور خراسان کے قصبہ خرجرد جام میں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ مولانا جامیؒ ۸۱۷ھ میں اسی قصبہ میں پیدا ہوئے۔ (مقدمہ نفحات الانس)

تعلیم و تربیت آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اس کے بعد آپ ہرات کے مدرسہ میں داخل ہوئے، اور وہاں کے مشہور فاضل خواجہ علی سمرقندیؒ، شیخ محمد جرجانیؒ سے استفادہ کیا۔ یہاں سے فراغت کے بعد آپ اپنے والد کے ہمراہ سمرقند روانہ ہوئے، اُسوقت سمرقند علوم دینیہ کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ وہاں پہنچ کر کمالات کی منزلیں طے فرمائیں۔ اور آپ کے کمالات کا شہرہ لوگوں میں پھیل گیا۔ اس سے فراغت کے بعد آپ ہرات پہنچ کر تشنگان علوم کو سیراب کرنے لگے۔

بیعت و خلافت جب آپ ہرات آئے تو عالم رویا میں آپ کو طریقت و سلوک کی طرف متوجہ ہونے کا اشارہ کیا گیا۔ آپ امتثال امر میں درسگاہوں سے رُخ موڑ کر خانقاہوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بزرگان طریقت شیخ سعد الدین کاشغری نقشبندیؒ،

شیخ خواجہ علی سمرقندیؒ اور شیخ قاضی زادہ رومیؒ کی صحبت میں رہ کر منازلِ طریقت و شریعت کو طے کیا۔ اور بہت جلد مقاماتِ معنوی میں اس منزل پر پہنچ گئے کہ اپنے مرشد حضرت شیخ الاسلام سعد الدین کاشغریؒ کے وصال کے بعد ان کی مسندِ ارشاد پر رونق افروز ہوئے۔ علاوہ ازیں اپنے شیخ خواجہ عبید اللہ احرار کی صحبت میں بھی مدتوں رہے اور فیوض روحانی حاصل کئے۔ لیکن آپ کو اجازت حضرت کاشغریؒ سے ہے۔

حضرت خواجہ احرارؒ کی مدح میں آپ کا یہ شعر "یوسف زلیخا" میں درج ہے ۔

چو فقر اندر لباسِ شاہی آمد ۔۔۔ بہ تدبیرِ عبید اللّٰہی آمد

(ترجمہ: لباسِ شاہی میں فقر و درویشی عبید اللّٰہی تدبیر سے آئی۔)

اخلاقِ حسنہ آپ حقیقی معنی میں ایک درویش اور صوفی تھے۔ تواضع، فروتنی، نفس کشی اور ایثار کا پیکر تھے۔ ظاہر پرستی اور خود ستائی کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ شریعت مطہرہ کی اتباع کامل آپ کا نصب العین تھا، اس لئے آپ کا ہر قدم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اُٹھتا، اور ہر سانس خُلقِ نبویؐ کو اپنانے میں صرف کرتے، اور تمام زندگی شریعت مطہرہ کے تقاضوں کو پورا کرتے گزری۔ کم گوئی اور کم سخنی آپ کا دستور تھا۔ غریبوں، یتیموں کی امداد فرماتے۔ متعدد مدارس اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ (مقدمہ نفحات الانس)

تصانیف آپ کی تصانیف عربی و فارسی میں متعدد ہیں۔ بعض کا تعلق ادبیات سے ہے اور بعض کا تعلق تصوف اور دیگر فنون سے ہے۔ درس نظامی میں آپ کی مشہور کتاب "شرح جامی" ہے جو کافیہ کی نہایت

شافی شرح ہے جو علماء کے درمیان معروف و مشہور ہے۔ اور آپ کی مثنوی "تحفۃ الابرار اور سبحۃ الابرار" بھی نہایت مقبول ہے۔

نفحات الانس آپ کی تصانیف میں "نفحات الانس" فارسی زبان میں بہت ہی گراں مایہ اور مقبول عام و خاص تصنیف ہے اور آج بھی اُس کا شمار بلند پایہ ادبی و عرفانی کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس کا موضوع تذکرۃ الصوفیہ ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی "نفحات الانس" کے نام سے کیا گیا ہے۔ (مقدمہ نفحات الانس)

شوقِ حج مولانا جامی نے جب تک حج نہ کیا تھا اُس وقت تک وہ زیارت حرمین کے لئے بہت مضطرب اور بیچین تھے، ان کا دل شوق سے لبریز اور اس تمنا میں ان کی آنکھیں اشک ریز رہتی تھیں ایک غزل میں فرماتے ہیں کہ: ؎

کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم　　گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

(یا اللہ! یہ سعادت مجھے کب نصیب ہوگی کہ یثرب و بطحا کی طرف متوجہ ہوں گا، پھر کبھی مکہ میں قیام کروں گا اور کبھی مدینہ میں۔)

اور مولانا کی یہ تمنا جب پوری ہوئی تو ان الفاظ میں حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر بجالائے ؎

داد مرا نعمت توفیق حج　　مَن قَرَعَ البابَ وَلَجّ وَلَج

(مجھ کو توفیق حج کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ جس نے بھی دروازہ کھٹکھٹایا اور چمٹ گیا تو وہ ضرور داخل بیت ہوگیا۔)

در حرم خویش مرا رہ نمود　　زنگِ ظلام از دلِ گمرہ زدود

(اپنے حرم میں داخلہ کیلئے مجھ کو راستہ دیا۔ اور قلب گمراہ سے تاریکی کا

زنگ دور فرما دیا۔)

داد مرا در حرمِ خود مقام　　ساخت مرا طائفِ بیت الحرام

(مجھ کو اپنے حرم میں جگہ دی اور مجھ کو بیت الحرام کا طواف کنندہ بنایا۔)

مولانا جامی نے ۸۹۸ھ میں سفر آخرت اختیار فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالے۔

(اعیان الحجاج ص۱۸۸ ج ۲)

تعلیمات ماخوذ از "نفحات الانس"

ولایت ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ **ولایت عامہ**: اس میں تو تمام مومن شریک ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالے کا ارشاد ہے "اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ" (ترجمہ: اللہ تعالے ایمان والوں کا دوست ہے اُن کو اندھیروں سے نور کی طرف نکال لیتا ہے)۔ اور **ولایت خاصہ**: جو اہل سلوک یعنی خدا رسیدہ حضرات کو حاصل ہوتی ہے۔ یعنی اس سے مقصود بندے کا اللہ تعالے کی ذات میں فنا ہو کر باقی رہنا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحؒ نے ایک شخص سے کہا کہ تم ولی بننا چاہتے ہو؟ اُس نے کہا، ہاں! آپ نے فرمایا: دنیا اور آخرت کی طرف رغبت نہ کرو اور خود کو اللہ تعالے کی دوستی کے لئے فارغ رکھو، اور دل کو اللہ تعالے کی طرف متوجہ رکھو۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحؒ نے ایک شخص کی ملاقات کا قصد کیا، وہ شخص لوگوں میں ولی اللہ مشہور تھا۔ جب آپ ان کی مسجد میں پہنچے تو ان کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ باہر نکلے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکا، شیخ ابو یزیدؒ اُسی وقت واپس لوٹ آئے اور فرمایا کہ جس شخص کو شریعت کے

ظاہری آداب کا پاس و لحاظ نہیں اور شریعت کے آداب سے بے خوف ہے وہ اللہ تعالےٰ کے رازوں کا کس طرح امین ہو سکتا ہے۔

ف: یعنی جب یہ شخص ایک ظاہری سنت پر کاربند نہیں ہے تو باطنی نعمتوں پہ کیسے اطمینان کیا جاسکتا ہے۔ اس کو علامہ شاطبی رحؒ نے "موافقات" میں نقل کیا ہے۔ (مترجم)

ایک شخص ابوسعید ابوالخیر رحؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اپنا بایاں پاؤں پہلے رکھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ یہاں سے نکل جاؤ، کیونکہ جو شخص دوست کے گھر میں داخل ہونے کے آداب سے واقف نہیں اس سے ملنا جُلنا مناسب نہیں۔

طریقۂ اویسیؒ

شیخ طریقت خواجہ فریدالدین عطار رحؒ فرماتے ہیں کہ: اولیاءاللہ کا ایک گروہ ایسا ہے جس کو مشائخ طریقت و کبرائے حقیقت "اویسی" کہتے ہیں۔ ان حضرات کو کسی پیر و مرشد کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ سرورِ کونین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم غایت التفات سے ان حضرات کی بغیر کسی غیر کے اپنی آغوش مکرمت و رافت میں تربیت فرماتے ہیں۔ جس طرح حضرت اویس قرنی رحؒ کی تربیت فرمائی۔ اور یہ بڑا اعالی اور بلند مقام ہے۔ ہر شخص کو یہاں تک رسائی ممکن نہیں ہے اور یہ دولت ہر شخص کے نصیب میں نہیں آتی۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

اسی طرح بعض اولیاء اللہ نے جو حضرت سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال درجہ متبع ہیں اپنے بعض مریدوں کی روحانی تربیت فرمائی ہے۔ (ص۱۶۵)

کرامات کا ثبوت قرآن کریم سے

صاحبِ کتاب "دلائل النبوۃ" امام المستغفری رحؒ فرماتے ہیں کہ:۔

کرامات اولیا برحق ہیں۔ اس پر کتاب اللہ، احادیث صحیحہ اور اجماع اہل سنت والجماعت شاہد ہیں۔ کتاب اللہ سے ثبوت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ط (آل عمران ۳۷) (یعنی جب حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے پاس آتے تو ان کے پاس رزق موجود پاتے۔) اہل تفسیر کہتے ہیں کہ اُن کے پاس موسم گرما کے میوے جاڑے کے موسم میں اور موسم سرما کے میوے گرمی کے موسم میں دیکھے جاتے تھے۔ اور حضرت مریم بالاتفاق نبی نہیں تھیں۔ یہ آیت کرامات پر حجت ہے۔

کرامت کا ثبوت سنت سے

کرامت کا ثبوت سنت سے یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک روز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! پہلے کے لوگوں کے عجائبات میں سے کچھ بیان فرمائیے۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں سے پہلے تین شخص کہیں جا رہے تھے۔ جب رات ہوئی تو اُنھوں نے ایک غار کا قصد کیا اور اس کے اندر چلے گئے۔ پھر اچانک پہاڑ سے ایک تودہ گرا اس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ تو اُن لوگوں نے اپنے اپنے اعمال صالحہ کی برکت سے دعا کی، جس کی وجہ سے غار کا منہ کھل گیا۔ پورا واقعہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ یقیناً یہ واقعہ کرامت پر دلیل ہے۔

کرامت کا ثبوت آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے

امام مستغفری رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب مصر فتح ہو گیا تو مصر والوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیر!

اس دریائے نیل کا ایک خاص معمول ہے، جبتک وہ پورا نہ کیا جائے گا وہ حسب معمول جاری نہیں ہوسکتا۔ وہ یہ ہے کہ ایک مقررہ تاریخ پر ہم ایک باکرہ دوشیزہ تلاش کرتے ہیں اور اُس کے والدین کو راضی کر کے خوب آراستہ کر کے اعلیٰ زیورات پہناکر دریائے نیل میں بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا۔ اسلام تو ان چیزوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔

اسی ردو قدح میں تین ماہ گزر گئے۔ اور دریائے نیل کی روانی بالکل رُک گئی اور پانی کی نایابی کے باعث لوگ ترک وطن پر آمادہ ہو گئے۔ اس صورت حال میں حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کو اطلاع دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ اس رسم بد کو بند کر دیا۔ بیشک اسلام پچھلی بُری رسموں کو مٹانے والا ہے۔ میں نے اس خط کے ساتھ ایک رقعہ لکھا ہے۔ تم اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔

اس رقعہ میں تحریر تھا کہ " یہ رقعہ اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے دریائے نیل کی طرف ہے۔ امابعد! اے دریا! اگر تو اپنی مرضی سے جاری ہوا کرتا ہے تو بیشک تو جاری نہ ہو۔ اور اگر تجھ کو اللہ واحد قہار جاری کرتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔" حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈال دیا اور وہ جاری ہوگیا۔ اور آج تک جاری ہے۔

اسی طرح کرامات کے بہت سے واقعات "نفحات الانس" میں موجود ہیں، وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (نفحات الانس ص۱۷)

وفات آپ کی وفات ۸۹۵ھ میں بعمر ۸۱ سال ہرات میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (مقدمہ نفحات الانس ص۴۳)

حضرت شیخ محمد ملاوہ قنوجیؒ المتوفی ۹۰۰ھ

ولادت آپ کی ولادت ۸۰۲ھ میں ہوئی۔

تعارف لوگ آپ کو مصباح العاشقین کہا کرتے تھے۔ ابتدا میں آپ شیخ احمد راوتیؒ کے مرید ہوئے اور اُنہی کی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔ پھر آپ شیخ جلال گجراتی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عشق و محبت کی نسبت اُنہی کے ذریعہ درست کی۔ آپ کامل شیخ اور صحیح الحال بزرگ تھے۔

زہد و توکل ایک مرتبہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی اور گھر کے اندر جو کچھ بھی تھا سب جل کر راکھ ہو گیا۔ غلہ وغیرہ بھی جل کر خاک ہو گیا۔ اُس کے ساتھ بوائی کے لئے جو بیج رکھے تھے وہ بھی خاک ہو گئے۔ گھر والوں نے آپ سے یہ قصہ بیان کیا، تو پورا قصہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ہم سوختہ جانوں کے پاس جلے ہوئے دھانوں کے علاوہ اور کیا ہو گا۔ اُس کے بعد آپ نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر اِن الفاظ کے ساتھ آپ نے دعا کی۔ اے اللہ! تو ہمیشہ اپنی حکمت سے کام کرتا ہے، اس دفعہ اِس بندے کے لئے اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمائیے گا۔ اے اللہ! میرے پاس جتنے دھان تھے وہ تمام آپ کے حکم سے جل چکے ہیں۔ اب میرے پاس تخم ریزی (بونے) کے لئے دھان کا ایک دانہ بھی نہیں ہے۔ اب میں کیا کروں۔

کہتے ہیں کہ اُس سال اُن کی زمین میں اتنی کثرت سے دھان پیدا ہوئے جنھیں دیکھ کر اُس وقت کے بادشاہ سلطان سکندر نے اللہ کے حضور میں سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ میری سلطنت میں اللہ کے ایسے بندے بھی موجود ہیں کہ وہ جو چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اُسے حاصل کر لیتے ہیں۔

وفات

آپ کی وفات سنہ ۹۰۰ھ میں علاقہ قنوج کے مشہور گاؤں ملاوہ میں ہوئی۔ اور اُسی گاؤں میں آپ کا مزار ہے۔

نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(اخبار الاخیار ص ۳۷۳)

حضرت الشیخ علی محلی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی سنہ ۹۰۰ھ

فضل و کمال

آپ گنے چنے مردانِ خدا تعالیٰ میں سے تھے۔ آپ کے پاس کوئی فقیر حاجتِ دنیوی لے کر آتا تو فرماتے کہ جتنا تم سے ہو سکے سیسہ لاؤ۔ پس جب وہ لاتا تو فرماتے کہ اس کو آگ میں پگھلاؤ۔ پس جب وہ پگھلا لیتا تو شیخ اپنے ہاتھ سے تھوڑی مٹی لیتے، پھر اس پر بسم اللہ پڑھتے اور اس کو اس میں ڈال کر حرکت دیدیتے تو وہ سیسہ فوراً ہی سونا ہو جاتا۔

ارشادات

آپ شہر میں چلتے تو فرماتے کہ اے شہر کے علماء! نمک کی کون اصلاح کرے گا جب وہ خود ہی فاسد ہو جائے۔

ف : یعنی علماء کی جماعت مثل نمک کے ہے کہ عوام کی ان سے اصلاح ہوتی ہے۔ تو جب علماء ہی فاسد ہو جائیں گے تو پھر عوام کی کیسے اصلاح ہوگی جیسا کہ آج فساد ہی فساد نظر آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وفات

آپ کی وفات کچھ اوپر سنہ ۹۰۰ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص ۱۰۱ ج ۲)

حضرت راجہ سیّد حامد شاہ مانکپوریؒ المتوفی ۹۰۱ھ

نام ونسب نام راجہ سید حامد، والد کا نام سید راجی عزالدین ہے۔ دادا کا نام سید شہاب الدین ہے۔

آپ کے جدامجد کی ہندوستان آمد ساتویں صدی ہجری کے شروع میں سلطان شمس الدین التمش کے دور میں ترکستان کے شہر گرویز سے جو افغانستان میں غزنین کے مشرق میں واقع ہے دو بھائی سید شمس الدین اور سید شہاب الدین دہلی آئے، پھر وہاں سے سید شمس الدین نے دہلی کے قریب میوات کو اپنی منزل قرار دیا۔ اور سید شہاب الدین نے دہلی سے دور کڑا مانک پور میں اقامت اختیار کی۔ آپ ہی سید حامد شاہؒ کے جدامجد ہیں۔

کڑا مانک پور کو سید قطب الدین (متوفی ۶۷۷ھ) نے فتح کر کے فتحپور ہنسوہ کے قریب کڑا نامی مقام میں سکونت اختیار کی تھی۔ اسی زمانہ سے کڑا مانک پور سلاطین دہلی کا مشرقی پایہ بنا۔

سید شہاب الدین گرویزی کی اولاد کو کڑا مانک پور میں بڑا فروغ حاصل ہوا، شاہی منصب اور جاگیرداری نے اُن کے قدم چومے، راجہ، راجی اور شاہ کے خطابات سے سرفراز ہوئے۔

تعارف آپ کی ولادت مانک پور میں ہوئی۔ راجہ سید حامد شاہ بچپن ہی میں حضرت شیخ مخدوم حسام الدین چشتی مانکپوریؒ سے وابستہ ہوئے اور تھوڑی مدت میں مرتبۂ کمال تک پہنچ گئے۔ "خزینۃ الاولیاء" میں ہے کہ راجہ حامد شاہ اوائل عمر میں سپاہیانہ لباس میں رہتے تھے، حضرت شیخ حسام الدین مانکپوریؒ

کی صحبت سے مشرف ہوکر ریاضات شاقہ برداشت کیں، جس سے انکو صفائی باطن اور حضور قلب کی دولت نصیب ہوئی اور شیخ کی طرف سے خلافت سے مشرف ہوئے۔ فللہ الحمد والمنۃ

جونپور میں آمد راجہ حامد شاہ سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرنے کے بعد بحکم مرشد عین جوانی میں جونپور تشریف لائے جن کا علماء، فضلاء نے استقبال کیا۔ مخدوم حسام الدین رحؒ نے اپنے عزیز ترین خلیفہ راجہ حامد شاہ کو بڑے ترک و احتشام و محبت کے ساتھ جونپور بھیجا تھا، اوران کی نیک تمنائیں یوں کام آئیں کہ راجہ حامد شاہ اور اُن کی اولاد کئی صدی تک دیار جونپور میں مرجعیت و مرکزیت کی مالک رہیں۔ (دیار پورب میں علم و علماء ص۲۱۷)

وفات راجہ حامد شاہ شیخ حسام الدین مانکپوری رحؒ کے ایک سو بیس خلفاء میں سب سے زیادہ نامور اور فیض بخش خلیفہ تھے۔ اُن کی وفات ۲۵ر شعبان ۹۰۱ھ میں مانک پور میں ہوئی۔ مزار بھی وہیں ہے۔ رحمہ اللہ ونور اللہ مرقدہ۔

خلفاء یوں تو آپ کے بہت سے خلفاء تھے جن کا فیض جاری ہوا۔ مگر اس دیار میں خاص طور سے قابل ذکر یہ ہیں: (۱) صاحبزادہ راجہ سید نور رحؒ (۲) شیخ الہ داد رحؒ (۳) شیخ حسن بن طاہر رحؒ (۴) شیخ بہاؤالدین رحؒ (۵) شیخ دانیال رحؒ رحمھم اللہ تعالیٰ (دیار پورب میں علم اور علماء ص۲۱۶)

حضرت شیخ حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۹۰۱ھ

ولادت آپ کی ولادت ۸۲۰ھ میں ہوئی۔

تعارف آپ معز بلخی کے صاحبزادے تھے۔ مشہور یہ ہے کہ آپ اپنے سگے چچا شیخ مظفرؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ لیکن آپ کے اپنے بیانات سے اس بات کا ترشح ہوتا ہے کہ آپ شیخ شرف الدین (یحییٰ منیریؒ کے صاحبزادے) کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے اور شیخ مظفرؒ کے تربیت یافتہ تھے اور اُنہی سے خلافت بھی حاصل کی۔ اوائل عمر میں دہلی میں رہ کر تعلیم حاصل کی، ۱۹ برس کے بعد درویشوں کے طریق یعنی سلوک کو حاصل کرنے کے لئے بعنایت ایزدی حجاز کا سفر اختیار کیا اور مدینہ منورہ میں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اس سعادت سے جو تمام مقاصد کے حصول کی اساس و بنیاد ہے مشرف ہو کر اپنے آبائی وطن واپس تشریف لے آئے۔

آپ کے کچھ مکتوبات بھی ہیں، جو اپنے شیخ کے نہج اور طرز پر ہیں۔ ان مکتوبات میں آپ نے توحید کے اسرار اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کو بڑے لطیف انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ جن میں سے (مشتے نمونہ از خروارے) بطور نمونہ چند نقل کئے جاتے ہیں، جو آپ کے تقدس پر مزید روشنی کا باعث ہونگے۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۲۶۴)

مکتوب ۱: میں ہیچمداں پھوٹتی ہوئی جوانی اور حصول تعلیم کے زمانہ میں عرصہ دراز تک معاصی، ذلتوں، خواہشات اور خسران کے میدان میں بنی اسرائیل کی مانند حیران و پریشان گھومتا رہا۔ اتفاق سے چچا شیخ مظفرؒ نے حجاز کے سفر کا ارادہ کیا

اور مجھے بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ چچا محترم مسلسل پانچ برس تک اس فقیر کو شب و روز تربیت، ارشاد اور حقائق و معارف دکھاتے رہے۔ اگرچہ میرے اندر اتنی طاقت نہ تھی، لیکن جیسا کہ قرونِ اولیٰ کے لوگوں پر اثر ہوا کرتا تھا، اُسی طرح مجھ پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قربِ مکانی کا اثر ہوا، اور اس قربِ مکانی کی وجہ سے مجھ میں مکمل اور تام قابلیت پیدا ہو گئی۔ میں نے جو دیکھا اور جانا، اُس کو صرف اس حدیث کے ذریعہ بیان کیا جا سکتا ہے۔

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ — جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تم اُسے جان لیتے، تو
قَلِيْلًا وَ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ — ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

جب بحکمِ الٰہی میں ہندوستان واپس آیا، تو یہاں آتے ہی ان فیوضات اور برکات میں کمی واقع ہونے لگی۔ اب تقریباً بیس برس ہو چکے ہیں، لیکن پوری نہیں ہوئی۔ طاقت بھی نہیں رہی اور شبہائے فراق نے عاجز و ناتواں کر دیا ہے۔ اللہ سے درخواست کرتا ہوں کہ اے میرے رب! کس وسیلہ سے اور کس ذریعہ سے اُس دولت کو پا سکتا ہوں جس کے ذریعہ اس جہان میں کامیاب ہو جاؤں۔

نیز فرماتے ہیں کہ: جدائی کی سرائے میں دور رہ کر قیام کرنا اور دوستی و آشنائی کا اظہار کر کے بیگانگی اختیار کر کے آرام سے بیٹھ جانا نہ محبت کی علامت ہے اور نہ ایفائے مودّت کی۔

رباعی

بیچارہ دلم شکستہ تا کے باشد — وز زخم فراق خستہ تا کے باشد
در آرزوئے کسی کہ بے او خوش نیست — بر خیز و بگو نشستہ تا کے باشد

(میرا دل بیچارہ کب تک ٹوٹا رہے گا، اور فراق کے زخم سے کب تک خستہ رہے گا۔

دل کسی کی آرزو و طلب میں مشغول ہے، اسلئے اُس کے بغیر شاد نہیں۔ لہٰذا آپ اُٹھئے اور فرمائیے کہ کب تک بیٹھے رہو گے۔)

شعر

عاقبت سر بہ بیاباں بنہد چوں سعدی   ہر کہ در سر ہوس چوں تو غزالے دارد

(آخر سعدی کی طرح وہ جنگل کا راستہ اختیار کریگا، جس کے سر میں تجھ جیسے معشوق کی ہوس سوار ہوگی۔)

اس مکتوب کے آخر میں جو نہایت مفید مضمون تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے:۔

شیخ حسین کے بعض دوستوں کو شیخ کے صدقہ اصل قانون اور ضابطۂ کار کا طریق معلوم ہوا ہے، جسکی حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی خواہشات (جو شریعت سے ٹکراتی ہوں) کی مخالفت کرنا اور اُخروی زندگی کے کاموں کی تکمیل کیلئے مشغول ہو جانا ہے جس کو دوسرے معنوں میں ذکر اللہ اور یادِ الٰہی کہتے ہیں جو تقرب الی اللہ کیلئے معین و مددگار ہے۔

قضاء و تقدیر کا یہ اعلان ہے کہ:۔

مَاشَغَلَكَ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوتُكَ   جو چیز تجھے حق سے ہٹادے وہ تیرا شیطان ہے

میں یہ نوشتہ تمام دوستوں کو دے کر اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

اِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا   بیشک بہتر زادِ راہ تو تقویٰ ہی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کافی (اور) کارساز ہے۔

شعر

گر خیل و سپاہ حسبی اللہ   در پشت پناہ ربی اللہ   والسلام

(اگر گھوڑے اور لشکر ہوں تب بھی مجھے اللہ ہی کافی ہے اور میری پشت پناہی کے لئے میرا رب اللہ کافی ہے۔)

ف: سبحان اللہ کیا ہی خوب حقیقت آشکارا فرمائی جو پیشِ نظر رکھنے کے لائق ہے۔ (مرتب)

مکتوبِ دربندِ فرزند بیٹے قاضی امجد ! آپ اپنے نفس کو ہمیشہ اپنا دشمن سمجھیں اور خواہشاتِ نفسانیہ کے خلاف مسلسل اپنی کوششوں کو مصروف بکار رکھیں، کام میں مشغولیت کو اللہ کی نعمت سمجھیں، جس کا طریق یہ ہے کہ اپنے قلب و جگر کو اپنا رقیب (دشمن) جانیں اور جتنا وقت اللہ کی یاد میں گزرے اسے اسلام سمجھیں۔ اور جو وقت اللہ کی یاد سے غفلت میں گزرے اسے اعتقاداً نہیں بلکہ اعتباراً کفر سمجھیں۔ اتنی باتیں تو دشمن سے بچنے کیلئے لکھی گئیں۔ علاوہ ازیں اپنے ہاتھ اور پاؤں کو صغائر اور کبائر سے محفوظ رکھیں اور لیل و نہار توبہ میں تجدید کرتے رہیں۔ دل کے حالات کی کھوج لگائیں اور ہم سے جتنے وظائف حاصل کئے ہیں اُنکو پابندی سے پڑھتے رہیں۔ کاموں کی اصل اور بنیاد توبہ ہے۔ اور توبہ کے مقام کی مثال اس زمین کی ہے جس پر ایک عمارت بنائی گئی ہو (اُس کے اوپر جتنی بلند چاہے مزید عمارت بنائی جاسکتی ہے) اور جس کے پاس زمین ہی نہ ہو وہ عمارت کہاں تعمیر کریگا، مجھے اور آپ کو سب سے اہم اس بات کی پابندی کرنا لازمی ہے کہ اپنی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور زبان کو تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچائے رکھیں اور شب و روز اسی تصور میں گم رہیں کہ آج ہماری زبان پاک رہی یا نہیں، نیز اسی طرح یہ بھی معلوم کریں کہ ہاتھ پاؤں بھی محفوظ رہے یا گناہوں کی گندگیوں میں ملوث ہوگئے۔ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ گناہ کی گندگی میں کوئی عضو مبتلا ہوگیا تھا، تو فوراً توبہ کی جائے اور ایمان کی تجدید کرکے فوراً اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوجانا چاہیئے۔ اگر آپ اس فکر میں مشغول اور اسی غم میں مبتلا ہے تو تمام مخلوقات کی نیکیوں (کا ثواب) آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اس زمانہ میں حلال روزی کھانے والا اور گناہوں سے پاک رہنے والا ہمارے زمانہ کا جنید ہے۔ اور تدبر و تفکر سے کام لیا جائے تو یہی اصل کار اور خلاصۂ کلام معلوم ہوگا۔ باقی دوسری باتیں ایسی ہیں جیسے

پانی پر لکیر (جو فوراً ختم ہو جائے گی) پس جب یہ دولت حاصل ہو جائے تو شکر واجب و لازم ہے، اور اگر یہ نصیب نہ ہو سکے، تو پھر شریعت پر چلتا رہے۔ اسلئے کہ جو دنیا کی زندگی میں شریعت پر چلتا ہے گا وہ کل پلصراط پر بھی سلامتی سے گزر جائیگا، اور جو شخص دنیا میں شریعت پر چلنے میں لغزش کھاتا ہے گا وہ کل کو پلصراط پر بھی یقیناً لغزش کھائیگا۔ شعر

دوزخ و جنت ازیں جامی برند   راحت و محنت ازیں جامی برند

(یعنی لوگ درحقیقت جنت و دوزخ اسی دنیا سے لیجاتے ہیں اور راحت و محنت یہاں سے ہی لیجاتے ہیں۔ یعنی آخرت میں یہیں کی کمائی کا ثمرہ پیش کیا جائیگا۔ دوزخ و جنت اور آخرت کی راحت و مشقت وہ دنیا ہی کے کاموں کا نتیجہ ہوگا، کوئی نئی چیز نہیں ہوگی) اس لئے جہاں تک ہو سکے شریعت کے حدود میں رہ کر اس پر ثابت قدم رہیں تاکہ اندرونی اور بیرونی سعادتوں کو حاصل کر سکیں۔ آہ! تمام عمر فسق و فجور میں گزر گئی اور عمر بھر میں ایسی دو رکعتیں بھی نصیب نہ ہو سکیں جو اللہ کے دربار میں منظور و پسندیدہ ہوتیں اور نہ ہی کوئی ایسا روزہ نصیب ہو سکا جس کو فی الواقع روزہ کہا جا سکے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ صبح کو مسلمانوں کی مانند اُٹھتے ہیں اور دن بھر (کافروں کی طرح) گناہوں میں مصروف رہتے ہیں، اور رات کو سوتے وقت پھر اسلام لاتے ہیں۔

اب عمر کا آخری وقت ہے، زندگی کی اکہتر بہاریں گزر چکی ہیں، اب کسی ماہ و سال کی امید نہیں، تمام دوستوں میں سے فقط ایک دوست ہے جو اپنی پاکیزگی میں مصروف ہونے کے باوجود بوقت فراغت اس مفلس بے نوا، پرانے بُت پرست اور نفس امارہ کی قید کے مبتلا کو اپنے شیخ کی محبت کی وجہ سے جس دن اور جس وقت یہ فقیر یاد آئے سلامتی ایمان و توحید اور خیر و عافیت کی دعاؤں سے یاد رکھیں۔

اسی طرح دوسرا خط ایک متلاشیٔ راہ حق کو تحریر فرمایا، جس میں لکھتے ہیں کہ:-

ایک اسم الٰہی مقرر و متعین کر کے پڑھا کرو۔ برائے نام آپ کو بہت سے درویش ملیں گے لیکن وہ فی الواقع شعبدہ باز اور ریا کار (بے دین لوگ) ہیں۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کا گھرانہ نہ ملمع ساز تھا اور نہ ہے۔ آپ کے در دولت سے لوگوں نے طریقت کا درس لیا اور ماسوی اللہ سے الگ رہنا سیکھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے ؎

بولایت محبت صفر لیست عاشقاں را　　　بجہاں چہ دید آں کس کہ ندید ایں جہاں را

(محبت کی سلطنت میں وہ عاشق تہی دامن ہے جس نے اس جہان دنیا میں اس جہاں (آخرت) کو نہ دیکھا)

جو قدم راہِ حق میں نہیں اٹھایا گیا اس قدم کے اٹھانے کی محنت و مشقت بیکار ہے۔ ایسے آدمی کو چاہیئے کہ وہ روئی دھنتا رہے، اسی میں اس کیلئے نماز، روزہ اور دیگر عبادات سودمند ہیں مردوں اور ہیجڑوں کے کام میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ فرشتوں کو بت پرستی سے کوئی تعلق نہیں جو چیز آپ کو صحیح راستہ سے روکے وہی آپ کا طاغوت (بڑا بت) ہے۔ والسلام۔

مجھے لوگوں کے التفات و عنایت کی پروا نہیں، خیریت و سلامتی اسی میں ہے کہ انسان خود مضبوط رہے۔ اگر بت خانہ سے بھی نصیحت اور خیر و بھلائی کی آواز آئے تو اسے بھی قبول کر لینا چاہیئے۔ جوانی کے زمانہ میں بڑھاپے کے آنے کی فکر نہ کرو، بس اپنا کام کرتے رہو، خیریت سے رہو گے۔ اصل کام عادت کو تبدیل کر کے اچھے کاموں میں مشغول ہونا ہے۔ اسکی مثال وضو کی سی ہے، اگر وضو نہیں ہو گا تو نماز وغیرہ بھی درست نہ ہو گی، کیونکہ اصل چیز طہارت ہے۔

مکتوب

اللہ تعالیٰ بلند ہمت اور اپنے عزم میں پیکر استقلال لوگوں کو محبوب رکھتا ہے اور گھٹیا اور ردی قسم کے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اور بلند ہمتی یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی ہمت کی پرواز کا رخ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کی طرف کرے۔ شیخ عبداللہ تستری رح اپنے نفس کو خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے عبداللہ! دنیا میں اپنی

خواہشات اور اپنے نفس کی مخالفت جیسی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ قوم (مراد صوفیائے کرام) اپنے نفسوں سے اس طرح لڑائی اور جنگ کررہے ہیں کہ قبر تک جانے تک صلح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اگر کسی وقت اپنے نفس کی موافقت کرتے ہیں تو وہ بھی ظاہراً نہ کہ اعتقاداً اور باطناً۔ اور ظاہراً یہ لوگ زنار پہنے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ظاہر کو باطن کے ہم آہنگ کردیا جائے تاکہ بظاہر نفاق کی صورت بھی لازم نہ آئے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ۔ کیا آپ نے اس کو دیکھا جو اپنی خواہش کو اپنا خدا بنائے ہوا ہے۔

جملہ کائنات سے دل برداشتہ ہو کر دلجمعی سے اللہ کی جانب متوجہ ہو جانا اولیاء اور انبیائے کرام کا کام ہے۔ اور تمام دنیا چند ایکڑ زمین اور معدودے لقموں کے چکر میں پھنسی ہوئی ہے اور خوش وخرم نظر آتی ہے، لیکن یہ زمین اور قریہ انکی دلجمعی کا سبب نہیں ہیں۔ دنیا والے اللہ والوں اور فقیروں سے اتنا ڈرتے ہیں کہ اتنا اللہ سے بھی نہیں ڈرتے، اور دنیا میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمام دنیا سے اپنے اعتقاد کو ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر کلی اعتماد واعتقاد ایک یا چھ ماہ تک بھی کرسکتا ہو (اگر کوئی اس طرح کرکے دکھلائے) تو کافروں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتے (یعنی ایسے آدمی کی اللہ تعالیٰ ضرور معاونت فرماتے ہیں) بہادر اور جوانمرد بنو، تاکہ اہل دنیا سے الگ رہ سکو اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ کرو، تاکہ وہ تمھیں اس طرح بلند مرتبے عطا کرے، جس طرح تمھیں چھوٹے سے بڑا کیا اور بچپن سے جوانی دی۔

وفات آپ کی وفات ۹۰۱ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ (اخبار الاخیار ص ۲۶۳)

حضرت حافظ شمس الدین سخاوی رحؒ المتوفی ۹۰۲ھ

نام ونسب نام محمد، کنیت ابوالخیر، لقب شمس الدین، والد کا نام عبدالرحمن بن محمد ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ربیع الاول ۸۳۱ھ میں قاہرہ میں ہوئی۔ لیکن چونکہ اصلاً مصر کے سخا نامی گاؤں کے باشندے تھے اس لئے سخاوی سے مشہور ہیں۔

فضل وکمال فقہ وعربیت، قرأت وحدیث اور تاریخ میں بڑے فائق تھے۔ بچپن ہی میں قرآن حفظ کیا اور فقہ وحدیث کے متعدد متون کو زبانی یاد کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رح کے تلمیذ ارشد اور بہت مقرب تھے۔ ابن حجرؒ کے علاوہ اور دوسرے اساتذہ ومشائخ حدیث سے بھی استفادہ کیا، لیکن ابن حجر رح کے ساتھ خصوصیت سے وابستہ رہے اور ان کے جیتے جی ان سے جدا نہ ہوئے۔ نجم الدین غزی نے "الکواکب السائرۃ باعیان المئۃ العاشرۃ" (ص ۵۳) میں ان کا تذکرہ "الشیخ الامام العالم العلامۃ المسند الحافظ المتقن" جیسے الفاظ سے کیا ہے۔

حافظ سخاوی رح اپنے وقت کے نہایت جلیل القدر، عظیم المرتبت اور کثیر الروایۃ حافظ حدیث تھے۔ صرف صحیح بخاری شریف کی اجازت وروایت ایک سو بیس سے زائد شیوخ حدیث سے انکو حاصل تھی۔ مذہباً شافعی تھے اور اپنے زمانہ کے اجلۂ فقہاء سے علم فقہ کی تحصیل کی تھی۔

تصانیف باایں ہمہ فضل و کمال اپنے دور کے کثیر التصانیف عالم تھے اور اُنکی متعدد تصانیف آج بھی اہل علم کے قلوب کو سیراب کر رہی ہیں اور انکی علمی و ادبی تشنگی کیلئے روح افزا کا کام کر رہی ہیں۔ چنانچہ انکی تصانیف الضوء اللامع، المقاصد الحسنۃ اور فتح المغیث شہرۂ آفاق ہیں۔ (حیات ابو المآثر ص ۱۵ ج ۱)

سفرِ حج جبتک ابن حجرؒ زندہ رہے، ان سے استفادہ کے شوق اور علم کی حرص میں حج کیلئے کبھی نہیں نکلے۔ اُنکی وفات کے بعد اپنے والدین کے ساتھ حج کو گئے، تو دریا کے سفر میں طور، ینبوع اور جدہ میں حدیثیں سُنیں۔ اوائل شعبان میں مکہ پہنچے اور حج تک قیام کیا اس درمیان میں مختلف محدثین سے مختلف مقامات مثلاً غار ثور کی بلندی، کوہِ حرا، جعرانہ، منیٰ اور مسجد خیف نیز مکہ کے مشاہد ماثورہ میں حدیثوں کی سماعت کی، حتیٰ کہ خانہ کعبہ کے اندر اور حطیم میں سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ **ف:** سبحان اللہ، سماعت حدیث کا کسقدر ذوق تھا، آگے حج کا جذبہ و شوق مذکور ہے۔ واللہ ولیّ التوفیق۔ (مرتب)

پھر ۸۷۰ھ میں دوبارہ حج کیا، اس سفر میں اُنکے والدین کے علاوہ بڑے بھائی اور انکے عیال بھی ساتھ تھے۔ اس موقع پر بھی مسجد حرام اور طائف میں حدیثیں سنیں۔ تیسری دفعہ ۸۸۵ھ میں حج کو گئے اور ۸۸۶ھ و ۸۸۷ھ میں وہیں رہے۔ اس دفعہ تین ماہ مدینہ منورہ میں بھی ان کا قیام رہا۔ چوتھی دفعہ ۸۹۲ھ میں گئے اور ۸۹۳ھ و ۸۹۴ھ وہیں گزارا۔ پانچویں بار ۸۹۶ھ میں یہ سعادت حاصل ہوئی۔ اور اثنار ۸۹۸ھ تک مکہ میں مقیم رہکر مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہاں چند مہینہ رہے اور روزے وہیں رکھے۔ پھر شوال ۸۹۸ھ میں مکہ واپس آکر ایک زمانہ تک رہے۔

وفات آپ کی وفات ۹۰۲ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔

نور اللہ مرقدہ۔

(اعیان الحجاج ص ۱۹۰ ج ۱)

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ المتوفی ۹۰۵ھ

نام ونسب نام عبید اللہ احرار، دادا کا نام خواجہ شہاب الدین ہے۔

ولادت وبشارت آپ ماہ رمضان المبارک ۸۰۶ھ میں موضع باغستان توابع ملک تاشقند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد خواجہ شہاب الدینؒ جو کہ قطب وقت تھے دم آخر میں جب اپنے پوتوں کو الوداع کہنے کو بلایا تو خواجہ احرارؒ اس وقت بہت کمسن تھے، لیکن جب وہ ان کے پاس گئے تو وہ ان کو دیکھ کر تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے اور گود میں لیا اور فرمایا کہ اس فرزند کے بارے میں مجھ کو بشارت نبویؐ ہے کہ یہ پیر عالمگیر ہوگا اور اس سے طریقت وشریعت کو رونق ہوگی۔

یعقوب چرخیؒ کی خدمت میں

خواجہ عبید اللہ احرارؒ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کے مناقب و مآثر سُن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت یعقوبؒ نے ان کو شغل وقوف عددی میں مشغول رکھا اور فرمایا کہ حضرت خواجہ نقشبند سے جو کچھ مجھ کو پہنچا ہے وہ یہی ہے۔ اور اگر تم بطریق جذبہ طالبین کی تربیت کرو تو اختیار ہے۔ اور فرمایا کہ طالب کو اس طرح پیر کے پاس آنا چاہئے جیسے کہ عبید اللہ آیا ہے کہ تیل بتی سب درست ہے، صرف آگ لگانے کی دیر ہے۔

مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے بارے میں فرماتے ہیں "اس زمانہ میں حضرت خواجہؒ کی ذات گرامی آیاتِ الٰہی کا مظہر اور طبقہ خواجگان کی ولایت وکرامت کا مجمع ہے (اللہ تعالیٰ ان کے وجود کی برکتیں

طالبین کے سروں پر دائم وقائم رکھے۔ (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ صفحہ ۹۰)

فضل وکمال آپ مولانا عبدالرحمن جامی کے پیر طریقت۔ آپ زمرۂ صوفیہ میں نہایت عالی مقام اور مشہور ہیں۔ علامہ جامیؒ نے آپ کے متعلق کیا خوب فرمایا ہے ؎

چوں فقر اندر لباس شاہی آمد　　بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

(یعنی لباس شاہی میں فقر کا آنا حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی تدبیر وتربیت کا ثمرہ و کرشمہ ہے۔) (تقصار)

برخورداری از حیات کسے راست کہ دلش از دنیا سرد باشد و بذکر حق گرم۔ حرارت قلبش نگذارد کہ محبت دنیا گرد حریم دل گردد۔ تا چناں گردد کہ اندیشہ اش جز حق سبحانہ، ہیچ نباشد۔ (نفحات الانس صفحہ ۳۶۵)

حیات دنیا سے تمتّع اس شخص کیلئے روا ہے جس کا دل دنیا سے سرد اور ذکر حق سے گرم ہوچکا ہو چنانچہ اس کے قلب کی حرارت اتنی گنجائش نہ چھوڑے کہ محبت دنیا اس کے حریم دل کے گرد پھٹک سکے، بلکہ یہاں تک ہوجائے کہ اس کا خیال و فکر سوائے حق سبحانہ کے کچھ نہ رہ جائے۔

ف: اسی کی تعلیم شیخ طریقت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے اس شعر میں فرمارہے ہیں ؎

نہ کوئی راہ پاجائے نہ کوئی غیر آجائے　　حریم دل کا احمد اپنے ہر دم پاسباں رہنا (مرتب)

مولانا جامیؒ کی تربیت مولانا جامیؒ زمانہ طالبعلمی میں حضرت عبیداللہ احرارؒ کی بزرگی کا حال سُن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا تو وہاں پورا شاہانہ انداز تھا۔ مولانا جامیؒ کو خطرہ ہوا کہ یہ شخص ولی اور عارف کیا ہوگا؟ جسکے یہاں اس قدر

دنیا بھری ہوئی ہے، ولی کو تو فقیر ہونا چاہیئے۔ اس خطرہ (احساس) کو مزید قوت وزیادتی ہوئی تو آپ نے برملا حضرت خواجہ احرار کے منہ پر کہہ دیا کہ

نہ مرد است آں کہ دُنیا دوست دارد۔ ؏

یعنی جو شخص دنیا کو دوست رکھے وہ مردِ خدا نہیں۔ اور یہ کہہ کر وہاں ٹھہرے بھی نہیں، آکر مسجد میں لیٹ رہے، یہاں ان کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ میدان حشر قائم ہے اور ایک شخص مولانا جامیؒ کے سر ہو رہا ہے کہ میرا آپ کے ذمہ فلاں حق ہے وہ ادا کیجیئے۔ آپ کہتے ہیں کہ بھائی میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس نے کہا، پھر میں آپ کی یہ نیکیاں لوں گا۔ یہ بہت پریشان تھے، اتنے میں دیکھا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی سواری سامنے سے گزری، انھوں نے مولانا جامی کو اس حال میں دیکھ کر اپنی سواری روک لی اور پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ حقدار نے اپنا مطالبہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص میرا مہمان ہے اس کو تنگ نہ کرو اور جو کچھ لینا ہو ہمارے خزانہ سے لے لو۔ اتنے میں ہیبت سے ان کی آنکھ کُھل گئی، تو دیکھا کہ خواجہ احرارؒ نماز کے لئے سواری پر آرہے ہیں۔ مولانا جامیؒ کے دل میں خواجہ احرار کا رُعب اور ان کی ہیبت جم گئی، اور یہ سمجھے کہ واقعی یہ شخص خالی نہیں ہے بلکہ یہ شخص بڑا ہی صاحبِ ظرف ہے جس کو دنیا خدا سے غافل نہیں کرسکتی۔ مولانا جامیؒ بے ساختہ دوڑ کر قدموں پر جا گرے اور قصور کی معافی چاہنے لگے۔ انھوں نے ہنس کر فرمایا کہ میاں، خواب وخیال پر اعتماد نہیں کیا کرتے۔ اب تو ان کو اور بھی اعتقاد بڑھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب بھی آپ کا تصرف تھا۔ اگر تصرف نہ تھا تو آپ کا کشف ہی بہت صحیح ہے اور معافی چاہنے کے بعد

سلسلہ میں داخل ہونے کی درخواست کی۔ خواجہ احرار نے فرمایا کہ ذرا ہم کو اپنا وہ مصرعہ سناؤ جو تم نے آتے ہی پڑھا تھا۔ مولانا جامیؒ نے عرض کیا کہ حضور، وہ تو میری جہالت تھی۔ اب میری کیا مجال ہے کہ ایسی بات زبان سے نکالوں۔ آپ نے فرمایا یہ بے ادبی نہیں ہے بلکہ میرا حکم ہے "الْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ" غرض انھوں نے مجبور ہو کر پڑھا ؏

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

خواجہ احرارؒ نے بے ساختہ دوسرا مصرعہ فرمایا ؏

اگر دارد برائے دوست دارد

یعنی اگر دوست رکھتا ہے تو محبوب حقیقی کے واسطے دوست رکھتا ہے۔

(ماخوذ از: تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ

مؤلفہ مولوی محبوب احمد قمرالزمان ندوی الہ آبادی)

نقشبندیت کی خصوصیات

"نفحات الانس" میں علامہ جامیؒ پیر دانا خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ کے تذکرہ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

از ذکر بعضے احوال واقوال خانوادۂ خواجگان و بیانِ روشن طریقۂ ایشان قدس اللہ اسرارہم معلوم شد کہ طریقۂ ایشاں اعتقاد اہل سنت وجماعت است و اطاعتِ احکامِ شریعت و اتباع	حضرات نقشبندیہ کے بعض احوال واقوال اور ان کے روشن طریقے کے بیان سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کا طریقہ اہل سنت والجماعت کا اعتقاد اور احکام شریعت کی اطاعت اور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سنن سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ودوام عبودیت کہ عبارت است از دوام آگاہی بحق سبحانہٗ بے مزاحمت شعور بوجود غیرے پس گروہے کہ نفی ایں عزیزاں کنند بواسطۂ آں تواند بود کہ ظلمت ہوا و بدعت ظاہر و باطن ایشاں را فرو گرفتہ است و غبار رمد حسد و عصبیت دیدۂ بصیرت ایشاں را کور ساختہ لاجرم انوار ہدایت و آثار ولایت ایشاں را نہ بینند و ایں نابینائی خود را بجود وانکار آں انوار و آثار کہ از مشرق تا مغرب گرفتہ است اظہار کنند ہیہات ہیہات۔ (نفحات الانس فارسی ص۳۸۹)

کی سنتوں کی اتباع ہے نیز دوام عبودیت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وجود غیر کے شعور کی مزاحمت کے بغیر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ دوام آگاہی حاصل ہو۔ پس جو جماعت ان عزیزوں کی نفی کرتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے، کہ ہوائے نفسانی کی ظلمت اور ظاہری و باطنی بدعت نے ان کو پکڑ رکھا ہو، اور حسد و عصبیت کی بیماری نے ان کی چشم بصیرت کو اندھا کر دیا ہو، جس کی وجہ سے ان کے انوار ہدایت اور آثار ولایت کو نہ دیکھ پا رہے ہوں، اور اپنی اس نابینائی کو ان انوار و آثار کے انکار سے جو مشرق تا مغرب شائع ہیں ظاہر کر رہے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔

قطعہ

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارند
کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

یعنی حضرات نقشبندیہ قافلہ کے عجیب سپہ سالار ہیں جو کہ پوشیدہ راستہ سے قافلہ کو حرم تک لے جا رہے ہیں۔

از دلِ سالک رہ جاذبہ صحبت شاں
می برد وسوسۂ خلوت و فکر چلّہ را

یعنی ان کی صحبت کا جذبہ سالک راہ کے دل سے وسوسۂ خلوت اور فکر حیلہ کو ختم کر دیتا ہے۔

قاصرے گر زند ایں طائفہ را طعن قصور   حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

اگر کوئی قاصر اس جماعت کے قصور پر طعن کرے تو حاشا للہ کہ میں اس کو اپنی زبان پر لاؤں۔

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند   روبہ از حیلہ چہ ساں بگسلد ایں سلسلہ را

تمام دنیا کے شیر (یعنی مردان خدا) اس سلسلہ سے منسلک ہیں تو لومڑی بیچاری بھلا اپنے مکر و حیلہ سے اس سلسلہ کو کیسے توڑ سکتی ہے۔

(نفحات الانس و تفصار جیود الاحرار)

ارشادات

آپ کے چند اقوال "مشائخ نقشبندیہ مجددیہ" مولفہ مولانا محمد حسن نقشبندی سے نقل کئے جاتے ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

فرمایا کہ جو شخص فقیروں کی صحبت میں آئے اس کو چاہیئے کہ اپنے کو مفلس ظاہر کرے تاکہ اس پر ان کو رحم آئے۔

فرمایا کہ بعض بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ بعد نماز ایک ساعت ہے کہ اس کو بہترین اشغال میں صرف کرنا چاہیئے۔ تو بعض بزرگوں کا قول ہے کہ بہترین عمل محاسبہ ہے کہ آیا تمام دن عبادت میں صرف ہوا یا معصیت میں۔ اگر عبادت میں صرف ہوا ہے تو شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور اگر معصیت میں گزرا ہے تو استغفار کرنا چاہیئے۔ اور بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ بہترین عمل یہ ہے کہ اپنے کو ایسے شخص کی صحبت میں پہنچاوے کہ اس کی صحبت میں ماسویٰ اللہ سے دل ملول ہو جاوے

اور اللہ کی طرف مائل اور منجذب ہو جائے۔

مرید وہ ہے کہ بہ تاثیر ارادت اس کی تمام خواہشات سوخت ہو گئی ہوں، اور کوئی مراد اس کی باقی نہ رہ گئی ہو، اور روئے توجہ ہر جانب سے پھیر کر صرف اپنے پیر کی طرف رکھے ؎

آنرا کہ در سرائے نگار یست فارغ است از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

یعنی جو زیب و زینت کی جگہ پر پہنچ گیا تو وہ بوستان اور لالہ زار سے بے نیاز ہے۔

فرمایا کہ شیخ ابو طالب مکی قدس سرہٗ کا مقولہ ہے کہ، کوشش کرو کہ کوئی آرزو اللہ تعالیٰ کے سوا تیرے دل میں نہ رہے۔ اور اگر یہ بات تجھے حاصل ہو گئی تو سمجھ لے کہ تیرا کام پورا ہو گیا۔ مقصد حاصل ہو گیا۔ پھر چاہے احوال و مواجید کشف و کرامت ظاہر ہوں یا نہ ہوں، کچھ غم نہیں۔

فرمایا کہ حضرت نظام الدین خاموش قدس سرہٗ شریعت و طریقت و حقیقت کی اس طرح مثال دیتے تھے کہ جیسے جھوٹ منع ہے، پس اگر کوئی شخص اس طرح کوشش کرے کہ اس کی زبان پر جھوٹ جاری نہ ہو لیکن دل میں داعیہ ہو تو یہ شریعت ہے، اور دل سے بھی داعیہ جاتا رہے تو طریقت ہے۔ اور اگر با اختیار ہو یا بے اختیار، ہر حال میں زبان و دل سے یہ بات جاتی رہے تو یہ حقیقت ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ طریقت و حقیقت، شریعت کے علاوہ کچھ نہیں بلکہ اسی کا ایک اعلیٰ مقام ہے، تو پھر اس میں کونسی قباحت و شناعت ہے۔ (مرتب)

فرمایا، باوجود ترکِ ادب کے اگر کسی کا حال باطنی قائم رہے تو وہ مکرِ الٰہی ہے۔

ف: مطلب یہ ہے کہ ادب تو مرضئ الٰہی ہے اور حالِ باطن اس ادب کا ثمرہ اور اللہ کا عطیہ ہے۔ پس جب کسی نے ادب کو ترک کیا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے حال کو سلب نہ فرمایا بلکہ باقی رکھا تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج اور ڈھیل ہے تاکہ اس خوشحالی کی وجہ سے خوش فہمی میں پڑکر توبہ واستغفار بھی نہ کرے اور اسی میں ختم ہو جائے۔

لہٰذا سالک صادق کو چاہئے کہ معصیت تو کیا ایک ادب طریق کو بھی ترک نہ کرے اور اگر کوئی معصیت سرزد ہو جائے یا کوئی ادب ترک ہو جائے تو اپنے حالِ باطن کے قائم رہنے کی وجہ سے ہرگز ہرگز دھوکہ میں نہ پڑے بلکہ بے چین ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے معاملہ کو توبہ واستغفار اور گریہ وزاری کے ذریعہ استوار کرے، اس لئے کہ سالک راہ کی تو یہ شان اور یہ حال ہوتا ہے ؎

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود — گر ز باغِ دل خلالے کم بود

یعنی قلبِ سالک پر تو ہزاروں غم ہوتا ہے حتّٰی کہ اس کے باغِ دل سے ایک خلال کے برابر بھی کمی ہوتی ہے تو اس کو اس سے بھی صدمہ ہوتا ہے۔

مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے قلوب باوجود معاصی کے ارتکاب کے ذرا متأثر نہیں ہوتے۔ بلکہ دل میں اپنے تقدس کا یقین بلکہ زبان سے دعویٰ تک کرتے ہیں۔ توبہ توبہ! ؏

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

بلکہ یہ حال ہے یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا یعنی ایسی چیزوں پر تعریف کے متمنی ہیں جس کو کرتے نہیں۔ (مرتب)

فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ حضورِ حق کے مقام میں شیطان کے وساوس

اور فکر سے آزاد ہو جاؤ تو یہ ضروری ہے کہ مردانِ خدا کے ساتھ ہمنشینی کرو۔ کیونکہ وہ جان و مال کے ساتھ ذات الٰہی کے ذکر میں غرق ہو چکے ہیں۔ اس مقام کی تعبیر بعض حضرات نے شہود سے، بعض نے "وجود" سے اور بعض نے "تجلی ذات" سے کی ہے۔ بعض نے اسکو "یادداشت" سے بھی تعبیر کیا ہے۔

فرمایا کہ "شغل" کی نگہداشت میں اس امر کی خبر رکھے کہ سانس کے اندر جانے اور باہر آنے سے باخبر ہو۔ تاکہ "حضور مع اللہ" کی نسبت میں کسی قسم کا فتور پیدا نہ ہو، یہاں تک کہ ایسے مقام تک پہنچ جائے کہ اس کے نگہداشت کے تکلف کے بغیر ہی یہ نسبت اس کے دل میں حاضر ہو جائے، اور پھر اس صفت کو بہ تکلف وسعی بھی دل سے دور نہ کر سکے۔

فرمایا کہ: اعمال و اخلاق کا اثر جمادات پر بھی پڑتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ نماز پڑھے جہاں اعمال و اخلاق ناپسندیدہ ہوتے ہیں تو وہ نماز ایسی پُر برکت وانوار نہ ہوگی جیسی کہ اگر ایسی جگہ ادا ہو جہاں ارباب جمعیت کا اثر پہنچا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد حرام کی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔

فرمایا کہ: شیخ ابو طالب مکی رح کا مقولہ ہے کہ: کوشش کر کہ کوئی آرزو اللہ تعالیٰ کے سوا تیرے دل میں نہ رہے۔ اور اگر یہ بات حاصل ہوگئی تو تیرا کام پورا ہو گیا پھر چاہے احوال و مواجید و کشف و کرامات ظاہر ہوں یا نہوں، کچھ غم نہیں۔

ف: سبحان اللہ، کیا خوب حقیقت آشکارا فرمائی، اللہ تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

فرمایا: زندگی سے اُسی شخص کو فائدہ ہے جس کا دل دُنیا سے سرد ہے

اور ذکرِ الٰہی سے گرم رہتا ہے۔ اُس کے قلب کی حرارت اس کو اتنا موقع نہیں دیتی کہ دنیا کی محبت اس کے گرد پھرے۔ اور وہ اس حال تک پہنچ جاتا ہے کہ اُس کی فکر اور اندیشہ اللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

فرمایا: بعد نماز عشار جب نیند غلبہ کرے تو تین مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، تین مرتبہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور تین مرتبہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے اور اس کا ثواب جمیع اہل قبور کو جو کہ منتظر زندوں کے رہتے ہیں پہنچائے تاکہ ان کو آسائش پہنچے اور اللہ تعالیٰ اس پر بخشش و رحمت کرے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِرْحَمْ تُرْحَمْ۔

خدارا ابراں بندہ بخشائش است

کہ خلق از وجودش در آسائش است

وفات

آپ کی وفات ۲۹ ربیع الاول ۹۰۵ھ میں سمرقند (روس) میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص۹۰)

عہ اللہ کی بخشش اس بندے پر ہوتی ہے جس کے وجود سے اللہ کی مخلوق آرام و راحت میں ہے۔ (مرتب)

حضرت شیخ الاسلام فرید بنارسیؒ المتوفی ۹۰۶ھ

نام ونسب نام فرید، لقب شیخ الاسلام، والد کا نام شیخ قطب، آپ کے دادا شیخ خلیل فاروقی ملک عرب سے ترک وطن کر کے ہندوستان وارد ہوئے اور ضلع غازی پور کے مشہور تاریخی مقام قصبہ بھتری کے متصل منجھوارہ نامی بستی کو توطن کے لئے منتخب کیا۔ شیخ کے بعض لڑکوں سے معلوم ہوا کہ وہ قریہ جبسڑی متعلقہ منجھوارہ میں رہتے تھے۔ وہیں تالاب کے ٹیلے پر اُن کا مزار بھی ہے۔

محترم جناب ڈاکٹر صلاح الدین صاحبؒ مدیر رسالہ "معرفت حق" الہ آباد متوطن قصبہ بھتری سے معلوم ہوا کہ جبسڑی، قصبہ بھتری سے متصل ایک چھوٹی سی بستی ہے، اسی گاؤں کے قدیم تالاب کے ٹیلہ پر شیخ خلیل فاروقی کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔ شیخ خلیل علم وفضل اور زہد وورع کی دولت لازوال سے بہرہ یاب تھے، اس لئے اِس نئے وطن میں بہت جلد اپنا ایک امتیازی مقام پیدا کر لیا۔

شیخ فرید کے والد شیخ قطب بن خلیل فاروقی موضع خانقاہ میں رہتے تھے جو بھتری کے پاس ایک مشہور قریہ ہے۔ شیخ فرید کی ولادت اسی قریہ میں ہوئی۔

(مقالات حبیب ط۲ ص۲۸ مؤلفہ مولانا حبیب الرحمن صاحب مدیر رسالہ "دار العلوم" دیوبند)

بنارس میں آمد یہ بتانا مشکل ہے کہ زندگی کے کس مرحلہ میں شیخ فرید نے اپنے مادری وطن خانقاہ کو الوداع کہا اور بنارس کو شرف

وطنیت سے نوازا۔ تذکروں سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے والد شیخ قطب الدین کی وفات کے بعد شیخ فرید مع برادر خورد شیخ داؤد تحصیل علم کی غرض سے بنارس تشریف لائے۔ اُس وقت شیخ موسیٰ فردوسی خلیفۂ ارشد مخدوم شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ (متوفی ۷۸۲ھ) کی عظمت و شہرت کا آفتاب نصف النہار میں تھا۔ یہ دونوں بھائی اُنہی کی خدمت میں پہنچے۔

شیخ نے دیکھتے ہی محبت آمیز انداز میں فرمایا "بیایئد فرید" (فرید آؤ) پھر مجلس سے اُٹھ کر گھر کے اندر گئے اور دو روٹیاں لاکر اپنے دست خاص سے ایک ایک دونوں بھائیوں کو مرحمت کی۔ پھر فرمایا: "نصیب شما از علوم ظاہری و باطنی از برادر عزیز خواجہ مبارک است"[۹۸] (یعنی تم دونوں کو علمی و روحانی دولت شیخ مبارک کی خدمت سے حاصل ہوگی) اور خود ہی ازراہِ عنایت ایک خادم کے ہمراہ دونوں حضرات کو خواجہ مبارک بنارسی کی درسگاہ میں پہنچا دیا۔

ف: سبحان اللہ، کیسا کشف و الہام تھا، نیز کیسی بے نفسی تھی کہ از خود دوسرے شیخ کے پاس پہنچا دیا جو اس زمانہ میں تو عنقا ہی ہے۔ (مرتب)

تعلیم و تربیت

خواجہ مبارکؒ کا کاشانہ بیک وقت مدرسہ اور خانقاہ دونوں تھا۔ یہاں پہنچ کر ہر طرف سے بے نیاز ہو کر تحصیل علوم میں منہمک ہو گئے۔ خواجہ مبارک کی توجہ اور اپنی خداداد صلاحیت کی بدولت مختصر سی مدت میں جمیع کتب متداولہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کر لی۔ شیخ نے جوہر قابل دیکھ کر ظاہری علوم سے تکمیل کے بعد اُن کی روحانی تربیت بھی شروع

کردی اور کلاہِ ارادت اُن کے سر پر رکھ کر مشائخ چشت کے اوراد و اذکار کی تلقین فرمائی۔ علوم ظاہری کی طرح اس میدان میں بھی شیخ فرید نے نہایت تیز روی کا مظاہرہ کیا۔ شب و روز ذکر و فکر، صوم و صلوٰۃ اور اشغال و مراقبہ میں مشغول رہنے کے ساتھ ساتھ شیخ کی خدمت سے بھی ایک دم غافل نہ ہوتے تھے۔ شیخ فرید کی اس اطاعت شعاری اور خدمت گزاری نے خواجہ کے دل کو رام کرلیا

خلافت ایک شب خواجہ نے فرمایا، فرید! غسل کے لئے پانی لاؤ۔ آپ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ خواجہ مبارکؒ کا معمول تھا کہ وہ نماز پنجگانہ اور تہجد کے لئے تازہ غسل فرمایا کرتے تھے۔ غسل سے فارغ ہو کر تہجد میں مشغول ہو گئے۔ شیخ فرید حجرہ سے متصل مؤدب کھڑے رہے۔ تہجد کے بعد خواجہ مراقب ہو گئے۔ مگر شیخ فرید بدستور اُسی طرح کھڑے رہے۔ تقریباً سوا گھنٹہ کے مراقبہ کے بعد خواجہ نے شیخ فرید کو آواز دی اور حجرہ کے اندر طلب کیا۔ شیخ فریدؒ لرزاں و ترساں حجرہ میں داخل ہوئے اور خواجہ کے حکم سے باادب رُوبرو بیٹھ گئے، خواجہؒ نے اُسی وقت اپنا خرقہ خاص انکے زیب تن کیا اور فرمایا:۔

جو طالب بھی تمھاری خدمت میں آئے اور تمھیں اُس میں صلاحیت معلوم ہو تو اسے بیعت کر کے اوراد و وظائف کی تلقین کرنا۔

میرا (روحانی) فرزند اور جانشین تو ہی ہے۔ میرا نام تیرے ذریعہ سے روشن ہوگا۔ اِس شہر کی ولایت اور اہل شہر کی ہدایت کا کام میں تمھارے سپرد کر رہا ہوں۔

نصائح اس کے بعد ان الفاظ میں چند نصیحتیں فرمائیں:۔

طالبانِ سلوک کے ساتھ ہمیشہ مدارات و تواضع سے پیش آنا، فقراء کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا اور طالب علموں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا۔ اور علوم ظاہری کے درس کو برابر جاری رکھنا۔ اور جو کچھ فتوحات ہوں اُنھیں خرچ کرنا۔

ف: سبحان اللہ، کیسی قیمتی نصیحتیں ہیں جو ہم سب کو لائحۂ عمل بنانے کے لائق ہیں۔ اسلئے اِن نصیحتوں کو بغور پڑھنا اور اُن پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ (مرتب)

تعلیم وارشاد خواجہ کی وفات کے بعد حسب ارشاد سجادۂ مشیخت پر بیٹھے اور سالکین کی تربیت و تلقین کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رکھا۔ عام طور سے ظہر کے بعد درس دیتے تھے۔ شیخ کی خدمت میں طلبہ کی ایک کثیر تعداد ہر وقت رہتی تھی۔ شیخ کے مطبخ کا خرچ اِس قدر بڑھ گیا تھا کہ تقریبًا ایک سو فقراء و طلبہ و مہمان روزانہ دستر خوان پر موجود رہتے تھے۔

ف: معلوم ہوا کہ مشائخ کے یہاں طلبہ کے علاوہ طالبین سالکین کے طعام کا انتظام بھی ہوتا تھا۔ یہ بھی مشائخ کا شعار و طریقہ رہا ہے۔ (مرتب)

خواجہ کی حیات ہی میں اُن کی طرف لوگوں کا رجوع ہونے لگا تھا لیکن سجادۂ مشیخت پر بیٹھنے کے بعد تو عام شہرت و مقبولیت حاصل ہوگئی۔ اور ارادت مندوں کا حلقہ نہایت وسیع ہوگیا، طلبہ اور سالکین کی ایک بڑی تعداد ہر وقت خانقاہ میں موجود رہتی تھی۔ اُمراء و حکام بھی حاضری کو سرمایۂ سعادت خیال کرتے تھے۔ (مقالاتِ حبیب صـ ۲۹۲/۳):

شہادت آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ چنار تشریف لے گئے۔ وہاں کے افغانی حاکم نے آپ کا گھوڑا چھین لیا۔ آپ اپنے برادر خورد شیخ داؤد کو لے کر چنار تشریف لے گئے۔ عقیدتمندوں کا ایک سیلاب اُمڈ آیا۔ افغانی نے یہ کیفیت دیکھ کر گھوڑا تو واپس کر دیا اور دریا کے کنارے تک رخصت کرنے بھی آیا۔ لیکن خبث باطنی کی بنا پر ملاح کو اشارہ کر دیا کہ ساحل تک کشتی نہ پہنچنے پائے۔ چنانچہ بیچ دریا میں اُس نے کشتی کا ایک تختہ اُکھاڑ دیا، چنانچہ کشتی اُن بزرگوں سمیت غرق ہو گئی۔ اُن دونوں بزرگوں کی لاشیں باوجود ملاحوں کی تلاش کے دستیاب نہ ہو سکیں۔ اس لئے ان کا مزار بھی زمین پر نہیں ہے۔ یہ واقعہ ۱۴ شوال ۹۰۶ھ کا ہے۔

بنارس میں محلہ مدنپورہ سے متصل فرید پورہ میں ایک مسجد کے اندر بابا فرید کا مزار مشہور ہے لیکن یہ دوسرے بابا فرید ہیں۔ کیونکہ "مناقب العارفین" اور "گنج ارشدی" وغیرہ سے اسکی تردید ہوتی ہے۔ (تذکرہ مشائخ بنارس ص۳۶) **ف:** اس کربناک سانحہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ بدکردار حکمرانوں سے اُلجھنا نہ چاہئے۔ بلکہ صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ ورنہ عموماً یہ لوگ کبر و رعونت کی بنا پر ضرر پہنچانے سے باز نہیں آتے۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔ (مرتب)

حضرت نظام الدین شاہ بھکاری چشتی برہانپوری المتوفی ۹۰۷ھ

نام و نسب اسم گرامی شیخ نظام الدین اور لقب شاہ بھکاری ہے مگر عام طور سے آپ حضرت شاہ بھکاری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ حضرت شیخ یوسف عرف شاہ جوسی آسیری کے فرزند ارجمند ہیں۔ سلسلۂ نسب پانچ واسطوں سے حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ پر منتہی ہوتا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت تقریباً ۸۳۶ھ میں بمقام اجودھن عرف پاک پٹن میں ہوئی اور وہیں نشو و نما پائی۔ (تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص۹۴)

تربیت و تعلیم والدہ کے انتقال کے بعد آپ کی بڑی بہن بی بی اللہ دی نے پرورش کی۔ جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو پاک پٹن کے مکتب میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس کے بعد مدرسہ میں داخل کیا گیا جہاں علوم دینی و دنیوی کی تحصیل کرنے لگے، اور چودہ برس کی عمر میں جمیع علوم سے فارغ ہوئے۔

خلافت و حج کعبہ شریف جاتے وقت آپ کے والد بزرگوار حضرت شاہ جوسی نے خرقۂ خلافت اور سجادہ عنایت فرمایا اور کہا: اے نور عین! تجھے حفیظ مطلق کے سپرد کرتا ہوں۔

آپ پاک پٹن سے روانہ ہو کر بیت اللہ پہنچے اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ آپ کی عادت تھی کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد بلاد اسلامیہ

کی سیاحت میں مشغول ہو جاتے۔ اور حج کا وقت قریب ہوتا تو حرمین شریفین کو واپس آجاتے۔ اس طرح آپ نے پانچ مرتبہ فریضۂ حج ادا کیا۔ اور کبھی کعبہ کی طرف پشت نہیں کی۔

برہان پور میں آمد جب پانچ حج پورے ہوگئے تو حضرت حرمین شریفین سے روانہ ہو کر ہندوستان آئے اور سیر و سیاحت کرتے ہوئے برہان پور کے قریب آئے اور موضع سکھپوری کے صحرا میں قیام فرمایا اس موضع کے نزدیک ہی ایک ندی تھی جو ایام بارش میں جاری رہتی تھی، مگر اُس وقت خشک پڑی تھی۔ اس ندی کو اتاولی اور ترہار بھی کہتے تھے۔

اتاولی ندی کا جاری ہونا شاہ حمید الدین اور شیخ محمود حضرت کے وضو وغیرہ کے لئے ہمیشہ تاپتی ندی سے (جو کہ اللہ نور عہ برڑی سے ایک میل دور تھی) پانی لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ درس سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ذکر میں مشغول ہوگئے۔ اس کے بعد شیخ محمود کو یاد فرمایا، معلوم ہوا کہ وہ پانی لینے تاپتی ندی گئے ہیں، یہ سن کر آپ کو تاسف ہوا اور وہاں سے اُٹھ کر اتاولی ندی کے کنارے پہنچے اور عصائے مبارک سے ایک ضرب لگائی، اُس جگہ سے پانی برآمد ہوا، آپ وہاں سے لوٹے، پانی آپ کے عقب میں بحر سیلان کے مانند اُمڈتا ہوا نظر آنے لگا، حضرت نے پلٹ کر دیکھا تو فرمایا اے پانی! ایسا بہہ، کہ میں تیرے قریب رہ سکوں، اسی وقت وہ پانی چشمہ کی طرح بہنے لگا۔ حضرت نے اس کو تاپتی ندی تک پہنچا دیا۔ اُسی وقت سے وہ ندی آج تک بہہ رہی ہے۔

عہ اس جگہ کو ڈلی اور ٹیکری بھی کہتے ہیں۔ یہ مٹی کا ایک ٹیلہ ہے۔

اللہ نور بڑڑی میں قیام

اللہ نور بڑڑی جہاں آپ کا قیام تھا اور فی الحال جہاں آپ کا مزار اقدس ہے ویرانہ تھا، جھاڑیاں بکثرت تھیں اور درندوں کا مسکن تھا (جب آپ وہاں تشریف لائے تو درندوں نے وہ جنگل آپ کے لئے خالی کر دیا تھا) آپ شب و روز وہاں عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

بیعت کرنا اور لقب شاہ بھکاری پانا

آپ یہاں سے روانہ ہو کر مانڈو گڑھ پہنچے اور شمس الدین قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے آفتاب کے بلند ہونے کی حقیقت پوچھی تو آپ نے سب کیفیت بتلائی۔ آپ کچھ عرصہ تک انکی خدمت میں رہے۔ ایک مرتبہ شاہ شمس الدین نے فرمایا "اے شیخ بھکاری" تو غیب سے آواز آئی کہ" اے شمس الدین " شاہ بھکاری کہو" رب العزت نے انھیں شاہ کا خطاب عطا کیا ہے۔ چنانچہ شاہ شمس نے مبارکباد دی اور بہت خاطر و مدارات کی۔ اسکے بعد آپ پٹن کی طرف روانہ ہوئے۔

(تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص۱۰۵)

پاک پٹن پہنچنا

حضرت مانڈو گڑھ سے روانہ ہو کر پاک پٹن پہنچے اور حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے روضہ کے قریب چلہ کیا۔ حضرت گنج شکر نے بشارت دی کہ تم ہمارے فرزند شیخ محمد کے پاس جاؤ اور ارادت قبول کرو، چنانچہ شیخ محمد کی طرف روانہ ہوئے، شیخ محمد کو آپ کی آمد کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی، انھوں نے تشریف لاکر ملاقات کی اور اعزاز سے بٹھایا۔

کرامات وخرق عادات

حضرت کی صرف دو تین کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

کرامت بلاد عجم کی سیاحت کے زمانہ میں ایک مرتبہ آپ جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ ناگہاں فرنگیوں نے جہاز کو پکڑ لیا اور اہل جہاز کو قید کر لیا، اسی وقت سب درد شکم میں مبتلا ہو گئے۔ ہر چند علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ گھبرا کر اپنے پادری کے پاس دوڑے ہوئے گئے اور حقیقت حال بیان کی۔ یہ سن کر پادری نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس جہاز میں کوئی بزرگ ہے، بہتر ہے کہ جہاز کو چھوڑ دو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ انھوں نے جب جہاز چھوڑ دیا اور وہ روانہ ہو گیا تو سب کا درد موقوف ہو گیا۔

کرامت منقول ہے کہ ایک سادھو سیاح دشت وجبل کی سیر کرتا ہوا اللہ نور بڑڑی میں آکر حضرت شاہ کا قدمبوس ہوا اور عسرت کا حال دیکھ کر راہ کی، اور ایک ناریل اکسیر سے بھرا آپ کی نذر کر کے چلا گیا۔ ایک مدت کے بعد بشوق زیارت واپس آیا اور دیکھا کہ پھر آپ کا وہی حال ہے۔ دریافت کیا کہ اکسیر کی تدبیر آپ نے نہیں کی، وہ ناریل مجھے دیں، میں سیم و زر بنا کر آپ کو دیتا ہوں فرمایا، کاکا! وہ کوڑا ہم نے اوتاؤ ندی میں ڈال دیا ہے، جا کر نکال لا۔ سادھو ندی پر جا کر چاہتا تھا کہ اپنا ناریل نکالے، لیکن ندی میں اسکو سینکڑوں ناریل نظر آئے۔ بدقت کچھ ناریل نکالے اور حضرت شاہ کی خدمت میں لے آیا، پھر جس ناریل کو توڑتا اکسیر سے بھرا ہوا پاتا تھا۔ اس کرشمہ سے سادھو کی عقل حیران ہوئی۔ آخر آپ کا نہایت معتقد ہوا اور کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوا اور حلقہ مریدی میں شریک ہو کر تا زندگی آپ کے در اقدس کا گدا بنا رہا اور

اس شعر کا قائل ہوگیا کہ ؎

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(ترجمہ: دنیا کے خاک نشینوں کو حقارت سے مت دیکھ! تجھے کیا معلوم کہ اس بھیڑ میں کوئی شہ سوار ہو۔)

بعد میں یہ سادھو بیر کا کلکے نام سے مشہور ہوا۔ اور انتقال کے بعد حضرت شاہ صاحب کے پائیں گنبد جنوبی رُخ پر سیڑھیوں کے قریب ہی اُس کا مزار ہے جس پر گنبد بنا ہوا ہے۔

عادات واخلاق

آپ صوفی باصفا اور درویش کامل تھے، آپ کا باطن نور تجلی سے منور تھا۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور عبادت گذار تھے۔ ہمیشہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ریاضت ومجاہدہ کے باعث آپ کا جسم مبارک نحیف ولاغر ہوگیا تھا۔ آپ کی غذا جَو کی روٹی تھی۔ ایک روز آپ کی بہن نے جَو کی روٹی گھی سے تر کرکے افطاری کے لئے پیش کی، کھاتے ہی آپ کو روغن کا مزہ معلوم ہوا، لیکن خاموش رہے۔ دوسرے روز صبح بہن سے فرمایا کہ رات نماز تہجد میں کچھ لذت حاصل نہ ہوئی اور دل کی صفائی کدورت سے مبدل ہوگئی آئندہ ایسی محبت سے معاف رکھنا۔ کیونکہ روغن آئینۂ دل پر رنگ وروپ لانے کے بجائے روغن؎ قاز مالیدہ کا مصداق ہوتا ہے اور دل میں انوار وتجلیات نمایاں نہیں ہوتی ہیں۔ دراصل ترک لذات سے باطن کی جلا ہوتی ہے۔

(تاریخ اولیاء کرام برہانپور صفحہ ۱۱۱)

؎ راج ہنس کی چربی لگایا ہوا۔

ارشادات

ذکرِ حق فرمایا کہ دل کو ذکر اور مراقبہ سے صیقل کرنا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکل شیء صقالة وصقالة القلوب ذکر اللّٰہ (مشکوٰۃ ص۱۹۹) (یعنی ہر چیز کو صاف کرنے کیلئے کوئی چیز ہوتی ہے۔ اور دلوں کو صاف کرنے کا آلہ اللہ کا ذکر ہے۔)

سفر کا فائدہ ایک مرتبہ حضرت شاہ نعمان نے آپ سے دریافت کیا کہ ہمیشہ سفر کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ فرمایا کہ صحرا میں جانے سے نفس کا تکبر دور ہوتا ہے اور وہ اپنے کو غریب سمجھتا ہے۔ اس صورت میں روح کو قوتِ باطنی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ ضعیف (کمزور) شخص کے لئے سفر مناسب نہیں۔

درویش کی صفت فرمایا: درویش وہ ہے کہ جس رات اسے فاقہ ہو وہ رات اُس کے لئے مثل معراج ہوتی ہے۔

روح کی حقیقت فرمایا کہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں نے پیغمبر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ روح کیا ہے؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب کی فکر میں تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (یعنی کہو کہ روح حکمِ رب ہے۔)

مومن کا دل فرمایا کہ قلوب المؤمن مرآة الرحمٰن (یعنی مومن کا دل رحمٰن کا آئینہ ہے) اور علمائے تصوف کے نزدیک بالاتفاق یہی دل اسم اعظم ہے اور نور روح اعظم ہے اور نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کا دل پیدا ہوا۔

توجہ الی الحق آپ نے فرمایا کہ عابد کو چاہئے کہ معبود کی اطاعت میں مستغرق رہے، کیونکہ جس وقت وہ نماز کے لئے کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتا ہے تو عابد فنا ہوتا ہے اور معبود قائم رہتا ہے اور وہ بقا حاصل کرتا ہے۔ یعنی جس وقت تمام چیزوں کو بھول کر اپنے معبود کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو بقا پاتا ہے۔ کیونکہ دُنیا فانی ہے اور دین باقی ہے، جو کوئی فنا فی اللہ ہوا اس نے بقا پائی۔

محبِّ صادق فرمایا کہ ایک درویش سے پوچھا گیا کہ محبت کسے کہتے ہیں؟ اُس نے کہا جو آغازِ عشق میں صبر سے کام لیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اُس شخص کو اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے کہ جو معبود کی منع کی ہوئی چیزوں سے باز رہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ محبِّ صادق وہ شخص ہے کہ جس کی ملکیت میں کوئی بھی چیز نہ ہو، اور وہ بھی کسی دوسرے کی ملکیت میں نہ ہو، اور کسی سے کچھ بھی توجہ نہ رکھتا ہو۔

طالبِ خدا فرمایا کہ شیخ مجد الدینؒ فرماتے تھے کہ اگر طالبِ خدا کو ہزار بار فرمان آئے کہ تیرا کچھ بھی مطلب حاصل نہ ہوگا، تب بھی اس کو چاہئے کہ راہِ طلب سے قدم نہ ہٹائے۔ اگر اُس سے یہ بھی نہیں ہو سکتا تو وہ اُس مکھی سے بھی کمتر ہے جو کہ ایک جگہ سے اُڑ کر پھر اُسی جگہ واپس آتی ہے۔

مُوحّد کی تعریف فرمایا کہ ملکِ عجم میں ایک درویش موحد کو دیکھا کہ پانچوں وقت کی نماز غسل کر کے پڑھتا تھا اور دن رات بیدار رہتا تھا۔ اگر پرندے آواز کرتے یا نعرہ مارتے ہوئے اُڑتے تھے تو وہ درویش رقص کرنے لگتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک پرندہ "توئی، توئی" کہتا ہوا اُڑا تو وہ درویش تین روز

تک بیہوش رہا۔ اور جب ہوش میں آیا تو کہا کہ مجھے معذور رکھیں، میں دائم المرض ہوں۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ موحّد اُسے کہتے ہیں جس کی روش حسنات کی طرف ہو اور جو کچھ اُس سے ظاہر ہو وہ سب رحمانی افعال ہوں۔ اور اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ اول درجہ کا خدا رسیدہ ہوتا ہے۔ نہ وہ پانی میں غرق ہو سکتا ہے اور نہ آگ اُس پر اثر کر سکتی ہے۔

آدم کو سجدہ فرمایا کہ مسطور ہے کہ حق تعالےٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے حکم فرمایا، تو اس کا سبب یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی ذات خاص کے نور سے متجلی کیا تھا۔ اس لئے یہ سجدہ دراصل آدم علیہ السلام کو نہیں تھا، بلکہ خود اُسی کو تھا۔

بڑا آدمی فرمایا کہ جب حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ مرد بد کب ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ جب وہ اپنے کو دوسروں سے نیک گمان کرتا ہے۔

فقیر فرمایا کہ فقر ایک بیش قیمت گوہر ہے۔ صوفیوں کو لازم ہے کہ جس طرح سفید لباس پہنتے ہیں اُسی طرح باطن سفید (پاک) رکھیں اور کل قیامت کے دن سفید رُو ہوں، یعنی شرمسار نہ ہوں اور لوح دل کو ماسوی اللہ سے صاف رکھیں۔

درویشی کے اصول فرمایا کہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ درویش کو پندرہ مقام جاننا چاہیئے، جب تک اُس پر عمل نہ کرے درجات درویشی سے محروم رہے گا۔ لہٰذا ان پر عمل کرنا چاہئے، تاکہ مرید ہونے اور دوسروں کو ارشاد

کرنے کے سزاوار ہو جائے اور روز محشر مشائخ کے سامنے شرمسار نہ ہوئے، وہ پندرہ مقام یہ ہیں:۔

توبہ[1]۔ ارادت[2]۔ مجاہدہ یا جہد[3]۔ صبر[4]۔ حیا[5]۔ زہد[6]۔ قناعت[7] عزت[8]۔ تسلیم[9]۔ حلم[10]۔ توکل[11]۔ رضا[12]۔ دیدار خدا[13] تفکر[14]۔ ہیبت[15]

اہل طریقت کی شرطیں

فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ سلوک کے مراتب میں اہلِ طریقت کے لئے مندرجہ ذیل دس شرطیں ضروری ہیں:۔

(۱) طلب معبود (۲) طلب صحبت مرشد کامل (۳) طلب ادب (۴) طلب خوشنودی حق تعالےٰ و طاعت (۵) طلب محبت و ترک فضولیات (۶) طلب تقویٰ (۷) استقامت شریعت (۸) کم کھانا، کم بولنا اور کم سونا (۹) اہل دنیا سے گوشہ نشینی اختیار کرنا (۱۰ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہونا۔

اللہ تعالےٰ کی عبادت

فرمایا کہ وقت سے پہلے نماز کا منتظر رہے کیونکہ جو وظیفہ یا عبادت بندے سے فوت ہو جاتی ہے، تو گویا یہ مرگ (موت) کے برابر ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نماز کا فوت ہو جانا مرگ کے برابر سمجھا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرنا

فرمایا کہ جو کوئی اپنا رخ اللہ کی طرف کرتا ہے، تمام اشیاء اپنا رُخ اُس کی طرف کرتی ہیں۔

اللہ تعالےٰ کو دوست رکھنا

فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ سے منقول ہے کہ جو کوئی اللہ تعالےٰ کو دوست رکھتا ہے اللہ تعالےٰ بھی اُس کو دوست رکھتے ہیں اور اس کو راحت پہنچاتے ہیں۔

بسم اللہ کی فضیلت

حضرت جب بلاد ترکستان کا سفر کرتے ہوئے ایک شہر میں پہنچے اور وہاں کی جامع مسجد میں گئے تو دیکھا کہ ایک درویش لوجہ اللہ لوگوں کو تعلیم دیتا ہے اور فرصت کے اوقات میں قرآن مجید لکھ کر ہر مستحق اور صالح کو دیتا ہے۔ چنانچہ ایک قرآن شریف حضرت کو بھی نذر کیا۔ حضرت نے یہ قرآن شریف ایک دوسرے مستحق کو دیا، اس کے بعد وہ درویش آپ کا مرید ہوگیا، تو حضرت نے اس کو نصیحت فرمائی کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کو واضح طور پر لکھا کرو، یعنی اس کا کوئی حرف اندھا نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اُس کے تین میم اور ایک ہا اللہ کا لکھو تو اللہ تعالےٰ تم کو ہزار ہزار نیکی دے گا اور ہزار ہزار بدی محو کرے گا۔ اور تمھارے لئے بہشت میں ہزار ہزار درجہ بخشے گا۔ پھر فرمایا کہ ایک روایت میں ہے کہ عرش کے زیر سایہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھا ہوا ہے اور حق تعالےٰ نے اُس سے چار چشمے جاری کئے ہیں :۔

چشمۂ آب : بسم اللہ کی میم سے جاری کیا۔

چشمۂ شیر : بسم اللہ کی ہا سے جاری کیا۔

چشمۂ خمر : الرحمٰن کی میم سے جاری کیا۔

چشمۂ شہد : الرحیم کی میم سے جاری کیا۔

یہ چاروں چشمے جاری ہیں اور حوض کوثر میں جاتے ہیں۔ اور یہ حوض حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب معلّم لڑکے کو کہتا ہے کہ پڑھ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ جب وہ اس کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس لڑکے، اُس کے ماں باپ اور معلّم کو آتش دوزخ سے نجات دیتا ہے۔

ف: سبحان اللہ کیسی فضیلت ہے۔ اور تفسیر عزیزی میں ہے کہ:۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں اُنیس حروف ہیں، جس کا ہر حرف جہنم کے ہر فرشتہ کے دفع کے لئے کافی ہے۔ (مرتب)

وصال آپ کا وصال بروز پنجشنبہ ۱۲؍ ربیع الاول ۹۰۷ھ مطابق ۱۵۰۳ء میں ستر سال کی عمر میں شہر برہانپور عہ میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً (تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص۱۲)

عہ شہر برہان پور روحانیت کا مرکز ہے، ہدایت کا سرچشمہ ہے، بزرگانِ دین کی سرزمین ہے۔ غلام علی آزاد نے اسے ولیوں کو پیدا کرنے والی سرزمین اور ایسا مقدس مقام کہا ہے جس کی فضا کا آسمان طواف کرتا رہتا ہے۔ غلام علی آزاد کے الفاظ یہ ہیں:۔

زہے مقامِ مقدس کہ اولیا خیز است کند سپہر طواف فضائے برہان پور

اِس شہر میں جتنے اولیاء اللہ ہوئے ہیں شاید ہی کسی شہر میں ہوئے ہوں گے۔ برہانپور کیلئے یہ بات قابلِ فخر ہے کہ نہ صرف اسے بزرگانِ دین اور خاصانِ خدا کی حمایت حاصل رہی ہے بلکہ اُس کو شروع ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت بھی رہی ہے۔ یہ شہر جلیل القدر اولیائے کرام کی آرزوؤں اور تمنا کے مطابق آباد ہوا ہے اور ہمیشہ اولیاء اللہ کے زیرِ سایہ رہا ہے۔

(مرکز روحانیت برہانپور ص۲۴)

حضرت شیخ حسن طاہرؒ دہلی المتوفی ۹۰۹ھ

ولادت آپ کی ولادت ۸۳۱ھ میں بہار میں ہوئی۔

تعارف آپ راجی شاہ کے مریدوں میں سے تھے۔ اور راجی شاہ سید نور کے خلیفہ تھے۔ آپ کے والد کا نام شیخ طاہر تھا۔ وہ ملتان سے بہار گئے اور عرصہ دراز تک شیخ بڈھ حقانی سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بہار ہی میں شیخ حسن طاہر متولد ہوئے۔ شیخ حسن کو جوانی ہی کے زمانہ سے طلب حق کا درد دامنگیر تھا۔ اسی لئے درویشوں کی صحبت میں رہے۔

علماء میں سے آپ ہی پہلے عالم ہیں جو سید راجی شاہ سے مرید ہوئے تھے، اور وہ جونپور کے مشائخ میں سے تھے۔ شیخ حسنؒ ابتداء میں جونپور سے آگرہ تشریف لائے اور ایک عرصہ تک یہاں اقامت پذیر رہے۔ اس کے بعد دہلی چلے گئے اور وہاں جے منڈل میں جس کا حصار و گنبد سلطان محمد تغلق نے تعمیر کرایا تھا مع اہل وعیال رہنے لگے۔

تعلیمات طریقہ، سلوک اور علم توحید پر آپ نے متعدد کتابیں لکھی ہیں ان کتابوں میں سے ایک کتاب "مفتاح الفیض" ہے۔

اس میں لکھتے ہیں:۔

تزکیہ کی تشریح سوال: سلوک کیا ہے اور سالک کیا ہے؟ تزکیۂ قلب و نفس کیا ہے؟ اسی طرح تخلیۂ سر اور تجلیۂ روح کیا ہے؟ منزل و جذبہ کیا ہے؟ مقصد کیا ہے اور وصول کہاں ہے؟ شریعت، طریقت اور حقیقت کیا چیز ہے؟ اور ان کا مقام کیا ہے؟

جواب: سلوک کے معنی لغت میں چلنا ہے۔ اور حسی طور پر چلنے کے معنی ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا۔ اور یہاں سلوک سے معنوی چلنا مراد ہے۔ اور اسی انتقال کو مرتبہ نفس میں تزکیہ کہتے ہیں۔ تزکیۂ نفس سے مراد یہ ہے کہ حیوانی اوصاف کو ترک کر کے ملائکہ کے اوصاف سے متصف ہو جانا۔ اور نفس امّارہ کو نفس لوّامہ اور مطمئنہ کے تابع کر دینا۔

دل کے سلوک کو تصفیہ کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے سر میں کسی ماسوا اللہ کی کوئی خواہش نہ رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ خواہ جنت ہی کیوں نہ ہو اس کا خیال نہ کرے۔ اور اپنے سر کی نگہداشت کرے یعنی اپنے دماغ میں غیر اللہ کا تصور تک نہ آنے دے۔ اور اگر اچانک ماسوا اللہ کا کوئی خیال و تصور آ بھی جائے تو فوراً اس کو نکال پھینکے۔

تجلیٔ روح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذوق و شوق اور اسرار و انوار کے ذریعہ روح کو پاک و صاف اور ان اوصاف سے مزین رکھے۔ حقیقی سلوک سے مراد یہ ہے کہ حیوانی اور انسانی جملہ اوصاف سے نکل کر خدائی اوصاف اور اخلاق کو اپنالے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ تخلقوا باخلاق اللّٰہ۔

شریعت، طریقت اور حقیقت کی تشریح

حضرت قطب عالم نے اپنے رسالہ مہمات میں شریعت، طریقت اور حقیقت کے متعلق لکھا ہے کہ: شریعت نام اتباع اور فرمانبرداری کا، اور طریقت کہتے ہیں تمام عالم سے انقطاع کرنے کو، اور حقیقت اطلاع اور خبرداری کو کہتے ہیں۔ غرض کہ شریعت نام ہے انقیاد کا، طریقت نام ہے اپنے نفس پر تنقید کرنے کا، اور حقیقت نام ہے اتحاد کا۔ جس کی تفصیل

اس طرح ہے کہ شریعت درمیانہ روی اور اعتدال کو کہتے ہیں۔ اور طریقت اپنے کو چھوڑ دینا اور حقیقت دوست سے مل جانے کو کہتے ہیں۔ یعنی بطیب خاطر فرمانبرداری کرنا شریعت ہے۔ غیر سے بیزاری طریقت ہے۔ دوست سے برخورداری کرنا حقیقت ہے۔

شریعت غنا رہے۔ طریقت فنا ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اور حقیقت بقا رکو کہتے ہیں۔

جذبۂ حق اور وصول الی الحق کا مطلب یہ ہے کہ اپنے تخیلات اور غیریت سے انقطاع اور علیحدگی اختیار کر لی جائے اور وجود مطلق کی ذات میں جہل و علم کو مرتفع اور ختم کر دے۔

ف : سبحان اللہ، کیسی جامع اور واضح ان اصطلاحی کلمات کی توضیح فرمائی جو آپ کی معرفت اور خاص آگاہی کی علامت ہے۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۲۴ ربیع الاول ۹۰۹ھ میں دہلی کے جے منڈل میں ہوئی۔ جس کا حصار و گنبد سلطان محمد تغلق نے تعمیر کرایا تھا۔ آپ کے اکثر اولاد کی قبریں یہیں ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(اخبار الاخیار ص۱۸۱)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی صاحب جلالین اوّل المتوفی ۹۱۱ھ

نام ونسب نام عبدالرحمٰن، کنیت ابوالفضل، لقب جلال الدین، والد کا نام کمال الدین ابوبکر، دادا کا نام محمد ہے۔

ولادت اتوار کی رات بعد مغرب یکم رجب ۸۴۹ھ میں اسیوط جو اطراف مصر میں دریائے نیل کے مغربی جانب میں ایک شہر ہے جس کو سیوط کہتے ہیں، وہیں محلہ خضر یہ جو سوق خضیر کے ساتھ مشہور ہے پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ کو خضیری اور سیوطی کہا جاتا ہے۔

تعلیم وتربیت ۸۵۵ھ میں جب آپ کی عمر پانچ سال سات ماہ تھی آپ کے والد کا انتقال ہو گیا، اُس وقت آپ نے سورۂ تحریم (پ۲۸) تک قرآن حفظ کر لیا تھا۔ اور آپ نے آٹھ سال کی عمر میں حفظ کی تکمیل کر لی تھی، اور ساتھ ہی "العمدۃ، المنہاج الفقہی، المنہاج الاصولی، اور الفیۃ ابن مالک حفظ کیا۔ اس کے بعد ۸۶۴ھ میں باقاعدہ مختلف علوم وفنون حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔

آپ نے حصول علم کے لئے شام، حجاز، یمن، ہندوستان وغیرہ کا سفر کیا۔ اور بہت سے اساتذہ سے تحصیل علم کیا۔ آپ کے اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔

آپ تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بدیع اور دوسرے علوم میں اپنے وقت کے زبردست امام تھے۔

جیسا کہ آپ خود اپنی کتاب "الرد علی من اخلد الی الارض" میں

لکھتے ہیں :۔

لیس علیٰ وجہ الارض من مشرقہا الی مغربہا اعلم بالحدیث والعربیۃ منی الا ان یکون الخضر او القطب او ولیاً للہ تعالیٰ۔

(یعنی مشرق سے لیکر مغرب تک روئے زمین میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو حدیث اور عربیت میں مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو، بجز خضر، قطب یا کسی ولی اللہ کے۔ (وہ مستثنیٰ ہیں۔)

فضل وکمال

آپ اپنی غیر معمولی ذہانت اور ذکاوت سے مختلف علوم وفنون میں اپنے ہمعصروں پر حتیٰ کہ اپنے شیوخ پر بھی سبقت لے گئے اور اپنی علمی جلالتِ شان پر بہت سے علماء اور اُمراء سے خراج تحسین حاصل کیا۔

آپ اپنی ادبی شجاعت سے مشہور و معروف ہوئے۔ اور آپ احکام شریعت کے نافذ کرنے میں بھی مشہور ہوئے اور اس میں آپ کسی کے ساتھ امتیاز نہیں برتتے تھے، اور حق کے معاملہ میں آپ کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اور آپ اقامتِ حدود اور احکام دینیہ کے نافذ کرنے کے بہت زیادہ حریص تھے۔ حتیٰ کہ اِس سلسلہ میں بادشاہ اور امراء کی ناراضگی اور غصہ کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ اگر آپ کسی قاضی کو دیکھتے کہ وہ بادشاہوں کے معاملہ میں تاویل سے کام لے رہا ہے تو آپ اُس کے خلاف کھل کر سامنے آتے اور صاف صاف حقیقت کو بیان کر دیتے تھے۔

تصانیف

آپ کی تصنیفات بے شمار ہیں۔ آپ نے ہر موضوع پر قلم اُٹھایا ہے اور در حقیقت اُمت مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے آپ کے شاگرد داؤد مالکی نے آپ کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد پانچ سو سے

زائد بتلائی ہے اور ابن ایاس نے چھ سو بتائی ہے۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:۔
حسن المحاضرۃ، بغیۃ الوعاۃ، عین الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، المدرج، طبقات الحفاظ، جلالین، الاتقان فی علوم القرآن، الدر المنثور فی التفسیر الماثور، الجامع الصغیر وغیرہ (مقدمہ تدریب الراوی ص۲)

شیخ السنۃ کا خطاب آپ نے اور دوسرے لوگوں نے متعدد بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "یا شیخ السنۃ" "یا شیخ الحدیث" کہہ کر خطاب فرمایا۔ شیخ شاذلی رح فرماتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ آپ کو حضورؐ کی کی زیارت کتنی مرتبہ ہوئی ہے؟ تو فرمایا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ۔

گوشہ نشینی جب چالیس سال کی عمر ہوئی تو آپ نے درس و تدریس، افتار و قضار اور تمام دنیوی تعلقات ختم کر کے تجرد و گوشہ نشینی اختیار کی اور ریاضت و عبادت، رشد و ہدایت میں لگ گئے۔ (ظفر المحصلین ص۴۵)

بڑا کارنامہ شیخ محدث دہلوی رح نے لکھا ہے کہ شیخ علی متقی نے علامہ سیوطی رح کی کتاب "جمع الجوامع" کی احادیث کو حروف تہجی کے تحت جمع کر کے تمام اقوال و افعال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسائل فقہیہ پر مرتب کر کے "کنز العمال" کے نام سے جمع کر دیا ہے انکے استاذ شیخ ابو الحسن بکری رح فرمایا کرتے تھے کہ سیوطی رح کا احسان سارے عالم پر ہے، مگر سیوطی پر متقی رح کا احسان ہے کہ ان کی کتاب کو مرتب کر کے استفادہ آسان کر دیا۔

(اخبار الاخیار ص۵۲۴)

وفات آخر شب جمعہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔
رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(ظفر المحصلین ص۴۷)

حضرت شیخ مدین ابن احمد الاشمونی رح المتوفی ۹۱۵ھ کے بعد

تعارف آپ شیخ احمد زاہد کے اصحاب میں اور منجملہ اکابر عارفین میں سے تھے۔ شیخ زاہد سے کسب فیض کے بعد شیخ محمد حنفی رح سے فیض حاصل کیا اور اُن کے پاس خانقاہ میں قیام کیا پھر شیخ سے اجازت لیکر شام کی سیر و سیاحت پر چلے گئے۔ آپ صاحب کشف و کرامات تھے۔

شیخ مدین اور شیخ عبادہ کا مکالمہ

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

"طبقات کبریٰ" سے شیخ مدین رح اور شیخ عبادہ مالکی رح کا ایک مکالمہ سناتے تھے۔ بلکہ اپنی کتاب "الافادات الوصیۃ ترجمہ ترصیع الجواہر المکیۃ" میں درج بھی فرمایا ہے۔ اس کو بعینہٖ نقل کرتا ہوں، وہ ہم سب کے لئے مفید، نصیحت آمیز اور سبق آموز ہے۔ اس لئے اس کو بغور مطالعہ کریں۔ وہ یہ ہے:۔

شیخ عبادہ رح سادات مالکیہ میں ایک ممتاز عالم تھے اور اپنے ہمعصر شیخ مدین رح پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ یوں کہتے تھے کہ یہ طریق جس پر یہ لوگ اپنے کو کہتے ہیں (یعنی تصوف) کیا بلا رہے؟ ہم تو صرف شریعت کو جانتے ہیں، اس کے علاوہ سب ڈھکوسلہ ہے۔ ان کو شیخ مدین کا انکار تو تھا ہی، اسمیں مزید اضافہ اس سے ہوگیا کہ آپ کے درس کو چھوڑ کر لوگ شیخ مدین رح کی مجلس میں آنے لگے۔

شیخ مدین رح نے اپنے یہاں سالانہ منعقد ہونے والی محفل کبیر میں ایک مرتبہ شیخ عبادہ رح کو بھی مدعو کیا، چنانچہ شیخ عبادہ آئے۔ لیکن شیخ مدین رح نے اپنے اصحاب کو تاکید کر دی تھی کہ جب شیخ عبادہ آئیں تو خبردار! کوئی شخص

اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرے۔ اور نہ اُن کی تعظیم کے لئے کوئی کھڑا ہوا اور نہ مجلس میں اُن کے لئے جگہ ہی کشادہ کی جائے۔

چنانچہ جب شیخ عبادہ آئے تو خانقاہ کے صحن میں کھڑے ہو گئے اور کسی کو متوجہ نہ پاکر خوب خوب پیچ و تاب کھاتے رہے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مارے غصہ کے پاش پاش ہو جائیں گے۔ جب اس حالت پر کچھ دیر گزر گئی تو شیخ مدین رح نے سر اُٹھایا اور حاضرین سے فرمایا کہ بھائی! شیخ عبادہ کے لئے راستہ کشادہ کرو۔ اور ان سے کہا "تشرّف یا شیخ" (یعنی اے شیخ تشریف لایئے) جب وہ شیخ مدین کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ تو شیخ مدین نے بیٹھتے ہی فرمایا کہ ایک سوال درپیش ہے (اجازت ہو تو عرض کروں) شیخ عبادہ نے فرمایا کہ ضرور ارشاد فرمائیں! شیخ مدین نے سوال فرمایا، کیا آپ کے یہاں مشرکین کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے؟ بالخصوص جبکہ اُن کی جانب سے کسی قسم کے خوف کا بھی اندیشہ نہ ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ نہیں! شیخ مدین نے فرمایا کہ اچھا، اللہ کی قسم دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اور کوئی کھڑا نہ ہوا، تو آپ کو یہ فعل کچھ ناگوارِ خاطر ہوا تھا؟ شیخ عبادہ نے جواب دیا، ہاں بیشک ناگوار ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر شیخ مدین رح نے اُن سے دوسرا سوال کیا کہ اچھا یہ بتلایئے کہ اگر آپ سے کوئی شخص یہ کہے کہ میں تم سے اُس وقت تک راضی نہ ہوں گا جبتک کہ تم ایسی تعظیم نہ کرو جیسی تعظیم اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے چاہتے ہیں، تو یہ آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ شیخ عبادہ رح نے جواب دیا کہ میں تو یہ کہوں گا کہ ایسا شخص کافر ہو گیا۔

اس کے بعد کچھ دیر تک اسی طرح باہم سلسلۂ کلام جاری رہا۔ میرا خیال یہ

ہے کہ شیخ مدین نے اِن مقدمات کو تسلیم کرانے کے بعد ان کا انطباق شیخ عبادہ کے حال پر فرمایا ہوگا کہ یہی حال آپ کا بھی ہے کہ ہم سے اپنی تعظیم ایسی ہی چاہتے ہیں جیسی اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے چاہتے ہیں۔ اور نہ ہونے پر سخت ناگواری ہوتی ہے۔ غرض شیخ عبادہ تو جید عالم تھے، اِس لئے بات اُنکی سمجھ میں آگئی۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے کھڑے ہوکر اُس بھرے مجمع میں اعلان کیا کہ :-

حضرات! آپ سب لوگ گواہ رہیئے کہ میں آج سیدی مدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں اور دین اسلام میں صحیح طور پر داخلہ کا آج میرا یہ پہلا دن ہے۔

پھر تا زیست انہی کی خدمت میں رہ پڑے۔ حتیٰ کہ وہیں انتقال ہوا۔ اور مقابر قفرا میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالےٰ۔ (طبقات کبریٰ ص۱۰۲)

افادہ : حضرت مصلح الامتؒ نے اس واقعہ کو سُنا کر یہ فرمایا کہ اس سے جس طرح شیخ مدین کی کرامت اور اصلاح و تربیت کے معاملہ میں اُن کے کمال کا پتہ چلتا ہے، اسی طرح سے شیخ عبادہ کے خلوص کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جب اُن کو اپنے حال کی معرفت ہوگئی اور بات سمجھ میں آگئی تو فوراً تائب ہوگئے۔ کہاں تو طریق کے منکر اور شیخ مدین پر معترض تھے اور کہاں سب کے سامنے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آج حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہوں۔

سبحان اللہ، کس قدر بے نفسی اور تواضع کی بات ہے۔ آخر تھے تو عالم ہی کتاب و سنت کے علم نے اُن کے قلب پر اثر کیا تھا۔ ان میں اخلاص تھا اسی کی برکت سے اللہ تعالےٰ نے انکو ہدایت فرمائی۔ (الافادات الوصیۃ ص۳۳۷)

علامہ شعرانیؒ ہی کی مشہور تالیف "الیواقیت والجواہر" میں ہے کہ :-

حضرت علامہ ابن حجرؒ نے اصلاح باطن کے لئے حضرت شیخ مدینؒ

کی طرف رجوع فرمایا۔ جس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت ابن حجرؒ نے ابن فارض کے بعض ابیات کی شرح لکھ کر حضرت مدین کی خدمت میں تصدیق وتصویب کے لئے پیش کیا تو حضرت شیخ مدین نے اُس کے سرورق پر یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا ؎

سارت مشرقة وسرت مغربا

شتان بين مشرق ومغرب

(ترجمہ: وہ تو مشرق کی طرف چلی گئی اور میں نے مغرب کی راہ لی۔ اور ظاہر ہے کہ مشرق کے جانے والے اور مغرب کے جانے والے میں کتنا فرق ہے۔)

اس سے شیخ کا مطلب یہ تھا کہ آپ تو فن حدیث کی خدمت میں لگے رہے ہیں، اس میدان میں قدم ہی نہیں رکھا، تو پھر آپ ابن فارضؒ جو زبردست صاحبِ دل صوفی تھے، ان کے اشعار کی شرح کیسے کر سکتے ہیں۔ اسلئے کہ یہ اشعار صوفیہ کے احوال سے متعلق ہیں۔ لہٰذا اس کی شرح تو کوئی صاحبِ باطن ہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہ سن کر علامہ بہت متأثر ہوئے۔ جیسا کہ علامہ شعرانیؒ نے فرمایا" فتنبه لامر کان عنه غافلا " یعنی علامہ ابن حجرؒ اب تک جس چیز سے غافل تھے اس پر ان کو تنبہ ہوا۔ اور بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور طریق اور اہل طریق کا اذعان واعتقاد کر کے پھر شیخ مدین کی خدمت میں رہ پڑے اور وہیں وفات پائی۔ (الیواقیت ص۱۲) (الافادات الوصیہ ص۳۳۶)

وفات آپ کی وفات کی تاریخ نہیں معلوم ہو سکی۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ سنہ ۹۱۵ھ میں بقید حیات تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(طبقات ص۱۳۲)

حضرت شیخ احمد مجد شیبانیؒ ناگور المتوفی ۹۲۷ھ

نام ونسب نام احمد مجد شیبانی، والد کا نام قاضی مجد الدین تھا۔

ولادت ۸۳۲ھ میں نارنول میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعارف آپ بڑے بزرگ، علوم شریعت وطریقت میں کامل، زہد وتقویٰ کے حامل، ذوق اور وجد وحال کے استاذ تھے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بہت کوشاں رہتے تھے۔ آپ کی نظروں میں اہل دنیا کی کوئی وقعت نہ تھی۔

آپ کی محفل کا رنگ حضرت سفیان ثوریؒ کی محفل کی طرح ہوتا تھا۔ آپ خواجہ حسین ناگوری قدس سرہ کے مرید تھے۔ آپ نے اٹھارہ سال تک درس وتدریس کا کام کیا۔ آپ کا سلسلۂ نسب امام محمدؒ تک جو امام اعظمؒ کے شاگردوں میں سے ہیں پہنچتا ہے۔ آپ اپنے طالب علمی کے زمانہ میں عالموں سے مناظرہ کرتے۔ اور عربی وفارسی میں تقریریں بھی کرتے تھے اور بادشاہوں کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ لیکن خواجہ حسینؒ سے بیعت کرنے کے بعد آپ نے بحث ومباحثہ اور بادشاہوں کی محفلوں سے توبہ کرلی۔

فضل وکمال آپ اٹھارہ برس کی عمر میں نارنول سے اجمیر تشریف لائے اور ستر برس تک یہاں عبادت وریاضت میں گزارے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں آپ کے نزدیک کسی کے لئے امتیاز نہ تھا۔ بلکہ سب کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرتے تھے۔

آپ خلافِ شرع کوئی بھی کام نہ کرتے تھے، جیسا کہ مندو والوں کا طریقہ تھا کہ وہ شیخ الاسلام کو جھک کر انگوٹھا زمین پر رکھ کر سلام کرتے تھے۔ لیکن آپ نے اِس طرح کبھی سلام نہ کیا، بلکہ "السّلامُ علیکم" کہتے تھے اور آپ بادشاہِ وقت کے برابر میں بیٹھتے تھے۔ بادشاہِ وقت نے انصاف کی خاطر شیخ ادریس کو اجمیر کا قاضی مقرر کر کے چار گاؤں انعام میں دیئے اور شیخ احمد مجد کو مفتی بنا دیا، جو آپ کے آباء و اجداد کا کام تھا۔

آپ محفلِ وعظ میں شیروں کی طرح جوانمردی سے بیٹھتے تھے۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کو ایسی عظمت و ہیبت سے بیان فرماتے کہ بادشاہوں کے دل بھی موم ہو جاتے تھے۔

ارشادات آپ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں سے فرمایا کرتے تھے کہ دنیا داروں کو دینداروں پر ترجیح نہیں دینی چاہیئے۔ کیونکہ اہلِ دُنیا محض ظاہر بیں ہوتے ہیں، یعنی وہ اپنے ظاہر کو صاف رکھتے ہیں، اور اہلِ دین اپنے باطن کو صاف رکھتے ہیں، اِس وجہ سے دینداروں کو دنیا داروں سے اچھا سمجھنا چاہیئے۔

ف: یہ تھی حقیقت اور مولانا کی فنائیت کہ بلا خوف لومۃ لائم ایسی بات بیان فرمائی۔ مگر افسوس کہ اب معاملہ برعکس ہے۔ پھر کیا نتیجہ ہوگا، ظاہر ہے۔ (مرتّب)

آپ اپنے زمانہ اور شہر کے مجذوبوں اور فقیروں کی عزت کیا کرتے تھے۔ اگر اتفاق سے آپ کہیں سواری پر جا رہے ہوتے، اور راستہ میں کوئی مجذوب مل جاتا، تو اپنی سواری سے اُتر کر دست بستہ کھڑے ہو جاتے، اور وہ جو حکم دیتا اُس پر عمل کرتے۔

اگر آپ کے سامنے کوئی کسی کی غیبت یا کوئی ناجائز بات کرتا، تو آپ اُس سے فوراً فرماتے کہ بابو خاموش رہو۔

ف: آج بھی مشائخ کا یہی معمول ہونا چاہیے تاکہ مجلس غیبت سے پاک رہے۔ وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

اگر کوئی ادب واحترام سے آپ کا نام لیتا تو آپ آبدیدہ ہوجاتے اور فرماتے، میں تو بہت بدکردار ناہنجار ہوں، اس لئے مجھے آپ کی تعریف بالکل پسند نہیں آئی۔ یہی حال آپ کے شیخ خواجہ حسنؒ کا بھی تھا۔ وہ بھی اپنی تعریف بالکل پسند نہ فرماتے تھے۔

واقعۂ عبرت جب رانا سانگا نے اجمیر پر قبضہ کیا اور قلعہ پر قبضہ کرلیا اور کافی مسلمانوں کو شہید کردیا، تو اُس واقعہ سے سات دن قبل آپ نے خواجہ معین الدین کے حکم سے شہر سے باہر نکل کر تمام مسلمانوں کو خبردار کردیا تھا کہ اس شہر پر اللہ سبحانہ وتعالےٰ کے غضب کے آثار دیکھ رہا ہوں، اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرف سے میں اعلان کرتا ہوں کہ تمام مسلمان اس شہر سے باہر چلے جائیں۔ اور خود مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کو لے کر دوشنبہ کے دن ۹۲۲ھ میں اجمیر سے باہر نکل گئے اور پھر دوسرے دوشنبہ کو کافروں نے اجمیر پر حملہ کردیا اور تمام شہر کو تباہ کردیا۔ اس کے بعد آپ نارنول سے ناگور چلے گئے۔

وفات ۲۵ صفر ۹۲۷ھ میں ناگور میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں اپنے شیخ کے پائنتی مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (اخبار الاخیار ص۳۹۶)

حضرت شیخ حاجی عبد الوہاب بخاری دہلوی المتوفی ۹۳۲ھ

ولادت آپ کی ولادت ۸۵۱ھ میں ہوئی۔

تعارف آپ سید جلال الدین بخاری بزرگ کی اولاد میں سے تھے جو مخدوم جہانیاں کے دادا تھے۔ سید جلال الدین بخاری رح کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام سید محمود تھا، جن کے سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رح بیٹے تھے۔ اور دوسرے بیٹے کا نام سید احمد بزرگ تھا۔ انہی کی اولاد میں سے شیخ عبد الوہاب تھے، جو بہت بزرگ اور علم و عمل، حال و محبت میں کامل تھے۔ سلوک کے ابتدائی زمانہ میں آپ اپنے شیخ، استاذ اور خسر مولوی صدر الدین بخاری رح کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ اِس وقت دنیا میں دو نعمتیں ہیں جو تمام نعمتوں سے افضل و اعلیٰ ہیں، لیکن لوگ ان کی قدر و منزلت نہیں جانتے اور انکے حصول سے بھی غافل ہیں۔

نعمت اوّل تو یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مدینہ منورہ میں بہ صفت حیات موجود ہے، اور لوگ اس سعادت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ دوسری نعمت قرآن کریم ہے جو اللہ تعالےٰ کا کلام ہے، اور اللہ تعالےٰ اِس کے ذریعہ بغیر کسی واسطہ کے اپنی مخلوق سے کلام کرتے ہیں، لیکن لوگ اِس نعمت سے بھی غافل ہیں۔

شیخ کی اتنی بات سننے کے بعد آپ مجلس سے اُٹھے اور مدینہ جانے کی اجازت مانگی اور (اجازت ملنے کے بعد) خشکی کے راستے فوراً مدینہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری دینے کے بعد فوراً اپنے وطن مالوف ملتان آگئے۔ لیکن اُس وقت ملتان کی حالت بہت

خراب تھی، اس لئے سلطان لودھی کے زمانہ میں دہلی تشریف لے آئے۔ سلطان سکندر لودھی آپ کا بڑا معتقد تھا اور آپ کی بے انتہا عزت و خاطر و مدارات کرتا تھا۔

آپ کو شیخ عبداللہ قریشی سے اتنی محبت تھی کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ آپ گویا فنا فی الشیخ ہیں۔ مولانا روم رح کو جتنی محبت و عقیدت حضرت شاہ شمس تبریز سے تھی اتنی ہی آپ کو اپنے شیخ سے تھی۔ آپ نے دوسری بار دہلی سے سفر کرکے حرمین شریفین کی زیارت کی تھی اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دہلی واپس تشریف لے آئے۔

تفسیری کارنامہ آپ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس میں اکثر بلکہ تمام قرآن کی تفسیر نبی علیہ السلام کی نعت و توصیف سے کی ہے اور اسمیں بہت سے دقائق عشق اور اسرار محبت کو جمع کیا ہے۔ غالبًا آپ نے یہ تفسیر جذبۂ حال اور غلبۂ استغراق کے وقت کی ہوگی۔ اسی وجہ سے بعض الفاظ ظاہریہ کی تعبیر کی رعایت نہیں کرسکے۔

وفات

آپ کی وفات ۹۳۲؁ھ میں ہوئی۔ جس کا عدد "شیخ حاجی" سے نکلتا ہے۔ آپ کی مزار پرانی دہلی میں شاہ عبداللہ قریشی کے مقبرے کے قریب ہے۔

نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ۔

(اخبار الاخیار ص۲۴۶)

حضرت مولانا محمد زاہد وخشی (روس) المتوفی ۹۳۶ھ

تعارف حضرت مولانا محمد زاہد صاحب قدس سرہٗ کا انتساب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ سے ہے۔ آپ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کے رشتہ دار بلکہ مشہور ہے کہ نواسے تھے۔ اور ان کے کسی خلیفہ سے ذکر و تعلیم حاصل کر کے گوشہ اختیار کیا اور مشغولِ ریاضت و مجاہدہ ہوئے۔

بیعت و خلافت بعد ازاں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا زاہد نے اپنے حالات و مقامات کو حضرت کے سامنے بیان کر کے درخواستِ بیعت کی۔ چنانچہ حضرت خواجہ احرار نے آپ کو بیعت کر کے اپنی توجہ و تصرف سے اُسی مجلس میں کمال و تکمیل کو پہنچا کر کے اپنی خلافت عطا فرمائی اور وہیں سے رخصت کر دیا۔ اس پر حضرت خواجہ احرار کے پُرانے لوگوں کو غیرت آئی کہ مولانا زاہد کو اول ہی فرصت میں خلافت دیدی اور ہم برسوں سے ٹھہرے ہوئے ہیں، ہمارے حال پر کچھ خیال نہیں فرماتے۔ خواجہ احرارؒ نے فرمایا کہ مولانا محمد زاہد چراغ بتی درست کر کے لائے تھے، میں نے صرف اُسکو روشن کر دیا، اور رخصت کر دیا۔ یہ معاملہ حضرت خواجہ رحمہ اللہ کے تصرف عظیم اور حضرت مولانا کے کمالِ علوِ استعداد اور قابلیت کی دلیل ہے۔

وفات آپ کی وفات شروع ربیع الاول ۹۳۶ھ کو ہوئی۔ موضع وخش (روس) میں جو متصل حصار ہے آپ مدفون ہوئے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص۹۴)

قال اللہ تعالیٰ

تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ط
(آل عمران ۲۶)

تذکرہ

نیک سیرت

سلاطینِ ہند

یعنی ہندوستان کے چند صالح، عادل اور متبع سنت بادشاہوں کے جرأت آمیز کارنامے اور عبرت آموز احوال، قابلِ تقلید اخلاق، بے مثال معدلت گستری، ہر قوم، ہر مذہب اور ہر ملت کے ساتھ روایتی عدل و انصاف کے مختصر تذکرے کئے گئے ہیں اس حصہ چہارم میں سات بادشاہوں کے تذکرے ہیں۔ انشاء اللہ حصہ پنجم میں بھی بعض سلاطین مغلیہ مثلاً جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر اورنگ زیب وغیرہم کے تذکرے کئے جائیں گے۔ جیسا کہ حصہ سوم میں بھی بعض لائق ستائش سلاطین کے تذکرے کئے گئے ہیں:۔

تاجدارِ سلطنتِ شرقیہ ابراہیم شاہ شرقی جونپور المتوفی ۸۴۸ھ

نام و نسب نام مِلک اکرم شمس الدین المعروف ابراہیم شاہ، والد کا نام مِلک الشرق ملک سرور خواجہ جہاں ہے۔

اوصاف حسنہ ابراہیم شاہ شرقی کا چہرہ حسین اور ساتھ ہی ساتھ رعب و جلال کا حامل تھا، دراز ریش، سینہ چوڑا، جسم مضبوط اور فربہ تھا، قد دراز تھا۔ مزاجاً نیک خصلت اور پاکیزہ سیرت تھا، امور مملکت میں ماہر اور صاحب تدبیر تھا، جیسا سخی تھا ویسا ہی شجاع بھی تھا۔ اِس کے علاوہ بیحد علم دوست اور منصف مزاج تھا۔ ہر کام اُس کا دور اندیشی پر مبنی ہوتا، اور صائب الرائے کی قدر کرتا اور اس پر عمل کرتا۔ غرضیکہ جملہ اوصاف حسنہ جو ایک بادشاہ میں ہونے چاہئے وہ ابراہیم شاہ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اِسی لئے ہندوستان کے مشہور بادشاہوں میں اُس کا شمار کیا جاتا ہے۔

تخت نشینی سید مبارک شاہ کے انتقال کے بعد سید ابراہیم شاہ جو علم و حکمت اور فراست و تدبیر میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اور اپنے بڑے بھائی مبارک شاہ کے کارِ منصبی کو سنبھالنے میں ہر قسم کا تجربہ رکھتا تھا ۸۰۴ھ میں تخت نشین ہوا۔

رسمِ تاجپوشی کے بعد ابراہیم شاہ نے سلطنت کے اراکین و عہدہ داران کا نظرِ عمیق سے جائزہ لیا۔ مبارک شاہ اور خواجہ ملک سرور کے عہد کے اُمرا

جاگیرداروں اور عہدہ داروں میں سے بیشتر کو اُنکی جگہوں پر رکھا اور کچھ امراء اور عہدہ داروں کا اضافہ بھی کیا۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی ملک العلماء کو قاضی القضاۃ کا منصب جلیلہ عطا کیا۔ (تاریخ جونپور ص ۱۳۷ مرتبہ سید اقبال جونپوری)

فوج ابراہیم شاہ کی فوج میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کی بھی کافی تعداد تھی

اخلاق ابراہیم شاہ اخلاق و مروت کا مجسمہ تھا۔ شاہی رعب وجلال کے باوجود رعایا سے مخاطبۂ کلام میں بڑی خوشی محسوس کرتا تھا۔ امیر ہو یا غریب سب کی عرض و معروضات کو سُن کر متاثر ہوتا تھا، جود و سخا کا سرچشمہ تھا۔ خانقاہوں، مسجدوں اور مدرسوں میں تنخواہوں کا نظام کرتا تھا۔

(تاریخ جونپور ص ۱۶۶)

علمی ذوق ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت صدر جہاں اجمل اور مولانا قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ کی خدمت میں حاضر باش رہ کر فقہ، حدیث اور منطق وغیرہ علوم میں اچھی خاصی معلومات حاصل کرلی تھیں۔ چونکہ بادشاہ کو علم و ادب سے بے حد دلچسپی تھی اس لئے اُس نے اپنے دربار میں بڑے بڑے علماء کاملین کو جمع کر لیا تھا اور ہر عالم دین کی خدمت بجالاتا تھا۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ سے اعتقاد ابراہیم شاہ قاضی شہاب الدین ملک العلماء کا بیحد معتقد تھا اور سلطنت کا کوئی کام بغیر آپ کے مشورہ کے کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ جب قاضی صاحب بیمار ہوئے اور مرض نے شدت اختیار کر لی

تو ابراہیم شاہ نے کہا کہ خدایا! ہمارے قاضی صاحب کو شفا عطا کر دے، اُس کے عوض مجھے بیمار بنا دے۔ یہ کہہ کر ابراہیم شاہ نے اپنے پیر و مرشد کے حق میں اطاعت کی حد تمام کر دی۔

اِنسدادِ جرائم ابراہیم شاہ چونکہ خود نیک طینت اور رحمدل بادشاہ تھا اس لئے اُس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی سلطنت میں فسق و فجور، سفاکی اور بیدادگری رشوت ستانی، رہزنی اور چوری وغیرہ جرائم کے انسداد میں بہت سے سخت احکام نافذ کر دیئے۔ رعایا کا متمول اور غریب طبقہ شب و روز آزادی کے ساتھ نقد اور قیمتی اشیاء لیکر نقل و حمل کرتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ بدنیتی سے اُسکی طرف نظر کرتا۔

وفات ابراہیم شاہ شرقی کا انتقال ۸۴۰ھ مطابق ۱۴۴۲ء میں ہوا۔ اور جونپور میں جامع مسجد سے اُتر جانب ملحقہ خانقاہ میں تدفین ہوئی۔

نور اللہ مرقدہٗ۔ (تاریخ جونپور صـ۱۶۱)

ف: حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الٰہ آبادیؒ کے مورث اعلیٰ کنور سنگھ ملک ابراہیم شرقی فرمانروائے جونپور کے دربار میں حاضر ہو کر ۸۳۲ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ وہاں اُن کا نام ملک دیندار تجویز ہوا۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ۔ (ماخوذ از حیات مصلح الامتؒ مؤلفہ مولانا اعجاز احمد اعظمی)

ماشاء اللہ کیا ہی خوب نام تجویز ہوا۔ اسی کو اسم بامسمی کہا جاتا ہے۔ الحمد للہ اس کا سلسلہ ابتک چل رہا ہے آخر آپ کی سولھویں پشت میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب جیسے کامل دیندار کی ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء میں ولادت ہوئی جو مصلح الامت کے لقب سے موسوم ہوئے جو ماشاء اللہ ہم سب منتسبین نسبی و روحانی کیلئے فخر کی بات ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی دین اسلام کا یہ سلسلہ جاری و ساری رکھے اور نسلاً بعد نسل صحیح معنوں میں ہم کو مومنین کی صفات کے ساتھ تا قیامت قائم رکھے تاکہ ہم لوگ آخرت میں فائز المرام ہوں آمین!

ہمارا خیال ہے کہ اُسی زمانہ میں ہمارے مورث اعلیٰ بھی ملک ابراہیم شاہ کے دربار میں جا کر مسلمان ہوئے ہونگے واللہ اعلم (مرتب)

خادم اسلام سلطان محمود بیگڑھ، گجرات المتوفی ۹۱۷ھ

نام ونسب تام فتح خاں، لقب سلطان محمود بیگڑھ، والد کا نام محمد شاہ سلطان محمود بیگڑھ کے نام سے اب مشہور ہے۔

بیگڑھ کی وجہ تسمیہ گجراتی میں بے کے معنی دو، اور گڑھ کے معنی قلعہ کے ہیں لہٰذا معنی ہوئے دو قلعوں والا۔ جوناگڑھ اور گرنار کے دو قلعے ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے، جو سلطان محمود نے فتح کر لئے تھے، اس لئے اس کا لقب بیگڑھ مشہور ہوا۔

تعارف نہایت عادل، کریم اور خادم اسلام تھا۔ اس نے مسافروں کے لئے سرائیں، طلبہ کے لئے مدارس اور عام مسلمانوں کے لئے مساجد تعمیر کرائیں۔ اسلام اور مسلمانوں سے اُسے بے پناہ محبت تھی خصوصاً علمار کرام کے ساتھ بے انتہا تعظیم وتکریم سے پیش آتا تھا۔ پایۂ تخت احمد آباد تھا، اس کے باوجود آخر عمر میں نہروالہ (پٹن) تشریف لے گیا، تاکہ علمار وفضلار کی آخری بار زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہو۔ پٹن میں جا کر سب علمار وفضلار کو جمع کیا اور گویا ہوا کہ میری زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ حضرات کی آخری بار زیارت وملاقات کا شرف اور دعاؤں کو حاصل کرنے آیا ہوں۔ حاضرین اس خادم اسلام سلطان کی بات سُن کر بے اختیار آبدیدہ ہو گئے۔

جس بادشاہ کو تاحین حیات اسلام اور مسلمانوں کی بے پناہ خیر خواہی کرتے دیکھا ہو، اور بذات خود عہدۂ سلطانی کی پروا کئے بغیر جو علمار کا احترام وتقدس مدنظر

رکھتے ہوئے آخری ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا ہو، یہ حال و قال نرم دل ہونے کیلئے کافی ہے۔ (مفہوم از "مرآۃ احمدی"، منقول از "تاریخ ہند ص ۱۴۳")

شیخ سراج الدینؒ کی خدمت میں

سلطان محمود بیگڑھ اپنے روحانی علاج کے لئے اُس زمانہ کے ایک شیخ سراج الدینؒ کی خدمت میں حاضری دینے لگا، شیخ سراج الدینؒ شیخ علی خطیبؒ کے خلیفہ تھے اور وہ شیخ قطب الاقطاب برہان الدینؒ کے خلیفہ تھے۔ شیخ سراج الدینؒ کے سالکوں کی بڑی تعداد تھی، جنھیں شیخ نے عین الیقین کے مقام تک پہنچا دیا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

ایک رات سلطان محمود نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپؐ نے اُنھیں دو طبق مرحمت فرمائے۔ اس کی تعبیر یہ قرار پائی کہ سلطان کو دو بڑی نعمتیں حاصل ہونگی۔ چنانچہ اُس کے بعد سلطان نے دون اور کرنال کو فتح کیا۔

حفظ قرآن کی قدر دانی

سلطان ایک مرتبہ شب قدر میں علماء و صلحاء کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ علماء کے درمیان فکر آخرت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک عالم دین نے بیان کیا کہ قیامت کے دن آسمان سے آفتاب نیچے آئے گا، گنہگاروں کے سروں پر آفتاب سوا نیزے کے برابر ہوگا اور اس کی تپش سے وہ جل رہے ہوں گے۔ اگر اُن میں کوئی حافظ قرآن ہوگا تو اُس کے اسلاف کی سات پشتیں رحمت کے سایہ میں ہوں گی اور آفتاب کی گرمی کا اثر اُن پر نہ ہوگا۔ یہ سُن کر سُلطان محمود کی زبان سے ایک آہ نکلی۔ پھر کہا، میرے لڑکوں میں سے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہے کہ میں بھی اُس رحمت کا امیدوار ہوتا۔

سلطان کے صاحبزادے خلیل خاں اُس مجلس میں موجود تھے، جو آگے چل کر

سلطان مظفر کے لقب سے تخت نشین ہوئے، اُنھوں نے باپ کی بات سُن لی، کچھ دنوں کے بعد اُنھیں بڑودہ کی جاگیر دی گئی اور وہ یہاں چلے آئے۔ بڑودہ آکر قرآن پاک کی تلاوت اور حفظ کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہوئے۔ اِسی محنت اور اہتمام سے اُنھوں نے ایک سال میں تمام کلام مجید حفظ کرلیا۔ پھر رمضان المبارک میں باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حکم ہو تو تراویح میں قرآن پاک سُناؤں۔ سلطان محمود یہ سُن کر بیحد مسرور ہوئے، بیٹے کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا۔ بیٹے نے کئی بار رمضان المبارک میں کلام پاک تراویح میں سنایا سُلطان نے کہا کہ اپنے بیٹے کا شکریہ کس طرح ادا کروں؟ کہ اُس نے اپنے اسلاف کو قیامت کے دن آفتاب کی گرمی سے نجات دلائی، اس کا بدلہ صرف یہی ہے کہ میرے ہاتھ میں جو بادشاہت ہے اُس کو دیدوں۔ سُلطان نے اپنے بیٹے کے قرآن پاک حفظ کرنے کی خوشی میں ایک دعوت عام کی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسی دعوت کبھی نہیں ہوئی۔

ف: ماشاء اللہ، یہ تھی قدر و منزلت حفظِ قرآن پاک کی بادشاہ کو۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اِس دولت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین! اسی طرح شاہ ہند عالمگیرؒ نے بھی بڑی عمر میں اپنے والد محترم کی خواہش پر حفظِ قرآن کیا۔ اللہ تعالیٰ ایسی اولاد سب کو نصیب فرمائے۔ آمین! (مرتب)

علماء و مشائخ سے محبت

سلطان محمود کو علماء کرام و مشائخ سے بڑی محبت و عقیدت تھی۔ اپنی وفات سے پہلے نہروالہ گئے، وہاں کے تمام علماء و صلحاء سے ملاقات کی، اُن کو انعام و اکرام سے نوازا۔ جب رخصت ہونے لگے تو کہا کہ اب اجل (موت) مہلت نہ دیگی کہ

آپ لوگوں سے پھر مل سکوں۔ نہر والہ (پٹن) کے مشائخ کی مزاروں پر حاضری دی۔ اسلاف کے قبرستان میں اپنے لئے قبر کھدوائی، کبھی کبھی اُس کو دیکھنے کے لئے جاتے۔ ایک روز قبر کا دہانہ کھُلوا کر دیکھا اور اس کے کنارے پر بیٹھ کر فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا اَوَّلُ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَسَهِّلْهُ وَاجْعَلْهُ رَوْضَةً مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔ (آمین)

اے اللہ! یہ آخرت کی منزلوں میں پہلی منزل ہے، سو اسکو آسان کر دے اور اسکو جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری بنا دے

خوفِ الٰہی آخر عمر میں عبادت کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے تھے اور رقّت قلب کی وجہ سے برابر روتے رہتے تھے۔ ان کا ایک امیر ملک سارنگ تھا عرف قوم الملک، احمد آباد سے باہر سارنگ پور اُسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اُس نے سلطان محمود کو کثرت سے روتے ہوئے دیکھ کر دریافت کیا کہ دولت بھی ہے، شہنشاہی بھی، پھر رونے کی کیا وجہ ہے؟ سلطان نے جواب دیا، تمھیں کیا بتاؤں، میرے مرشد شاہ عالم قدس سرہٗ نے میرے لئے دعا ضرور کی تھی کہ محمود کی عاقبت محمود ہو، عمر کی نہر بہتی چلی جا رہی ہے اور جو بہہ گئی وہ واپس نہیں آتی۔ دل حسرتوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ قبر کا گڑھا چاندی سے پُر کر کے خیرات کر دیا۔

ف: تاکہ قبر رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ (جنت کی کیاری) ہو جائے۔ (مرتب)

فیاضی اللہ تعالےٰ نے سلطان محمود کو سخاوت کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ روزانہ اُن کے حکم سے کھانے کے وقت نقارہ بجایا جاتا اور منادی آواز دیتا کہ جس کا جی چاہے دسترخوان پر آکر شریک ہو، دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے کی چیزیں ہوتی تھیں۔ آخر میں شرکاء کو پان اور عطریات بھی دیئے جاتے۔

کارنامہ ان کے یادگار کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے دل کھول کر علم اور اہلِ علم کی سرپرستی کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب و عجم کے مشاہیر علمار گجرات میں جمع ہوگئے اور گجرات رشکِ بلادِ یمن (یمن کے شہروں کیلئے قابلِ رشک) ہوگیا۔ اور پھر یہاں حدیث کا خوب چرچا ہوا۔ علامہ جلال الدین محمد بن محمد مالکی مصری تشریف لائے تو موصوف کو ملک المحدّثین کا خطاب دیا۔ علامہ مجد الدین محمد بن محمد ایجی تشریف لائے تو انھیں رشید الملک کے خطاب سے نوازا۔ اُنہی کے دَور میں ابوالقاسم بن احمد بن محمد شافعی کا ورود ہوا۔

عادات وخصائل سلطان محمود نہایت پاک دامن، خوش اخلاق کثیر الاحسان والکرم شخص تھے۔ آصفی نے لکھا ہے کہ :-

محمود بیگڑھ ۹۱۶ھ میں نہروالہ (پٹن) تشریف لے گئے۔ وہاں کے علمار کی زیارت کی، متوفین کی قبروں پر دعا پڑھی اور تفسیر وحدیث کے لئے ایک مجلسِ مذاکرہ منعقد کی، علمار کے لئے عطایا و وظائف میں اضافہ کیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزار

(مشائخ احمد آباد ص ۲۰ ج ۲)

وفات

بادشاہ پٹن میں تین روز قیام کرکے احمد آباد واپس ہوگئے اور کچھ عرصہ بیمار رہ کر ۳ر رمضان المبارک ۹۱۷ھ کو انھوں نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ گوہر گنجینۂ سلطنت خاک کے سپرد ہوا۔ ۶۷ سال کی عمر پائی اور ۵۴ سال حکومت کی۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(تاریخ ہند ص ۱۴۳)

حافظ قرآن سلطان مظفر حلیم شاہ گجراتی المتوفی ۹۳۲ھ

نام ونسب نام مظفر، کینت ابو النصر، لقب شمس الدین اور حلیم شاہ، والد کا نام محمود شاہ ابن محمد بن احمد بن محمد بن مظفر ہے۔ لوگوں کو معاف کرنے اور چشم پوشی کرنے کی وجہ سے آپ کا لقب حلیم مشہور ہو گیا۔

ولادت آپ کی ولادت گجرات میں جمعرات کے دن ۲۰ شوال ۸۷۵ھ کو ہوئی۔

تعارف مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب لکھنوی ؒ "یاد ایام" میں آپ کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:۔

محمود شاہ کے بعد اس کا فرزند رشید نعم الخلف لنعم السلف کا مصداق مظفر شاہ حلیم تاج و سریر کا مالک ہوا۔ علوم و فنون میں یہ علامہ محمد بن محمد الایجیؒ کا شاگرد تھا اور حدیث علامہ جمال الدین محمد بن عمر بحرق سے پڑھی تھی۔ قرآن مجید کے حفظ کر لینے کا شرف ایسی عمر میں اُس کو نصیب ہوا تھا جس کی نسبت شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ "در ایام جوانی چناں کہ افتد دانی"۔ اس فضل و کمال کے ساتھ تقویٰ و عزیمت کی دولت بھی اُس نے خداداد پائی تھی۔ تمام عمر نصوص احادیث پر عمل رہا، ہمیشہ باوضو رہتا، نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، روزے عمر بھر نہیں چھوٹے، شراب ناب کو کبھی منہ سے نہیں لگایا، کبھی کسی پر بیجا سختی نہیں کی، بدزبانی سے کبھی اپنے منہ کو گندا نہیں کیا۔ عجیب تر یہ کہ اُس پیکر تقدس میں سپہ گری اور ملک داری کی صفتیں بھی علیٰ وجہ الکمال مجتمع تھیں۔ مالوہ کی فتوحات

عظیمہ تاریخوں میں پڑھیئے اور اس سے اس کے اخلاق فاضلہ کا اندازہ لگائیے۔

(یاد ایام ص۵۴)

فضل وکمال

سلطان مظفر علومِ دین سے اچھی طرح واقف تھے۔ نہایت سلیم الطبع اور حاضر جواب تھے۔ آپ کو فنونِ حرب خصوصاً تیر اندازی، نیزہ بازی، شمشیر زنی اور گھوڑ سواری میں مہارت تامّہ حاصل تھی۔ خطّاطی میں بھی یدطولیٰ حاصل تھا۔ اپنے ہاتھ سے قرآن شریف لکھ کر حرمین شریفین بھجواتے۔ جوانی ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اتّباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اہتمام تھا۔ جب موت یاد آتی تو زار وقطار روتے تھے۔ علمارِ کرام سے بڑی عقیدت تھی۔ اکابر ومشائخ سے محبت کا اظہار فرماتے تھے۔ شریعت کی سختی سے پابندی کرتے۔ ہمیشہ باوضو رہتے۔ باجماعت نماز ادا کرتے۔ کبھی کسی کی اہانت نہ کرتے، اسراف (فضول خرچی) سے بچتے، لیکن سخاوت کا دامن نہ چھوڑتے، تمام رعیت کے احوال کی خبر رکھتے۔ بعض اوقات لباس بدل کر رات میں اپنے محل سے نکلتے اور رعایا کے حالات معلوم کرتے

فکرِ آخرت

ایک روز آپ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے کہ قیامت کی آیتوں کو پڑھ کر رونے لگے۔ آپ کے خادم نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت! میرے علم میں آپ سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوا، بلکہ اکثر آپ کو عبادت میں مشغول پایا ہے۔ لہٰذا مغفرت کی بڑی امید ہے۔ یہ سُن کر سلطان نے خادم سے کہا کہ میری گردن پر بارِ گراں ہے اس لئے روتا ہوں۔ تم نے سُنا نہیں کہ نجا المخففون وھلك المثقلون (یعنی ہلکے پھلکے لوگ نجات پا گئے اور گراں بار ہلاک ہو گئے۔)

شراب سے نفرت سلطان کے پاس ایک گھوڑا تھا جو اپنی چال اور خوش رفتاری میں منفرد تھا۔ سلطان کو سواری کیلئے وہ گھوڑا بہت پسند تھا۔ ایک دن اُس گھوڑے کے پیٹ میں درد ہوا۔ ہر طرح کی دوا کی گئی، کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر ایک حاذق حکیم نے بتایا کہ اگر اسے خالص شراب پلائی جائے تو فائدہ ہوگا۔ چنانچہ اس کو شراب پلائی گئی اور اُس کا درد جاتا رہا۔ سلطان کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو بڑے افسوس کا اظہار کیا اور اُس گھوڑے کی سواری ترک کر دی۔

ف: سبحان اللہ، غایت درجہ تقویٰ کی بات ہے۔ (مرتّب)

اجابتِ دُعا ایک مرتبہ سلطان مظفر حلیم دعاء استسقاء کے لئے نکلے۔ فقراء اور مساکین میں خوب خیرات کی اور اُن سے بارش کی دعاء کے لئے درخواست کی۔ خود مصلّے پر آکر نماز پڑھائی۔ بعد میں دعا کرائی جس کا آخری حصہ یہ تھا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَلَآ اَمْلِكُ نَفْسِیْ شَیْئًا فَاِنْ تَكُ ذُنُوْبِیْ حَبَسَتِ الْمَطَرَ عَنْ خَلْقِكَ فَھَا اَنَا جُبْھَتِیْ بِیَدِكَ فَاَغِثْنَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ (ترجمہ: اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، میں کسی چیز کا بھی مالک نہیں۔ اگر میرے گناہ تیرے بندوں سے بارش کو روک رہے ہیں تو اے پروردگار! یہ میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے۔ اے ارحم الراحمین! ہماری فریادرسی فرما اور ہم کو سیراب فرما!)

انہی دعائیہ کلمات کے ساتھ اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی اور بار بار یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِین پکارنا شروع کیا۔ ابھی سر زمین سے نہیں اُٹھایا تھا کہ بارانی ہوائیں چلنے لگیں، بجلی کوندی، بادل گرجے اور بارش شروع ہوگئی۔

ف : سبحان اللہ، یہ تھا حال ایک بادشاہ کا کہ غایت درجہ انکسار و شکستگی سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے غایت کرم و عنایت سے فریادرسی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو ایسے حال مبارک سے شاد فرمائے تا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہم پر مبذول ہو۔ آمین! (مرتب)

علالت نمازِ استسقاء کے کچھ عرصہ بعد طبیعت خراب ہوگئی، بدن کمزور ہوگیا۔ اُسی علالت کے دوران ایک مجلس منعقد کی جس میں سلطنت کے سربرآوردہ افراد کے ساتھ علماء و مشائخ کی بھی دعوت کی گئی اور اُن علماءِ کرام سے درخواست کی گئی کہ وہ آخرت کے موضوع پر گفتگو کریں۔ اسی درمیان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے احسانات کی بات ہونے لگی۔ مظفر شاہ نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر بطور تحدیث بالنعمۃ کے کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میرے استاذ شیخ مجدالدینؒ نے اپنے مشائخ سے جو حدیثیں بیان کی تھیں وہ مجھے محفوظ ہیں۔ میں روایات کو راویوں کی نسبت اور ثقاہت کے ساتھ ان کے حالات و سوانح اول تا آخر جانتا ہوں۔ اِسی طرح آیاتِ قرآنیہ کا معاملہ ہے، جن کے حفظ، تفسیر، شانِ نزول اور علم قرارت کی دولت سے نوازا گیا ہوں۔ الحمدللہ، علم فقہ بھی مستحضر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چھ ماہ صوفیہ کے اشغال کو ادا کیا ہے جن سے مقصود تزکیۂ نفس تھا۔ میں نے تفسیر "معالم التنزیل" کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ امید تھی کہ پوری کتاب بالاستیعاب پڑھ لوں گا۔ مگر اب ضعف و نقاہت کی صورت یہ ہے کہ اِس تفسیر کو جنت میں ہی جاکر پوری کروں گا۔

اے صاحبو! مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اب میرے اعضاء کمزور ہوچکے ہیں، جن کی دوا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اسکے بعد حاضرینِ مجلس نے

سلطان کی درازئ عمر کے لئے دعا کی۔

۹۳۲ھ میں سلطان مظفر چانپانیر سے نکلے۔ اپنا گردو پیش بدل ڈالا، خیرات میں کثرت کر دی۔ احمد آباد پہنچنے کے بعد مقدس مزاروں پر بار بار جانے لگے۔

یوم رحلت جمعہ کا دن تھا، سلطان اپنے دربار سے محل گئے اور دن ڈھلے تک ایک ہی پہلو پر آرام کرتے رہے۔ پھر پانی طلب کیا اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر زنانخانہ میں گئے جہاں اہل خانہ آہ و بکا کر رہے تھے۔ سلطان نے اُنھیں صبر کی تلقین کی۔ پھر راجہ محمد اشجع الملک سے ملاقات کی اور ان سے سورۂ یٰسٓ پڑھنے کی درخواست کی پھر ان سے معلوم ہوا کہ اذانِ جمعہ کا وقت ہے۔ سلطان کی عادت نماز جمعہ کے لئے قبل از وقت مسجد میں جانے کی تھی، مگر آج اُنھوں نے کہا کہ میں نماز ظہر پڑھوں گا اور عصر کی نماز جنت میں ادا کروں گا انشاء اللہ تعالےٰ۔ اس کے بعد شرکاء مجلس کو نماز کے لئے جانے کی اجازت دی اور اپنے لئے مصلےٰ طلب کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ان کی آخری دعا یہ تھی اور یہی حضرت یوسف علیہ السلام کی بھی دعا تھی :-

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ	اے میرے پروردگار! آپ ہی نے مجھے سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا۔ اے آسمان و زمین کے خالق! آپ ہی دنیا و آخرت میں میرے کارساز ہیں۔ مجھ کو پوری

مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ فرماں برداری کی حالت میں دنیا سے اُٹھائیے۔
(یوسف ۱۰۱) اور مجھ کو کامل نیک بندوں میں شامل کیجیے۔

اس کے بعد اپنے بستر پر لیٹ گئے چہرہ قبلہ رُخ تھا۔ زبان پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جاری تھا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے

تاریخ وفات

حضرت سلطان مظفر کی وفات ۱۲ر جمادی الاولی ۹۳۲ھ کو ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ سرخیز (احمد آباد، گجرات) میں مدفون ہوئے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ۔

(مشائخ احمد آباد ص۲۵/۲)

ف: اللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا، یہ شان تھی اُس زمانہ کے شاہانِ دنیا کی، تو پھر شاہانِ دین کی خشیتِ الٰہی اور خوفِ آخرت کا کیا حال رہا ہوگا۔

اے اللہ! اِس دور میں بھی ایسے حکمراں، اللہ سے ڈرنے والے، عدل وانصاف کرنے والے، آخرت کی پیشی کو پیشِ نظر رکھنے والے پیدا فرما، تاکہ دنیا والوں کو چین وسکون نصیب ہو۔ اِسی طرح اللہ والے علماء جو اللہ سے نسبت کے حامل اور اسکی خلق پر شفقت رکھنے والے ہوں پیدا فرما، تاکہ اُن کی قوتِ تاثیر، جہد ہمت اور فیضِ صحبت سے اللہ کے بندوں کو دنیا و آخرت کی شادکامی میسر ہو۔ آمین!

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

(مرتب)

شیر دل سلطان شیر شاہ سوری المتوفی ۹۵۲ھ

نام ونسب نام فرید خاں، لقب شیر شاہ، والد کا نام میاں حسن ہے۔ افغان پٹھانوں کے ایک قبیلہ کا نام سور ہے اسی کی طرف نسبت کرکے سوری کہا جاتا ہے۔ بادشاہ ہونے سے پہلے بہار میں ایک صوبے کے حاکم بہادر خاں کے پاس رہتا تھا۔ ایک مرتبہ بہادر خاں اور فرید خاں دونوں شکار کے لئے جنگل میں گئے، جس میں ایک شیر سے مقابلہ ہوگیا۔ قریب تھا کہ شیر بہادر خاں کو لقمہ بنالیتا، مگر فرید خاں نے بڑی بہادری سے شیر پر تلوار چلائی جس سے شیر ڈھیر ہوگیا۔ بہادر خاں نے فرید خاں کی اس بہادری پر اُسے انعام وخلعت سے نوازا اور اُس کا لقب شیر خاں رکھ دیا۔ جب شیر خاں بادشاہ ہوا تو وہ شیر شاہ سے مشہور ہوا۔ (تاریخ ہند ص ۱۳۸ مؤلفہ مفتی محمد پالنپوری)

ولادت شیر شاہ کی ولادت ۸۹۱ھ / ۱۴۸۶ء میں نارنول مقام میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت فرید خاں نے جونپور میں آکر اپنا تعلیمی سلسلہ شروع کیا۔ وہاں پر اُس نے کافیہ مع حواشی اور چند مختصر دوسرے رسالے اور فارسی میں گلستاں، بوستاں اور سکندر نامہ پڑھا۔ اُس کے اکثر اوقات جونپور کے مدرسوں اور خانقاہوں میں گزرتے تھے، جہاں وہ علماء اور صلحاء کی صحبت سے استفادہ کرتا اور اپنے اخلاق کو درست کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ (منتخب التواریخ ص ۱/۳۱۱، شیر شاہ سوری اور اس کا عہد ص ۶۵)

حق گوئی اور غیرت ایمانی ہمایوں بادشاہ کے خدمتیوں میں شیر خاں نامی

ایک افغان نوکر تھا جو نہایت عقلمند، تدبیر سپہ گری میں کامل اور درگاہِ خسروی کا مقرب خاص تھا۔ اُس کی ہر بات مانی جاتی تھی۔

ایک دن کہ بظاہر نوروز تھا، بادشاہ دہلی میں منارہ تغلق پر رونق افروز تھا اور چھوٹے بڑے لشکری منارے کے گرد جمع تھے۔ شیر خاں بھی حضوری میں دست بستہ کھڑا تھا کہ یکایک کثرت لشکر کو دیکھ کر بادشاہ کی زبان سے یہ کلمات نکلے " ایں قدر لشکر کہ من دارم خدا داشتہ باشد"

چونکہ شیر خاں مردِ مسلمان تھا اور نہایت مضبوطی سے ارکان مذہب کا پابند، یہ کلمات سُن کر بادشاہ کا منہ دیکھنے لگا اور کہا کہ :۔

" از امروز مرا ہمراہئ تو حرام شد"

یہ کہا اور نماز کا بہانہ کر کے منارہ سے نیچے اترا۔ گھر پہنچ کر اپنے سب بھائیوں کو بلایا اور کہا کہ اپنے اپنے گھوڑے تیار کرو کہ اس وقت سے بادشاہ ہمایوں کی ہمراہی حرام ہو گئی ہے، کیونکہ اُس کی زبان سے کلمۂ کفر سُن چکا ہوں۔

غور کرو، بادشاہ کی اِس ذراسی لغزش نے اسے کن کن مصائب میں مبتلا کیا۔ زن و فرزند چھوٹے، بادشاہی چھوٹی۔ یہاں تک کہ بارہ برس جلاوطن ہو کر ایران میں زندگی بسر کرنی پڑی۔ اُدھر شیر خاں کی حق گوئی اور غیرت ایمانی نے اسے شیر خاں سے شیر شاہ بلکہ ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا۔

(از رسالہ زمانہ اگست سنہ ۱۹۲۰ء جلد ۳۵)

منقول "ناقابل فراموش واقعات" صفحہ ۳۳۶

نظام حکومت اور مالی اصلاحات | شیر شاہ کا نظام حکومت سادہ

اور بہت پُراثر تھا۔ یہ تلوار اور طاقت کے زور پر نہ تھا۔ بلکہ اس کا طریقہ مدبّرانہ اور سوجھ بوجھ کا تھا، جس کا دارومدار مصالحت پر تھا۔ اُس میں انسانی ہمدردی کا وہ جذبہ بھی تھا جس کے بموجب بنی نوع انسان کی مشترکہ کمزوری کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔

اس کے اندر اصول پر عمل کرنے میں کٹّرپن یا ضد نہیں تھی اور نہ اس نے اپنے قول وفعل میں حدِ اعتدال سے تجاوز کیا۔ وہ ایک ہی نگاہ میں انسان کے مکروفریب کی گرفت کرلیتا تھا۔

شیرشاہ نے جس حکومت کو اپنی عقل وسیاست سے سنوارا تھا اس کے مختلف رکن اور ادارے آج تک زندہ ہیں، بلکہ ارتقار کی منزلیں وسیع تر ہوتی چلی گئیں۔ اور جب تک ہندوستانی سکّوں میں روپیہ پیسہ کا رواج رہے گا خواہ اُن کی قیمت کتنی ہی کم ہوجائے، اور جب تک مالگزاری کا موجودہ نظام مروّج رہے گا، شیرشاہ کی یاد ہند میں ہمیشہ تازہ رہے گی۔

رفاہی کام

شیرشاہ نے بہت سے رفاہی کام کئے۔ جن میں ایک قابلِ ذکر وہ سڑک ہے جو اس نے بنگال سے روہتک (ہریانہ) تک بنوائی جو چارماہ کا راستہ ہے۔ اُس سڑک پر آگرہ سے مانڈو تک ہر کوس پر ایک سرائے مسجد اور پختہ کنواں تعمیر کرایا اور ہر مسجد میں مؤذن اور امام مقرر کیا اور ایک ہندو سقّے کو بھی مقرر کیا۔ اس سڑک کے کنارے اس نے حکم صادر کرکے دونوں جانب درخت لگوائے، تاکہ مسافروں کو دورانِ سفر گرمی اور دھوپ سے بچاؤ حاصل ہو اور وہ ٹھنڈی چھاؤں میں سفر کریں۔ اُن تعمیرات کے آثار اب بھی بعض جگہوں پر موجود ہیں۔

(یہ سڑک اسوقت جی ٹی روڈ کے نام سے مشہور ہے جو شہر الٰہ آباد سے ہو کر گزرتی ہے۔)

عدل و انصاف شیر شاہ نہایت منصف مزاج بادشاہ تھا۔ اس کے عدل و انصاف کی ایسی دھاک تھی کہ بڑھیا بھی آکر جنگل میں سونے کا تھال اُچھالتی ہوئی چلی جائے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ اُسے ٹیڑھی اور غلط نگاہ سے دیکھے۔ ہر طرف امن و امان ہو گیا تھا۔ ہر شخص بے خوفی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

جنگی تدابیر شیر شاہ اپنے پٹھان لشکر کی جانوں کو خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اسی لیئے عموماً وہ لڑائیوں کو مقابلہ کے بجائے حکمت عملی سے جیتنا چاہتا تھا۔ اور اپنی فوج کی حفاظت کیلیئے وہ اپنے لشکر کے اطراف میں خندق ضرور بنا لیتا تھا۔

راجہ مالدیو سے جنگ کے دوران خندق کھودنا ممکن نہ تھا کیونکہ پورا کا پورا میدان ریتیلا تھا۔ اُسوقت شیر شاہ کو بہت پریشانی ہوئی کہ کیا کرے؟ صلاح و مشورہ ہو رہا تھا کہ شیر شاہ کا ایک کم عمر پوتا جس کا نام شاہ عالم تھا بے ساختہ بول اٹھا کہ آپ بنجاروں کو حکم دیجیئے کہ وہ اپنے تھیلے ریت سے بھر کر لشکر کے گرد مورچہ بندی کر دیں۔ اور آج کل جو اس طرح سے مورچہ بندی کا سلسلہ ہے جگہ جگہ یہ طریقہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ طریقہ بھی شیر شاہ کے دور کا ایجاد کردہ ہے۔

کالنجر کے قلعہ کا محاصرہ کالنجر کا قلعہ جس وسیع پہاڑ پر واقع ہے، وہ سطح سمندر سے تقریباً ۱۲۳۰ فٹ مستقیماً بلند ہے اور یہ چار پانچ میل کے علاقے میں ہے۔ اِس قلعہ کے محاصرہ کی جب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو آخری حملہ کا دن مقرر کیا گیا۔ ۱ ربیع الاول ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء میں شیر شاہ نے کالنجر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ ہندوستان کے مضبوط قلعوں میں سے ایک ہے۔ بادشاہ کے حکم سے فصیل کے گرد سرنگیں کھودی گئیں اور جب یہ سرنگیں قلعہ کے اندر پہنچیں تو شیر شاہ کے بہادر سپاہی قلعہ کے اندر داخل ہو گئے اور وہاں اپنی تلواروں سے قیامت برپا کر دی۔ شیر شاہ اپنی نگرانی میں ایک مقام سے

بارودی گولے قلعہ میں پھینکوا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک گولہ قلعہ کی دیوار سے ٹکرا کر شاہی لشکر ہی میں لوٹ آیا اور پھٹ گیا۔ اُس کے اثر سے وہاں جتنے گولے تھے سب پھٹ پڑے اور ہر طرف آگ ہی آگ پھیل گئی۔ شعلوں میں شیر شاہ بھی گھر گیا اور اُس کا سارا بدن جل کر سیاہ کوئلہ ہو گیا۔ شیخ خلیل پیرزادہ اور مولانا نظام الدین دانشمند کو بھی اس آگ سے صدمہ پہنچا۔ بارودی مورچے کے قریب ہی بادشاہ کیلئے ایک چھوٹا خیمہ لگایا گیا تھا۔ شیر شاہ اُسی نازک حالت میں دوڑتا ہوا اُس خیمہ میں چلا گیا۔ فوج قلعے پر چڑھائی کر رہی تھی اور بادشاہ خیمہ میں بیہوش پڑا تھا۔ جب بھی اسے ہوش آتا وہ چلّا چلّا کر لوگوں کو قلعہ فتح کرنے پر اکساتا رہتا۔ اور جو کوئی اُسے دیکھنے کو اندر آتا تو بادشاہ اُسے محاذ پر جانے کا اشارہ کرتا۔ جاں بلب بادشاہ کے اِس عزم و ارادہ کو دیکھ کر اُمراءِ لشکر نے بھی بجائے ہراساں و خوف زدہ ہونے کے پورے جوش و خروش کے ساتھ قلعہ پر حملہ کیا اور خنجروں اور تلواروں سے دشمنوں کے حلق پھاڑ کر رکھ دیئے۔

جب شیر شاہ سوری کو فتح کی خبر ملی تو اس کے چہرے پر مسرت و اطمینان کی جھلک دکھائی دی اور زبان سے نکلا "اللہ تیرا شکر ہے، یہ میری آخری خواہش تھی جو بفضلہ تعالیٰ پوری ہوئی"۔ **ف**: الحمد للہ اس قلعہ پر جانا ہوا ہے۔ (مرتب)

وفات

شیر شاہ سوری کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی آبائی قبرستان سہسرام (بہار) میں تھی اس لئے وہاں لے جا کر تدفین عمل میں آئی۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(منتخب التواریخ ص ۳۱۸، شیر شاہ سوری اور اس کا عہد ص ۶۸۴)

عظیم المرتبت بادشاہ بابر المتوفی ۹۳۷ھ

نام ونسب نام ظہیر الدین محمد بابر، والد کا نام عمر شیخ مرزا۔

ولادت بابر بادشاہ کی ولادت ۱۴۸۱ء مطابق ۸۸۶ھ میں ہوئی۔

تعارف ظہیر الدین محمد بابر نہ صرف ایک عدیم المثال سپاہی، عظیم المرتبت فاتح، اولوالعزم بادشاہ تھا بلکہ ارباب بصیرت نے اس کو ایک بلند پایہ اہل قلم اور قابل قدر شاعر بھی تسلیم کیا ہے۔ وہ تیمور کی چھٹی نسل میں تھا۔ ترکوں میں میدان کارزار کی پامردی وشجاعت کے علاوہ علم وثقافت سے شیفتگی ودلدادگی بھی پائی تھی منصف مزاج مورخوں نے لکھا ہے کہ: تیمور نے ملک گیری اور کشور کشائی کی معرکہ آرائی کے ساتھ ساتھ علم وفن کی انجمن آرائی بھی اسی طرح کی جس طرح ایک تاج وتخت کے مالک کو کرنا چاہئے۔ چنانچہ ارباب فضل وکمال خلوت وجلوت بلکہ میدان جنگ میں بھی اس کے ساتھ رہے۔

امیر تیمور کی یہ علم نوازی اور علم پروری اُس کی نسل میں برابر منتقل ہوتی رہی بابر کے والد عمر شیخ مرزا کو بھی یہ ثقافتی دولت میراث میں ملی۔ بابر نے خود اپنی "تزک" میں والد کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: حنفی مذہب اور خوش اعتقاد آدمی تھے، پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتے تھے، قضاء عمری سب ادا کردی تھی، بیشتر قرآن شریف پڑھا کرتے تھے، خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مرید تھے، اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے، حضرت خواجہؒ بھی ان کو فرزند کہا کرتے تھے۔ وہ خاصے پڑھے لکھے تھے، مثنوی اور تاریخی کتابیں ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں

شاہنامہ بہت دیکھا کرتے تھے۔

عمر شیخ مرزا نے تاشقند کے مشہور چغتائی خان یونس خان کی لڑکی قتلق نگار خانم سے بھی شادی کی، بابر اُنہی کے بطن سے تھا۔ یونس خان مولانا شرف الدین علی یزدی کے ساتھ بارہ سال رہے۔ مولانا کے انتقال کے بعد یزد سے عراق، فارس اور آذربائیجان کی طرف چلے گئے۔ اور شیراز میں فضلاء کی مجلس میں شریک رہے اور خوب قرآن پڑھتے تھے۔

ابتدائی تعلیم

بابر کے باپ اور ماں دونوں کا خاندان علمی حیثیت سے متمول تھا اس لئے اس کی ابتدائی تعلیم بلند پیمانہ پر ہوئی۔ عہدِ طفولیت سے عنفوانِ شباب تک اُس کے جو اتالیق اور اساتذہ مقرر ہوئے اُنکے نام یہ تھے؛ شیخ مزید بیگ، بابا قلی علی، خدائی بیروی بیگ اور خواجہ مولانا قاضی عبداللہ۔ ان اساتذہ سے قرآن پاک، گلستاں، بوستاں، فردوسی کی شاہنامہ اور ظفر نامہ وغیرہ پڑھیں۔ بابر کی مادری زبان ترکی تھی، مگر اُس زبان کے علاوہ اس نے عربی و فارسی کی پوری تعلیم حاصل کی۔

بابر کا اربابِ علم و فضل سے تعلق

بابر سنِ شعور کو پہنچا تو آبائی مملکت کو علوم و فنون کا گہوارہ پایا۔ سمرقند، فرغانہ، خراسان اور خصوصاً شہر ہرات اربابِ فضل و کمال سے پُر تھا۔ بابر نے ان مقامات کے علماء و شعراء سے بالواسطہ کسی نہ کسی طرح سے استفادہ ضرور کیا ہے۔ مولانا عبدالرحمن جامیؒ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ اپنی تزک میں اُن کا ذکر کرنا باعثِ برکت سمجھتا ہے۔

بابر شیخ الاسلام سیف الدین احمدؒ سے متاثر تھا۔ بابر ان کے متعلق

خود لکھتا ہے کہ "نہایت سمجھدار تھے، علم منقول و معقول سے خوب واقفیت رکھتے تھے، بڑے پرہیز کار اور متدین عالم تھے۔" بابر ملا شیخ حسن رحؒ کے علم کلام کا بھی قائل تھا۔ اس کی رائے میں وہ حکمت، معقول اور علم کلام کے بڑے ماہر تھے۔

بابر علم حدیث میں میر جمال الدین محدث رحؒ کا قدر داں تھا۔ علم فقہ میں قاضی اختیار رحؒ کا قائل تھا۔ بابر نے اپنے ہمعصر شعراء سے بھی براہِ راست یا غائبانہ مراسم رکھے اور ان کے کلام کا عمیق نظروں سے مطالعہ کیا۔

تزکِ بابری

مذکورہ بالا فضلاء کی صحبت اور شعراء کے مطالعۂ کلام سے جو جلا ہوئی اسی کا نتیجہ اس کی "تزک بابری" ہے، جس کا شمار آج دنیا کے بہترین علمی و تاریخی سرمایہ میں کیا جاتا ہے اور ہر ملک کے ارباب کمال نے بڑے ذوق و شوق سے اپنی اپنی زبانوں میں اس کے ترجمے کئے ہیں۔ یہ کتاب ترکی زبان میں ہے۔ بابر نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور طباعی سے اس زبان میں بھی ایسا سلیس، لطیف اور شگفتہ طرز بیان اختیار کیا کہ اُس کی کتاب اربابِ علم و فن کے لئے جاذبِ توجہ بن گئی۔ ایک انگریز اہل قلم لکھتا ہے :۔

"یہ کتاب نہ صرف تاریخی واقعات کے لئے اہم ہے بلکہ اس میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہنشاہ کس قدر غیر معمولی دماغ کا آدمی تھا اور اُس کا مشاہدہ کتنا قوی تھا۔"

بابر کی شاعری

بابر ایک اعلیٰ قسم کا ادیب ہونے کے ساتھ ترکی زبان کا ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا۔ فارسی اور ترکی زبانوں میں بابر کی مثنوی بھی ہے۔ اُس وقت کے ممتاز شعراء کرام بابر کی مجلس میں موجود رہا کرتے تھے۔

فتاویٰ بابری

بابر کی فرمائش پر شیخ نورالدین خوافی رحؒ نے مسائل شرعیہ کو

ایک کتاب میں مرتب کیا اور اُس کا نام "فتاویٰ بابری" رکھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ "دارالمصنفین اعظمگڈھ" میں موجود ہے۔

کتب خانہ بابر سفر اور حضر دونوں میں کتب خانہ ساتھ رکھتا تھا ۹۳۰ھ میں بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا، تو لاہور کے پاس غازی خان سے متصادم ہوا۔ غازی خان کو شکست ہوئی تو اُس قلعہ میں بیشمار دولت ملی، لیکن بابر کیلئے سب سے قیمتی سرمایہ غازی خان کا کتب خانہ تھا۔ غازی خان بڑا علم دوست تھا، جید عالم ہونے کے ساتھ شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتا تھا۔ اُس نے ہر قسم کی عمدہ اور خوشخط لکھی ہوئی کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کر رکھی تھیں۔ بابر نے ان کتابوں میں سے کچھ اپنے لئے مخصوص کرلیں، کچھ شہزادہ ہمایوں کو دیں، کچھ شہزادہ کامران کیلئے کابل روانہ کردیں۔

(بزم تیموریہ ص۲۹تا۳۰، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب)

بابری مسجد یہ مظلوم مسجد بابر کی جانب منسوب ہے، اِس لئے عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اسے بابر نے تعمیر کرایا تھا، پھر اِس مفروضہ کی بنیاد پر یہ افسانہ گھڑ لیا گیا کہ بابر نے اجودھیا آکر "رام جنم استھان مندر کو گرایا" اور پھر اُس کی جگہ پر یہ مسجد بنوائی، چنانچہ حکومت یو، پی کے محکمۂ اطلاعات کی جانب سے شائع ہونے والے ماہنامہ "اُتر پردیش" میں بعینہ یہی بات کہی گئی ہے۔

"۱۵۲۸ء میں بابر یہاں (اجودھیا) آیا تھا اس نے ایک ہفتہ قیام کیا۔ اور جنم استھان مندر کو گرا کر ایک مسجد تعمیر کرائی جو اس مندر کے ملبہ پر تعمیر کی تھی"۔

(ماہنامہ اُتر پردیش شمارہ اپریل ۱۹۸۴ء ص ۲۷)

کیا بابر اجودھیا آیا تھا؟ پہلے یہ طے ہونا ضروری ہے کہ بابر اجودھیا آیا

تھا۔ کیونکہ (جنم استھان مندر) گرانے کی داستان اسی دعوی کی بنیاد پر گھڑی گئی ہے۔
مورخین ہند خواہ مسلم دورِ حکومت سے تعلق رکھتے ہوں یا اُس عہد کے بعد کے ہوں، سب اس پر متفق ہیں کہ بابر کے حالات میں مستند ترین ماخذ خود اسکے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ سوانحی روزنامچہ ہے جو علمی حلقوں میں "تزک بابری" کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ بابر نے ۸۹۲ھ سے جبکہ اُس کی عمر صرف بارہ سال تھی، اسے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اور اپنے مرضِ وفات میں مبتلا ہونے سے چھ ماہ قبل یعنی ۹۳۶ھ تک اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ تزک میں اسکی آخری تحریر ۳ محرم ۹۳۶ھ کی ہے۔ اور اسی سال رجب کے مہینہ میں بیمار ہوا اور اسی بیماری میں ۵ جمادی الاولی ۹۳۷ھ کو انتقال کر گیا۔ اس طرح یہ روزنامچہ آخری ایک سال کے علاوہ اس کی پوری سوانح حیات کو حاوی ہے جس میں اُس نے اپنی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے واقعہ کو تفصیل سے قلمبند کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ جن مقامات پر گیا ہے وہاں کے عوام کی حالت، جانوروں کی قسمیں، آب و ہوا، باغات اور عمارتوں کا تذکرہ بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ کرتا ہے۔ اصل کتاب ترکی زبان میں ہے اس کا سب سے پہلا ترجمہ اکبر کے حکم سے خانخاناں عبدالرحیم نے فارسی میں کیا تھا، جو اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے بعد انگریز مورخ اے، ایس بیورج نے " دی بابر نامہ ان انگلش" کے نام سے انگریزی میں ترجمہ کیا جو دو جلدوں میں ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا۔ یونیورسٹیوں اور دیگر علمی حلقوں میں عام طور پر یہی ترجمہ رائج ہے مسز بیورج نے ترجمہ کے ساتھ تفصیلی فٹ نوٹ بھی لکھا ہے، جس سے اسکی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ "بابر نامہ" کے نام سے اردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔ اب یہی انگریزی اور اردو کے دونوں ترجمے تذکرہ نویسوں کے لئے ماخذ و مرجع کا کام دیتے

ہیں۔ کوئی بھی شخص ان ترجموں کو اول سے آخر تک پڑھ جائے اُسے ان میں کہیں بھی " بابر کے اجودھیا آنے کا ذکر" نہیں ملے گا۔ البتہ ۹۳۵ھ کے واقعات کے ضمن میں اس کی یہ تحریر ضرور ملتی ہے :۔

" ہفتہ ۷ ؍ رجب کو ہم نے اودھ سے دو تین کوس (چھ میل) پر گھاگھرا اور سروا (ساردا) کے سنگم پر قیام کیا (یہ سنگم بہرائچ میں ہے) اس وقت تک " شیخ بایزید" سردا (ساردا) کی دوسری جانب تھا اور سلطان (حسین تیمور) سے خط و کتابت کر رہا تھا، اُس کی دھوکہ بازیوں سے واقفیت کی بنا پر ہم نے بوقت ظہر" سلطان کو حکم دیا کہ وہ دریا پار کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ قباچہ کے پہنچنے پر اُنھوں نے فوراً دریا پار کیا۔ وہاں پچاس گھوڑے اور تین چار ہاتھی موجود تھے۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور فرار کی راہ اختیار کی، چند لوگ جو گھوڑے سے اُتر گئے تھے اُنکے سر کاٹ کر حاضر کئے گئے"۔ (بابر نامہ اردو ص ۳۳۹)

بابر کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ شیخ بایزید کی بغاوت فرو کرنے کے لئے رجب ۹۳۵ھ میں اس دیار میں آیا تھا۔ مگر بقول خود اُس کا قیام اجودھیا سے چھ میل دور ساردا کے سنگم پر ہوا۔ شیخ بایزید کی شکست کے بعد اپنے امیر سید میر باقی اصفہانی کو اس علاقے کا حاکم مقرر کر کے یہیں سے براہ الٰہ آباد و کڑہ بہار چلا گیا، جہاں سلطان محمود بن سکندر لودھی نے عَلم بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ تقریباً ایک ماہ بہار کے علاقے میں گزار کر واپس لوٹا اور واپسی کے موقع پر بھی وہ اجودھیا سے کافی فاصلہ سے گزرا۔ جیسا کہ تزک کی درج ذیل تحریر سے ظاہر ہے :۔

" بروز دوشنبہ ۲۲ ؍ رمضان کو ہم چیپا دہ میں پہنچے۔ چتر مکھ کے راستے دریائے سرجو کے کنارے ہوتے ہوئے بہار اور سردا (ساردا) کے قصبوں سے

فارغ ہو کر اور دس کوس (بیس میل) چلنے کے بعد دریائے سرجو کے کنارے کیلرہ نامی گاؤں میں جو فتحپور کے علاقے میں ہے قیام کیا۔ ہم نے کئی دن اس مقام پر گزارے۔ یہاں آب رواں ہے، اچھی عمارتیں ہیں۔ اشجار خاص طور پر آم کے درخت اور رنگ برنگ کی چڑیاں ہیں۔ پھر ہم نے غازی پور کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ (بابر نامہ اردو)

ان دونوں تحریروں کے علاوہ "تزک بابری" میں کوئی ایسی عبارت نہیں ملتی جس سے بابر کے اس دیار میں آنے کا سراغ لگایا جاسکے۔

تزک بابری کے علاوہ "طبقاتِ اکبری" تالیف خواجہ نظام الدین احمد "اکبر نامہ ابوالفضل"، منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی، خلاصۃ التاریخ منشی سبحان رائے، تاریخ فرشتہ محمد قاسم فرشتہ، منتخب اللباب محمد ہاشم خانی خان، غرضیکہ کسی بھی معاصر یا غیر معاصر مستند و معتبر تاریخ میں بابر کے اجودھیا آنے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس لئے جس بنیاد پر مندر توڑ کر مسجد بنانے کی عمارت کھڑی کی گئی ہے جب اُس بنیاد ہی کا وجود نہیں تو عمارت کا جو حال ہوگا وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ ع

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا۔

بابر کے حالات میں اس وقت جتنی بھی کتابیں دستیاب ہیں ان میں بابر کے نہ صرف اجودھیا آنے بلکہ کسی بھی مقام پر مندر توڑنے کا ذکر نہیں ہے حتیٰ کہ جدو ناتھ سرکار، ایسٹ اور ڈاؤسن نے بھی بابر کی مندر شکنی کا کوئی واقعہ نقل نہیں کیا ہے۔ جبکہ یہ مورخین مسلم حکمرانوں کی مندر شکنی کے واقعات میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔

بابر کی ایک وصیت

ان تاریخی شواہد کے علاوہ خود بابر جس ذہن و مزاج کا حکمراں ہے اُس کے پیش نظر یہ امر بعید از قیاس ہے کہ وہ کسی بھی مذہبی عبادت گاہ پر غلط نگاہ ڈالے گا۔ اُس کے اِس مزاج کو سمجھنے کیلئے وہ وصیت نامہ کافی ہے جو اُس نے اپنے بڑے بیٹے ہمایوں کے لئے قلمبند کیا تھا وہ اُس میں ہمایوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

"اے فرزند! ہندوستان کی سلطنت مختلف مذاہب سے بھری ہے، خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تمھیں اس کی بادشاہت عطا کی، تم پر لازم ہے کہ اپنے لوح دل سے تمام مذہبی تعصبات کو مٹا دو۔ اور ہر مذہب کے طریقے کے مطابق انصاف کرو، تم خاص کر گائے کی قربانی کو چھوڑ دو، اِسی سے تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرسکو گے۔ پھر اس ملک کی رعایا شاہی احسانات سے دبی رہے گی جو قوم حکومت کے قوانین کی اطاعت کرتی ہے اس کے مندروں اور عبادت گاہوں کو منہدم نہ کرو۔ عدل و انصاف اِس طرح کرو کہ بادشاہ رعایا سے اور رعایا بادشاہ سے خوش رہے۔ اسلام کی ترویج ظلم کی تلوار سے زیادہ احسانات کی تلوار سے ہوسکتی ہے۔ شیعوں اور سُنّیوں کے اختلاف سے چشم پوشی کرتے رہو، ورنہ اسلام میں ان سے کمزوری پیدا ہوتی رہے گی۔ مختلف عقائد رکھنے والی رعایا کو اس طرح ان عناصر اربعہ کے مطابق ملاؤ جس طرح کہ انسانی جسم ملا تا ہے۔ تاکہ سلطنت کا ڈھانچہ اختلافات سے پاک رہے۔

یکم جمادی الاولیٰ ۹۳۵ھ" (انڈیا ڈیوائڈڈ ص ۳۹ از ڈاکٹر راجندر پرشاد سابق صدر جمہوریہ ہند)

اِن دلائل وشواہد کی روشنی میں ایک دیانتدار مورخ اور حقیقت پسند مبصر یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہے کہ "بابر مندر شکنی کے الزام سے قطعاً بری ہے"۔ چنانچہ پروفیسر "شری رام شرما" اپنی مشہور کتاب "مغل امپائر ان انڈیا" میں پوری صفائی سے لکھتے ہیں :۔

"ہم کو کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی کہ بابر نے کسی مندر کو منہدم کیا یا کسی ہندو کی ایذا رسانی محض اس لیئے کی کہ وہ ہندو ہے" (ص ۵۵ ایڈیشن ۱۹۴۵ء

بحوالہ معارف فروری ۱۹۸۶ء) (منقول از مقالات حبیب صا ۳۶،۳۷)

تلاش حقیقت

جب یقینی طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ "بابر اجودھیا آیا ہی نہیں" تو اس کے بابری مسجد تعمیر کرانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لہذا اب ہمیں تاریخ ہی کی روشنی میں یہ پتہ لگانا چاہیئے کہ اِس مسجد کا بانی حقیقتاً کون ہے؟ اور اُس نے اُسے کب تعمیر کرایا ہے؟ اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ بابری مسجد اجودھیا ہندوستان میں موجود لاکھوں مسجدوں کے مقابلہ میں کسی خصوصی امتیاز کی حامل نہیں ہے۔ اسی طرح مورخین جس طرح عام مسجدوں کی تاریخ بیان کرنے کا عام طور پر اہتمام نہیں کرتے بعینہٖ "بابری مسجد اجودھیا" کے بارے میں بھی ان کا یہی رویہ ہے۔ بالفرض اگر یہ مسجد کسی خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی یا اسکی تعمیر کے ساتھ کوئی جذباتی واقعہ وابستہ ہوتا، یا کم از کم اسے کسی بادشاہ کی تعمیر ہونے کا شرف حاصل ہوتا تو مورخین اِس طرح سے اُس کے بارے میں خاموش نہ رہتے، بلکہ اسکی تفصیلات ضرور لکھتے۔ لیکن مورخین کے اِس مکمل سکوت کے باوجود "بابری مسجد" کی تاریخ تاریکی میں نہیں ہے، بلکہ اُسمیں نصب کتبوں کی بنا پر آئینہ کی طرح روشن ہے۔

آج کی دنیا میں کتبات کی جو اہمیت ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں آج حکومتیں اُن کی فراہمی اور حفاظت پر کروڑوں روپئے خرچ کر رہی ہیں، اور ان سے صرف عمارتوں ہی کی تاریخ معلوم نہیں کی جاتی۔ بلکہ قوموں کی مذہبی، تمدنی اور سیاسی تاریخ کی تدوین

میں اُنھیں مستند ترین مواد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ (مقالات حبیب ص۳ /۱)

بابری مسجد کی المناک شہادت

حکومت کے سارے اعلانات وانتظامات کے سائے میں ۶؍ دسمبر ۱۹۹۱ء کی وحشتناک تاریخ آگئی۔ ایڈوانی، سنگھل، ونے کٹیار، اوما بھارتی وغیرہ دو لاکھ کارسیوکوں کی فوج لئے اجودھیا کے میدان میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ ان لیڈروں کی رہنمائی میں کارسیوا شروع ہوئی اور تشدد پر آمادہ تربیت یافتہ کارسیوکوں نے گیارہ بجکر پچپن منٹ پر بابری مسجد پر دھاوا بول دیا اور بغیر کسی مزاحمت کے پورے اطمینان سے چار بجے تک اسے توڑتے اور ملبہ کو دور پھینکتے رہے۔ یہاں تک کہ صفحۂ زمین سے بابری مسجد کا نام ونشان ختم کر دیا گیا۔

وزیر داخلہ اور وزیر اعظم کو ایک ایک منٹ کی خبر پہنچتی رہی۔ مگر نہ مسجد کی حفاظت کا مرتبہ منصوبہ روبہ عمل آیا اور نہ ہی اُسکی حفاظت کی ذمہ داری کا فریضہ ادا کیا گیا۔ اس طرح ۲۲، ۲۳؍ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بابری مسجد کے خلاف جو تحریک شروع کی گئی تھی، ۶؍ دسمبر ۱۹۹۱ء کو سیکولرزم وجمہوریت کے زیر سایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ (مقالات حبیب ط۳)

ف: اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یقیناً یہ تاریخ کا ایک سیاہ دن تھا۔ مسلمانوں کے مذہبی ناموس پر زبردست حملہ تھا اور حملہ کی تاب نہ لاکر آہ کرنے والے ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کر ڈالا گیا۔ اربوں کھربوں کی املاک لوٹ لی گئیں یا نذر آتش کر دی گئیں۔ اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ

اللہ تعالیٰ مسجد کی حفاظت میں ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور اپنے دست قدرت سے اس کا مناسب حل عطا فرمائے۔ آمین! لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔ (مرتب)

وفات

جب بادشاہ بابر بیمار ہوا تو اپنے بیٹے ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ ۵؍ جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء کو بابر نے وفات پائی۔ وصیت کے مطابق لاش کو کابل لیجا کر دفن کیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ (تاریخ ہند ط ۱۳۶ مؤلفہ مفتی محمد پالنپوری)

علم دوست بادشاہ ہُمایوں المتوفی ۹۶۳ھ

نام ونسب نام نصیر الدین، لقب ہمایوں۔ والد کا نام ظہیر الدین محمد بابر ہے۔

ولادت ہمایوں کی ولادت ماہ ذوقعدہ ۹۱۳ھ میں کابل میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بابر اپنی قوت واقتدار کی خاطر ایک مقام سے دوسرے مقام کو پریشان حال پھر رہا تھا۔ کبھی باپ کی متروکہ مملکت سے محروم ہو کر پہاڑوں کی برفانی چٹانوں پر اپنی جان بچانے کیلئے بھاگتا نظر آتا ہے اور کبھی برف کاٹ کر فوج کے لئے راستہ بناتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کبھی اپنی جودت جہانگیری سے کابل کا بادشاہ بن بیٹھتا ہے، تو کبھی عزیزوں اور دوستوں کی کج ادائیوں سے اُسی شہر کی گلیوں میں برہنہ پا دکھائی دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ وہ ایسی حالت میں اپنی اولاد کو خاطر خواہ تعلیم نہ دلا سکا ہوگا پھر بھی یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ اُسکی تمام اولاد علم و ہنر سے مالا مال تھی۔

تعلیم وتربیت ہمایوں کی تعلیم وتربیت کے متعلق کوئی مستقل بیان موجود نہیں۔ اس کی پیدائش کے تھوڑے دنوں کے بعد "تزک بابری" کی تحریر کچھ دنوں کے لئے بند ہوگئی تھی جو ہمایوں کی طفولیت اور تعلیم وتربیت کا زمانہ ہے۔ اس لئے بابر اس کے متعلق لکھنے سے قاصر رہا۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں جب چار سال، چار مہینہ اور چار روز کا ہوا تو رسم مکتب کی تقریب ادا کی گئی۔ اُس کے اتالیق خواجہ کلاں اور شیخ زین الدین رہے۔ جو بابر کے درباری اُمراء میں سے تھے۔ اس کی تعلیم کے تفصیلی حالات تو

کہیں نہیں ملتے مگر "بابرنامہ" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بابر کی تالیفات اسکی اولاد کے زیر مطالعہ رہیں۔ بابر نے اپنے لڑکے کامران کے لئے "مثنوی مبین" تحریر کی تھی بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہمایوں کو بھی جو کامران سے صرف ایک یا دو سال عمر میں بڑا تھا اس مثنوی کے ذریعہ سے مذہب و اخلاق کا درس نہ دیا گیا ہو۔

فضل و کمال

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ مذہب و اخلاق میں ہمایوں کی تربیت اعلیٰ قسم کی ہوئی تھی۔ وہ صوم و صلوٰۃ کا سخت پابند تھا، وہ کبھی قسم نہ کھاتا تھا اور نہ کبھی فحش لفظ زبان پر لاتا تھا۔ کسی سے بہت خشمگین ہوتا تو صرف سفیہ کہہ دیتا معمولی شرعی احکام پر بھی اس سختی سے عمل کرتا کہ مسجد میں کبھی پہلے بایاں پاؤں اندر نہ رکھا۔ اور حسن ادب یہاں تک تھا کہ بے وضو اللہ تعالیٰ کا نام کبھی نہ لیا۔ ممکن ہے کہ یہ مذہبی و اخلاقی جلا باپ ہی کی تربیت اور اس کی تالیف کردہ مثنوی کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہو۔

بادشاہ بن کر ہمایوں نے جس علمی مذاق کا ثبوت دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکی تعلیم ویسی ہی ہوئی تھی جو ایک شہزادے کیلئے ضروری ہوتی ہے۔ تمام معاصر مورخین اسکو ایک بلند پایہ شاعر اور علم ریاضی و ہیئت کا ماہر بتاتے ہیں۔

ہمایوں کی سخن سنجی و سخن فہمی

اس کے اعلیٰ مذاق کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ اسکی تمام زندگی جنگ و جدل میں گزری پھر بھی فرصت کے اوقات میں شعر و سخن کا مشغلہ جاری رکھا۔ گو اس کی زبان ترکی تھی مگر اس نے اشعار فارسی میں موزوں کئے۔ اس کے ذوق شعر و شاعری کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ہمایوں جب شیر شاہ سے شکست کھا کر بے وفا بھائیوں کی مدد حاصل کرنے کیلئے لاہور پہنچا تو مرزا کامران نے بظاہر موافقت اور در پردہ مخالفت کی۔ شیر شاہ آگے بڑھتا چلا آرہا تھا، کامران نے اُس کا مقابلہ کرنے کے بجائے خفیہ طور پر اُس سے سازش کرلی

کہ شیر شاہ پنجاب لے کر اسے کابل، قندھار اور غزنی کا تنہا مالک بنا کر چھوڑ دے۔ اور ظاہراً ہمایوں سے شیر شاہ کے خلاف جنگ کرنے کی تدبیروں کے متعلق مشورے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ شیر شاہ بہت ہی قریب پہنچ گیا اور ہمایوں کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا۔ مرزا کامران نے شیر شاہ کے قاصد کا پُرجوش استقبال کیا اور اس کی آمد پر بڑا جشن منایا۔ ہمایوں نے اُس موقع پر ایک رُباعی کہی ؎

در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد پیوستہ ز خویشتن جدائی باشد

(آئینہ میں اگرچہ اپنی رونمائی ہوتی ہے، مگر اپنے سے ہر وقت جدائی ہوتی ہے)

خود را بنمائے غیر دیدن عجب است ایں بوالعجبی کارِ خدائی باشد

(اپنے کو غیر کے اندر دیکھنا تعجب کی چیز ہے، یہ خدائی نظام میں تعجب کی چیز ہے)

اور اس کو مرزا کامران کے پاس بھیج دیا۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شیر شاہ کے پاس ارسال کیا۔

ہمایوں شیر شاہ سے ہزیمت اُٹھانے کے بعد پریشان حال پھرتا رہا اور اپنی پسماندہ فوج کے ساتھ جیسلمیر پہنچا۔ وہاں پانی کی قلت کی بنا پر فوجی مرنے لگے۔ بمشکل ایک کنُواں نظر آیا، مگر اُس کنوئیں پر لشکریوں میں ایسا جھگڑا ہوا کہ بہت سے فوجی کنُوئیں میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ اُس وقت ہمایوں نے یہ شعر کہا ؎

چناں زد چاکہا گردوں لباسِ دردمنداں را
کہ نے دست آستیں می یابد و نے سر گریباں را

(یعنی آسمان نے دردمندوں کے لباس کو اس طرح چاک کر دیا کہ نہ تو ہاتھ کو آستین میسر ہوتی ہے اور نہ سر کو گریبان میسر ہوتا ہے۔)

ہمایوں ایسے موقعوں پر بہت متأثر ہو کر اشعار کہتا تھا۔ اور جب کبھی اپنے

حال کے موافق کوئی شعر سنتا تو بے اختیار ہو جاتا تھا۔ جب ہندوستان کا تخت و تاج کھو کر شاہ طہماسپ کی دعوت پر ایران جا رہا تھا تو ہرات میں سلطان محمود مرزا نے اُس کا استقبال کیا اور خاص طور پر جشن مرتب کیا۔ صابر قاق نے جو خراسان کا خاص گویا تھا ایک غزل گانا شروع کیا، جس کا مطلع یہ تھا ؎

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد	ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

(بڑی بابرکت ہے وہ منزل کہ جس گھر میں ایسا چودہویں کا چاند ہو، کہ ہمایوں جیسا سلطان ہی ایسی سلطنت کے لئے ہونا چاہیئے۔)

جب وہ اِس شعر پر پہنچا ؎

ز رنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم	کہ آئینِ جہاں گہ ہے چناں گاہے چنیں باشد

(زمانے کے رنج و راحت سے رنجیدہ اور خوش مت ہو۔ کیونکہ دنیا کا نظام کبھی ایسا اور کبھی ویسا ہوتا ہے۔)

تو ہمایوں کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی اور اُسکی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ (بزم تیموریہ ص ۳۱)

علم ہیئت و ریاضی

ہمایوں علم ہیئت اور نجوم سے خاص شغف رکھتا تھا اور اِس فن میں بہت اچھی استعداد حاصل کی تھی۔ یہاں تک کہ علماء کی طرح درس دیتا تھا۔ نجوم و ہیئت کیلئے علم ریاضی ایک لازمی چیز ہے، ہمایوں اسمیں بھی بڑی اچھی استعداد رکھتا تھا۔ اسکے عہد کے تمام ممتاز ریاضی داں اُسکے حضور میں حاضر رہتے تھے۔

ہمایوں اور کتب خانہ کا ذوق

ظاہر ہے کہ ہمایوں نے اپنے علمی ذوق کے سبب کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا ہوگا۔ چنانچہ جب وہ ہندوستان کے تخت و تاج کا دوبارہ مالک ہوا اور اُسکو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو دہلی کے شیر شاہی قلعہ میں شیر منڈل کے نام سے جو سہ منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی اسکی تیسری منزل پر اُس نے اپنا کتب خانہ قائم کیا۔ یہ اپنی بلندی کے سبب سے

کسی قدر صدر خانہ کا کام بھی دیتی تھی۔ یہاں بیٹھ کر اکثر اہل علم سے مباحثہ کیا کرتا تھا شاہی کتب خانہ کا مہتمم نظام المعروف بہ باز بہادر تھا۔ کتابوں سے ہمایوں کا شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ میدانِ جنگ میں بھی ایک چھوٹا سا کتب خانہ اپنے ساتھ رکھتا تھا چنانچہ جب وہ کھمبائت کا محاصرہ کر رہا تھا تو اُس کے ساتھ منجملہ اور کتابوں کے تاریخ تیمور کا وہ نسخہ بھی تھا جس کو بہزاد نے اپنے کمالِ فن سے مصور کیا تھا۔ جب ہمایوں بے تخت وتاج عراق، ایران اور افغانستان میں پھر رہا تھا، تو اُس وقت بھی چیدہ چیدہ کتابیں اُس کے ساتھ تھیں اور اُس کے کتب خانہ کا مہتمم ہمرکاب تھا۔

تعلیمی ادارے ہمایوں کا زمانہ حکومت زیادہ تر طوائف الملوکی اور پریشان حالی میں گزرا۔ اس لئے اُسکو عام طور پر تعلیمی مدارس ورادارے قائم کرنے کا موقع نہیں ملا۔ پھر بھی دہلی میں اُس نے ایک مدرسہ قائم کیا جس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے۔

(بزم تیموریہ ص۵۳ سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب)

وفات بادشاہ ہمایوں دہلی کے انتظام کے بعد آگرہ جانا چاہتا تھا لیکن موت دروازے پر دستک دے رہی تھی بسنہ ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء میں ربیع الاول کی ۵ تاریخ تھی کہ مغرب کے وقت ہمایوں اذان سننے کیلئے کتب خانہ کی چھت پر چڑھا۔ سیڑھیوں سے پاؤں پھسل گیا اور وہ لڑھکتا ہوا اوپر سے نیچے آگیا۔

"تاریخ فرشتہ" میں مذکور ہے کہ ہمایوں کتب خانہ پر چڑھا ہوا تھا۔ جب سیڑھی سے اُترنے لگا اور اذان شروع ہوئی تو ادب میں زینہ پر ہی بیٹھ گیا۔ اُس کے بعد اُترتے پاؤں پھسل گیا اور نیچے گرا۔ (ص۶۷) بہرحال چند دنوں کے بعد اسی تکلیف میں مغرب کے وقت خانوادۂ بابری کا یہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا۔ تاریخ وفات "ہمایوں بادشاہ ازبام افتاد" نکالی گئی ہے اور اسے دہلی میں دفن کیا گیا۔ (تاریخ ہند ص۱۴۱ مؤلفہ مفتی محمد پالنپوری)

بادشاہ جلال الدین محمد اکبرؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ

نام ونسب نام جلال الدین محمد اکبر، والد کا نام نصیر الدین ہمایوں دادا کا نام ظہیر الدین بابر ہے۔

ولادت جب ہمایوں شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کھا کر بھاگتا پھر رہا تھا اسی دوران ۹۵۰ھ مطابق ۱۵۴۳ء میں سندھ کے ریگستان میں "امرکوٹ" کے مقام پر اکبر کی ولادت ہوئی۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ۱۵۱)

اکبر کے ابتدائی مذہبی حالات اکبر تیرہ سال کی عمر میں ہمایوں کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد اٹھارہ بیس برس تک اس کا یہ حال تھا کہ جس طرح سیدھے سادے خوش اعتقاد اور پابند مذہب مسلمان عمل کرتے ہیں اسی طرح ارکانِ مذہب کی وہ بھی دل وجان سے بجا آوری کرتا۔ اس نے باپ کی صحرا نوردی کے زمانہ میں دنیا کا سرد و گرم چکھا تھا اور طبیعت میں سوز و گداز اور روحانی رنگ پیدا ہو گیا تھا۔ جب بارہ برس کی مایوسی اور سرگردانی کے بعد پھر تاج و تخت نصیب ہو تو گردن خود بخود ربِّ کارساز کے سامنے سجدۂ شکر میں جھک جاتی ہے۔ سوری بادشاہوں نے علماء کو بڑا زور واقتدار دے رکھا تھا، اس میں ملکی مصلحتیں بھی تھیں اور طبیعت کا لگاؤ بھی اکبر نے یہ سلسلہ اور وسیع کر دیا۔ جا بجا قاضی و مفتی مقرر کئے۔ مخدوم الملک شیخ الاسلام کی قدر ومنزلت بڑھا دی اور صدر الصدور کو وہ اختیارات دیئے کہ اُسے کبھی نہ ملے تھے۔ مخدوم الملک تو امور ملکی میں اس کے مشیر اور

رکن سلطنت تھے۔ صدر الصدور شیخ عبد النبی کا بھی وہ دل و جان سے معتقد تھا کبھی کبھی حدیث سننے اُن کے گھر جاتا، ایک دفعہ جوتے اُٹھا کر اُن کے سامنے رکھے۔ شہزادہ سلیم کو اُن کی شاگردی میں داخل کیا تاکہ جامی کی چہل حدیث اُن سے پڑھے۔ صدر الصدور شیخ عبد القدوس گنگوہی رح کے پوتے تھے اور تقویٰ و پرہیز گاری میں فرد تھے اُنکی تلقین و تعلیم اور فیض صحبت سے یہ حال ہوا کہ نماز باجماعت کی پابندی تو ایک طرف، خود اذان دیتا، امامت کرتا اور مسجد میں جھاڑو دیتا۔

والدہ ماہ وش کی نصیحت

اکبر کا جو اپنا رنگِ طبیعت تھا وہ خانگی اثرات سے اور گہرا ہوگیا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے۔ اکبر کا عالم شباب تھا، جشن سالگرہ کی تقریب پر زعفرانی لباس پہن کر محل سرائے سے باہر آیا۔ صدر الصدور شیخ عبد النبی رح نے (جنھیں بعد میں شہادت نصیب ہوئی) سرِ دربار ٹوکا اور اِس شدت کے ساتھ کہ عصار کا سرا بادشاہ کو جا لگا۔ اکبر چپ ہو رہا۔ لیکن بعد میں اندر جا کر ماں سے شکایت کی۔ ماں نے کہا بیٹا! یہ رنج کا مقام نہیں، باعث نجات ہے۔ کتابوں میں لکھا جائے گا کہ ایک بوڑھے عالم نے اتنے بڑے بادشاہ کو عصا مارا اور بادشاہ فقط شرع کے ادب سے صبر کرکے برداشت کر گیا۔ **ف:** سبحان اللہ، کیسی ناصح اور دور اندیش ماں تھی (مرتب)

عبادت خانہ

اکبر شیخ سلیم چشتی رح کا بڑا معتقد تھا۔ اور جب جہانگیر پیدا ہونے والا تھا تو حصولِ برکت کے لئے اس کی والدہ کو شیخ کے مستورات والے حجرے میں بھیج دیا اور اُنہی کی نسبت سے بیٹے کا نام سلیم رکھا۔ اس کے دو برس بعد اکبر نے فیصلہ کیا کہ جو جگہ اتنی روحانی برکتوں کا سرچشمہ ہے وہاں ایک عظیم الشان شہر تعمیر ہونا چاہیئے، چنانچہ ۱۵۷۱ء میں

فتح پور سیکری کی شاندار عمارتیں بننی شروع ہوئیں اور یہ معمولی گاؤں شہنشاہِ ہند کا پایۂ تخت ہوگیا۔

یہاں اکبر ایک پرانے حجرے میں اپنا اکثر وقت مراقبوں، دعاؤں اور عبادتوں میں گزارتا۔ مذہبی امور میں بالآخر اس کی دلچسپی اتنی بڑھی کہ ۱۵۷۸ء میں اس نے شیخ چشتی کی نئی خانقاہ کے پاس عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی جس کا نام "عبادت خانہ" رکھا گیا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد شیخ کی خانقاہ سے آکر یہاں دربارِ خاص منعقد ہوتا تھا، جس میں مشائخِ وقت، علماء، فضلاء اور چند مقربِ درگاہ شریک ہوتے تھے اور خداشناسی اور حق پرستی کی حکایتیں اور روایتیں بیان ہوتی تھیں۔ (تاریخ ہند ص ۱۵۵ مؤلفہ مفتی محمد پالنپوری)

اکبر کی گمراہی کا سبب

اکبر ہر جمعہ کی رات کو مختلف عقائد کے علماء کو جمع کرتا تھا اور اُن کے مباحثے سنتا تھا۔ ان مباحثوں میں رفتہ رفتہ ہاتھا پائی اور مار پیٹ تک کی نوبت آگئی اور اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہونے لگا۔ جب اکبر نے یہ حالت دیکھی تو مختلف عقائد اور مذاہب کے علماء کے لئے الگ الگ نشستیں قائم کردیں، تاکہ وہ ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہوسکیں۔ (مکمل تاریخ ہند ص ۲۷ مؤلفہ مفتی شوکت علی فہمی)

ف: درباری علماء کے ان ہی اختلافات اور کج بحثیوں سے اکبر دین اسلام سے نہ صرف بددل بلکہ بدظن ہوگیا اور خودغرض خوشامدیوں نے اس کے عقائد خراب کردیئے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتّب)

اکبر کے عجیب وغریب مذہبی خیالات

اکبر نامہ، آئین اکبری، تزک جہانگیری تاریخ ملا عبدالقادر بدایونی اور دیگر

مستند تاریخی کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر کے خوشامدیوں اور حاشیہ نشینوں نے اُس کے دماغ میں یہ تخیل پیدا کر دیا تھا کہ وہ امام مہدی ہے۔ اپنے زمانہ کا اوتار ہے، ایک بہت بڑا پیغمبر ہے۔ اور یہاں تک کہ بعض خوشامدیوں نے اُس کے دماغ میں "خدا" ہونے تک کا تصور پیدا کر دیا تھا۔

اکبر کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ پڑھا لکھا نہ تھا، بلکہ پڑھنے لکھنے کے معاملہ میں قطعی کورا تھا۔ اس کا ذاتی مطالعہ تو تھا نہیں، بس دوسروں کے خیالات سن کر اُن کو اپنے دماغ میں بٹھا لیتا تھا اور پھر اُنہی کا اعادہ کرنے لگتا تھا۔ عیسائی پادریوں کی باتیں سننے کے بعد وہ اُن کی سی گفتگو کرنے لگتا تھا، ہندو پنڈتوں کے خیالات سننے کے بعد وہ ان کا ترجمان بن جاتا تھا آتش پرست جب اُس سے ملتے تھے تو وہ آتش پرستی کا حامی نظر آنے لگتا تھا۔ اور اگر ملحد و بیدین اس سے تبادلہ خیال کرتے، تو ملحد اور بے دینوں کی سی گفتگو کرنے لگتا تھا۔

غرضکہ مذہبی معاملات میں اس کے کسی عقیدہ اور کسی خیال کو قیام و قرار نہ تھا اور آخر میں جا کر تو وہ اس مغالطہ میں مبتلا ہو گیا تھا یا اُسے اِس مغالطہ میں مبتلا کر دیا گیا تھا کہ وہ مجتہد العصر، نئے خیالات اور نئے مذہب کا بانی ہے۔ ذیل میں ہم اکبر کے عجیب و غریب مذہبی عقائد اور اعمال و اشکال کی چند مثالیں درج کرتے ہیں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اکبر مذہبی خیالات اور عقائد کے معاملہ میں کس طرح معجون مرکب بن کر رہ گیا تھا۔

اکبر مہر شاہی میں سکوں اور شاہی فرمانوں پر "اللہ اکبر" لکھواتا تھا جو ذومعنی تھا۔ جس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "اللہ بزرگ و برتر ہے" اور جس سے یہ بھی مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ نعوذ باللہ اکبر" اللہ ہے۔ گویا اکبر کو

خدائی کا بھی دعویٰ تھا۔

اکبر حیات بعد الموت اور یوم قیامت کا بھی قائل نہ تھا بلکہ وہ ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کو سراہا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح دوسرے جون میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ خوشامدیوں نے مسئلہ تناسخ کے صحیح ہونے کے ثبوت میں اکبر کے لئے کئی رسالے بھی لکھ دیئے تھے، جن کو دیکھ کر اکبر بہت خوش ہوتا تھا۔ (مکمل تاریخ ہند صـ۲۶۲)

ف: اسی طرح کے اور بھی بہت سے مشرکانہ و ملحدانہ اعتقادات اُس نے رائج کر دیئے تھے۔ اس کی تفصیل سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔ (مرتب)

راجہ مان سنگھ کا بہترین جواب

اکبر نے راجہ مان سنگھ سے خواہش کی کہ وہ بادشاہ کے لایعنی عقائد کو مان لے اور اکبر کا مرید ہو جائے۔ مان سنگھ نے جواب دیا کہ "اگر مریدی کا منشا جاں نثاری ہے، تو میرا سر حضور کے لئے ہر وقت ہتھیلی پر رکھا رہتا ہے اور اگر مریدی سے مقصد دین کا معاملہ ہے، تو میں ہندو ہوں، اگر آپ چاہیں تو میں مسلمان ہو جاؤں۔ اِن دو مذہبوں کے سوا کسی تیسرے مذہب کو میں نہیں جانتا۔ اکبر راجہ مان سنگھ کا جواب سن کر خاموش ہو گیا۔

(مکمل تاریخ ہند صـ۲۶۷ مؤلفہ مفتی شوکت علی فہمی)

اکبر کی توبہ

اکبر کے مندرجہ بالا عجیب و غریب ملحدانہ اعمال اور حیات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اکبر محض اپنی کم علمی کی بنا پر کسی طرح موہوم عقائد میں اُلجھ گیا تھا، لیکن مورخین کا بیان ہے کہ آخری عمر میں جا کر اُس کی اصلاح ہو گئی تھی اور اس نے ملحدانہ و مشرکانہ عقائد و خیالات سے توبہ

کرلی تھی۔ چنانچہ جب اکبر مرا تو اُس نے ملا صدر جہاں کے روبرو توبہ کی، مرنے سے پہلے یٰسٓ سنی اور مرتے وقت بلند آواز سے کلمہ پڑھا۔ (تکمل تاریخ ہند ص۴۶)

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے "علماء ہند کا شاندار ماضی میں (ص ۷۵ ج ۱) لکھا ہے کہ: جہانگیر نے اپنی تُزک میں لکھا ہے کہ: شہنشاہ اکبر نے سب سے بڑے مولوی کے ہاتھ پر توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر جنتی مسلمانوں کی طرح وہ اِس دنیا سے رخصت ہوا۔ ربّ اغفر وارحم وانت خیر الرّاحمین۔

ف: اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے کسی گندے سے گندے بندے کو نعمتِ ایمان سے نوازدیں تو اُن کے بحرِ بخشائش کے جود وسخا سے کیا بعید ہے۔ کیونکہ وہاں تو شب وروز یہ اعلان ہوتا رہتا ہے ؎

باز آ باز آ ازہرچہ کردی باز آ — گر گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست — صدبار اگر عہد شکستی باز آ

اب یہ حقیر اِس دعا پر مضمون کو ختم کرتا ہے ؎

مغفرت دارم امید از لطف تو — زانکہ خود فرمودۂ لَاتَقْنَطُوْا
اندراں دم کز بدن جانم بری — از جہاں با نور ایمانم بری
(مرتب)

وفات

شب چہارشنبہ ۱۲ر جمادی الثانیہ ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۶۰۵ء کو اکبر کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

فتح پور سیکری کے قلعہ میں مزار ہے۔ (رحمہ اللہ تعالےٰ)

انتباہ: سلاطین کے تذکرے مکمل ہوئے۔ اب ہم پھر اولیاء کرام کے تذکرے شروع کرتے ہیں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ (مرتب)

حضرت مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی ملتانی المتوفی ۹۴۰ھ

نام و نسب نام عبدالقادر، والد کا نام محمد حسنی، لقب شیخ عبدالقادر ثانی اور مخدوم ثانی تھا۔

ولادت ۸۶۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعارف آپ بڑے بلند پایہ، عالی مقام اور صاحب کرامات بزرگ تھے۔ بہت سے کفار اور فساق محض آپ کی صورت ہی دیکھ کر اسلام لائے تھے۔ آپ شہر اوچ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حقیقی وارث کی حیثیت سے رہتے تھے۔ اسی لئے آپ کو عبدالقادر ثانی اور مخدوم ثانی کہا جاتا تھا۔ آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، اسوجہ سے آپ اس لقب سے مشہور ہوئے۔

توبہ کا واقعہ آپ کی جوانی کا دور بہت ہی تزک و احتشام سے گزرا تھا۔ آپ عیش و نشاط کے اتنے رسیا تھے کہ مزامیر وغیرہ کو اپنے ساتھ اونٹوں پر جہاں جاتے تھے ساتھ لے جاتے تھے۔ لیکن سجادہ نشینی کے بعد آپ نے اُس سے توبہ کر لی، ان مجالس سے بھی پرہیز کرنے لگے اور اپنے مریدوں کو بھی بڑی سختی سے منع فرماتے تھے۔ اگر اتفاق سے بھی آپ کے کان میں سارنگی وغیرہ کی آواز پڑ جاتی تو اتنا آہ و بکا کرتے کہ دیکھنے والوں کو یقین ہو جاتا کہ آپ کی ابھی وفات ہو جائے گی۔

آپ پر جذب کی حالت اس طرح شروع ہوئی کہ ایک روز آپ اوچ کے جنگل میں شکار کھیل رہے تھے کہ ایک تیتر عجیب و غریب آوازیں نکال رہا تھا۔

اور اُسی جنگل میں ایک درویش و فقیر بھی گھوم رہا تھا، اُس نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ سبحان اللہ، ایک روز ایسا بھی آئے گا کہ یہ نوجوان بھی اسی تیتر کی طرح آہ و نالہ کیا کرے گا۔ آپ پر اُس فقیر کی بات کا ایسا اثر ہوا کہ اُسی وقت آپ پر وجد طاری ہو گیا، اور ماسوی اللہ سے دل نفرت کرنے لگا۔ اس کے بعد کیفیت یہ تھی کہ روزانہ آپ پر شوق کے آثار، جذب اور وجد کے اسباب، محبتِ الٰہی کے انوار موسلا دھار بارش کی طرح برسنے لگے۔ یہاں تک کہ تمام چیزوں سے دل ہٹ کر اللہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

استغناء عن الخلق آپ کے والد محترم نے انتقال کے وقت آپ ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ آپ نے بہت پہلے بادشاہ کی ملازمت ترک کر دی تھی، جس کی وجہ سے بادشاہ آپ سے ناراض تھا، لیکن آپ کے والد کے انتقال کے بعد پھر اُس نے وظیفہ دینا چاہا تو آپ نے صاف طور پر کہہ دیا کہ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے، اور بہت سے لوگ اس کے چاہنے والے ہیں، اسلئے ان کو دیں۔ اور آپ نے اسی طرح تنگی میں کئی سال گزار دیئے۔ اور لوگوں سے جو تکلیف آپ کو پہنچتی تھی آپ اس کو صبر اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

وظائف ابتداء میں آپ کو درود اور وظائف کا اس حد تک شوق تھا کہ تمام دن عبادت میں مصروف رہتے اور کسی سے کلام نہ کرتے تھے۔ اس کے بعد عشقِ الٰہی کے استغراق میں یہ کیفیت تھی کہ فرائض و سنتوں سے فراغت کے بعد جتنا بھی وقت ملتا اُسے مراقبہ میں صرف کرتے۔ فجر کی نماز سے اشراق تک اور اشراق کے بعد سے چاشت تک، اسی طرح ایک نماز سے دوسری نماز تک

مراقبہ میں مستغرق رہتے۔ اور جب بہت زیادہ تھک جاتے تو مسجد کی چٹائی پر کچھ دیر آرام فرمالیتے۔ اور بسا اوقات آپ خود ہی اذان، اقامت اور امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اور اکثر و بیشتر فجر کی اذان کے بعد گھروں میں جا کر لوگوں کو جگاتے تھے۔ اور فرماتے تھے، اُٹھو! یہ وقت نیک بختی اور خوشی کا ہے۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو فرماتے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مجھے اِسی ساعت میں اپنے جمالِ پُرانوار سے نوازا کرتے ہیں، اِس لیئے میں چاہتا ہوں کہ تم لوگوں کو بھی یہ فیض نصیب ہو۔ مگر افسوس کہ تم لوگ اُٹھنے میں کوتاہی کرتے ہو۔

ف : اور یہ تو ہر زمانہ ہی میں ہوتا رہا ہے کہ اِسی کوتاہی بلکہ بے اعتنائی کی بنا پر بزرگانِ دین کے اکثر اہل خانہ اُنکے برکات سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔ فیا حسرتاہ (مرتّب)

ایک واقعہ ایک بار ایک قوال آپ کی مجلس میں آیا تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ تم یہ ستار وغیرہ توڑ دو اور درویش بن جاؤ۔ اُس پر آپ کی بات کا اثر نہ ہوا، لیکن اُسی مجلس میں ایک رئیس تھا، اُس پر آپ کی بات کا اتنا اثر ہوا کہ وہ گریہ وزاری کرنے لگا اور اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر لی، تو اللہ تعالےٰ نے اسکو ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا۔

ف : ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (مرتّب)

وفات

شیخ عبد القادر ثانی رحؒ نے اٹھتر (۷۸) برس کی عمر پائی اور ۱۸ ربیع الاول ۹۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار اچہ (اوچھ) ملتان میں مرجع خاص و عام ہے۔

نوّر اللہ مرقدہ وقدس اللہ اسرارہ۔

(اخبار الاخیار صـ۲۳۱)

حضرت سیدنا عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ العزیز المتوفی سنہ ۹۴۴ھ

نام ونسب نام عبدالقدوس، والد کا نام اسمٰعیل حنفی غزنوی ہے۔

سکونت ابتدائی زمانہ میں ردولی میں مقیم رہے۔ ۹۱-۱۴۹۰ء میں ردولی کے حالات خراب ہوئے تب ترک وطن کرکے شاہ آباد آ گئے جہاں اڑتیس ۳۸ سال تک انھوں نے ارشاد وتلقین کا ہنگامہ برپا رکھا۔ آخر میں گنگوہ ضلع سہارنپور تشریف لائے اور وہیں تاحیات مقیم رہے۔

(تاریخ مشائخ چشت ص۲۱۵ مؤلفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی)

تعارف حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ مشائخ کبار میں سے ہیں۔ علوم ظاہریہ اور باطنیہ دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ اگرچہ حضرت شیخ محمد عارفؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔ مگر آپ کے کمالات کی تکمیل حضرت شیخ عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ سے بلاواسطہ بفیض روحانی ہے۔ آپ اتباع سنت اور عمل بالعزیمت میں قدم راسخ رکھتے تھے، نیستی وبے نفسی کا غلبہ تھا، نہایت رقیق القلب، کثیر العبادت بزرگ تھے۔ موت کو ہمیشہ یاد کرتے تھے اور خاتمہ کی فکر غالب رہتی تھی۔ (ماخوذ از تاریخ دعوت وعزیمت ج ۴ ص۳۴۴)

آپ کے احوال آپ ہی کی زبانی "انوار العیون" میں شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

اس فقیر کو ارادت واجازت پہلے عالم معاملہ میں حضرت شیخ العالم (یعنی شیخ عبدالحق ردولویؒ) سے درست ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت کے پوتے شیخ الوقت

حضرت شیخ محمد مدظلہ واعلیٰ قدرہ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور اجازت کے شرف سے مشرف ہوا۔ حضرت شیخ العالمؒ نے کئی مرتبہ عالم معاملہ میں اس فقیر پر لطف وکرم فرمایا اور ہاتھ پکڑ کر بڑے لطف وکرم سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تجھ کو خدا تک پہنچادیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

شیخ رُکن الدین "لطائف قدوسی" میں لکھتے ہیں کہ: شیخ عبدالقدوسؒ اگرچہ حضرت شیخ احمد عبدالحق سے ان کی حیات ظاہری میں مشرف نہ ہوئے، لیکن انکی حیات باطنی سے اس قدر بہرہ یاب ہوئے کہ حضرت شیخ العالم عالم باطن میں ہر وقت وہر حال میں انکی تربیت اور رہنمائی فرماتے تھے۔ اور شیخ عبدالقدوس کو شغل باطن میں تمامتر شیخ احمد عبدالحقؒ کے جمال وکمال سے واسطہ رہا۔ ان کا بیان ہے کہ میں ویرانوں، مقبروں اور حجروں میں جہاں میرے سوا کوئی نہ ہوتا تھا، تنہا مشغول بحق رہتا تھا۔ جب نماز اور تہجد کا وقت آتا قطب عالم شیخ احمد عبدالحق کی ولایت آکر بیدار کر دیتی، حق حق حق کی آواز کانوں میں آنے لگتی، اس سے غفلت دور ہو جاتی اور میں ہوشیار ہو جاتا۔ اور یہ معاملہ ہمیشہ پیش آتا۔ (بزم صوفیہ ص۶۲۷)

سلاطین کو نصیحت

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ابتدائے حال میں مشائخ چشت کے قدیم اصول کے مطابق سیاست وسلطان سے علیحدہ رہتے تھے۔ لیکن بعد کو انھیں سیاست میں حصہ لینا پڑا، اور سلاطین سے ربط پیدا کرنا پڑا۔ ایک طویل مکتوب میں اُنھوں نے سکندر لودھی کو غمخواریٔ خلق بالخصوص علماء کی ہمدردی پر خاص طور سے توجہ دلائی ہے اور بتایا کہ حالات کی درستگی انہی علماء کے ذریعہ ممکن ہے۔ کچھ عرصہ

بعد جب شاہ بابر کا تسلّط ہو گیا تو اُنھوں نے مغل شہنشاہ کو بھی خط لکھا اور یہ ہدایت کی :-

" چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر اس طرح ادا کیا جائے کہ کوئی شخص عوام پر ظلم نہ کرنے پائے۔ اور خود بھی عدل و انصاف سے کام لیا جائے اور تمام لوگ خواہ عوام ہوں یا کارکنانِ حکومت، شریعتِ حقّہ کے اوامر و نواہی کا التزام کریں، نماز باجماعت ادا کریں، علم اور علماء کو دوست رکھیں، اور ہر شہر کے بازار میں محتسب مقرر کریں، تاکہ ملک شریعت محمدی کے عدل کے جمال سے منور ہو جائے، جیسا کہ خلفاء راشدین کے دور خلافت میں یہ کلی طور سے قائم تھا۔

تصانیف

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح صاحبِ علم و فضل بزرگ تھے۔ اُنکی تصانیف سے ان کے مطالعہ کی وسعت اور نگاہ کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُنھوں نے "عوارف المعارف" مؤلفہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی شرح لکھی تھی اور شیخ محی الدین ابن عربی رح کی مشہور تصنیف " فصوص الحکم" پر حاشیہ تیار کیا تھا۔ رشد نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوی پر اچھا عبور رکھتے تھے۔

اتباعِ سُنت کا اہتمام

اتباعِ شریعت و سنت کا اُن کو خاص خیال رہتا تھا۔ ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین نے رشد نامہ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔" حضرت ایشاں چناں در شرع محمدی و در عقیدہ اہل سنت و جماعت راسخ القدم بودند کہ ذرہ از شرع تجاوز نبود"۔

ان کے مکتوبات میں بھی اس جذبہ کا جگہ جگہ اظہار ہوتا ہے۔ اُنھوں نے

اپنے زمانہ کے بعض اُمراء کو خاص طور سے اتباع شریعت کی تلقین کی ہے۔ خواص خاں، ہیبت خاں شیروانی، ابراہیم خاں شیروانی وغیرہ کے نام ان کے مکتوبات بہت اہم ہیں، اُس زمانہ کے حالات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

جہاں تک صابریہ سلسلہ کا تعلق ہے، اس کے نظام کو ترتیب دینا اور پھیلانا شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح کا اہم کام ہے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح کے تین فرزند تھے۔ شیخ حمیدالدین شیخ عبدالمجید، اور شیخ رکن الدین۔ اور شیخ رکن الدین کے بیٹے شیخ احمد تھے۔ اور ان کے بیٹے شیخ عبدالنبی تھے جو بادشاہ اکبر کے صدرالصدور بھی رہے تھے۔

حکومت سے تعلق کا مہلک نتیجہ

حکومت وقت سے تعلق صوفیہ کے لئے ہمیشہ مہلک رہا ہے۔

غالباً اسی بناء پر مشائخ متقدمین نے ہمیشہ اس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی ہے۔ اگر کوئی بزرگ کسی ضرورت اور مصلحت وقت سے مجبور ہو کر حکومت سے ذرا سا بھی رابطہ پیدا کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس کے متعلقین اُس میں ہی گُم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رح اور شیخ رکن الدین ملتانی رح نے حکومت سے وابستگی رکھی، لیکن اپنے روحانی پروگرام کو نظر انداز نہیں کیا۔ مگر انکی اولاد نے غلط فائدہ اٹھایا اور سہروردیہ سلسلہ کا سارا نظام درہم برہم کر دیا۔ یہی حال حضرت گنگوہی رح کی اولاد کا ہوا۔ شیخ عبدالقدوس رح نے اصلاح

؎ ان ہی کے خلیفہ شیخ عبدالاحد چشتی رح والد شیخ مجدد الف ثانی رح تھے چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رح کو اوّلاً خلافت اُنکے والد شیخ عبدالاحد چشتی رح نے دی، اس کے بعد حضرت خواجہ عبدالباقی نقشبندی رح نے دی تھی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ چشتی بزرگ سے بیعت کے بعد نقشبندی بزرگ سے بیعت ہو سکتا ہے۔ (مرتب)

وتربیت کی خاطر حکومت سے رابطہ پیدا کیا تھا۔ اُن کی اولاد نے جاہ وزر کی خاطر شاہانِ مغلیہ کے آستانوں پر اپنی جبینوں (پیشانیوں) کو جھکا دیا۔ شیخ عبدالنبی کے حالات عہدِ اکبری کی تاریخوں میں تفصیل سے درج ہیں کہ حُبّ جاہ اور حُبّ زر نے ان کے دینی جذبہ کو بالکل ختم کردیا تھا اور وہ مشائخ سلسلہ کے اصولوں کا قطعاً احترام نہ کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ عبدالقدوس رحؒ کی اولاد (سوائے مولانا رکن الدین کے) ان کے کام کو جاری نہ رکھ سکی۔ مگر اُن کے کچھ خلفاء ایسے عظیم المرتبت اور عالی حوصلہ تھے کہ اُنھوں نے سلسلہ کی نشرواشاعت کیطرف خاص توجہ کی۔ شیخ جلال الدین تھانیسری رحؒ، شیخ عبدالغفور اعظم پوری رحؒ شیخ عبدالعزیز کیرانوی رحؒ، شیخ عبدالستار سہارنپوری رحؒ، شیخ عبدالاحدؒ پدر حضرت مجدد الف ثانی رحؒ نے ارشاد وتلقین کو اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد قرار دے کر سلسلہ کو دور دور تک پھیلادیا۔ (تاریخ مشائخ چشت ص۲۱۶ مؤلفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ کو بھی اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھنا چاہئے ورنہ وہ بزرگوں کے سلسلہ ہی کو ضائع کردیں گے اور "بدنام کنندۂ نکونامے چند" کا مصداق ہوں گے۔ (مرتب)

کلماتِ طیبات

آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین قدس سرہٗ نے "لطائف قدوسی" میں آپ کے حالات ومقالات کو کثرت سے جمع فرمایا ہے جو قابلِ مطالعہ ہے۔ آپ نے اتباعِ سنت وشریعت پر کافی زور دیا ہے۔ چنانچہ لطیفہ ۲۹ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

میرے عزیز! جس جماعت نے حق سبحانہٗ وتعالےٰ کی محبت کا دعویٰ کیا اُنہی لوگوں کے بارے میں یہ ارشادِ باری تعالےٰ نازل ہوا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران ۳۱)

(یعنی اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ان مدعیانِ محبت سے فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالےٰ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو، تاکہ حق تعالےٰ تم کو اپنا محبوب بنالے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندوں سے اللہ تعالےٰ کی محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی متابعت پر موقوف ہے۔ پس دریں زمانہ ہدایت کی نشانی اور سعادت کی علامت شریعت کی متابعت ہے۔ اس لئے کہ ظاہر باطن کا عنوان ہوا کرتا ہے۔ حضرت سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا ... تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

(یعنی اے سعدی! یہ محالات میں سے ہے کہ کوئی بغیر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے راہِ صفا تک پہنچ جائے) ؎

ہر کہ در راہ محمدؐ رہ نیافت ... تا ابد گرد ے ازیں درگہ نیافت

(یعنی جو سالک راہِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ گزرے گا وہ ہرگز ہرگز بارگاہِ باری تعالیٰ سے گرد کو بھی نہ پائے گا) اور ہر وہ نور و سرور جو شریعت کی حد میں نہ ہو اس کو شیطانی مکر و وسوسہ یقین کرنا چاہیئے۔ اسی لئے بغیر پناہِ شریعت کے اکثر سالکین راستہ سے بھٹک گئے ہیں اور بہت سے اہلِ توحید بغیر استحکام شریعت کے گمراہی و بے راہی کے شکار ہو چکے ہیں ؎

ہر چہ در داعیۂ شرع نیست ... وسوسۂ دیو بود بے نزاع

(یعنی جو چیز تقاضائے شریعت کے مطابق نہیں ہے تو وہ بالاتفاق شیطان کا وسوسہ ہے)۔

عزیز من! ہو سکتا ہے کہ کسی کو معرفت اور وحدت کا علم بکمال درجہ حاصل ہو اور وہ تاثیر اور خارق عادت بھی رکھتا ہو، مگر وہ بھی بغیر احکام شریعت

کے استحکام کے مکر سے مامون نہیں ہے۔ "لِاَنَّ الْمَكْرَ هُوَ اِدْرَاكُ النِّعَمِ مَعَ الْمُخَالَفَةِ وَاِبْقَاءِ الْحَالِ مَعَ سُوْءِ الْاَدَبِ" اس لئے کہ شریعت کی مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو نعمتوں کو عطا فرمانا اور باوجود بے ادبی کے اس کے حال کا باقی رکھنا یہی مکر ہے۔ اور یہ بات عقلمندوں کے نزدیک مخفی نہیں کہ بعض کافر، جوگی جو کہ بوئے اسلام سے بھی ناآشنا ہیں وہ بھی معرفت و وحدت کی باتیں بیان کرتے ہیں اور صاحب تاثیر ہو جاتے ہیں اور ان سے بھی خارق عادت کا ظہور ہوتا ہے۔ دیکھو تو سہی کہ فرعون علیہ اللعنۃ چونکہ اس کو ڈھیل دی گئی تھی اس لئے اُلوہیت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ "مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ" (یعنی میں اپنے علاوہ کسی اور کو تمہارا معبود نہیں سمجھتا) اور تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیّاد یعنی دجّال کو دیکھا تو دریافت فرمایا کہ تم کیا دیکھ رہے ہو؟ تو کہا کہ میں پانی پر عرش دیکھ رہا ہوں، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ابلیس کے عرش کو سمندر پر دیکھ رہے ہو۔ اور اس کا پورا قصّہ مصابیح (یعنی مشکوٰۃ شریف جلد ثانی) میں مذکور ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیب کی باتوں کا سُننا، دیکھنا، اسی طرح خارقِ عادت اور معرفت و وحدت اگر تمام کا تمام بغیر ایمان و اسلام کے ہے تو یقیناً ضلالت و گمراہی ہے۔ آخرت میں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک فلاح کا اور دوزخ سے نجات کا مُثمر نہ ہو گا۔ اس لئے کہ "لَا تَوْحِيْدَ لِمَنْ لَا اِيْمَانَ لَهٗ" (یعنی جسے ایمان نصیب نہیں اسے توحید بھی میسر نہیں ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے۔ آمین!

اسی طرح ہر وہ مومن جو احکامِ شریعت کا پابند نہیں ہے، اس کے اندر خواہ کتنی ہی توحید و معرفت ہو، نیز جس قدر بھی خارق عادت اور ظہور کرامت ہو، مگر وہ بھی خطرہ سے مامون نہیں ہے۔

مصابیح میں ہے کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوہِ حراء کی خلوت میں جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ دبوچا۔ جس سے قلبِ مبارک پر لرزہ طاری ہو گیا اور " زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ " کہتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کمبل اُڑھا دیا۔ جب آپ کو قرار آیا تو ارشاد فرمایا کہ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ یعنی از مکر و فریب شیطاں می ترسم (میں تو شیطان کے مکر و فریب سے خوف زدہ ہو گیا ہوں) تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

کلّا واللہ لا یخزیك اللہ ابدا۔ انك لتصل الرّحم وتحمل الکلّ وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علیٰ نوائب الحقّ۔ (بخاری)

ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا، خدا کی قسم! خداوند قدوس کبھی آپ کو رُسوا نہیں کریگا۔ بلا شبہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں اور ناتواں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، آپ ناداروں کیلئے کماتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں اور آپ ان لوگوں کی ان حوادث پر مدد کرتے ہیں جو حق ہوتے ہیں۔

ظاہر باطن کا عنوان ہے حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے احکام ظاہر کی سلامتی سے احکامِ باطن کی صحت و درستی پر استدلال کیا اسلئے کہ ظاہر باطن کا عنوان ہوا کرتا ہے۔ لہذا بغیر ظاہری دین و شریعت کی سلامتی کے باطن کی سلامتی پر استدلال نہیں کیا جا سکتا اور اس کے حق ہونے کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

اس لئے کہ کلّ حقیقة ردّته الشریعة فهی زندقة (یعنی جس حقیقت کو شریعت رد کردے وہ زندقہ ہے۔) پس ہر نور و سرور اور حضور جو کہ محرمات و منہیات کے ارتکاب کے باوجود باقی رہے اور احکام شریعت پر عمل کرنے سے مضمحل اور نیست و نابود ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ نور نور نہیں ہے بلکہ وہ ظلمت ہے، اور وہ سرور سرور نہیں بلکہ شرور ہے۔ اور وہ حضور حضور نہیں بلکہ غرور (دھوکا) ہے۔ اس لئے کہ شریعت کی وضع تو ظہور حقیقت کیلئے ہے نہ اسکی غیبوبت کیلئے، پس دونوں کے درمیان منافات نہ ہوگی، بلکہ جس قدر سالک احکام شریعت پر راسخ ہوگا اسی قدر اُس پر حقیقت کا ظہور واضح ہوگا۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہر آنکہ در شریعت راسخ آید　　　حقیقت راہ برو خود کشاید

(یعنی جو شخص شریعت میں جس قدر راسخ ہوگا، اسی قدر حقیقت راہ کھول دے گی۔)

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب تک انسان کے اندر ہوشیاری، دانائی اور عقل باقی ہے اس وقت تک شریعت کی پابندی لازم ہے۔

بہر حال بعض وہ لوگ جن کی عقل پر ان کا کوئی باطنی حال ایسا غالب ہو جائے کہ احوال ظاہریہ کا ضابطہ باقی نہ رہ جائے تو وہ لوگ معذور قرار دیئے جائیں گے۔ جیسا کہ بعض قلندریوں کا ایسا ہی حال رہا ہے۔

اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بعض اولیا سے جو تکالیف کے مرتفع ہونے کو کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کُلفت کا احساس نہیں فرماتے، بلکہ قلب و قالب کی راحت اور شوق و ذوق کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ف: سبحان اللہ کیا خوب نکتہ ہے۔ (مرتب)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بھی ذکر تلاوت کلام اللہ سے بہتر یا بلند نہیں۔ شیخ نظام الدین اولیا رح ذکر کے ذریعہ جلد منزل مقصود تک پہنچ جانے کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن فرمایا کرتے تھے کہ :۔

ذاکر را وصول زود تر بود ، امّا خوفِ زوال ہم بود۔ فامّا تالی را وصول دیر تر بود، لیکن خوفِ زوال نباشد۔	ذکر کرنے والا اپنا مقصد تو جلد تر حاصل کر لیتا ہے لیکن اسمیں خوفِ زوال بھی رہتا ہے اس کے برخلاف قرآن پڑھنے والے کو گو مقصد کے حصول میں دیر لگتی ہے لیکن زوال کا خطرہ نہیں رہتا۔

مشائخ چشت کا عقیدہ تھا کہ خلوص کے ساتھ تلاوتِ کلام پاک روحِ انسانی کو جِلا دے کر پرتوِ قدس کا آئینہ بنا دیتی ہے ؎

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے   وہ فقر جسمیں ہے بے پردہ روح قرآنی

(تاریخ مشائخ چشت مرتبہ پروفیسر خلیق نظامی ط ج ۱)

وفات شیخ رکن الدین صاحب رح نے لطائف قدوسی میں لکھا ہے کہ: ا رجمادی الاخری ۹۴۴ھ دوشنبہ کو حضرت کو تپ لرزہ شروع ہوا، جمعہ کے دن کم ہو گیا۔ جس کی وجہ سے نماز اطمینان سے پڑھی۔ اس کے بعد پھر شروع ہو گیا۔ مرض الموت کی حالت میں عبادت میں کسی قسم کا تفاوت پیدا نہ ہوا، باوجودیکہ محویت کامل طور پر تھی، ایک رات ستّر بار تازہ وضو کر کے تحیۃ الوضو پڑھی۔ اخیر میں وضو کیلئے اشارہ کیا اور دو رکعت نماز کی نیت باندھی۔ رکوع وسجدہ اشارہ سے کیا۔ اور نویں دن سہ شنبہ کے روز نماز کی حالت میں رحلت فرمائی۔ "شیخ اجل" آپ کا سال وفات ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اور گنگوہ ہی میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہٗ

(مشائخ چشت ص ۲۱۳ مرتبہ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث)

حضرت سید قطب الدین کوڑہ جہان آبادیؒ (فتحپور) المتوفی سنہ ۹۴۶ھ

نام ونسب نام سید قطب الدین، والد کا نام سید ہبۃ اللہ ثانی ہے ۔

ولادت خود آپ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت کا سال ۸۶۳ھ ہے۔ اور ولادت کا مقام فتحپور ہنسوہ ہے ۔

تعلیم وتربیت آپ جب دو سال کے ہوئے تو والدہ محترمہ کا ایک حادثہ میں انتقال ہوگیا۔ اور آپ کی پرورش کا سارا بار آپ کی دادی صاحبہ پر آگیا ۔

آپ نے مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے شہر جونپور جانے کا قصد کیا۔ اُس وقت جونپور سلاطین شرقی کی سرپرستی میں دار العلم والعلماٗ بنا ہوا تھا، جید علماء و فضلا، اور اعلیٰ تعلیم کا مرکز تھا۔ حضرتؒ وہاں پہنچے تو شیخ شمس الحق حقانیؒ کے مدرسہ میں تشریف لے گئے ۔

شیخ شمس الحق حقانیؒ حضرت شیخ شمس الحق حقانی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار جونپور کے جید علماء و اساتذہ میں ہوتا تھا، آپ حضرت شیخ محمد بن عیسیٰ تاج رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مجاز تھے ۔ آپ کی حیات مقدسہ کی یہ نمایاں خصوصیت تھی کہ حدود شرع کا بڑا لحاظ و خیال فرماتے تھے ۔ شاہان جونپور کو وعظ و نصیحت اور اُن کے افعال کی تغلیط و تردید اُن کی موجودگی میں بھی فرمانے سے گریز نہ فرماتے ۔ ان میں سے کوئی اگر آپ کے مدرسہ میں حاضر ہوتا

---

۵۷ ماخوذ از "قصبہ کوڑہ" تاریخ و شخصیات ۔ (مرتبہ مولانا محمد عبد السمیع ندوی ص ۹۱)

تو بھرے مجمع میں اُسکی خامیاں اُس کے منہ پر بیان فرما دیتے۔ اور اپنی اس شدت کے لئے قطعاً معذرت خواہ نہ ہوتے۔ اپنے اس طرزِ نصیحت کی وجہ سے آپ حقانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ خصوصیت بھی تھی کہ اگر کوئی ایسا شخص آتا جس کی علم پروری اور دینداری شیخ کے نزدیک مسلّم ہوتی تو خلافِ معمول اس کی تعظیم بھی فرماتے۔ غرض ایک جلیل القدر عالم ایک عالی نسبت صوفی، استاذ کی نگرانی میں حضرتؒ تحصیلِ علم میں مشغول ہوئے

شیخ کی شفقتیں

استاذ نے اپنے شاگرد کی صلاحیتوں کو سمجھ لیا تھا، حضرت کے ساتھ بڑی شفقت و عنایت سے پیش آتے، حضرت کو اُن کی مجلسِ درس میں دوسرے طلبہ پر امتیاز حاصل تھا، اور بعض نزاعی مسائل میں شیخ دوسرے شاگردوں پر حضرت ہی کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ شیخ سریع الکلام اور زود تقریر تھے۔ تلامذہ کو دورانِ تقریر یارائے سوال نہ تھا۔ لیکن حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ کی علمی استعداد کی بناء پر اُستاذ گرامی حضرت کے دو دو تین تین سوالوں کے جواب بڑی نرمی اور شفقت سے مرحمت فرماتے۔ اُنھی کی خدمت میں رہ کر حضرت نے علوم آلیہ و عالیہ کی تکمیل فرمائی۔

آغاز تدریس

اُستاذ گرامی نے اپنے ہی مدرسہ میں طلبہ کی ایک جماعت آپ کے سپرد فرمائی اور آپ نے درس کا آغاز فرمایا۔ شیخ کی شفقتیں یہاں بھی مبذول رہیں۔ شیخ کے پاس جو بھی ذہین اور نیا طالب علم آتا، اُس سے دریافت فرماتے کہ کہاں کہاں

اور کن کن اساتذہ سے پڑھا ہے ؟ طالب علم کے جواب پر حضرت کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے کہ "ان سے پڑھو" حضرت رحمہ اللہ کے سلسلۂ درس و تدریس سے اُستاذ محترم کو ایک گونہ دلچسپی اور خاصا تعلق تھا، اس سلسلہ کو منقطع ہونا پسند نہ فرماتے تھے۔ حضرت رحؒ نے اسی دوران قطب عالم حضرت شیخ نورالحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا ارادہ کیا، لیکن شیخ نے اجازت نہ دی اور ایک مبسوط تقریر فرمائی جس کی بنیاد پر حضرت رحؒ نے سفر کا ارادہ منقطع فرما دیا۔

دستارِ فضیلت

یہ جوہر قابل سالہا سال استاذ کی خدمت میں رہ کر علمی فیوض حاصل کرنے کے بعد اس مرحلہ پر آچکا تھا کہ اُستاذ کی جانب سے صاحبِ اجازت ہو اور اس کا اپنا حلقۂ درس علیحدہ ہو۔ اُستاذ گرامی نے اپنی نگرانی میں درس دلاکر اطمینان کر لیا تھا، تو ایک دن مراقبہ سے فراغت کے بعد حضرت رحؒ اور آپ کے رفیق درس شیخ حسن ابن طاہر کو سند اور دستار فضیلت مرحمت فرمائی اور اجازت دی کہ اب وہ اپنا مدرسہ علیحدہ قائم کریں اور علیحدہ درس و تدریس کا آغاز کریں

تصوف و سلوک

علوم ظاہری سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد حضرت کو علوم باطنی کی فکر لاحق ہو گئی۔ حضرت شیخ بہاؤالدین ابن شیخ نتھو جونپوری رحؒ سے رجوع فرمایا جو سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے علاوہ سلسلۂ سہروردیہ شطاریہ کے مجاز تھے۔

خلافت و اجازت

شیخ کی خدمت میں ایک عرصہ گزارنے کے بعد ایک دن حضرت شیخ نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ :-

اذن پیران است کہ ما شما را بزرگوں کا حکم ہے کہ ہم تم کو
اجازت بدہم۔ اجازت دیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حالات کے تحت کچھ عذر و معذرت فرمائی، مگر شیخ نے قبول نہ فرمایا۔ اس کے چند دنوں کے بعد:۔

چنانچہ دستور درویشاں است جیسا کہ بزرگوں کا طریقہ ہے
خرقہ مرحمت کردند و اذن عام خرقہ مرحمت فرمایا اور اذن عام
فرمودند۔ فرمایا۔

ہم یار بدست آمد و ہم کار فراہم شد
المنۃ للہ کہ ایں ہم شد و آں ہم شد

ترجمہ: یار بھی مل گیا اور کام بھی فراہم ہو گیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ بھی ہوا اور وہ بھی میسر ہوا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ پہلے علماء و سالکین اجازت و خلافت کے طالب نہیں ہوتے تھے۔ ہاں شیخ اہل سمجھ کر کسی کو اجازت دیتا تو تعمیل حکم میں قبول فرماتے۔ اس سے اللہ کی رحمت و نصرت اُس خلیفہ کے شامل حال رہتی تھی جس سے ثمرات نیک ظاہر ہوتے تھے۔ مگر افسوس کہ اب ایسا نہیں ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

فتح پور واپسی وہ چھوٹا بچہ جس کی کمسنی کا خیال کر کے اسکی دادی صاحبہ اپنے سے جدا کرنے کے لئے تیار نہ تھیں، لیکن مجبوراً جدا کیا تھا، اب یہ غریب الوطن مسافر قد و قامت ہی میں نہیں بلکہ ظاہر و باطن میں بھی بڑا ہو کر اپنے وطن واپس ہو رہا تھا۔

سلسلۂ سہروردیہ فتح پور پہنچ کر حضرت مخدوم قاضی شیخ نظام الدین

فتحپوریؒ کے صاحبزادے شیخ قطب الدین سے آپ کو سلسلۂ چشتیہ سہروردیہ کی خلافت واجازت حاصل ہوئی۔

دوسرے بزرگوں سے حصولِ اجازت

یہ تو اللہ تعالےٰ کا انعام ہے جس پر اور جس وقت ہو جائے۔ نہ اس کی کوئی گھڑی ہے نہ ساعت، اور نہ وہ ظاہری اسباب کا پابند ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا معاملہ اور فضل کچھ اسی طرح ہوا کہ جونپور تشریف لے جانا، وہاں وقت کے ایک بڑے اُستاذ و شیخ سے تحصیلِ علم کرنا، پھر حضرت شیخ بہاؤ الدین جونپوریؒ کی خدمت میں پہنچنا، پھر اُن سے اجازت وخلافت حاصل کرکے واپس فتحپور آکر سلسلۂ سہروردیہ کا مجاز بننا، اور وہ بھی اِس شان سے کہ گویا اُنہی کی آمد کا انتظار تھا۔ یہ ساری چیزیں فضل الٰہی اور انعام خداوندی سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔ اتنی عالی نسبتیں ہو جانے کے بعد بھی پائے طلب میں لنگ نہ پیدا ہونے دیا مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ کا نقشہ دیکھئے۔

مانک پور میں

چنانچہ آپ فتحپور سے مانکپور (ضلع پرتاپ گڈھ) قطب عالم شیخ المشائخ شیخ حسام الدین اور میراں سید حامد شاہ کی خانقاہ میں تشریف لے جاتے ہیں، مخدوم زادہ راجی سید نورؒ سے ملاقات ہوتی ہے۔ وہاں کتنے دن قیام ہوا اور کیا حالات پیش آئے؟ اس کا تو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ تاہم مخدوم زادہ راجی سید نورؒ نے خلافت مرحمت فرمائی اور اپنا مصلیٰ تبرکاً مرحمت فرمایا

ترکِ وطن

فتح پور میں کچھ عرصہ قیام فرمانے کے بعد ۹۰۵ھ

میں ترکِ وطن کے قصد سے آپ نے حج بیت اللہ کا عزم فرمایا اور اہل وعیال، اعزہ واقرباء کے ہمراہ فتحپور سے تیس میل جانب مغرب قصبہ کوڑہ جہان آباد میں منزل فرمائی۔ قصبہ کوڑہ جہان آباد کی سرزمین کو علم وعمل، تبلیغ ودعوت، رشد وہدایت کی سرفرازی حاصل ہونا تھی۔ کارکنان قضاء وقدر طے کر چکے تھے کہ اس سرزمین سے علم وفضل کے چشمے پھوٹیں۔ ذرا سوچئے تو، اللہ کا یہ بندہ فتحپور ہنسوہ سے بقصد حج وہجرت نکلا، لیکن جس مقام کو پہلے سے مرکز تجویز کیا گیا تھا یہ سالار قافلہ جب وہاں پہنچا تو حکم دیا گیا تھا کہ "ایں مقام پیران شمارا دادند" (پیروں نے یہ مقام تمھارے حوالہ کیا) چنانچہ آپ نے کوڑہ جہان آباد کو وطن بنایا۔ اب وہاں کے توطن اختیار کر لینے کے بعد حضرت کے درس وتدریس اور افاضہ کا سلسلہ کیونکر شروع ہوا، اس کی روئداد حضرت ہی نے اپنے الفاظ میں خود بیان فرمائی ہے۔

درس وافاضہ کوڑہ میں توطن اختیار کر لینے کے بعد حضرتؒ کے درس وافاضہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ کیونکر اور کس طرح؟ یہ روئداد بھی حضرت ہی کے الفاظ میں سنئے:۔

وقتے کہ در شہر کوڑا آمدم دیدم کہ دریں مقام طالب علمے نیست

میں جب کوڑہ آیا تو دیکھا کہ یہاں کوئی طالب علم نہیں ہے۔

طالبِ علم کیسے ہوتا؟ دو چار گھرانے مسلمانوں کے جو پہلے سے تھے بھی، تو اُن کی دینی وثقافتی حیثیت کچھ بھی نہ تھی۔ حضرتؒ کی تشریف آوری ہی کوڑہ میں دینی، تبلیغی سرگرمیوں کے لئے سنگ میل بنی۔ ظاہر ہے کہ ایسی بستی میں اقامت اختیار کرنے کے بعد اُس کے سوا اور کیا سوچا جا سکتا تھا۔

درخود گفتم کہ اینجا ویرانی است   چنانچہ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہاں
طالب علم از کجا آید، مشغول   تو ویرانی ہے طالبِ علم کہاں سے آئیں گے
بریاضت خواہم ماند   عبادت وریاضت ہی میں مشغول ہونا چاہئے

مگر ریاضت ومجاہدہ کی زندگی کے عزم کے باوجود درس وتدریس میں اشتغال کی ہدایت اور طالب علم کا اچانک حاضر ہو جانا، یہ ساری چیزیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارادہ واختیار سے بھی بلند ارادہ واختیار رکھنے والے مالکِ حقیقی کی طرف سے پیش آرہی تھیں۔ اور اس کا وعدہ ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت)   اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو (قرب وثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھاویں گے۔

تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کیوں محروم رکھا جاتا۔ سنئے:۔

وبمدد مشائخ درحالت درس   بزرگوں کی مدد سے درس کی مشغولیت
مراقبہ ومشاہدہ میسر شد۔   ہی میں مراقبہ ومشاہدہ حاصل ہو گیا۔

طریق درس اور اسکی خصوصیت

حضرتؒ کی تقریر درس نہایت جامع ومانع اصول وفروع پر حاوی ہوتی تھی۔ مزاولت ومشق کی وجہ سے یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ طالب علم کی عبارت خوانی کے بعد کتاب دیکھے بغیر ہی تقریر شروع فرما دیتے تھے اور مختلف علماء کی شروح وحواشی کی عبارتوں کا حوالہ بھی دیتے جاتے تھے۔ آپ کی یہ خصوصیت معروف اور مشہور تھی۔ جو مبتدی یا نیم خواندہ طالب علم مدرسہ میں آیا وہ کامل ہو کر گیا۔ اور کامل راسخ ہو کر پلٹا۔ طلبہ میں یہ بات مشہور تھی کہ جب تک حضرت کے درس میں شرکت نہ کی جائے گی حقیقتِ علم ہاتھ نہ آئے گی

اس میں کوئی تعجب نہیں، اسلئے کہ جس اُستاذ نے تعلیم وتعلم کے مختلف مدارج اپنے صاحبِ نسبت اُستاذ کی نگرانی میں طے کئے ہوں اور خود بھی صاحبِ نسبت ہو، اس کے درس میں اس کیفیت کا پایا جانا کیا بعید ہے۔ لیکن ہر مدرس یا اُستاذ کو یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک درسی تقریر

قرآن پاک کی آیت یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ کے تحت آپ کی درسی تقریر ملاحظہ فرمائیں: فرماتے ہیں:۔

این درباب ابوبکر صدیقؓ است بجز طعام چیزے دگر نبود آں را بمہمان دادند، خود فاقہ با فرحت اختیار کردند۔ فرمان آمد یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ ودر روایتے ایں آیت درباب علی است تا روزے طعام پذیرند خواستند تا بخورند فقیرے بر در آمد آں را بوے دادند خود فاقہ کردند۔ روز دوم وسوم ہمچناں شد۔ در بعضے درباب طلحہؓ گفتند وبعضے درباب دیگرے گفتند وآیت بلفظ جمع نازل شد

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ کھانے کے سوا اور کچھ نہ تھا، وہ کھانا مہمان کو کھلا کر خود فاقہ فرمایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک دن کھانا پکایا، اسے کھانا چاہ رہے تھے کہ سائل دروازے پر آپہنچا آپ نے پورا کھانا اس کے حوالے کردیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی پیش آیا۔ بعض لوگوں نے اس کا نزول حضرت طلحہ رضؓ کے بارے میں بتایا۔ اور بعض لوگوں نے کسی دوسرے صحابیؓ کے بارے میں

در باب ہمہ می تواند — روایت کی ہے۔ بہرحال آیت چونکہ بلفظ جمع نازل ہوئی ہے اس لئے سب ہی اس کا مصداق ہوسکتے ہیں

درسِ حدیث کی ایک تقریر

یا عمیر ما فعل النغیر کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

اِس حدیث کی تفسیر میں چند فائدے ذکر کیے گئے ہیں: (۱) بچوں پر شفقت کرنا۔ (۲) کسی پر کوئی مصیبت آئے تو اس سے اس کے متعلق دریافت کرکے اُس کے دل کا حزن وغم دور کرنا، (۳) مشروع مزاح کرنا (۴) شکار کے لئے پرندے پالنا اور (۵) مسجع گفتگو کرنا۔ ان میں سے ہر چیز مستحب ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ عَلَم کی تصغیر جائز ہے۔

نماز میں کیفیت نسبتِ احسان و تصوف

حضرت رحؒ کو نماز سے خاص لگاؤ تھا۔ نماز کا وقت آنے سے قبل ہی تیاری شروع فرمادیتے اور وقت آنے پر اپنے مصلّے پر آجاتے، تاقیامِ جماعت سنن ونوافل میں مشغول رہتے۔ لگاؤ اور تعلق کا یہ عالم تھا کہ زمانۂ ضعف میں ایک دو آدمیوں کی مدد سے جب آپ کھڑے ہوجاتے تو وہ لوگ

لہ پوری حدیث یوں ہے: عن انس قال ان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیخالطنا حتیٰ یقول لاخ لی صغیر یا ابا عمیر ما فعل النغیر و کان لہ نغیر یلعب بہ فمات۔ (متفق علیہ) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اختلاط و خوش طبعی فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے (ازراہ مزاح) فرماتے تھے، ابو عمیر! نغیر کہاں گیا؟ (حضرت انسؓ کہتے ہیں) میرے چھوٹے بھائی کے پاس ایک نُغیر (چھوٹا پرندہ) تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ ایک دن وہ مرگیا۔ تو آپؐ نے بطور مزاح یا ابا عمیر ما فعل النغیر فرمایا۔ (مرتب)

تکبیر تحریمہ کے بعد چھوڑ دیتے، اسی حال میں فرائض بفضل الٰہی کھڑے ہو کر ادا فرماتے۔ مگر سلام کے بعد پہلے جیسا ضعف پھر طاری ہو جاتا تھا۔

نماز میں تعدیلِ ارکان کے متعلق فرماتے تھے کہ :-

نماز تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے، اس لئے کہ وہ جامع عبادات ملائکہ ہے۔ بعض ملائکہ قیام میں رہتے ہیں، بعض رکوع میں، بعض سجدے میں، بعض قعود میں، بعض قرارت میں، بعض تسبیح میں، بعض تکبیر میں۔ پس اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے ملائکہ کی ساری عبادتیں نماز میں جمع فرمادی ہیں۔ چنانچہ بحالتِ نماز کبھی کبھی مسرت وشادمانی اور کبھی گریہ وبکار کی کیفیت بھی طاری ہو جاتی تھی۔ (ص۱۳۸)

فرض نماز کے بعد دعار میں شدید گریہ طاری ہوتا تھا اور اس کیفیت سے دوسرے نمازی بھی متاثر ہوتے تھے۔ عشار کی نماز اوّل وقت ادا فرما کر استراحت فرماتے تھے۔ نصف شب گزرنے پر تہجد کے لئے بیدار ہو جاتے اور فجر تک اوراد ومراقبہ میں مشغول رہتے۔

حضرت کے روز وشب میں اوقات تقسیم تھے۔ عموماً عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت خلوت کا ہوتا تھا، خصوصاً جمعہ کے دن مابین عصر ومغرب قطعی طور پر ملنے ملانے سے گریز فرماتے تھے، لیکن مہمان، طالب علم اور سالک اس سے مستثنیٰ تھے۔

معمول یہ تھا کہ کوئی بھی شخص آپ کی خدمت میں آتا تو فوراً اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اگر طالب علم ہوتا تو اس کی علمی اُلجھن رفع فرماتے، کوئی سائل ہوتا تو اس کا سوال پورا فرماتے، کوئی زیارت کے لئے آتا تو اس کو مناسب

نصیحت فرماتے۔ اور اس سے فراغت کے بعد پھر اپنے شغل میں مشغول ہوجاتے
اس سلسلہ میں ایک عجیب بات یہ ارشاد فرماتے کہ :۔
اوراد و وظائف کی قضا رہے۔ شب کا ورد دن میں اور دن کا ورد بطور قضا شب میں پڑھ لے، بخلاف کسی آنے والے کی تطییب خاطر (دل خوش کرنا) اوراجابتِ سائل (مسائل کا جواب دینا) اور تسکینِ دل مضطر (پریشان دل کی تسکین) کہ ان کی کوئی قضا نہیں۔

ف : سبحان اللہ، کیا خوب حقیقت آشکارا فرمائی جو ہم سب کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے اور لائحۂ عمل بنانے کے لائق ہے۔ (مرتب)

بادشاہ ہمایوں کی آمد آپ کی زیارت کیلئے ہندوستان کا بادشاہ ہمایوں حاضر ہوا تھا۔ بابر کے مرنے کے بعد ۹۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ بنگالہ سے واپسی پر کوڑہ جہان آباد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے کچھ نصیحتیں فرما کر اس کو رخصت کردیا۔

اصولِ ملاقات لوگوں سے ملاقات کا اصول یہ فرماتے تھے کہ جب مخلوق کسی کی طرف رجوع کرے تو فقراء و مشائخ کو عزت و توقیر کے ساتھ جگہ دے اور دولتمندوں کو مناسب نصیحت کرکے رخصت کردے۔ یعنی زیادہ دیر تک بیٹھنے نہ دے

مزید اس سلسلہ میں آپ نے اپنے متعلق ایک بڑی اہم بات یہ ارشاد فرمائی کہ جب تک اُن کے پاس رہے دل پر نگاہ رکھے، تاکہ اُن کی خصلتیں اس میں سرایت نہ کرسکیں۔ اسی طرح اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے تاکہ کوئی لمحہ اُن کی صحبت کی وجہ سے یادِ حق سے غفلت میں نہ گزرے۔

ف: معلوم ہوا کہ ہر حال میں خصوصاً اُمراء و اغنیاء کی صحبت میں اپنی باطنی نعمت و نسبت کی حفاظت کا ہر آن خیال رکھنا چاہئے اور اس میں ہرگز غفلت نہ برتنا چاہئے۔ ورنہ کارخانۂ باطنی یعنی گلستانِ قلبی ویران و برباد ہو جائے گا جیسا کہ ایسا پہلے بہت ہو چکا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔ (مرتّب)

دنیا سے بے تعلقی اور انابت الی اللہ

قصبہ کوڑہ ضلع فتحپور ہنسوہ کا صدر مقام تھا۔ وہاں بادشاہ کی جانب سے منصب دار، فوجدار، قاضی وغیرہ سب ہی رہتے تھے۔ اگر حضرت چاہتے تو کم از کم ان لوگوں سے ربط پیدا کر سکتے تھے۔ لیکن کبھی اُن کے بلانے پر بھی اُن کے یہاں تشریف نہیں لے گئے، اور نہ کبھی کسی سے سفارش فرمائی حضرت رح کے استغناء کی یہ کیفیت اُمراء اور رُؤساء ہی کے ساتھ نہ تھی، بلکہ اپنی ذات اور اپنے مفاد سے عموماً بے تعلق تھے۔ حضرت رح کو جو جاگیر ملی تھی اس کے انتظام و انصرام سے مدت العمر کنارہ کش رہے۔ اگر کچھ مل گیا تو بہتر، اور نہ ملا تو اس کی کوئی فکر نہ فرمائی۔ لوگوں کے کہنے سننے اور زیادہ توجہ دلانے پر فرماتے، درویش کو چاہیئے کہ اس نے دنیا سے اگر کوئی چیز قبول کر لی ہے تو اس سے دل نہ لگائے۔ کیونکہ دینداری اور جاگیرداری ایک دوسرے کی ضد ہیں جو کبھی مجتمع نہیں ہو سکتیں۔ **ف:** سبحان اللہ، کیا خوب حقیقت آشکارا فرمائی۔ (مرتب)

ایسے ہی لوگوں کو اہل اللہ کہتے ہیں۔ یقیناً قلب کی محافظت اور نسبت مع اللہ کا احترام ایسے ہی لوگوں کا کام ہے۔ جن کو اللہ تعالےٰ انابت الی اللہ اور توکل علے اللہ کے اعلیٰ مدارج پر فائز فرماتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت قطب الدین رح اُن ہی حضرات قدسیہ میں سے تھے۔

وصال اکتالیس سال مسلسل سرزمین کوڑہ میں درس و تدریس، رشد و ہدایت کی شمع فروزاں رکھنے کے بعد اللہ تعالےٰ کا بلاوا آپہنچا۔ وصال سے کچھ عرصہ قبل فرمانے لگے:۔

منادی چنیں ندامی دہد	پکارنے والا پکار رہا ہے، اللہ کے
اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ و دیگر	داعی کی اجابت (قبول) کرو۔ اور دوسرے
بزرگواراں ہمہ خرامند۔	بزرگ بھی جارہے ہیں۔

اس ارشاد کے چند ماہ بعد میاں قاضی خان کے انتقال کی اطلاع آئی۔ جب شیخ لادنؒ کے انتقال کی اطلاع دہلی سے آئی تو فرمانے لگے:۔

اکنوں نوبت ماست	اب ہماری باری ہے۔

چنانچہ چہارشنبہ ۲۷ ربیع الثانی ۹۴۶ھ کو یہ آفتاب رشد و ہدایت ماہتاب علوم نبوت اپنے علوم و معارف کی تراسی (۸۳) بہاریں دکھانے کے بعد غروب ہوگیا۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔

(قصبہ کوڑہ۔ تاریخ و شخصیات صـ۱۲۱ تا صـ۱۴۱)

اولاد آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ حضرت شاہ بہاؤالدینؒ، حضرت شاہ جمال الدینؒ آپ کا عنفوان شباب ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔ حضرت شاہ علاؤالدینؒ عرف شاہ حسین اب آپ کے دو صاحبزادگان اور ایک پوتے کے تذکرے بالترتیب کئے جارہے ہیں:۔

---

۵۷ عبدالغفور نام، مولانا سماءالدین دہلویؒ کے پوتے، دہلی میں صاحب درس و افادہ تھے۔ عوام میں شیخ لادن نام اسقدر مشہور تھا کہ لوگ اصل نام سے ناواقف تھے۔

(حاشیہ قصبہ کوڑہ، تاریخ و شخصیات)

حضرت شاہ بہاؤالدین بن سید قطب الدین کوڑہ جہان آبادی فتحپوری سنہ ۹۸۵ھ

نام ونسب حضرت شاہ بہاؤالدین مخدوم سید قطب الدین سالار بڈہ رح کے بڑے صاحبزادے تھے۔ مخدوم صاحب نے پیرومرشد کے نام نامی کی مناسبت سے ان کا نام بہاؤالدین رکھا۔

تعلیم وتربیت کوڑہ ہی میں والدگرامی سے تعلیم حاصل کی، انہی سے بیعت ہوئے۔ جونپور جاکر وہاں کے اساتذہ کی خدمت میں رہ کر کچھ عرصہ تک استفادہ کرتے رہے۔ واپس آئے تو والدگرامی ہی کے مدرسہ میں درس وتدریس کا آغاز کیا۔

خلافت واجازت سنہ ۹۲۸ھ میں والدگرامی نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ اور سلسلہ سہروردیہ شطاریہ کی اجازت وخلافت سے نوازا۔

دو مدرسے دو خانقاہیں سنہ ۹۴۶ھ میں حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کے بعد افادہ واستفادہ کا عمل بڑھ گیا۔ مختلف مقامات سے طالبانِ علومِ نبوت کی آمد ورفت میں اضافہ ہوا۔ جس کی بنا پر کوڑہ میں دو مدرسے اور دو خانقاہیں ہوگئیں۔ حضرت شاہ بہاؤالدین رح تو والدگرامی کے مدرسہ اور خانقاہ میں مصروفِ کار رہے۔ اور آپ کے دوسرے بھائی حضرت شاہ علاؤالدین رح نے اپنا مدرسہ اور اپنی خانقاہ علیحدہ کرلی۔ پھر انہی دو مدارس اور خانقاہوں نے متعدد

مدارس اور خانقاہوں کو وجود بخشا۔

آپ تذکرہ نگاروں کی نظر میں

"بحر ذخار" کے فاضل مصنف آپ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں :۔

"اصحاب ورع کے امام اپنے عالی قدر والد حضرت سالار بڈھ کے خلف و خلیفہ تھے۔"

صاحب "بیاض الاولیاء" لکھتے ہیں کہ :

آپ صاحبِ مجاہدہ وریاضت اور صاحبِ کشف و کرامات تھے۔

آپ کے صاحبزادے مخدوم جہانیاں ثانی رح نے "اسرار سالاری" میں تحریر کیا ہے کہ ، ایک رات ذکر اسم ذات کر رہے تھے ، کبھی پھول جاتے اور کبھی ہیئت اصلی سے بھی کم ہو جاتے تھے۔ میں یہ کیفیت دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا۔

ایک دن قیلولہ کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کا قلب "ہو ہو" کے ذکر میں رقص کر رہا ہے۔

شیخ یحییٰ سندیلوی رح شیخ بہاؤالدین کے خلیفہ بہت مرد مرتاض و ممتاز تھے۔

"نزہۃ الخواطر" کے مصنف علام تحریر فرماتے ہیں :۔

الشیخ الصالح بہاؤالدین بن سالار الحنفی الکودوی کان من کبار المشائخ ولد ونشأ بکورہ بلدۃ فیمابین	مرد نیک و بزرگ بہاؤالدین بن سالار حنفی کوڑوی رح بڑے شیوخ میں سے تھے فتحپور اور کانپور کے درمیان قصبہ کوڑہ میں پیدا ہوئے ، وہیں تعلیم و تربیت پائی

کانفوروفتح فوذو کان من	علمی اور اصلاحی خانوادہ سے تعلق رکھتے
اھل بیت العلم والصلاح	تھے۔ اپنے والدگرامی مخدوم شاہ قطب الدین
اخذ الطریقۃ عن ابیہ و	صاحبؒ سے مجاز اور اُن کی وفات کے بعد
تولی الشیاخۃ بعدہ واخذ	منصبِ رشد وہدایت پر فائز ہوئے۔ اُن سے
عنہ خلق کثیر	بہت لوگوں نے فائدہ اُٹھایا۔

خاندان میں کوئی ایسی تحریر یا تذکرہ نہیں مل سکا کہ جس سے آپ کے دوسرے فضائل و کمالات کا علم ہوتا۔ تاہم گزشتہ سطور سے اتنا اندازہ تو کیا ہی جا سکتا ہے کہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ تصوف و سلوک میں آپ امتیازی مقام رکھتے تھے۔ اپنے بعد آنے والے تیسرے دور کے لئے اپنے تینوں صاحبزادگان کو تیار کر دیا تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

وفات آپ کے علمی روحانی فیوض کا سلسلہ کتنی مدت تک جاری رہا، اس بارے میں کچھ لکھنا دشوار ہے۔ اسلئے کہ نہ تو سالِ ولادت کا پتہ چل سکا نہ سالِ وفات معلوم ہو سکا۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرتؒ کا انتقال ۹۸۵ھ کے بعد ہی ہوا۔ "اسرارِ جہانی" نامی کتاب میں حضرت شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیاں ثانی آپ کے صاحبزادے نے تحریر کیا ہے کہ "شب جمعہ ۲۹ رجمادی الثانیہ ۹۸۵ھ میں حضرت مخدوم و مرشد والد ماجد قبلہ نے اس ضعیف کو سامنے بٹھا کر یہ ذکر فرمایا" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات ۹۸۵ھ کے بعد عہدِ اکبری میں ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے (۱) شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیاںؒ (۲) شاہ منورؒ (۳) شاہ نظام الدینؒ۔

خلفاء "اسرارِ جہانی" کے مصنف نے آپ کے خلفاء کی تعداد اکیس ۲۱ درج کی ہے جن میں سرِ فہرست شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیاں ثانیؒ ہیں۔ (تاریخ کوڑہ جہانیاں ص۱۴۰)

حضرت شاہ علاؤالدین ابن سید قطب الدین کوڑہ جہان آبادی فتحپور ۹۷۴ھ

نام ونسب نام شاہ علاؤالدین عرف شاہ حسین، والد کا نام سید قطب الدین ہے۔ آپ سید قطب الدین رح کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔

تعلیم وتربیت اپنے والد گرامی سے ہی تعلیم حاصل کی۔ پھر جونپور تشریف لے گئے حضرات علماء وصلحاء کے مختلف دائروں میں کچھ عرصہ رہ کر استفادہ کیا۔ والد گرامی سے ہی بیعت اور ۹۲۸ھ میں مجاز ہوئے۔

تدریس جونپور سے واپس ہوئے تو والد گرامی ہی کے مدرسہ میں درس وتدریس کا آغاز کیا۔ ۹۴۶ھ تک آپ اسی مدرسہ میں مشغول رہے لیکن جب طالبان علوم نبوت اور عازمان راہ حقیقت کی کثرت ہوئی تو آپ نے اپنا مدرسہ علیحدہ قائم کیا اور خانقاہ بھی علیحدہ بنائی۔ ان دونوں مدارس اور خانقاہوں نے مزید مدارس اور خانقاہوں کو وجود بخشا۔

تصنیف حضرت شاہ علاؤالدین کو اپنے والد گرامی سے جو آپ کے استاذ عالی اور مرشد گرامی بھی تھے جنھوں نے آپ کو تعلیم وتربیت دی بیعت کیا اور مجاز بنایا بیحد تعلق خاطر تھا۔ ان کے سانحۂ ارتحال کے بعد ان کے حالات، ملفوظات، تعلیمات پر ایک کتاب "سیر سالاری" تصنیف فرمائی۔ اپنے والد گرامی کی حیات مقدسہ کے مختلف گوشوں کا انتہائی تعلق ومحبت کے ساتھ ذکر کیا اور آپ کے اعمال واقوال ذکر کرکے قرآن وسنت سے تطبیق دی۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ علاؤالدین رح کو قرآن

وسنت سے بیحد شغف تھا۔ اور آپ کے قلب و دماغ پر اسکی بڑی گہری چھاپ تھی۔

ارشادات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت سے حضرت رح کے استشہاد کی چند مثالیں پیش کردی جائیں :۔

وعظ و نصیحت کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ہر بات وعظ و نصیحت ہے۔

اے عزیز از جان عزیز، جانو کہ وعظ و نصیحت قریب المعنی ہیں۔ وعظ خیر کی بات کہنا، اور نصیحت خیر خواہی کرنا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ہر بات وعظ و نصیحت ہی ہوتی تھی۔ یہ فرق بیان کرنے کے بعد اس کے ثبوت میں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ہر بات وعظ و نصیحت تھی، قرآن پاک سے استدلال کرتے ہیں :۔

ومایَنطِقُ عنِ الھوٰی ط ان ھوالا وحی یوحیٰ ہ (پ۲۷ ع ۵)

وہ نہیں بولتے اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔

دوسری مثال ملاحظہ ہو: شاگرد کے لئے استاذ کے سامنے باادب بیٹھنے کی ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

شاگرد کے ادب میں ایک ادب یہ بھی ہے کہ اُستاذ کے سامنے اونچی اور سخت آواز سے سوال نہ کرے، بلکہ جب استاذ اپنی تقریر سے فارغ ہو تو نرمی اور آہستگی سے اپنی بات عرض کرے اور ادب کے ساتھ دو کمان یا ایک کمان کے فاصلہ پر بیٹھے۔ اِس سے زیادہ نزدیک بیٹھنا سوء ادبی ہے۔ جس پر استدلال ذیل کی آیت کریمہ سے ہو رہا ہے :۔

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ

پھر وہ قریب آیا اور جھک پڑا، یہاں تک

قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ہ کہ وہ دو کمانوں کے فاصلہ کے برابر قریب
(پ ۲۷، ا ع ۵) آگیا، بلکہ اِس سے بھی زیادہ نزدیک۔

حدیث شریف سے استشہاد کی دو مثالیں سن لیجئے۔ ارشاد ہو رہا ہے:۔
بچوں کی تادیب، ڈانٹ ڈپٹ یا اُن کے حال کے مطابق ضرب مشروع شفقت میں داخل ہے۔ بچوں کی تادیب کا مسئلہ ہے۔ مارنے کی شہادت حدیث شریف سے پیش کر رہے ہیں:۔

مُرُوْا صِبْیَانَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب
اِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا وَاضْرِبُوْھُمْ وہ سات سال کے ہوں، اور ان کو مارو
اِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا" جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچیں۔

مسواک کے بارے میں حضرت مخدوم صاحبؒ کا معمول بتایا جارہا ہے۔ اے عزیز، از جان عزیزما جانو کہ مخدوم صاحب وضو کی ابتدا مسواک سے کرتے تھے۔ مسواک کرنا سنت ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور علماء نے اس پر مواظبت کی ہے۔ مسواک بہت سے فوائد رکھتی ہے۔ اصلاً سنت کی اقامت واحیاء مقصود ہے۔ منہ کو پاک و صاف رکھتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے:۔
اَلسِّوَاکُ مُطَھِّرَۃٌ لِّلْفَمِ مسواک منہ کو پاک وصاف کرنے
وَمَرْضَاۃٌ لِّلرَّبِّ۔ اور اللہ کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:۔ آپؐ کا ارشاد ہے:۔
لَوْلَا اَشُقُّ عَلٰی اُمَّتِیْ اگر مجھ کو اپنی اُمت پر گرانی کا خوف
لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ نہ ہوتا تو میں ان کو ہر فرض نماز کے وقت

كُلِّ مَكْتُوبَةٍ ۔ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

ایثار نفسی حضرت والد گرامی نے اس ضعیف کو اس وصف (ایثار نفسی) سے نوازا۔ ایک دن موسم سرما میں ایک طالب علم کے پاس سردی سے بچنے کے لئے کوئی اور کپڑا نہ تھا۔ مجھ ضعیف نے اپنی نفیس قیمتی شال اس کے حوالے کر دی اور خود ایک پرانی دوہرا اوڑھ لی۔ والد گرامی نے یہ حال دیکھا تو خوش ہوئے، مسرت سے رخسار مبارک سرخ درخشاں ہو گئے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر ۱۸) جبکہ وہ لوگ خود ضرورت مند ہیں۔

آیت کریمہ سے اتفاقی مطابقت پر صاحبزادے کو جس قدر خوشی ہوئی، کم تھی، لیکن فرماتے کیا ہیں:۔

میں نے کہا الحمد للہ، اور قلب کا محاسبہ کیا کہ آیت کریمہ سے اس مطابقت پر نفس خوشی سے مغرور ہو کر برباد نہ ہو جائے۔

اللہ اللہ، یہ ہیں اللہ والے کہ جو ہر حال میں اپنے نفس اور نسبت کی نگہداشت کرتے ہیں۔

نماز کے سلسلہ کی ایک تلقین حضرت ہی کے الفاظ میں سنیں تو لطف زیادہ آئے گا اور طبیعت عمل پر راغب ہو گی۔ فرمایا: ہاتھ اٹھاتے ہوئے غیر حق کی نفی کا تصور اور ہاتھ باندھتے وقت اثباتِ حق کا تصور کرے۔ دوسرے اذکار کے علاوہ یہ بھی ایک ذکر ہے، اس پر مداومت کرے۔

آگے اس کی مصلحت بیان ہو رہی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ رفع یدین

دُنیا اور عقبیٰ کی نفی کی طرف اشارہ ہے۔ داہنے ہاتھ سے عقبیٰ اور بائیں ہاتھ سے دنیا، اور دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے حق تعالےٰ کے اثبات کی طرف اشارہ ہے۔ آگے پڑھیے!

نمازی نے جب دونوں عالم کی نفی کر دی تو خود کی بھی نفی ہو گئی۔ اس لیے کہ وہ دونوں عالم ہی میں ہے۔ اس لیے حق کے سوا کوئی نہ رہا۔ یہ تو پہلی تلقین ہوئی۔ دوسری تلقین سجدہ سے متعلق فرمائی۔

فرمایا کہ: پہلا سجدہ کرے تو پیشانی خاک پر ملے، یہ اشارہ ہے کہ میں اسی خاک سے پیدا ہوا ہوں۔ دوسرے سجدہ میں پیشانی خاک پر ملے۔ اس میں اشارہ ہے کہ میں پھر خاک ہی ہو جاؤں گا۔ (سوانح ص۱۶۱)

وفات کوڑہ کی سرزمین پر درس وتدریس، رشد و ہدایت کا یہ دوسرا دور تھا، جس کو شاہ بہاؤالدین رحؒ اور شاہ علاؤالدین رحؒ نے پورا کیا دونوں بزرگوں نے اپنے اخلاف کو تیسرے دور کے لئے تیار کیا۔ حضرت شاہ علاؤالدین رحؒ نے ۹۷۴ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(قصبہ کوڑہ، تاریخ وشخصیات ص۱۵۶ تا ص۱۶۱)

پسماندگان آپ کے صرف دو بچے تھے۔ صاحبزادے کا نام سید قطب الدین ثانی اور صاحبزادی کا نام نصیبہ بی بی تھا جو خاندان میں عبدالحی عرف علی پسر محمد خالق کو منسوب تھیں۔

خلفاء آپ کے صاحبزادے سید قطب الدین ثانی رحؒ آپ کے تربیت یافتہ اور خلیفہ تھے۔ بقیہ خلفاء کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ (قصبہ کوڑہ۔ تاریخ وشخصیات ص۱۶۲)

حضرت شاہ حمید الدین ابن سید بہاؤ الدین کوڑہ جہان آبادی فتحپوری المتوفی دسویں صدی

نام و نسب نام حمید الدین عرف مخدوم جہانیاں ثانی، والد کا نام سید بہاء الدین، دادا سید قطب الدین

ولادت سال ولادت نہیں معلوم ہو سکا۔ لیکن قیاس یہ ہے کہ آپ سلطان ابراہیم لودھی کے عہد میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی سے علم حاصل کیا۔ اُنہی کے زیر تربیت رہے تعلیم سے فراغت کے بعد آبائی مدرسہ میں تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اُنہی سے بیعت ہوئے۔

خلافت ۲۸ ربیع الاول ۹۵۱ھ میں آپ کے والد گرامی نے اجازت و خلافت سے نوازا، بعض مخصوص اوراد و وظائف کی بھی آپ نے اجازت دی۔

تصنیف اوراد و اذکار آپ نے اپنی "اسرار جہانی" نامی کتاب میں جمع کر دیئے ہیں۔ جو گیارہ بابوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو مؤلف نے اپنے حضرت والد صاحبؒ اور مکرم دادا صاحب کی مدد سے مکمل کیا ہے۔

وفات سال وفات نہیں معلوم ہو سکا لیکن قیاس یہ ہے کہ اکبر یا جہانگیر کے عہد میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

پسماندگان تین صاحبزادے ہیں (۱) شاہ مبارکؒ (۲) شاہ جمالؒ جن کا تذکرہ انشاء اللہ اقوال سلف حصہ پنجم میں آئیگا (۳) شاہ احمدؒ تینوں صاحبزادوں کو علم و روحانیت کا چوتھا دور شروع کرنے کے لئے تیار کر دیا تھا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(قصبہ کوڑہ، تاریخ و شخصیات ص۱۶۴)

حضرت شاہ العالمین عبدالرزاق علوی جھنجھانوی رح المتوفی ۹۴۹ھ

نام و نسب نام عبدالرزاق، کنیت ابوعبداللہ، لقب شاہ العالمین، والد کا نام شیخ احمد زاہد ابن قاضی القضاۃ فاضل رح۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۸۸۶ھ میں ہوئی۔

حالات آپ کے آباء و اجداد کا قدیم وطن عراق تھا۔ آپ کے جدامجد شیخ الاسلام ابوسعید الرازی العلوی رح ترک وطن کرکے وارد ہندوستان ہوئے اور سلطان الہند شہاب الدین غوری کے عہد میں دہلی پہنچے۔ وہاں سے قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں آکر اقامت گزیں ہوئے۔

حضرت شاہ العالمین ابھی عالم شیر خوارگی ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ انتقال فرماگئیں۔ آپ کے والد بزرگوار اکثر فکرمند رہتے تھے کہ ان کی پرورش کیسے ہوگی، ان کی تعلیم و تربیت کا بار کون اٹھائے گا۔ (صحائف معرفت ص۲۹)

بشارت نبوی ایک دن انہی خیالات میں کھوئے ہوئے تھے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی، خواب میں دیکھا کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم شاہ العالمین کو اپنی آغوش رحمت میں لئے ہوئے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ اے احمد زاہد! تو اپنے اس بچہ کی طرف سے فکرمند نہ ہو، اس کا غم نہ کر، یہ ہمارا ہے اور صدیقین میں سے ہے۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو دل فرط مسرت سے لبریز تھا۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا اور بے اختیار اپنے بچہ کو اٹھا کر سینہ سے لگالیا۔

اور ہمیشہ بے حد خیال رکھتے تھے۔

تعلیم و تربیت

جب آپ کی عمر پڑھنے کے لائق ہوئی تو آپ کے والد آپ کو قاضی نعمان الزمان کے مدرسہ لے گئے، اور وہاں شیخ جلال الدین جھنجھانوی رحؒ کے سپرد کیا۔ حضرت جھنجھانوی رحؒ نے اپنے نور باطن سے یہ جان لیا کہ اُن کا ہونے والا شاگرد آئندہ کن مراتب پر فائز ہوگا۔ اس لئے آپ ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ جب تہجد کے لئے اُٹھتے تو آپ کو گھر سے بُلوا کر اپنے پاس بٹھالیتے اور بارگاہِ الٰہی میں دعا فرماتے اے الٰہ العالمین تونے اپنے بندے ناچیز کو اپنی رحمت سے جو درجات مرحمت فرمائے ہیں وہ اپنے لطف خاص سے عبد الرزاق کو بھی ارزانی فرما۔

دس سال تک آپ کی خدمت میں رہ کر تحصیل علوم کرتے رہے۔ اس اثناء میں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ فارسی کی مختلف کتابیں اور بعض ابتدائی کتب فقہ کا درس لیا۔ حضرت جھنجھانوی رحؒ کے انتقال کے بعد آپ نے حصول علم و کمال کی غرض سے قصبہ پانی پت کی طرف رُخ کیا، پھر وہاں سے دہلی پہنچے اور مولانا عبد اللہ العثمانی رحؒ کی خدمت میں پانچ سال رہ کر اُن کے حلقۂ درس سے فیضیاب ہوتے رہے۔ پھر وہاں سے کالپی اور کڑہ مانکپور وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے بزرگوں سے استفادہ کیا۔ اور اکثر علومِ عقلی و نقلی میں دسترس حاصل کی۔ پھر آخر میں مولانا عبد اللہ رحؒ کی خدمت میں دہلی پہنچے اور تقریباً تیس سال تک تحصیل و تکمیل علوم میں مشغول رہے۔ مولانا عبد اللہ صاحب رحؒ کی وفات کے بعد آپ کو مولانا رحؒ کی جگہ پر درس دینے کے لئے مقرر کیا گیا۔ حضرت اپنے تبحر علمی اور تفقہ دینی کی وجہ سے مرجع خلائق بن گئے۔ (صحائف معرفت ص۳۴)

بیعت وخلافت

قطبِ عالم شیخ اعظم محمد خیالی بن حسن طاہر کمالؒ سلطان سکندر لودھی کی دعوت پر مکہ معظمہ سے وارد اکبرآباد ہوئے۔ حضرت شاہ العالمین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت قطبِ عالم سے بعض مسائلِ تصوف پر کلام کرنے لگے۔ اور آپ نے دلائل کے ساتھ اُن مسائل پر رد کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس بحث ومباحثہ میں ایک پہر گزر گیا۔ حضرت قطب عالمؒ دورانِ مباحثہ تبسم فرماتے رہتے تھے اور آپ پر عالمانہ جلال چھایا رہا۔ کچھ دیر کے بعد قطب عالم نے آپ کی گردن میں دست مبارک ڈال کر اپنی طرف کھینچا اور کان میں کچھ کہا۔ اس کلمۂ اسرار اور حرفِ حق کا گوش ہوش تک پہنچنا تھا کہ وہ تمام علوم عقلی ونقلی آپ کے صفحۂ ذہن وخیال سے یک قلم محو ہو گئے۔

جب وہاں سے واپس آئے تو درس وتدریس بھول گئے۔ مطالعہ کرنے کے لئے تفسیر کھولی تو اس آیتِ مقدسہ پر نظر پڑی "جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" اس آیت پر نظر پڑتے ہی آپ کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے شیخ اعظم کا جلوۂ جمال آپ کے دل ودماغ پر چھا گیا۔ اسی کیفیت میں پھر آپ وہاں پہنچ گئے۔ شیخ کی توجہ سے جب وہ کیفیت ختم ہوئی۔ تو جب دوبارہ تفسیر کھولا اُس وقت بھی یہی آیت سامنے آئی، پھر وہی کیفیت عود کر آئی۔ پھر جب قرار آیا تو تیسری مرتبہ تفسیر کھولا، تو اس آیت پر نظر پڑی؛ "وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" آپ اس کے معنی پر غور کرتے رہے، اور آپ کی کیفیت پھر بدل گئی۔ حضرت قطبِ عالمؒ نے آپ کو کچھ خاص کلمات کی تلقین فرمائی، جس سے آپ کی روح کو یک گونہ تسکین ہوئی۔ آپنے

تین وقت کی نماز حضرت کے حجرہ ہی میں ادا کی۔ اس کے بعد آپ اپنے مرشد کامل کے ساتھ حجرۂ نورانی سے باہر آئے۔ حضرت نے مشائخ سلف کے دستور کے مطابق آپ کو طاقیہ مع شجرۂ قادریہ مرحمت فرمایا۔

اس کے بعد راہِ سلوک میں محنت و ریاضت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس میں آپ کو عجز و تذلل کی منزلوں سے گزرنا پڑا۔ تاکہ دل سے عجب و پندار کا زنگ دور ہو سکے۔

جب کبھی آپ اپنے مرشد کامل سے اپنے تجربات بیان کرتے تو حضرتؒ اس کے جواب میں فرماتے کہ عبد الرزاق! مطلوب حقیقی کی منزل ابھی دور ہے۔ اور فرماتے کہ راہ سلوک میں عالم ملکوت و جبروت کے عجائبات سالک کے صفحۂ دل پر مرتسم ہوتے ہیں، لیکن طالبِ حق کو چاہیئے کہ وہ ان سب سے دامن کشاں گزر جائے، یہاں تک کہ تعینات کے پردے درِ دل سے اٹھ جائیں اور سوائے ذاتِ واجب الوجود کے تمام تعینات و تشخصات جو اس کا پرتو ہیں اور کچھ باقی نہ رہے۔ تو سمجھنا چاہیئے کہ اب سالک فنار فی اللہ کی منزل تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد بقار باللہ کی منزل آتی ہے جو انبیار اور اخص الخواص کا درجہ ہے۔ "تخلقوا باخلاق اللہ واتصفوا باوصاف اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جاؤ۔

حضرت شاہ العالمین سات برس تک اپنے مرشد کامل کی خدمت میں رہے، اور زہد و ریاضت کا کوئی سلسلہ ایسا نہ تھا جو آپ نے نہ کیا ہو آخر آپ اپنی محنت شاقہ اور خلوص بے پایاں کے سبب مقام اعلیٰ تک پہنچ گئے۔ ایک روز آپ کے مرشد کامل آپ کے پاس آئے اور فرمایا :-

شیخ عبدالرزاق! مجھے شرم آتی ہے کہ تم جیسا فرزند معنوی رہتے ہوئے خلق اللہ کو مرید کروں اور طالبانِ حق کے اذکار و اشغال کی ذمہ داری سنبھالے رہوں، اب تم اس ذمہ داری کو قبول کرو اور جادۂ شریعت و سجادۂ طریقت پر چل کر سلسلۂ عالیہ قادریہ کے مرشدوں نے جسے اپنا شعارِ حیات بنایا ہے اپنے برادرانِ دینی کو اس دولتِ عظمیٰ اور سعادتِ کبریٰ سے مالامال کرو۔ اور مخلوقِ خدا کی جانب سے اب تک جو ذمہ داری مجھ پر عائد ہے اُسے تم خود اٹھاؤ۔

حضرت شاہ العالمین نے اپنی عدم صلاحیت کا عذر پیش کیا، لیکن مرشد کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ (صحائف معرفت ص۴۲)

جھنجھانہ میں قیام

حضرت شاہ العالمین اپنے مرشد کے انتقال کے بعد جھنجھانہ تشریف لائے اور ہمہ وقت اشغال میں مشغول رہتے۔ اور بندگانِ الٰہی اور ان کی صلاح و فلاح کے لئے متفکر رہتے، آپ زاہد متوکل کی زندگی گزارتے تھے۔ شب و روز میں صرف قوت لایموت (یعنی جینے بھر کے لئے) کچھ کھالیتے، ورنہ اکثر دائم الصوم رہتے اور پانی کے گھونٹ یا بیری کے پتے سے افطار فرمالیتے۔

کرامت

صاحبِ "بحر الاسرار" نے تقریباً دو سو کرامتوں کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ سب کے راوی معتبر اشخاص ہیں۔ اُن میں سے چند کرامتوں کا تذکرہ "صحائف معرفت" میں مذکور ہے۔

اقتباسات

آپ کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف "صحائفِ معرفت" ہے جو سلوک طے کرنے والوں کے لئے بیحد مفید و بصیرت افروز ہے۔ اس میں سے کچھ مفید اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں:۔

فرمایا: اللہ تعالے نے اِس بات کا حکم دیا ہے کہ قوانینِ شرع کی پابندی ہم پر فرض ہے۔ جب یہ خیال انسان کے دل میں گزرتا ہے، تو اُس کے اندر اللہ کا خوف جاگ اُٹھتا ہے اور وہ خشوع و خضوع کی راہ اختیار کرتا ہے۔

فرمایا: جاننا چاہیئے کہ عبادت کی روح معرفت ہے۔ بغیر معرفتِ الٰہی کے عبادت بے معنی ہے۔ " اَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ " (میں تمھارا رب ہوں میری ربوبیت کا عرفان حاصل کرو اور میری عبادت کرو۔) پس حق معرفت تمام دوسری باتوں سے زیادہ اہم ہے اور اعظم امور میں سے ہے۔

فرمایا: راہِ طریقت کے سالک کو چاہیئے کہ وہ ریاکاری اور خود پسندی سے دور ہو کر طاعت و عبادت کی طرف قدم بڑھائے۔ اس وقت اس کے دل میں اچھے بُرے جیسے بھی خطرات پیدا ہوں اُن سب کی نفی کرے اور فی الجملہ "خطرۂ خیر" اور "خطرۂ شر" میں امتیاز کرے۔

اولیاء اللہ نے خواطر کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) خاطر حقانی (۲) خاطر ملکوتی (۳) خاطر نفسانی (۴) خاطر شیطانی۔

فرمایا: سب سے پہلے دل کی حفاظت فرض ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے:۔ " وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ " (یعنی اللہ تعالے وہ سب کچھ جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے) دل بادشاہ ہے اور تمام اعضاء و جوارح اس کے تابع فرمان ہیں۔ جب دل نیکی اختیار کرتا ہے تو رعیت یعنی اعضائے مختلف بھی اُس کی پیروی میں صلاح و فلاح کی راہ اختیار کرتے اور نیک بن جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ دل جو ایک پارۂ گوشت ہے اگر وہ نیک ہو جائے تو سارا جسم نیک ہو جائے۔ اس کے برعکس جب دل برائی

کی راہ اختیار کرتا ہے تو تمام بدن برا ہو جاتا ہے۔

فرمایا: عبادت کی بہترین حالت یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ تعالےٰ کی عبادت کرے کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر حضورِ قلب کا یہ درجہ تجھے میسر نہ ہو تو تجھے اس کا یقین ہو کہ اللہ تعالےٰ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ جب نماز پڑھنے والا قبلہ کی طرف اپنا منہ کر لیتا ہے، تو باقی جہتوں کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کا منہ قبلہ سے پھرتا ہے تو اُس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہی حال رجوعِ قلب کا ہے بارگاہِ الٰہی قلبِ انسان کا قبلہ ہے اور نماز پڑھنے والے کا دل قبلۂ حقیقی کی طرف ہونا چاہیے، کہ اس کی نماز فاسد نہ ہو۔ (۱۲۳)

ایسی نماز جس میں صرف تیرا جسم ہی حاضر ہو اور دل غیر حاضر، وہ تو عوام کی نماز ہے۔ اس کو ادا کر کے تو یہ سوچنے لگے کہ تو نے کوئی کام کیا ہے اور مصلیوں میں شامل ہو گیا ہے۔ اور یہ کہے کہ اللہ تعالےٰ کا میں شکر گزار رہوں کہ اُس نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی، تو یاد رکھ کہ ایسی نماز قبول نہیں کی جائے گی، بلکہ اُسے تیرے منہ پر مار دیا جائے گا۔ (۱۲۴)

فرمایا: جو جسم سے حج کرتا ہے تو وہ گویا اللہ کے گھر تک پہنچنے کی سعی کرتا ہے، جو عام لوگوں کا حج ہے۔ اور جو دل سے حج کرتا ہے، وہ گویا صاحبِ خانہ یا گھر کے مالک کی جستجو کرتا ہے، جو خاصانِ الٰہی کا حج ہے۔ جو جسمانی حج کرتا ہے وہ طوافِ کعبہ کرتا ہے۔ اور جو دل سے حج کرتا ہے خود کعبہ اس کی ہوائے محبت میں دوڑتا ہے۔ جو جسمانی حج کرتا ہے وہ میدان صفا و مروہ پر دوڑتا ہے۔ اور جو دل سے حج کرتا ہے وہ وادیٔ جلال وجمال کی سیر کرتا ہے۔ جو جسمانی حج کرتا ہے وہ ایک پتھر کو بوسہ دیتا ہے، اور جو دل سے حج کرتا ہے وہ عہد نامۂ محبتِ ازل سے بوسہ

دیتا ہے۔ جو جسمانی حج کرتا ہے وہ جب تک کعبہ کو نہیں دیکھتا اس کا دل نہیں مانتا۔ اور جو دل سے حج کرتا ہے، وہ جب تک صاحب خانہ یعنی اللہ پاک کے جمال کو نہیں دیکھتا اسے چین نہیں آتا۔ (ص۱۴۲)

فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے چھ چیزوں کی حفاظت کی، میں اس کو چھ چیزوں سے عزت بخشوں گا۔ (۱) جس نے زبان کی (بری باتوں سے) حفاظت کی، میں اسے اپنے ذکر کی عزت عطا کروں گا۔ (۲) جس نے (غیر اللہ سے) اپنی نگاہوں کی حفاظت کی، میں اس کو اپنے دیدار کی لذت سے نوازوں گا (۳) فرمایا: جس نے اپنے اخلاق کی حفاظت کی، خلائق کے درمیان میں اسے اپنی حکمت سے سرفراز کروں گا۔ (۴) جس نے محبت دنیا سے اپنے قلب کی حفاظت کی، میں اس کو اپنی نظر عزت عطا کروں گا۔ (۵) جس نے صبر کے ذریعہ اپنے نفس کی حفاظت کی، میں اسے گناہوں سے بچنے کی سعادت بخشوں گا۔ (ص۱۶۳)

ف: اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حقیقی نماز و حج اور دوسری عبادات کی توفیق ارزانی فرمائے (مرتب)

فرمایا: قناعت یہ ہے کہ جو موجود ہے اس پر صبر کیا جائے اور جو میسر نہیں ہے اس کی طلب نہ ہو۔ یہ اخیار کی قناعت ہے۔ اور خاصان الٰہی کی قناعت یہ ہے کہ جو میسر آجائے اس کو دوسرے مستحقین کو دیدے اور خود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا پر شاکر رہے۔ یہ ابرار کی قناعت ہے جو صالحین ہیں اور اخص الخواص کی قناعت یہ ہے کہ رب موجود کے مشاہدہ پر قناعت کرے اور غیر اللہ سے نظر ہٹالے۔ یہ شطاروں یعنی عاشقان الٰہی کی قناعت ہے۔ (ص۲)

فرمایا یہ ضروری ہے کہ ذکر میں شروع سے آخر تک تیری توجہ بس اللہ کی طرف ہو، اور تو رجوع قلب کے ساتھ خود کو بارگاہ الٰہی میں حاضر سمجھے اور شیخ طریقت سے

ہمت و مدد کا طالب ہو۔ اور یہ تصور کرے کہ تو ذکر لَآ اِلٰہَ کے ضرب سے غیر کے رشتہ و پیوند کو کاٹتا ہے اور اِلَّا اللہ سے محبت الٰہی کے بیج بوتا ہے۔ اس طرح ذکر پر مداومت کرے تاکہ تو بتدریج اپنے دل کو غیر اللہ کی محبت اور تعلق سے خالی کرے۔ ذکر میں مداومت سے "اہتزاز" پیدا ہوتا ہے۔ اور اہتزاز کے معنی یہ ہیں کہ ذکر کے غلبہ اور کثرت سے ذاکر کی ہستی ذکر کے نور میں ڈوب جاتی ہے اور احساس ہستی مضمحل ہو جاتا ہے۔ اور ذکر کی برکت سے دنیاوی علائق اور تعلقات وجود کے بندھنوں سے ذکر کرنے والا آزاد ہو جاتا ہے۔ اور وہ جسمانی طور سے ہلکا پھلکا ہو کر عالم روحانی کی طرف جادہ پیما ہوتا ہے۔ (صحائف معرفت ص۲۲۵)

ف: سبحان اللہ، کیا ہی خوب علوم و معارف ہیں جو نقش قلوب کیے جانے کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان اسرار و حقائق سے مشرف فرمائے اور ان کے مطابق میرا اور میرے جملہ نسبی و قلبی ذریت و منتسبین کا حال و مقام بنائے اگرچہ میں اس لائق نہیں لیکن ماذالك علی اللہ بعزیز۔ آمین بجاہ رب العالمین و بحرمۃ سیدنا النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (مرتب) جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ

وفات ایک طویل زندگی گزارنے اور خلق اللہ کی راہ میں ہدایت کی نورانی شمع تقریباً نصف صدی روشن رکھنے کے بعد آپ نے ۲۳ ذی الحجہ ۹۴۹ھ میں بعہد سلطان فرید خاں الملقب بہ شیر شاہ سوری وفات پائی، اور جھنجھانہ کی عظیم الشان تاریخی جامع مسجد کے احاطہ میں جانب جنوب مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(صحائف معرفت ص۲۵)

حضرت میر علی عاشقاں سرائے میری ضلع اعظم گڈھ المتوفی ۹۵۰ھ

نام ،نسب اور خاندانی حالات کسی نے آپ کا نام سید علی قوام ،کسی نے میر سید علی قوام الدین اور کسی نے سید علی ابن قوام الدین لکھا ہے ۔

مقامات کی نسبتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحبؒ کے آباء و اجداد ترمذ اور لاہور سے ہوتے ہوئے پہلے سرہند کے قریب مقام سوانہ میں آباد ہوئے ۔یہ خاندان سوانہ میں کب آیا اور کب آباد ہوا ؟اس کا پتہ نہیں چلتا ۔

ولادت قرائن سے آپ کی ولادت کی تاریخ ۸۷۰ھ کے حدود میں معلوم ہوتی ہے ۔

تعلیم و تربیت آپ کے والد سید قوام الدین اور دادا شیخ سعید ابن محفوظ سوانہ کے اصحاب علم و فضل میں تھے ۔میر صاحب نواح دہلی کے رہنے والے تھے مگر آپ کی تعلیم و تربیت دیار پورب میں ہوئی ۔میر صاحب ابتداء حال میں درباریوں سے منسلک ہو گئے ایک دن وہ آقا کے دربار میں حاضر ہوئے اور باریابی کی اجازت چاہی ،مگر اجازت نہ مل سکی ۔اس واقعہ سے بہت زیادہ متأثر ہوئے اور اسی وقت آپ کے دل میں تعلق مع اللہ کا شدید داعیہ پیدا ہو گیا اور یہ خیال پیدا ہوا کہ آج تم جس امیر کی خدمت میں لگے رہتے ہو جب اسکے دربار میں تمکو باریابی کی اجازت نہیں ملی ،تو کل مالک حقیقی کے دربار میں باریابی کی اجازت کیسے مل سکتی ہے جبکہ تم اسکی اطاعت و فرمانبرداری بھی نہیں کرتے ہو ۔یہ سوچ کر تمام مال و اسباب فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا اور دہلی سے برہنہ پا شیخ قاضن کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔شیخ قاضنؒ نے بڑھ کر استقبال کیا اور فرمایا کہ میں تمھاری آمد کا منتظر تھا ۔اس کے بعد شیخ نے کچھ اوراد

ؔ مورخ شہیر مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ نے اپنی تصنیف "دیار پورب میں علم اور علماء" میں آپ کا تذکرہ بہت طویل فرمایا ہے ،اس کا اختصار کر کے ہدیۂ ناظرین ہے ۔ (مرتب)

واذکار کی تلقین فرمائی، جن سے میر صاحبؒ کے قلب میں سوز دروں کی کیفیت پیدا ہوگئی یہ آگ رفتہ رفتہ تیز ہوتی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ بیتابی میں ادھر اُدھر چکر کاٹتے اور کہتے کہ کوئی ہے جو قاضن کی لگائی ہوئی آگ کو بجھادے۔ اسی عالم حیرانی وپریشانی میں آپ کا گزر حضرت شیخ بہاؤالدین جونپوریؒ کے یہاں ہوا، اُنھوں نے ایسی روحانی غذادیدی جس سے وہ آگ دب گئی اور معرفت الٰہی کے تمام مقامات آپ پر منکشف ہوگئے اور انکے کامل ترین خلفاء میں سے ہوئے۔ پھر اُنکے بعد دوسرے کئی مشائخ سے کسب فیض کیا جن میں شیخ بہاؤالدین چشتی جونپوریؒ جیسے کامل شریعت وطریقت بھی تھے اور میر صاحبؒ اُنہی کے مرید اور خلیفہ سے مشہور ہوئے۔

سرائے میر نام کی وجہ قصہ مختصر یہ کہ تحصیل وتکمیل کے بعد آپ نے دیار مشرق ہی میں سکونت اختیار فرمائی اور سرائے میر سے متصل کھریوان نامی بستی میں بود وباش اختیار کر کے اسی کے قریب مرتضیٰ آباد کے نام سے ایک گاؤں بسایا، جو بعد میں سرائے میر کے نام سے مشہور ہوگیا، پھر اسکو اپنا مسکن بنایا ارشاد وتلقین کا مرکز بنا کر یہیں انتقال فرمایا۔ (دیار پورب ۲۶ میں)

میر صاحب نے علوم ظاہری کی تعلیم وتدریس کے بجائے علوم روحانی کی تلقین وترویج اور رشد وہدایت خلق کو اپنا مشغلۂ حیات بنایا اور پوری زندگی اسی میں بسر کی اور اس کا معیار علوم شرعی کو بنایا اور پیروئ سنت اور اتباع شریعت کی راہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ (دیار پورب ص۲۷ میں علم اور علماء)

ف: اسی لئے شیخ قوام الدینؒ نے فرمایا کہ اسکا کام کا معیار کتاب وسنت اور سیرت سلف ہے۔ (تعلیم الدین، مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

فتوحات وعطیات میر صاحب کے فتوحات وعطیات کی تصریح کتابوں میں ملتی ہے۔ جو بیوی بچوں اور خدم وحشم کیلئے کافی ہوتی تھیں۔ حضرت شاہ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے۔ "وصول فتوحات بروے متصل ومتوالی بودے وہرگز منقطع نہ گشتے۔"

"خزینۃ الاصفیاء" میں بھی یہی لکھا ہے۔ فتوحات وعطیات کے بارے میں میر صاحبؒ کا عمل اس حدیث کے

تھا کہ اگر حرص و طلب کے بغیر مال ملے تو اُسے قبول کر لو، بعد میں اگر چاہو تو اپنے استعمال میں لاؤ اور اگر چاہو تو صدقہ کر دو۔ اور جو مال اس طرح نہ آئے اُس کی فکر میں نہ پڑو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اصول تھا کہ آپ خود کسی سے کبھی سوال نہیں کرتے تھے، لیکن اگر کوئی شخص کچھ دے دیتا تو اسے واپس بھی نہیں کرتے تھے۔ میر صاحبؒ کا عمل بھی اسی پر تھا۔ بغیر طلب و خواہش کے جو رقم آتی تھی اسے لے کر حرم سرا اور خدّام پر خرچ کر دیتے تھے۔ (صـ ۲۷۴)

ف: سبحان اللہ، کس قدر اعتدال تھا لینے دینے میں، اس لئے کہ باہم ہدیہ لینے دینے کی فضیلت حدیث میں وارد ہے، پس اس کے لینے میں اگر شرط کے موافق ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (مرتب)

تقسیم اوقات اور خدمتِ خلق

خدمتِ خلق مشائخ عظام کا خاص شعار ہے۔ اور وہ افضل الاشغال خدمۃ الناس کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں۔ میر صاحبؒ کا عمل بھی اسی پر تھا، اپنے طالبین اور مسترشدین کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ فجر کے بعد سے اشراق تک اور عصر سے مغرب تک مخصوص کیفیت رہتی تھی۔ اِس لئے ان اوقات میں کسی سے نہیں ملتے تھے۔ ان اوقات کے علاوہ پورا دن خدمتِ خلق میں صَرف کرتے تھے۔

(دیار پورب میں علم اور علماء صـ ۲۷۹)

وفات

آپ کا وصال سلطان نصیر الدین ہمایوں کے دور سلطنت میں سنہ ۹۵۰ھ میں بمقام سرائے میر ضلع اعظمگڈھ (یوپی) میں ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (دیار پورب میں علم اور علماء صـ ۲۸۰)

حضرت شیخ حمزہ دھرسوئی جونپور المتوفی ۹۵۷ھ

نام و نسب نام حمزہ، والد کا نام شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ہے۔

ولادت ۸۹۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعارف آپ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ کی اولاد میں سے تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب پیر سید محمد گیسو دراز تک پہنچتا ہے۔ آپ بڑے بابرکت، صاحب نعمت وکرامت اور دائم العبادت بزرگ تھے۔ اوقات کے بہت پابند تھے۔ سلطان بہلول کے زمانہ سے اسلام شاہ کے دور سلطنت تک زندہ رہے۔

اصلاح کی فکر آپ نے ابتدائی عمر میں کسی بادشاہ کے یہاں ملازمت کی۔ دوران ملازمت آپ کے دل میں خیال آیا کہ میں کیوں نہ اُس کا کام کروں جو میری حفاظت کرتا ہے، نہ کہ اُس کا جس کی میں حفاظت کرتا ہوں۔ پس اس خیال کے آنے کے بعد آپ خواجہ معین الدینؒ کے پاس اجمیر چلے گئے۔ وہاں جاتے ہی ایک دیوانے سے آپ کی ملاقات ہوگئی، اس کا نام بھی معین الدین تھا۔ تو آپ نے اُنہی سے فیض حاصل کیا، اور ساتھ ہی شیخ احمد مُجدؒ کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوئے تھے۔ اور اس کے بعد آپ اپنے وطن دھرسو واپس آگئے جو نارنول سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، پھر مستقل وہیں قیام کرلیا۔ آپ نے وہاں قیام اس وجہ سے کیا کہ وہاں کے سادات بگڑ چکے تھے۔ پھر اُن ہی لوگوں کی اصلاح میں

لگ گئے۔ چنانچہ آپ نے اُن لوگوں کو علم سے روشناس کرانے کے لئے دو اُستاذوں کا تقرر کیا۔

اَخلاقِ حسنہ آپ طالب علموں اور فقیروں سے محبت کیا کرتے تھے اور غیب سے اللہ تعالیٰ آپ کے تمام اخراجات پورے فرمادیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کو جتنا کچھ غیب سے ملتا تھا وہ تمام ہی خرچ کر دیا کرتے تھے، اس میں سے کچھ بچایا نہ کرتے تھے۔ اپنے اہل و عیال کو بھی اُس میں سے بقدر حصہ دیا کرتے تھے۔ آپ نے جس دن خلوت نشینی اختیار کی اُس دن کے بعد نہ خود کسی دنیادار کے پاس گئے اور نہ اپنے کسی خادم کو بھیجا۔

آپ کا معمول تھا کہ آپ ہمیشہ جمعہ کی نماز کے لئے دھرسو سے نارنول آتے۔ راستہ میں لکڑیوں کو جمع کرتے چلے آتے اور جہاں کوئی فقیر مل جاتا تو ان میں سے کچھ لکڑیاں اسکو دیدیا کرتے تھے۔

ارشادات آپ فرماتے تھے کہ دنیا آگ کے مانند ہے۔ اس آگ کو اتنا لیا جائے جس سے کہ کچھ پکا کر کھا سکیں اور سردیوں میں گرمی حاصل کرسکیں۔ مگر یہی آگ جب زیادہ ہوجاتی ہے تو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

کرامت آپ کا ایک مرید کہتا ہے کہ شیخ نے مجھ کو ایک ریگستان کی طرف بھیجا۔ راستہ میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں نہ تھیں، جس کی وجہ سے پیاس کی وجہ سے ایسا معلوم ہورہا تھا کہ میری جان نکل جائے گی۔ تو میرے دل میں خیال آیا کہ پہلے مشائخ اپنے مریدوں کو

ایسی جگہ بھیجا کرتے تھے جہاں دودھ ملتا تھا، اور میرے شیخ نے ایسی جگہ بھیج دیا جہاں پانی بھی میسر نہیں ہے۔ اسی دوران ایک چرواہا نظر آیا جو بکریاں چرا رہا تھا، میں نے اُس کے پاس جاکر کہا کہ تم اپنی مشک سے چند قطرے پانی میرے منہ میں ڈال دو، کیونکہ میں پیاس سے مر رہا ہوں اُس نے جواب دیا کہ یہاں پانی کہاں؟ البتہ دودھ ہے۔ پھر اُس نے تھوڑا سا دودھ مجھ کو دیا جسے پی کر میں آگے روانہ ہوگیا۔ (ابھی کچھ دور ہی میں چلا تھا کہ) پھر پیاس سے بیتاب ہو گیا، تو اُسوقت میری نظر ایک نشیبی مقام پر پڑی جہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ تھا، میں نے اُس چشمہ سے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور ایسا محسوس کرنے لگا جیسے مجھے دوبارہ زندگی مل گئی ہے۔

وفات

آپ کی وفات ۹۵۷ھ میں ۲۵ ربیع الثانی کو ہوئی۔ مغرب کی فرض نماز کی دو رکعتیں ادا کر چکے تھے کہ تیسری رکعت میں جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ رحمہُ اللہُ تعالیٰ۔ (اخبار الاخیار ص۲۰۱)

آپ کا مزار ضلع جونپور کے بشیشر گاؤں میں ہے۔ نوّر اللہُ مرقدہٗ۔

حضرت شیخ حسام الدین متقی ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی سنہ ۹۶۱ھ

تعارف

آپ بڑے عالم، زاہد، متقی تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" کے پیش نظر "اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ" کے بلند مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ جب شدید بھوک لگتی تو قوت لایموت کے اندازے سے معمولی سی غذا تناول فرماتے۔ اسی تنگی و سختی کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

تقویٰ، زہد اور شعار اسلامی ہونے میں اللہ تعالیٰ کی نشانی تھے اور آپ اُن بزرگوں میں سے تھے جنکے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝	یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشناک واقعہ پڑنے والا ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) مغموم ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں۔

آپ سے حضرت شیخ علی متقی صاحب "کنز العمال" نے بھی اوائل عمر میں علوم اسلامیہ حاصل کیا اور ورع و پاکبازی کا درس لیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے اور تمام صالحین سے راضی ہو۔ آمین یا ربّ العالمین!

ارشادات

منقول ہے کہ آپ شیخ بہاؤالدین ملتانیؒ کے مقبرے کے سائے تلے کھڑے نہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ بیت المال کی رقم سے بنایا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کا

حق اس پر صرف ہوا ہے۔

منقول ہے کہ جب کسی کو مسجد میں گاتے ہوئے دیکھتے تو منع فرما دیتے۔ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مستعد تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

شیخ علی متقی سے منقول ہے کہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ اب طبیعت کچھ خراب سی ہے، اس کا کیا سبب ہے؟ آپ کا یہ اصول تھا کہ جب باطن میں کچھ تکدر محسوس کرتے، تو اپنی غذا کے متعلق تحقیق و تفتیش کرتے کہ شاید غذا میں کچھ فرق ہو۔ چنانچہ آپ غذا، کی تحقیق کے لئے باورچی خانہ گئے اور باورچی سے دریافت کیا کہ آج کھانا کس طرح اور کہاں پکایا گیا ہے؟ باورچی نے تمام باتیں بتلانے کے بعد کہا کہ آج میں نے پڑوسی کے گھر سے بغیر اجازت آگ لے لی تھی۔ چنانچہ آپ پڑوسی کے گھر گئے جہاں سے آگ آئی تھی اور اس سے معافی مانگی اور کچھ دے کر خوش کر دیا۔

ف: یہ حضرتؒ کا اعلیٰ درجے کا تقویٰ تھا۔ اس لئے منجانب اللہ یہ واقعہ پیش آیا۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۹۶۱ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(اخبار الاخیار صـ۲۵۰)

حضرت مولانا درویش محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۷۰ھ

تعارف حضرت مولانا درویش محمدؒ کو اپنے ماموں محمد درویش سے انتساب تھا کہتے ہیں کہ بیعت سے پندرہ سال قبل زہد و ریاضت میں مشغول رہے۔ بحالت تجرید و تفرید بغیر کھائے اور سوئے بجز خور و خواب ویرانوں میں رہا کرتے تھے۔ ایک روز بھوک سے نہایت لاچار ہوئے اور آسمان کی جانب منہ اُٹھایا، اسی اثنا میں حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ صبر و قناعت مطلوب ہے، اسلئے خواجہ محمد زاہد کی خدمت میں حاضر ہو، کہ تمکو صبر و توکل سکھاویں گے۔ پس حضرت مولانا اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرتبۂ کمال و تکمیل کو پہنچے۔ اور اُن کے انتقال کے بعد بالاستقلال اُنکے نائب ہوئے۔ ورع، تقویٰ و تحمل بعزیمت اور حفظ نسبت میں شان عظیم رکھتے تھے۔ گمنامی اور ستر احوال کے حد درجہ ملتزم تھے۔ آپ قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ وہاں ترک کے مشائخ میں سے کسی کا گزر ہوا، اُنھوں نے کہا کہ یہاں کسی مرد کی خوشبو آتی ہے اور مولانا درویش محمد کی جانب اشارہ کیا۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص۹۵)

فضل و کمال آپ کو اپنے ماموں مولانا محمد زاہد قدس سرہٗ سے خلافت ہے۔ اس دار فانی سے ان کے انتقال فرمانے کے بعد آپ اُن کے مستقل نائب ہوئے۔ آپ بڑے پرہیزگار اور متقی تھے اور عزیمت و احتیاط پر عمل فرماتے تھے، آپ کی نسبت نہایت صحیح اور محفوظ تھی، اور اپنے زمانہ میں مرجع طالبین تھے کرامات ظاہرہ اور تصرفاتِ قویہ رکھتے تھے اور طریقِ گمنامی اور حالات کے چھپانے کا بڑا التزام

فرماتے تھے اور اسے چھپانے کیلئے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس طائفہ عالیہ کے بزرگوں نے علم ظاہری کے پڑھنے پڑھانے کے مشغلہ کو، اور طریقہ تعلیم اطفال کو باطن کی پوشیدگی کیلئے بہترین پردہ قرار دیا ہے۔ آپ اپنے کمال کو اسی پردہ میں چھپائے رہتے تھے کہ کسی کو آپ کے حال و کمال سے آگاہی نہ ہونے پائے۔

ف: اسی سلسلۂ چشتیہ کے اہم شیخ میاں نور محمد جھنجھانویؒ موضع لوہاری ضلع مظفر نگر (یو، پی) میں ایک مسجد میں بچوں کو قرآن پاک پڑھاتے تھے، انکو کوئی بزرگ نہیں سمجھتا تھا، مگر جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کو غیب سے اشارہ ہوا کہ اس شکل و صورت کے ایک بزرگ ہیں ان سے تعلق پیدا کرو، تو تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچے اور ان سے تعلق قائم فرمایا، اسکے بعد انکی شہرت ہوگئی۔ اور انکے خلفاء میں حضرت حاجی صاحبؒ کے علاوہ شیخ محمد محدث تھانویؒ اور حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ جیسے باکمال حضرات ہوئے۔ علاوہ ازیں بچوں کو قرآن پاک پڑھانے سے اخفائے حال کی نیت کے ساتھ حدیث خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ پر عمل کی نیت بھی ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (مرتب)

آپ کی شہرت کا راز

حضرت مولانا خواجگی امکنگی فرزند عزیز مولانا درویش محمد قدس سرہ سے مروی ہے کہ: ہمارے والد بزرگوار کی شہرت کا سبب یہ ہوا کہ ایک روز آپ کے روبرو ایک درویش نے شیخ نورالدین خوانی قدس سرہ کے کمالات کا، جو شیخ حاجی میتو شانی قدس سرہ کے اکمل خلیفہ تھے ذکر کیا، انھوں نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اے فرزند! یہ شیخ بہت بزرگ معلوم ہوتے ہیں، ان حدود سے گزر ہوگا تو میں بھی انکی صحبت شریف میں پہنچوں گا۔ چنانچہ آپ کے اس ارشاد سے چند روز کے بعد شیخ نورالدین مذکور کا اطراف امکنہ میں گزر ہوا۔ ہمارے والد نے جب شیخ کے آنے کی خبر سنی تو فرمایا کہ آج دہی اور ملائی زیادہ تیار کرو، کل ہم شیخ کی ملاقات

کیلئے جائیں گے۔ اسی طرح کیا گیا۔ آپ صبح کے وقت اُنہی کپڑوں کے ساتھ جو آپکے بدن پر تھے اُٹھے اور اُن تیار کرائی ہوئی چیزوں کو ساتھ لیکر شیخ کی ملاقات کیلئے روانہ ہوئے میں بھی اُسوقت آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ جب ہم پہنچے تو اُسوقت جناب شیخ ٹوپی اور کُرتہ پہنے ہوئے بے تکلف بیٹھے ہوئے تھے، میرے والد ماجد کو دیکھتے ہی وہ اُٹھے اور سخت معانقہ کیا اور بہت دیر تک بغلگیر رہے، پھر اپنی دستار اور عبا طلب کر کے پہن کر اور ادب کے ساتھ دو زانو مراقب ہو کر بیٹھ گئے، میرے والد ماجد ان کے مراقب رہنے تک بیٹھے رہے، پھر والد نے جانے کی اجازت چاہی، شیخ نے چند قدم تک پہنچا کر والد کو رخصت کیا۔ اسکے بعد شیخ مذکور مراقب رہے، اور لوگوں سے پوچھا کہ طالبین طریقت کی ان بزرگ کے پاس بہت کچھ آمد و رفت ہوا کرتی ہو گی؟ لوگوں نے کہا کہ یہ تو کوئی شیخ نہیں ہیں، بلکہ ایک مُلّا ہیں اور لڑکوں کو تعلیم قرآن دینے میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ سُن کر شیخ نور الدین مذکور نے فرمایا کہ: یہاں کے لوگ عجیب نابینا اور مُردہ دل ہیں ایسے درویش کامل و مکمل سے فائدہ و فیض حاصل نہیں کرتے۔ جب شیخ کا یہ کلام مشہور ہوا تو ہر طرف سے طالبین طریقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے اور کمالات کی تحصیل کرنے لگے۔ مگر آپ ہمیشہ اپنی گوشہ نشینی اور پوشیدگی کی لذت کو یاد کیا کرتے تھے، اور خلق اللہ کی کثرت آمد و رفت سے دل تنگ ہوتے تھے۔ (انوار العارفین ص۵۵)

اسکے علاوہ بعض دیگر واقعات بھی اس قسم کے مشہور ہیں، مگر ہم بغرض اختصار انکو نقل کرنے سے قاصر ہیں۔

وفات حضرت مولانا درویش محمد کی وفات ۱۹ محرم ۹۷۰ھ کو ہوئی۔ مضافات شہر ماوراء النہر (موجودہ روس) میں آپ کا مقدہ ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص۱۹۶)

حضرت قاضی خاں ظفر آبادی جونپوری رح المتوفی ۹۱۰ھ

نام ونسب نام جلال الدین، لقب قاضی خاں اور ناصحی۔ والد کا نام قاضی یوسف ناصحی ہے۔ آپ نسباً شیخ فاروقی ہیں۔ اور حضرت ابراہیم ابن ادہم احمدؒ کے خاندان سے ہیں۔

ولادت آپ کی ولادت ۸۵۰ھ میں بمقام ظفر آباد ضلع جونپور میں ہوئی۔

جونپور آمد آپ کے جدامجد شیخ تاج الدین ناصحی نے ۷۰۰ھ میں بخارا کی سکونت ترک کر کے دہلی کو اپنا مسکن بنایا۔ ۷۲۱ھ میں دہلی سے ظفر آباد تشریف لائے اور یہاں کے قاضی مقرر ہوئے۔ یہی عہدۂ قضا بعد میں آپ کے خاندان کے ظفر آباد میں قیام کا سبب ہوا۔ (مقالات حبیب ص۶۴/۳)

خاندانی وجاہت قاضی خاںؒ نے جس وقت آنکھ کھولی آپ کا گھر علم وفضل کا گہوارہ تھا۔ والد بزرگوار قاضی یوسف ناصحیؒ ظفر آباد کے قاضی تھے، گھر میں علوم وفنون کے چرچا کے ساتھ فراغت و رفاہیت بھی تھی۔

قاضی یوسفؒ کے ظاہری جاہ وجلال کو چھوڑ کر لاپتہ ہو جانے کی وجہ سے قاضی خاں کی نگہداشت اور تربیت کی تمامتر ذمہ داری ان کے نانا عماد الملک نے انجام دی۔ عماد الملکؒ جملہ علوم وفنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، اور وزیر السلطنت بھی تھے، اس لئے علمی ماحول کے ساتھ ہر طرح کی آسائش اور آسودگی بھی میسر تھی، جس کا اثر مخدوم قاضی خاں کی نشو ونما پر بہت اچھا پڑا اور سترہ سال کی قلیل مدت میں علوم متداولہ کی تعلیم وتحصیل سے فراغت ہوگئی۔

"نزہۃ الخواطر" میں ہے:۔

"ونشا فی مھد جدہ لامہ الوزیر عماد الملك الجونپوری واشتغل بالعلم من صباہ وقرأ فاتحۃ الفراغ فی السابع عشر من سنہ" (یعنی اپنے نانا عماد الملک وزیر جونپور کی آغوش میں پروان چڑھے اور بچپن ہی میں تحصیل علم میں مشغول ہو گئے اور سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔)

مخدوم قاضی خاں نے کن کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی؟ اس کی تفصیل سے تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں، لیکن اتنی بات واضح ہے کہ انھوں نے عماد الملک کی زیر نگرانی علمی مراحل طے کئے، اور جملہ علوم و فنون کی تحصیل جونپور ہی میں کی۔ عماد الملک خود ایک متبحر عالم اور علم و علمار کی عظمتوں سے واقف، بیدار دل، روشن ضمیر بزرگ تھے، اور جونپور سلطان الشرق کی علم پروری و علمار نوازی سے چمنستان علم و فضل بنا ہوا تھا۔

اس لئے یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ شفیق نانا نے عزیز نواسے کی علمی تربیت کے لئے وقت کے علمار و فضلار کی خدمات حاصل کی ہونگی۔

عرفان و سلوک

علوم ظاہری کی تحصیل سے فراغت کے بعد علوم باطنی کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ شیخ حسن بن طاہر جونپوری رح کی خدمت میں دہلی پہنچے اور مسلسل تیس سال اُن کی صحبت میں رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے اور ولایت کے اعلیٰ مدارج طے کر کے شیخ سے خلافت حاصل کی۔

سلوک کے مراحل طے کر لینے اور درجۂ کمال حاصل ہو جانے کے بعد پیر و مرشد کی اجازت سے وطن مالوف واپس تشریف لائے۔ ہر نوع کے شاہی عہدے

اور مناصب کے دروازے آپ پر کھلے تھے، مگر سب سے کنارہ کش ہو کر درویشانہ زندگی اختیار کی اور دنیاوی عزت وجاہ سے بے نیاز ہو کر درس و تدریس، تصفیۂ قلوب اور تزکیۂ نفوس میں مشغول ہو گئے۔ (مقالات حبیب ج۱ ص۲۵۱)

فضل و کمال آپ شیخ حسن جرؒ کے مرید اور خلیفہ تھے، راہِ طریقت کے صادقین میں سے تھے، صاحب کرامت و استقامت اور اہل حرمت و تقویٰ تھے۔ زمانہ کے لحاظ سے اگرچہ آپ متاخرین میں سے تھے لیکن صفائی معاملہ کے پیش نظر متقدمین میں شمار ہوتے تھے۔

حکایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تیس سال جان کھپائی اور ریاضت کی، تب کہیں نفس کی مکاریوں کا تھوڑا سا علم حاصل ہوا اور یہ معلوم ہو سکا کہ نفس کس کس طرح ڈاکے ڈالتا ہے اور اُس کے مورچے کون کون سے ہیں۔

ف: مگر افسوس کہ اب تو نفس کے مکر و فریب کو معلوم کرنے کی فکر بھی نہیں (مرتب)

شانِ استغناء حکایت ہے کہ شہنشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ نے آپ سے نذرانہ قبول کرنے کی بارہا درخواست کی، لیکن آپ نے انکار فرما دیا۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے وہ تمام مہریں جو شاہی فرمان پر لگی ہوتی تھیں ایک سادہ کاغذ پر لگا کر آپ کے پاس روانہ کیا تاکہ آپ اُس میں جتنے مواضع اور جتنی مقدار رقم کی چاہیں لکھ لیں، لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے اِس کی ضرورت نہیں، اور بغیر ضرورت مسلمان کا حق دبا لینا جائز نہیں ہے۔ نیز میں نے اپنے شیخ سے یہ عہد کیا ہے کہ ؎

از خدا نخواہم و از غیر نخواہم بخدا — کہ نیم بندہ غیرے نہ خدائے دگر است

اس پر انھوں نے کہا کہ آپ اسے اپنے بیٹوں کو دیدیجئے، کیونکہ انکو ضرورت

ہو گی۔ تو جواب دیا مجھے اُن پر حکم چلانے کا کیا حق، وہ چاہیں لیں یا نہ لیں۔ آخرکار جب یہ فرمان آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ عبداللہ کو دیا گیا تو انھوں نے بھی اس کو قبول نہیں کیا، اور جواباً کہا، بیٹا وہ ہے جو باپ کے نقش قدم پر گامزن رہے۔ جب پدر بزرگوار نے اسکو قبول نہیں کیا تو مجھے بھی لازماً یہی کرنا چاہئے۔

ف: یہ تھا شیخ کا توکل و قناعت، اسی طرح کا مبارک حال تھا ان کے صاحبزادے کا بھی۔ کیونکہ مشہور ہے کہ الوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیہِ (لڑکا باپ کا سر ہوتا ہے۔ (مرتب)

میرے والد بزرگوار (شیخ سیف الدین دہلویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ہم چند آدمی جونپور سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے جب ظفرآباد کے قریب پہنچے تو میاں قاضی خاں سے ملاقات کو غنیمت سمجھ کر اُنکی خانقاہ میں گئے اور شیخ وقت کے برآمد ہونے کے منتظر تھے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا اور شیخ وقت اپنے دوسرے رفقاء اور صوفیوں کے ساتھ خلوت سے نکل کر باہر آئے، پھر نماز پڑھنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کہ آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟ اور کہاں کا ارادہ ہے؟ اور کیا کام کرتے ہیں؟ اور آپ کے اسم گرامی کیا ہیں؟ ہم میں سے ہر ایک نے مختصر جواب دیا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا اور درویشی کھانا کھلا کر ہم سب کو رخصت کیا۔

میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ میں جوں ہی آپ کے مکان سے نکلا تو مجھ پر ایک ایسی رقت طاری ہوئی کہ میں اسکی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔

وفات

آپ کی وفات ۱۵ صفر ۹۴۰ھ میں ہوئی۔ اور آپ کا مزار ظفرآباد، جونپور میں ہے۔ بعض لوگوں نے سنہ وفات ۹۴۴ھ نقل کیا ہے۔ نوّر اللہ مرقدہ

(اخبار الاخیار ص۴۸۲)

حضرت شیخ جمال بن حسین بہتری احمد آبادؒ المتوفی ۹۷۱ھ

نام ونسب سید شاہ جمال بن حسین بن ابو مظفر ابن ابو الوقت حسنی، پیران پیر سید عبد القادر جیلانیؒ کی اولا میں سے ہیں۔

تعارف، ولادت آپ کے والد ہرمز سے دکن تشریف لائے اور وہاں کے قصبہ بہتری میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں پر آپ کی ولادت ہوئی۔ علم ظاہری وباطنی آپ لے والد صاحب سے حاصل کیا۔ اور درجۂ کمال تک پہنچے۔ آپ نہایت صالح، دیندار اور صاحب کشف وکرامات تھے۔

والد صاحب کی رحلت کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔ سلطان بہادر نے دکن سے آپ کو گجرات بلوا کر آپ کے لئے خانقاہ تعمیر کروائی اور سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ سلطان بہادر کی اعزاز وتکریم کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔

عبرتناک واقعہ انھوں نے جب آپ کی شہرت سنی اور آپ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا، تو سلطان سے کہا گیا کہ شیخ کے یہاں تو کسی کی رعایت نہیں ہوتی۔ سلطان نے اس پر خفا ہو کر کہا کہ اگر انھوں نے میرے اکرام کا لحاظ نہیں کیا تو میں انھیں ذلیل کرکے چھوڑوں گا۔ مگر سلطان کے خدّام نے دیکھا کہ شیخ تو اپنے دستور پر قائم رہے اور سلطان کی کوئی رعایت نہیں کی، اس کے باوجود سلطان تھوڑی دیر مؤدبانہ عاجزانہ حاضری کے بعد واپس آگئے۔ جب بادشاہ سے اصل حقیقت دریافت کی گئی،

تو اُنھوں نے کہا کہ جب میں شیخ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ شیخ کی خدمت میں شیخ کے داہنے اور بائیں دو شیر کھڑے غضبناک نظروں سے مجھے دیکھ رہے ہیں۔

چنانچہ اس کے بعد سلطان کو آپ سے گہری عقیدت ہوگئی اور آپ کو احمد آباد لے آئے۔ پھر آپ یہیں مقیم رہے۔

وفات

آپ نے احمد آباد میں ۲۳ر شعبان ۹۷۱ھ بمطابق ۱۴ر اپریل ۱۵۶۴ء کو عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا۔ اور احمد آباد کے ایک محلہ رائے گڑھ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) امین اللہ (۲) یتیم اللہ (۳) صوفی (۴) حسین، اور (۵) بدرالدین۔

یتیم اللہ عالم باعمل تھے، درس دیا کرتے تھے۔ اور والد کی رحلت کے بعد والد کے جانشین ہوئے۔

صاحب "گلزار ابرار" آپ کی وفات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں، کہ آپ سے ۱۰۰۳ھ میں احمد آباد میں ملاقات ہوئی۔ اور میری ملاقات کے تقریباً پانچ سال بعد آپ کی رحلت ہوئی۔

(مشائخ احمد آباد ص ۱۱۹/۲)

حضرت شیخ ابن حجر مکیؒ المتوفی ۹۷۳ھ

نام و نسب آپ کا نام احمد اور آپ کے والد کا نام محمد تھا۔ آپ شیخ الاسلام خاتمۃ العلماء اور امام الحرمین کے القاب سے یاد کیے جاتے تھے، ابن حجر مکی سے مشہور ہیں۔

ولادت اقلیم مصر کے محلہ ابی الہیثم میں ۹۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تعلم ۹۲۴ھ میں جامع ازہر میں داخل ہوئے شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ عبدالحق سنباطیؒ اور ابوالحسن بکریؒ وغیرہم سے علوم و فنون حاصل کئے بیس برس سے کم ہی کی عمر میں اُن کو اساتذہ نے درس و افتا کی اجازت دیدی۔

مکہ مکرمہ میں آمد اواخر ۹۳۳ھ میں مکہ آئے اور حج کر کے مجاور حرم ہوگئے چند دنوں کے بعد مصر واپس آئے اور ۹۳۷ھ میں اہل وعیال کو ساتھ لے کر حج کیا۔ پھر ۹۴۰ھ میں حج کو آئے۔ تو اُسوقت سے مستقل مکہ میں سکونت اختیار کر کے مجاور حرم ہوگئے اور اطمینان کے ساتھ درس و فتویٰ کے علاوہ تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے۔

تصنیف و تالیف آپ کی تصنیفات میں "صواعق محرقہ، الزواجر، تطہیر الجنان" وغیرہ چھپ چکی ہیں۔

آپ کے شاگرد آپ کے شاگردوں کی تعداد بیشمار ہے۔ اُس دور میں اُنکی شاگردی پر فخر کیا جاتا تھا۔ انکے شاگردوں میں علی متقی، ملا علی قاریؒ اور ہندوستان کے شیخ الاسلام ملا عبدالنبی بھی ہیں۔

وفات آپ نے ۹۷۳ھ میں وفات پائی۔ مزار مکہ میں ہے۔ (اعیان الحجاج ص ۲۰۳/۲)

صاحبِ "طبقاتِ کبریٰ"

حضرت قطبِ ربّانی شیخ عبدالوہّاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۹۷۳ھ

نام ونسب نام عبدالوہاب، کنیت ابوالمواہب، علامہ شعرانی سے مشہور ہیں والد کا نام احمد بن علی بن احمد بن محمد بن موسیٰ الانصاری الشافعی المصری الشعرانی ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۸۹۹ھ میں ساقیہ ابی شعرہ میں ہوئی (جو منوفیہ مصر کے اطراف میں ہے۔)

تعلیم وتربیت بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور شعرانی یتیم ہو گئے ابتدائی تعلیم ساقیہ ابی شعرہ میں پائی۔ سات برس کی عمر میں انھوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور اجرومیہ وغیرہ یاد کرلیں۔ بارہ برس کی عمر میں مصر آئے اور جامع غمری میں ٹھہرے۔ یہیں منہاج، الفیہ، توضیح، تلخیص، شاطبیہ، قواعد ابن ہشام اور کتاب الروض (باب القضار تک) یاد کیں اور پھر اپنے استادوں کو سنائیں۔ شیخ امین الدین امام جامع غمری سے فن قراءت کی تحصیل کی مشہور فقیہ

عہ چونکہ علامہ شعرانی رح کی تصنیف لطیف "طبقات کبریٰ" سے زیادہ تر بزرگان دین کے احوال واقوال نقل کئے گئے ہیں، اس لئے خیال ہوا کہ آپ کے علوم ومعارف قدرے تفصیل سے درج کروں اس لئے مولانا عبدالحلیم چشتی کی "عجالۂ نافعہ" کی شرح کے ضمن میں تحریر کردہ سوانح نقل کرتا ہوں جو مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی رح نے اپنے مؤقر رسالہ "الرشاد" ماہ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ میں شائع کیا ہے فجزاہم اللہ نیز آپ کی بعض اہم کتابوں سے بھی کچھ اقتباسات نقل کروں گا جو انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کرام کے لئے مفید ومؤثر ثابت ہوں گے۔ (مرتب)

و محدث شیخ شمس دواخلی، نور الدین محلی، نور الدین جارحی، مُلّا علی عجمی، علی قسطلانی، علامہ شمونی، شیخ الاسلام قاضی زکریا انصاری، شمس الدین رملی سے تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ پڑھی۔ پھر حدیث سے شغف ہوا۔ اور اکابر شیوخ سے جن کی تعداد دو سو سے کم نہیں، حدیثوں کا سماع کیا۔ بعد ازاں تصوف کی طرف میلان ہوا تو شیخ خواصؒ، شیخ مرصفیؒ، شیخ محمد شناویؒ سے جو اس زمانہ کے نہایت بلند پایہ صوفیاء میں سے تھے اس فن کی تکمیل کی۔ شیخ زبادیؒ نے اپنے رحلہ (سفرنامہ) میں بصراحت لکھا ہے :۔

واخذ الطریق عن نحو مائۃ شیخ۔	انھوں نے تصوف کی تعلیم سو سے زیادہ شیوخ سے حاصل کی ہے۔

اس اعتبار سے موصوف کے شیوخ کی تعداد تین سو سے کم نہیں ہے، جن میں سے بعض کا ذکر طبقات اور ذیل طبقات میں کیا ہے۔ اور "الفلک المشحون" میں شیوخ طریقت کو نام بنام گنایا ہے۔

مجاہدہ | شیخ شعرانیؒ نے مجاہدہ اس طرح کیا کہ کئی برس تک مطلق نہیں سوئے۔ چھت میں ایک رسّی باندھ لی تھی، خلوت میں اسے گردن میں ڈال لیتے تھے تاکہ گر نہ پڑیں۔ کئی کئی دن برابر کچھ نہیں کھاتے تھے اور مسلسل روزے رکھتے تھے۔ بس چند اوقیہ (۱/۱۲ رطل) روٹی کے ٹکڑوں پر افطار کرتے تھے، کھال کی ٹوپی اوڑھتے اور پیوند کے کپڑے پہنتے تھے۔ اخلاق و عادات، گفتار و کردار میں موصوف اپنے شیخ کا نمونہ تھے۔ اور مرتے دم تک اُنہی کے طریقہ پر عمل پیرا رہے تھے۔

خانقاہ کا حال | اُنکی خانقاہ میں عشاء کے بعد سے مجلسِ ذکر کا آغاز ہوتا تو فجر تک

یہ مجلس قائم رہتی تھی۔ شب جمعہ میں موصوف پوری رات درود شریف پڑھتے تھے۔ اس خانقاہ میں سَو نابیناؤں کو کپڑا ملتا تھا۔ اور طالبانِ رضائے الٰہی کی تربیت ہوتی تھی۔

شیخ شعرانیؒ تا زندگی ارشاد و تبلیغ، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ حاسدوں نے ان کو بدنام کرنے کیلئے ان کی تصانیف میں بعض خلاف شریعت باتوں کا اضافہ کر دیا تھا جس کی وجہ سے کچھ خلفشار ہوا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے حاسدین کو رُسوا اور ذلیل کیا اور اُنکی قبولیت میں مزید اضافہ ہوا۔ علامہ عبدالرؤفؒ "طبقات" میں لکھتے ہیں:-

فضل و کمال "ہمارے شیخ امام، عامل، عابد، زاہد، فقیہ، محدّث، اصولی، صوفی اور سالک کی تربیت کرنے والے جو محمد بن حنفیہ کی اولاد میں سے تھے، اُنھیں حدیث سے شغف ہوا تو اس میں منہمک ہو گئے اور اس فن کو اہلِ فن سے حاصل کیا، لیکن ان میں ایسا جمود نہیں تھا جیسا کہ محدّثین اور جامعینِ حدیث میں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ فقیہ النظر اور صوفی مشرب بزرگ تھے۔ اقوالِ سلف اور مذاہبِ خلف کے امام تھے، وہ فلاسفہ پر دار و گیر کرنے اور اُن کی تنقیص کرنے سے منع کرتے تھے، اور جو اُن کی مذمت کرتے ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ دانشمند لوگ تھے۔ موصوف سُنّت کے بڑے پابند تھے، ورع و تقویٰ میں مبالغہ کرتے تھے اور فاقہ مست کو کھانے پینے اور پہننے میں اپنے اوپر ترجیح دیتے اور تکالیف کو برداشت کرتے تھے۔ اپنے اوقات کو تصنیف و تالیف، عبادت و ریاضت

اور درس و تدریس اور سلوک کی تعلیم میں تقسیم کر رکھا تھا۔"

نجم الدین غزی "الکواکب السائرہ (جلد ۳ ص ۱۷۷) میں یوں رقمطراز ہیں :۔

"کتابوں کا بہت مطالعہ کیا تھا۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو، وہ علم، تصوف اور تالیف میں اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے تھے۔ ان کی تمام کتابیں مفید ہیں۔ اور ان کی تالیفات اس امر کی شاہد ہیں کہ موصوف کی بہت سے علماء، اولیاء اور صلحاء سے صحبتیں رہی ہیں۔

شیخ ابو العباس احمد بن مبارک طفلی نے موصوف کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے :۔

"سیدنا الامام ولی العلماء عالم الاولیاء مربی السالکین وبقیة الائمة العارفین المهتدین"

شیخ زیادی اپنے رحلہ میں لکھتے ہیں :۔

"وہ اکثر مذاہب مروجہ اور غیر مروجہ کی تمام دلیلوں سے آگاہ تھے اور وہ اپنی غیر معمولی یادداشت اور کثرتِ معلومات کی بناء پر ان میں سے ہر مذہب کے علم استنباط سے واقف تھے۔ اس موضوع پر ان کی تالیفات پانچ ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور اکثر دو ضخیم جلدوں میں ہیں۔

حافظ سید عبدالحی الکتانی "فہرس الفہارس" جلد ۲ ص ۴۰ میں لکھتے ہیں :۔

"وہ عام طور پر قاضی زکریا، حافظ سیوطی اور کمال الدین طویل قادری اور قلقشندی سے اور اس طبقہ سے جو حافظ ابن حجر کے اصحاب پر مشتمل ہے روایت کرتے ہیں۔ نیز قسطلانی سے بھی راوی ہیں، ان کی فہرست چھپ چکی ہے جس میں اپنی مرویات کو بروایت سیوطی جمع کیا ہے۔"

تصانیف موصوف کی تالیفات سے حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:۔

(۱) الاجوبۃ المرضیہ (۲) الاخلاق الزکیہ (۳) الانوار القدسیہ
(۴) البحر المورود (۵) البروق الخواطف (۶) تنبیہ المغترین (۷) الجواہر والدرر
(۸) حقوق اخوۃ الاسلام (۹) شرح جمع الجوامع (۱۰) الفتح المبین (۱۱) السراج المنیر
(۱۲) الیواقیت والجواہر۔ (ماہنامہ الرشاد ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ)

اب ہم مزید علم و بصیرت کے لئے آپ کے حالات و کمالات کا تذکرہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رح کی شہرۂ آفاق تصنیف "اعیان الحجاج (ص ۱۰۳) سے بعینہ نقل کرتے ہیں:۔ (مرتب)

وہ عالم باعمل، زاہد و فقیہ، محدث اصولی اور صوفی و مربی تھے ۹۱۱ھ میں مصر آکر بڑی جانفشانی سے علوم و فنون میں مہارت پیدا کی۔ محدثین کی خدمت میں رہ کر علم حدیث میں بھی کمال پیدا کیا۔ پھر سلوک کی طرف میلان ہوا اور نہایت سخت سخت مجاہدے کیے۔ برسوں اُن کا معمول تھا نہ دن کو لیٹتے تھے نہ رات کو مسلسل کئی کئی دن روزے رکھتے تھے اور گدڑی پہنتے تھے۔ عشاء کے بعد ذکر کی مجلس شروع کرتے تھے تو صبح جا کر ختم کرتے تھے۔ اس لئے اُن کی روحانیت بہت قوی ہو گئی تھی۔ مشائخ طریقت میں علی خواص رح، مرصفی رح اور شناوی رح کی صحبتوں

سے فیضیاب ہوئے۔ اُس کے بعد تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے۔ اُن کی متعدد تالیفات چھپ چکی ہیں۔

وہ نہایت پابند سُنت اور سخت پرہیز گار تھے، محتاجوں اور فاقہ مستوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے، لوگوں کی اذیتیں برداشت کرتے تھے۔ اُنکی خانقاہ میں تقریباً سَو اَندھے اور معذور جمع ہوگئے تھے، سب کو کھانا کپڑا دیتے تھے۔ بہت باہیبت و حُرمت تھے، اُمراء اُن کے دروازے پر حاضری دیتے تھے۔ اُنکی خانقاہ سے شب و روز شہد کی مکھیوں کی سی آواز آتی رہتی تھی۔ اُن کا مقولہ تھا کہ شریعت جدھر لے چلے چلو، کشف کے ساتھ نہ چلو۔ کشف غلط بھی ہوتا ہے اور فرماتے تھے کہ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ بکثرت کرو۔

امام شعرانی رح نے متعدد حج کئے۔ وہ حج کے لئے جاتے تو مکہ و مدینہ میں بزرگانِ دین کی صحبت میں رہنے کا اہتمام کرتے تھے۔ اپنی کتابوں میں جگہ جگہ انھوں نے حج کے ضمن میں بزرگوں کی صحبت سے فائدہ اُٹھانے کا ذکر کیا ہے۔

وفات شیخ شعرانی رح کی وفات ۹۷۳ھ میں ہوئی، اور اپنی خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرقَدَہٗ۔ (اعیان الحجاج ص ۱۰۳/۲)

ارشادات و ہدایات

چونکہ اب تک اکثر معمول رہا ہے کہ ہر صاحب تذکرہ کے ارشادات و ہدایات نقل کئے جاتے رہے ہیں، اس لئے علامہ شعرانی رح کی تین اہم تصنیفات کے اردو ترجمہ سے نصائح و ہدایات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں:۔

اولاً "انوار القدسیۃ" کے ترجمہ سے جس کے مترجم حضرت شیخ عبدالرحمن صاحب

ہیں (جیسا کہ کتاب کے آخر میں درج اشعار سے معلوم ہوا)
ثانیاً "البحر المورود" کے ترجمہ "الدر المنضود" سے جس کے مترجم حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ہیں جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے ہیں۔
ثالثاً "تنبیہ المغترین" کے ترجمہ "اخلاق سلفؒ" سے جس کے مترجم کا نام کی مجھے تحقیق نہ ہو سکی، وہ ترجمہ حضرت شیخ مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا، انھوں نے اس کی تلخیص "اخلاق سلفؒ" کے نام ہی سے شائع فرمایا۔ ماشاء اللہ تینوں ہی کتابوں کے مضامین نہایت مفید ہیں جن کو خواص و عوام سب نے پسند فرمایا۔ ان مضامین کے درج کرنے کے بعد ہم انشاء اللہ تعالیٰ حضرت علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے تیئیس اساتذہ و مشائخ کے تذکرے قدرے تفصیل سے درج کریں گے۔ ان کے ساتھ ساتھ اُن مبارک ہستیوں کے تذکرے بھی کریں گے جن کے تذکرے کے ساتھ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے "طبقات کبریٰ" کا اختتام فرمایا ہے۔

(مرتّب)

تلخیص از

رسالہ الانوار القدسیۃ فی بیان آداب العبودیۃ

الحمد للہ رب العٰلمین حمداً یوافی نعمہ ویکافی مزیدہ یا ربّنا لک الحمد کما ینبغی لجلال وجہک ولعظیم سلطانک سبحانک لا نحصی ثناءً علیک۔ انت کما اثنیت علیٰ نفسک والصلوٰۃ والتسلیم علیٰ اشرف المرسلین محمدٍ خاتم النبیّین

وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ بروز دوشنبہ ۱۷ ر رجب ۱۳۱ھ اس حقیر کے قلب میں مقاماتِ اولیاء اللہ کے حصول کا نہایت قوی داعیہ وجذبہ موجزن ہوا۔ اور جس مقام پر میں خود تھا اس کی کمتری وحقارت کا خیال دامنگیر ہوا جس کی وجہ سے میرا عیش مکدّر ہوگیا۔ اور تقدیرِ الٰہی سے ناراضی کے گمان کی بنا پر سوءِ خاتمہ اور اللہ تعالیٰ کے سخط وغضب کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ پس میں باہر نکل پڑا۔ اور جوں ہی روضۂ مصر کے روبرو فسطاط میں پہنچا کہ یکایک مجھے خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں ایک ہاتفِ غیبی کی آواز سنائی دینے لگی۔ مگر مجھے اس کی صورت دکھلائی نہیں دے رہی تھی اور وہ ہاتف حق سبحانہ تعالیٰ کی زبان پر یہ کہہ رہا تھا:-

عبدی! لو اطلعتك علیٰ	اے میرے بندے! اگر جملہ کائنات اور
جمیع الکائنات وعدد الرمال	اس کے ذراتِ ریگ کے عدد وشمار اور
واسم کل ذرّۃ منه والنبات	ہر ایک کے نام نیز تمام نباتات اور اس کے
واسمائها واعمارها والحیوانات	نام وعمر سے تمھیں آگاہ کردوں، اسی طرح
واعمارها وانسابها الیٰ	سارے حیوانات خواہ وہ وحوش ہوں یا طیور
اصولها من الوحش والطیور	حشرات الارض ہوں یا چوپائے ان سب
والحشرات وسائر الدواب	کی عمروں اور ان کے نسب واصول سے
وکشفتُ لك عن ملکوت	مطلع کردوں، اور آسمان اور زمین کے
السمٰوات والارض والجنة	ملکوت اور دوزخ وجنت اور اس میں
والنار وما فیهنّ ظاهرا	ظاہری وباطنی جتنی اشیاء موجود ہیں ان

وباطنا وانزلت المطر بدعائك واحييت الميت واجريت على يدك جميع ما اكرمتُ به عبادی المؤمنين لست من عبوديتي فی شیء۔ انتهٰی۔

سب کو تم پر منکشف کر دوں، اور تمہاری دعا سے پانی برساؤں اور مُردوں کو زندہ کر دوں، اور جن کرامات سے اپنے خاص مومن بندوں کو نوازا ہے ان سب کو تمہارے ہاتھ پر جاری کر دوں، تاہم میری عبودیت کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مقام سے بہرہ ور نہ ہو گے۔ انتہٰی۔

اس کلام کے سننے کے بعد میرے قلب میں مقاماتِ اولیاء کے وصول اور دُنیا و آخرت کے کسی کرامت کے حصول کی ذرا ہوس باقی نہ رہی۔ پس میں نے اس عطیۂ خداوندی کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اس کے بعد میرے قلب میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ اس ہاتف غیبی کے مقصد و مراد کی قدرے توضیح کروں اور اس کو اپنے مشائخ عارفین کے کلام سے آراستہ پیراستہ کروں تاکہ کوئی جاہل ناحق شناس یہ نہ سمجھے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی وحی کی طرح وحی ہے (جس سے میرے متعلق گمان ہو کہ میں نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتا ہوں۔ حاشا وکلاّ)

اس لئے میں نے چاہا کہ ہاتف اور اس کے القاء کی قدرے تشریح کروں تاکہ اس قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ چنانچہ شیخ نے اس کی خوب ہی خوب تشریح و توضیح فرمائی جو قابل دید ہے۔ اس کے بعد شیخ نے کمالِ عبودیت کے آداب و علامات اور عبادِ کاملین کے وظائف و حالات پر کافی روشنی ڈالی ہے جس سے آگاہی سالکینِ راہ کیلئے مفید بلکہ ضروری ہے۔ اس لئے دل میں داعیہ پیدا ہوا

کہ اس کے بعض کو اس موقع پر درج کروں تاکہ طریق عبودیت کی قدرے وضاحت ہوجائے، جو انشاء اللہ تعالیٰ طالبین صادقین کے لئے بصیرت افروز بلکہ نصیحت آموز ثابت ہوگا۔

باب اول؛ مطلقاً آداب عبودیت میں

اولاً یہ سمجھنا چاہیئے کہ کتابوں کے نازل کرنے اور رسولوں کو بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ بندے اپنی صفتِ عبودیت کی معرفت حاصل کریں اور اپنی خلقت کے مقصود کو سمجھ کر اس کو مضبوطی سے پکڑیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پہچانیں اور اس کی ادائیگی میں کسی قسم کی منازعت کو روانہ رکھیں۔

سُنیئے! جملہ کتبِ الٰہیہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان عہد و پیمان اور وثیقے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حقوق بندوں پر اور بندوں کے حقوق جو اللہ تعالیٰ پر ہیں ان کی تحقیق و توضیح ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و انعام کی بنا پر اپنے اوپر بھی بندوں کے حقوق عائد فرمائے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا اَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ یعنی تم میرے عہد کو پورا کرو تو میں بھی تمھارے عہد کو پورا کروں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہم اپنی عبودیت کے ہی منکر ہو چکے ہیں۔ اس لئے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے عبد محض ہوتے تو پھر اس معاہدہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

پس عبد کامل کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجالائے اور منہیات سے پرہیز کرے، صرف اس خیال سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور اپنے آقا کا حکم ماننا غلام کا فرض ہے، نہ اس اعتبار سے کہ کرنے سے ثواب ہوگا اور نہ کرنے

سے عذاب، کیونکہ اس حالت میں آقا کی عظمت اور مالک کی محبت کا ثبوت نہیں ملتا۔

نیز عبد کامل کی یہ بھی علامت ہے کہ وہ ہر حال میں (خواہ اچھا ہو یا بُرا) اللہ کی قضا پر راضی رہتا ہے۔ اور جو کچھ نیکی یا بدی اس کی طرف سے آتی ہے اس کو اپنے حق میں بہتر سمجھتا ہے۔

نیز وہ ظاہر و باطن میں کسی کو سوائے اللہ کے مالک نہیں سمجھتا، نیز وہ تمام اقسامِ عبادات اور خضوع و خشوع اور ذلت و عبودیت کو خدائی عظمت و جلالت کے مقابلہ میں ناقص خیال کرتا ہے۔

باب دُوم: علم نافع کی طلب میں

جاننا چاہیئے کہ علم نافع وہ ہے جس میں اخلاص و ارادت ہو اور اخلاص کی علامت یہ ہے کہ لوگوں کے خیالات اور تکلیف دہ باتوں سے رنجیدہ نہ ہو، اور تعریف کے کلمات سے مسرور نہ ہو۔

دوسری علامت یہ ہے کہ اپنے علم کو اس لئے ظاہر نہ کرے کہ لوگ تصدیق کریں، بلکہ اس خیال سے کرے کہ اللہ تعالےٰ اس کی تصدیق کریں۔ نیز وہ ہمیشہ حصولِ علم میں نہیں لگا رہتا بلکہ کچھ حصہ عبادت و ریاضت کیلئے بھی مخصوص رکھتا ہے۔

نیز وہ کلام اللہ کا ادب کرتا ہے۔ اور جس آیت کی حقیقت بخوبی سمجھتا ہے وہی بیان کرتا ہے اور اپنے متعلق عالم کُل ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

نیز وہ ہمیشہ شارع اور کسی مجتہد وقت کا تابع رہتا ہے۔ اور احکام کی

علت نہیں دریافت کرتا پھرتا۔ اس لئے کہ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے یہی بہت ہے کہ متقدمین کے اقوال کو سمجھ لیں۔

نیز وہ تکبّر نہیں کرتا اور اپنے علم پر غرور نہیں کرتا، بلکہ جوں جوں علم بڑھتا ہے اس کا خوف بڑھتا جاتا ہے۔ نیز وہ قرآن وحدیث کے مطالعہ کے وقت کوئی بات اسکی فہم سے بالاتر ہوتی ہے تو دوسرے سے پوچھ لیتا ہے۔ (تکبّر نہیں کرتا۔)

نیز وہ انہی علوم کو حاصل کرتا ہے جن پر عمل کرے اور جو آخرت میں کام آئیں اور جن کے متعلق وہاں سوال ہوگا۔

بابِ سوم: فقرا و صلحاء سلف کے حالات کے بیان میں

اس باب میں ذرا زیادہ تشریح سے کام لوں گا۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں مدّعیوں کی کثرت ہے جو ہر شر و بُرائی کی ابتدا کرنے والے، ہر خیر و بھلائی کے ختم کرنے والے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر کسی کو اس کے شیخ نے ذکر کی اجازت دے دی یا اجازت سے پہلے ہی ان کا شیخ فوت ہو گیا اور اس نے خلوت میں فرشتے یا جن کو اجازت دیتے سُن لیا، تو وہ اپنے کو ولی سمجھنے لگتا ہے اور عوام کے ہجوم سے یہ خیال مزید اس کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے۔ پھر خود گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔

لہٰذا سچے درویش کی علامت یہ ہے کہ قرآن و حدیث وغیرہ علوم ظاہر سے پوری طرح واقف ہو کر اس قوم صوفیہ کے طریق میں قدم رکھتا ہے۔ نیز اپنے نفس سے لوگوں کے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے، یعنی لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہے، اور اپنے نفس کے حقوق کا مخلوق سے مطالبہ نہیں کرتا، نیز اپنے کو جملہ

خلائق سے کمتر اور حقیر سمجھتا ہے، بلکہ ہر ایک کو اس کے درجہ کے موافق جگہ دیتا ہے اور قدر و منزلت کرتا ہے، اور خود لوگوں کی تکالیف کو برداشت کرتا ہے بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت و نعمت سمجھتا ہے۔ نیز وہ نفع و نقصان کو سوائے خدا کے کسی کے ہاتھ میں نہیں دیکھتا۔ اور اگر ساری مخلوق اس سے رشد و ہدایت حاصل کرلے مگر وہ سب کی ہدایت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے، اپنی طرف منسوب نہیں کرتا۔

نیز سچا درویش دنیا کی کسی حالت سے متغیر نہیں ہوتا، کیونکہ قرب الٰہی کے سبب اس کی نفسانیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ مراقبہ اور مشاہدۂ حق میں مستغرق رہتا ہے لہٰذا وہ غیر سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور کوئی جگہ خدا سے خالی نہیں دیکھتا، اس واسطے وہ ہر چیز کا ادب کرتا ہے۔ اور یہ اہل قرب کی خاص علامت ہوتی ہے۔

حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ میں دنیا کی مصائب و تکالیف سے کبھی مکدّر نہیں ہوتا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ دنیا مصائب کا گھر ہے۔ اور یہی اس کی اصلیت و حقیقت ہے۔

نیز درویش کے صدق و کمال کی یہ بھی علامت ہے کہ وہ ایسے الفاظ سے پرہیز کرتا ہے جس سے دعوائے کمال یا تزکیۂ نفس ظاہر ہوتا ہو، مثلاً یہ کہے کہ ہم تو اُس وقت سے انسان بنے جب سے فلاں شیخ کی صحبت اختیار کی، یا یوں کہے کہ کشف و کرامات تو ناقصوں سے صادر ہوتی ہے کاملوں سے کیا واسطہ! وغیرہ وغیرہ۔ اور ایسی باتیں اس لئے کہتا ہے کہ حاضرین کو یہ خیال ہو کہ یہ شخص کامل ہے جبھی تو ایسی باتیں کرتا ہے۔

نیز وہ ایسی حالت کا طالب نہیں ہوتا کہ دوسروں کی آنکھوں میں بزرگ معلوم ہو اور خدا کی نظر میں حقیر مثلاً جبہ قبہ دستار و عمامہ، کیونکہ یہ چیز قلّتِ معرفت کی علامت ہے۔

نیز کمال درویشی کی یہ علامت ہے کہ اگر اس کا مرید دوسرے بزرگ سے کچھ حاصل کرنے کی خواہش کرے تو اسے منع نہ کرے۔ نیز وہ لوگوں کی بہتری و بہبودی چاہتا ہے اور ان کو صنعت وغیرہ ذرائع معاش سے روزی کمانے کی ترغیب دیتا ہے۔

نیز وہ اپنی بھی اصلاح کرتا ہے اور اپنے بھائیوں کی نصح و خیر خواہی میں مصروف رہتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے کسی قسم کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اور نہ کسی سے عزت و تکریم کا طالب ہوتا ہے۔

نیز اگر اس کو کوئی صالحین کے رتبہ سے خارج کرتا ہے تو وہ اس سے ناراض نہیں ہوتا۔ نیز وہ کسی سے سوال نہیں کرتا، اور نہ کسی سائل کو رد کرتا ہے اور نہ ذخیرہ کرتا ہے۔ اصحاب شاذلیہ کا یہی طریقہ ہے اور ہمارا بھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسی طریقہ میں ہم کو ترقی کے مدارج تک پہنچائے۔

نیز یہ علامت ہے کہ اگر کوئی دوسرا شیخ شہر میں آجائے اور اسکے مریدین اس کی طرف مائل ہوں تو وہ رنجیدہ نہ ہو، بلکہ خوش ہو کہ اچھا ہوا۔ فرصت ملی، کام ہلکا ہوا۔ اب ہم باطمینان اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

نیز دنیا والوں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ نیز دوسروں کی شہرت پر حسد نہیں کرتا، اور یہ نہیں چاہتا کہ میں ہی زمانہ میں ممتاز و سرفراز رہوں۔

نیز درویشی کی یہ بھی خاص علامت ہے کہ اگر اس کو اپنے شیخ یا کسی دوسرے شیخ کامل سے تذکیر و تلقین کی اجازت مل جائے تو اپنے کو بھائیوں شاگردوں، مریدوں کی نصیحت سے بے پروا نہ سمجھے، بلکہ ان کو صراحۃً اجازت دے کہ اگر کوئی عیب مجھ میں دیکھیں تو مجھے نصیحت کریں۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک مرتبہ اپنے اصحاب کی آزمائش کا ارادہ کیا اور فرمایا کہ اگر میں طریق حق سے منحرف ہو جاؤں تو تم میرے ساتھ کیا معاملہ کرو گے؟ تو کہا کہ ہم تلوار سے درست کر دیں گے۔ تو حضرت عمرؓ خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

لہٰذا ناقص مشائخ کو اپنے مریدین سے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ہمارے افعال جو خلافِ شرع ہوں ان کی تاویل کر لیا کریں۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اس پر رحم کرے جو میرے پاس میرے عیوب کا تحفہ لاوے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں جاتے کہ تم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راز دار تھے، اس لئے اچھی طرح دیکھ کر بتلاؤ کہ میرے اندر کسی قدر نفاق تو نہیں ہے؟ حضرت حذیفہؓ رونے لگتے اور حضرت عمرؓ بھی رونے لگتے اور دونوں بیہوش ہو جاتے۔ (جبکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ سے ان کے مخلص ہونے بلکہ رضائے الٰہی کے حصول کی بشارت مل چکی تھی۔)

نیز اس کو اگر رونا نہ آئے تو یہ نہ کہے کہ یہ تو ناقصوں کا حال ہے، کامل ایسی چیزوں سے متاثر نہیں ہوا کرتے، (توبہ توبہ یہ تو صریح کبر کی بات ہے)

نیز وہ اپنے ملنے والوں سے شفقت و مہربانی سے پیش آتا ہے اور ان کی

دل آزاری کا باعث نہیں بنتا۔ نیز اگر اُسے خواب میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ہدایتِ خلق کے واسطے خاص اجازت مل جائے، تو اس سے ہمعصروں پر تفوق ظاہر نہیں کرتا۔ اس لئے کہ درحقیقت یہ کوئی برتری کی بات نہیں ہے۔

نیز وہ مشائخ سے اجازت و خلافت کا طالب نہیں ہوتا۔ نیز وہ ذکی الطبع اور بیدار مغز ہوتا ہے۔ ہر ایک سے اس کی استعداد و صلاحیت کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ نیز وہ آیات متشابہات و صفاتِ الٰہیہ اور حروف مقطعات میں زیادہ غور و خوض نہیں کرتا۔

نیز اس کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے قول (شیخ، حضرت وغیرہ) کی طرف التفات نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ اس نے ولایت و مشیخت کی بو تک نہیں سونگھی ہے۔ اور جب تک خاتمہ بالخیر نہ ہو جائے اعمالِ صالحہ پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔

خاتمہ عبودیت کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ خالص عبودیت کے سامنے تمام مقامات و مدارج و مراتب و منازل ہیچ ہیں۔ پس تقرب الی اللہ کے واسطے راہ عبودیت سے زیادہ کوئی آسان راستہ نہیں ہے۔ کیونکہ راہِ عبودیت محض عجز و انکسار، خضوع و خشوع و تواضع و فروتنی، کم بینی و نفس کشی کا راستہ ہے۔

اس کے بعد شیخ نے اس سلسلہ میں نہایت تفصیل سے کلام فرمایا ہے جو قابلِ دید ہے۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ درج کیا جائے۔ اس لئے اصل کتاب کا مطالعہ فرمالیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

اخیر میں دُعا فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عبودیت کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق مرحمت فرمائیں اور صفتِ عبودیت سے متّصف فرمادیں، اسلئے کہ وہ ہر شے پر قادر ہیں اور وسیع العفو ہیں۔ فالحمدُ للہِ ربِّ العٰلمین ۔

تلخیص از" الدر المنضود" ترجمہ البحر المورود فی المواثیق والعهود "

اس کتاب کے مطالعہ سے انشاء اللہ آپ پر تصوف کی حقیقت واضح ہونے کے علاوہ یہ بات بھی عیاں ہوگی کہ تصوف صرف اوراد و اشغال کی کثرت ہی کا نام ہی نہیں بلکہ اسمیں حقوق اللہ کی ادائیگی اور شرعی آداب اور نبوی اخلاق کو اختیار کرنے کی بھی خاص طور سے تعلیم ہوتی ہے۔

اختصار کی غرض سے بطور نمونہ صرف دو عہد نقل کر رہا ہوں۔ تفصیل کیلئے اصل کتاب کا مطالعہ کریں۔ جس کا اردو ترجمہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی رحنے " الدر المنضود" (یعنی ہم سے عہد لیا گیا) کے نام سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (مرتب)

۱۔ جو طالبِ علم عمل میں کوتاہی کرے اُس کے پڑھانے سے رُک جائیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس طالبِ علم میں کوتاہیٔ عمل کی بو بھی ہم کو معلوم ہو اُس کے پڑھانے سے رُک جائیں اور اس کے حال پر رحم کریں اور اُس سے کہہ دیں کہ ہمارے سوا کسی اور سے پڑھ لے۔ ایسے ہی اگر ہم کو اپنے اندر سے عدمِ اخلاص کی بو آئے تو علم کے مشغلہ سے باز رہنا چاہیئے۔ کیونکہ بے عمل کو علم پڑھانے سے بجز اِس کے کہ اُس پر حجت الٰہی

قائم ہو جائے اور کوئی ثمرہ نہیں۔ اور اس کی مثال اُس شخص کے مانند ہے جو شور زمین میں تخم بوتا ہے۔ ہمارے شیخ علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ بدعمل کو علم سکھانا ایسا ہے جیسا کہ درخت حنظل کو پانی دینا، کہ وہ جس قدر سر سبز ہوگا اُسی قدر کڑوا ہوگا۔ اِسی طرح جس شخص نے علم کو عمل کے لئے نہ حاصل کیا، تو جس قدر اُس کا علم بڑھے گا، اُسی قدر اُس میں بُرائیاں اور عیوب بڑھیں گے۔ (الدر المنضود صفحہ ۱۱۹)

لوگوں نے اپنے خالص نیک عمل کے واسطہ سے دعا کی تھی تو وہ پتھر ہٹ گیا اور اُن کو اُس مصیبت سے نجات ملی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنے خالص نیک عمل کے واسطے سے دعا کرنے کو مصیبت کے دفع کرنے میں بہت اثر اور برکت ہے۔

خالص نیت سے علم حاصل کرنے کی پہچان تو بس خالص نیت سے علم حاصل کرنے کی پہچان یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اُس کے واسطے سے دعا کرنے کی ہمت ہو۔ (اگر نیت میں فتور ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اُس کا واسطہ دینے کے لئے کبھی زبان نہ کھلے گی۔) یہ تو عمل کی طرف سے بے توجہی کرنے والوں کی ادنیٰ حالت ہے۔ بھلا (انصاف تو کرو) جس شخص میں یہ تمام صفاتِ مذکورہ مجتمع ہوں اُس کی تعلیم) کیونکر گوارا کی جاسکتی ہے، اور اُس کو پڑھانے لکھانے کا کیسے) حکم دیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً اگر طالب علم بڑھاپے کے بھی قریب پہنچ گیا ہو اور (ابتک بھی) اُس کو عمل کی توفیق نہیں ہوئی (ایسا شخص تو ہرگز تعلیم کے قابل نہیں) یہ تو دنیا سے یقیناً خالی ہاتھ جائے گا۔ اس کے ساتھ عمل کا کوئی حصہ بھی نہ ہوگا۔

علم کیلئے کوئی حد نہیں یاد رکھو! علم کے لئے کوئی ایسی حد مقرر نہیں کہ وہاں پہنچ کر پھر انسان عمل کی طرف رجوع کرے۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کی ایسی مثال ہے جیسے کہ لڑنے والا لڑائی کا سامان جمع کرتا ہے (کیونکہ طالب علم بھی نفس و شیطان کے مقابلہ کے لئے پورے سامان سے تیار ہونا چاہتا ہے) تو لڑائی کا ارادہ رکھنے والا اگر ساری عمر سامان ہی جمع کرنے میں ختم کردے تو (اُس سے کوئی پوچھے کہ) لڑے گا کب؟ اِسی طرح اگر طالب علم ساری عمر علم حاصل کرنے ہی میں صرف کردے، تو عمل کس وقت کرے گا (عمل ہی کے وقت تو نفس و شیطان سے مقابلہ ہوتا ہے، اگر اسی کی نوبت نہ آئی تو علم سے فائدہ کیا ہوا)

اصل مقصود علم سے عمل ہے میں کہتا ہوں کہ اصل مقصود علم سے بجز عمل کے کچھ نہیں۔ یہ تو بہت موٹی بات ہے۔ رہا دوسروں کو تعلیم دینا یہ تبعاً مقصود ہے (جس کو آجکل اصل مقصود خیال کیا جاتا ہے۔ بھلا غور تو کرو کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جو اس قدر فضیلت ہے تو کیا وہ بھی درسیات ہی پڑھاتے تھے؟ اُن میں کیا بات تھی، جس کی وجہ سے وہ تمام افرادِ اُمت میں افضل شمار ہوتے ہیں۔ اُن میں بعض ایسے بھی تھے جو پورا قرآن بھی پڑھے ہوئے نہ تھے۔ اُن میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے اخلاص اور عمل ہی بہت زیادہ تھا، جس کی طرف آج ہم کو توجہ نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم علم و معرفت میں بھی سب سے افضل تھے، تو عزیزمن! وہ علم و معرفت اِس قیل و قال کا نام نہیں ہے۔ وہ تو عمل اور فیض صحبت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

قال را بگزار مردِ حال شو پیش مرد کاملے پامال شو

بے عمل کو نہ پڑھانا ہی احتیاط کی بات ہے اس لیے ہم کو اُس شخص کی تعلیم سے ہاتھ روک لینا چاہیئے جو اپنے علم کے موافق عمل کا اہتمام نہ کرتا ہو۔ اور اس بات پر نظر نہ کریں کہ شاید حق تعالےٰ آئندہ اس کو عمل کی توفیق عطا فرما دیں۔ تمھارے لئے بھی اور اُس کے لئے بھی اسی میں احتیاط ہے (کہ اُس کو رخصت کرو) اور یہ جو بعض حضرات کا قول ہے تعلمنا العلم لغیر اللہ فابیٰ ان یکون الا للہ۔ (کہ ہم نے تو علم غیر اللہ کے لئے پڑھا تھا مگر وہ کسی کا نہ ہوا۔ آخر کار اللہ ہی کا ہو کر رہا) تو یہ ایک خاص واقعہ ہے، نادر صورت ہے۔ ایسے نادر واقعات سے عام حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو جب ترکِ تعلیم پر لوگ ملامت کرتے تو فرماتے کہ بخدا اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ فقط اللہ کے لئے علم حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو ہم اُن کے گھروں پر جا کر خود پڑھاتے۔ مگر اُن کو مقصود تو صرف یہ ہے کہ علم حاصل کر کے لوگوں سے بحث و مباحثہ کریں اور اُس کے ذریعہ سے معاش حاصل کریں (اس لئے ہم نے اُنکو پڑھانا چھوڑ دیا۔)

علم اگر خالص نیت سے ہو تو افضل الاعمال ہے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر علم کے ساتھ نیت بھی خالص ہو تو کوئی عمل اُس سے افضل اور اس پر مقدم نہیں۔ مگر اب تو عمل کے سوا (دوسرے مقاصد) کیلئے علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

علماء چراغِ ہدایت ہیں ایک بار ایک عالم اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ :۔

اے جماعتِ علمار! تم چراغ (ہدایت) تھے، تمھاری روشنی روئے زمین پر پھیلتی تھی۔ مگر (اب خود) تمھارے ہی اوپر اندھیرا چھا گیا۔ تم ستاروں کی مانند تھے کہ تمھارے ذریعہ سے جہل کی تاریکیوں میں راستہ ملتا تھا۔ مگر (اب) تم خود (راستہ بھول کر) حیرت میں پڑ گئے۔ کسی کو دیکھو تو حاکموں اور مالداروں کے پاس جا رہا ہے، اُن کے تخت و فرش پر بیٹھ کر اُن کا کھانا کھاتا ہے۔ حالانکہ جانتا ہے کہ یہ کہاں سے (اور کس طریقہ سے) کماتے ہیں۔ اُس کے بعد مسجد میں آتا ہے اور بیٹھ کر علم کی تعلیم دیتا اور لوگوں کو نصیحت کرتا ہے اور کہتا ہے حدَّثنی فلان عَن فلان خدا کی قسم علم حاصل کرنا ان باتوں کے لئے نہیں ہوا کرتا۔

عالم و عابد کے ریا کی علامت اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی عالم یا عابد میں یہ بات دیکھو کہ وہ اُمراء اور اغنیاء کی مجالس میں اپنے تقویٰ اور زہد و بزرگی کا تذکرہ ہونا پسند کرتا ہے تو سمجھ جاؤ کہ وہ ریاکار ہے اور وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب تم طالبِ علم کو ایسا دیکھو کہ جس قدر اُس کے علم میں ترقی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر دُنیا سے بے رغبتی اور نماز میں خشوع و خضوع بڑھتا جاتا ہے، اُس کو پڑھاؤ (اور ضرور تعلیم دو) اور اگر یہ دیکھو کہ جتنا علم بڑھتا ہے اُسی قدر قیل و قال اور بحث و مباحثہ میں ترقی کرتا ہے اور دنیا کی طرف اُس کی رغبت بڑھتی ہے، اُسکو تعلیم مت دو۔

اور کعب الاحبار رضی اللہ عنہ جن کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی تھی یہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ

آنے والا ہے کہ اُس وقت جاہل (اور کم عقل لوگ) علم حاصل کیا کریں گے اور اُمراء کے پاس بیٹھ کر غرباء سے ایسی غیرت کیا کریں گے جیسا کہ عورتیں مردوں سے غیرت کرتی ہیں۔ (یعنی غریبوں کے پاس بیٹھنے سے نفرت کریں) پس اُن لوگوں کو علم سے اتنا ہی حصہ ملے گا (یعنی اُن کو صرف جاہ مقصود ہوگی اس لئے آخرت میں اس علم سے اُن کو کچھ نہ ملے گا۔)

طالب علم کے مخلص و ریاکار ہونے کا معیار صالح مری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کے مخلص ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کے ہمسروں کے سامنے اُس کو جاہل کہہ دیا جائے یا ریاکاری و شہرت پسندی کی صفت سے بدنام کیا جائے تو (اُس کا دل خوش ہو اور) طبیعت میں انشراح پیدا ہو، اور ریاکار ہونے کی علامت یہ ہے کہ ان باتوں سے دل تنگ ہو (اور طبیعت میں غم و غصہ پیدا ہو)۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ طالب دنیا عالم کے پاس بیٹھنے سے بچتے رہو کیونکہ وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اور بغیر عمل کئے محض زبانی جمع خرچ سے علم کی تعریف کر کے تم کو فتنہ میں ڈال دیگا (کیونکہ تم اس کی باتوں سے اس دھوکہ میں پڑ جاؤ گے کہ عمل کی چنداں ضرورت نہیں، صرف معلومات بڑھا لینا کافی ہے)۔ (الدر المنضود ص۱۳۶)

طالب علم کے اندر اخلاص ہو تو ضرور پڑھانا چاہئے جس طالب علم میں اخلاص و عمل کی ذرا بھی بو ہم کو محسوس ہو تو ایسے شخص کو ضرور پڑھانا چاہئے۔ بلکہ اس کی تعلیم کو اپنے تمام اوراد و نوافل پر مقدم کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان کا اثر کرنے والے ہی تک رہتا ہے (اور تعلیم کا اثر بہت دور تک پہنچتا ہے) نیز اس لئے بھی کہ

علم سے دین کی حیات اور بقار ہے اور ہر زمانہ میں ہمیشہ علمار کی ایک جماعت قدم اخلاص پر جمی ہوئی ضرور ہوتی ہے جن کے ذریعہ سے حق تعالےٰ اس شریعت کو زندہ کرتے رہتے ہیں، جب تک کہ اللہ تعالےٰ کا (دوسرا) حکم آوے. (یعنی قیامت کے قریب جبکہ علم اُٹھ جائے گا اُس وقت تو مخلصین نہ رہیں گے باقی اس سے پہلے ہر زمانہ میں مخلصین ضرور موجود رہتے ہیں) پس یہ کہنے کی کسی کو گنجائش نہیں رہی کہ اگر ان بیہودہ لوگوں کی تعلیم سے ہاتھ روک لیا جائے جو اپنے علم کے موافق عمل نہیں کرتے، تو علم کا نام و نشان مٹ جائے گا. کیونکہ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ مخلصین ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں. ان کے ہوتے ہوئے علم کا نام و نشان نہیں مٹ سکتا.

واللہ علیم حکیم ۔

۲۔ اپنے بھائیوں کی زیارت کرتے رہا کریں

(ہم سے بار بار عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے سب بھائیوں کی خواہ وہ مخلص ہوں یا مخلص نہ ہوں زیارت کرتے رہا کریں، اور جبتک ہم کو پیادہ چلنے کی قدرت ہو اُسوقت تک سواری وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے اُس کی ملاقات وزیارت نہ چھوڑیں (سواری نہ ہو تو پیادہ ملاقات کو جایا کریں) "ان المحبّ لمن یھواہ زوّار" کیونکہ محبت رکھنے والا اپنے محبوب کی زیارت بکثرت کیا کرتا ہے۔ مجنوں لیلیٰ سے کہتا ہے ؎

ولو قطعوا رجلی مشیت علی العصا　　ولو قطعوا اخریٰ جیتُ وجیتُ

یعنی اگر (دشمن) میرا ایک پیر کاٹ ڈالیں گے تو میں لاٹھی کے سہارے چلوں گا اور اگر دوسرا پیر بھی کاٹ ڈالیں گے تو میں گھسِٹتا ہوا پہنچوں گا۔

اس باب میں سستی وغفلت

اِس بارے میں باوجاہت درویش بہت سُستی اور غفلت کرتے ہیں انھوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کی زیارت وملاقات بالکل ترک کردی اور بہانہ یہ کرتے ہیں کہ ہم کو کہیں آنے جانے اور مخلوق سے ملنے ملانے کی عادت نہیں چنانچہ بہت سوں کی زبانی میں نے یہ عذر سنا ہے مگر دوستوں کی ملاقات چھوڑنے کے لئے یہ عذر کچھ بھی نہیں (محض بیہودہ جواب اور بیکار حیلہ ہے) اور بعض لوگوں نے مجھ سے یہ عذر بیان کیا کہ میں نے ملنا ملانا صرف اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ مبادا میرے شاگرد اور مرید یہ نہ سمجھیں کہ اگر فلاں شخص ہمارے پیر سے مرتبہ میں بڑھا ہوا نہ ہوتا تو ہمارے پیر اُس کی زیارت کو کیوں جاتے جبکہ وہ اِن کی زیارت کو کبھی نہیں آتا، پس اس خیال کے بعد ان کو میری صحبت سے فیض نہ پہنچ سکے گا۔ اور یہ بھی ایک عذر بارد ہے۔ شرعی سُنّتیں ایسے بہانوں سے چھوڑی نہیں جاسکتیں۔ اور منشا ان سب کا علوم شریعت میں کم مشغول[۱] ہونا ہے۔ واللہ غفورٌ رّحیمٌ۔ (الدر المنضود صـ۱۸۴)

ف: صوفیہ کے اِس عہد کی طرف اُن لوگوں کو خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے جو صوفیہ کی طرف منسوب ہیں، مگر افسوس اُن لوگوں کو ان

۱؎ اگر علومِ شریعت میں پوری مشغولی ہوتی تو ایسے بہانے کبھی نہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کامل درویش وہی ہے جو ہر کام میں اتباع سنت کا لحاظ رکھے اور علوم شریعت سے کافی طور پر واقف ہو۔ الحمدللہ کہ ہمارے سب مشائخ علوم شریعت میں کامل اور ہر کام میں اتباع سنت کا پورا لحاظ کرنے والے ہیں۔ اس لئے ان حضرات کی اتباع کرکے ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے متبع سنت ہوجائیں گے۔

اداممھم اللہ وابقاھم۔ (مترجم)

سنتوں پر عمل کی طرف خاص کیا عام توجہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جملہ سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (مرتب)

تلخیص از: "اخلاق سلف" ترجمہ: "تنبیہ المغترین"

علامہ شعرانی رحؒ اپنی اِس کتاب کے تعارف میں یوں رقمطراز ہیں:۔

میری یہ کتاب ایک ایسی میزان ہے جو محقق و مدعی اور مفید و مضر، صالح و فاسق، مخلص اور غیر مخلص میں فرق کرنے والی ہے۔ پس اے میرے بھائی! جن لوگوں کی تو صحبت اختیار کرنا چاہتا ہے اُن کے پاس جا کر دیکھ! اگر وہ اُن اخلاق و اوصافِ حمیدہ سے متصف ہوں جو اِس کتاب میں درج ہیں تو اُن کے پاس بیٹھ اور اُن کی پیروی کر اور اُن کے قدم چوم۔ اور اگر وہ اُن اخلاق سے متصف نہ ہوں تو اُن کی صحبت سے پرہیز کر، لیکن انھیں حقیر مت سمجھ اور اُن کا معاملہ اللہ کے سپرد کر۔

اِس کتاب کے اردو ترجمہ سے حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی رحؒ نے متعدد مؤثر مضامین کے اہم اقتباسات کو یکجا کر کے "اخلاقِ سلفؒ" کے نام سے طبع فرمایا ہے، جو "مکتبہ دار المعارف وصی آباد، الہ آباد سے شائع ہوئی ہے۔ (مرتب)

ارشادات

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ہمارے سلف صالحین کتاب اور سنت کو ہمہ وقت اس طرح لازم پکڑے رہتے جیسے جسم کے ساتھ اُس کا سایہ لازم ہوتا ہے۔ اور اُن میں سے کوئی جب تک علوم شرعیہ میں متبحر نہ ہو جاتا مسندِ ارشاد پر نہ بیٹھتا۔

سید الطائفہ حضرت ابو القاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

ہماری کتاب یعنی قرآن مجید تمام کتابوں کی سردار اور جامع ترین کتاب ہے پس جس نے نہ قرآن پاک کو پڑھا اور نہ حدیث رسول ؐ کو یاد کیا اور نہ ہی اُن دونوں کے معانی کو سمجھا اُس کی اقتداء ہرگز جائز نہیں۔ نیز آپ اپنے دوستوں کو فرماتے کہ اگر کسی آدمی کو دیکھو کہ ہوا میں چار زانو بیٹھا ہے، تب بھی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی سے متعلق اُس کا عمل نہ دیکھ لو، اُس کی پیروی ہرگز نہ کرو۔ جب دیکھ لو کہ وہ اوامر کا امتثال کرنے والا اور مناہی سے اجتناب کرنے والا ہے تو اُس پر اعتقاد جماؤ اور اُس کی پیروی کرو۔ اور اگر اسے دیکھو کہ اوامر کے امتثال میں کوتاہی کرتا ہے اور منہیات سے پرہیز نہیں کرتا تو اُس سے اجتناب کرو۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ایک ایسا وصف ہے جو آجکل فقراء میں بالکل مفقود ہے بعض تو اُن میں ایسے ہیں جو اِس راستہ میں ایک قدم بھی نہیں چلے، صرف چند باتیں فنا و بقا کے متعلق اِدھر اُدھر سے ملا کر یاد کر لی ہیں، اور چند شطحیات جن کی تائید نہ قرآن سے ہوتی ہے نہ حدیث سے، تکیۂ کلام بنا رکھی ہیں۔ پھر صوفیانہ لباس پہن کر لوگوں کو دھوکہ دیتے پھرتے ہیں۔

چنانچہ اسی قسم کا ایک شخص میرے پاس آیا اور بغیر علم کے اور بلا مذاق تصوف کے میرے سامنے مقام فنا و بقاء میں گفتگو کرنے لگا۔ اُس کے ساتھ معتقدین کا ایک گروہ بھی تھا۔ وہ مع اپنی جماعت کے کئی دن میرے پاس رہا۔ آخر کار ایک دن میں نے اُس سے دریافت کیا کہ وضو اور نماز کے فرائض کیا ہیں؟ تو مجھ سے کہنے لگا کہ میں کچھ پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ میں نے کہا بھائی! ظاہری عبادات کو کتاب و سنت کے مطابق درست کرنا اجماعًا واجب ہے۔ جو شخص واجب

و مستحب اور حرام و مکروہ میں فرق نہیں کرتا وہ جاہل ہے۔ ایسے شخص کی اقتداء ظاہری اور باطنی طریق میں کسی طرح بھی جائز نہیں۔ یہ سُن کر وہ خاموش ہو گیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ پھر اُسی دن مجھ سے علیحدہ ہو گیا۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اُس سے اور اُس کی وجہ سے جو ضیق تھی اُس سے نجات دے دی۔

میں کہتا ہوں: وہ شخص کاذب اور مفتری ہے جو کہتا ہے کہ طریق تصوف کو قرآن و حدیث نے بیان نہیں کیا۔ اُس کا یہ قول اُس کی جہالت پر صاف دلیل ہے کیونکہ اہلِ تصوف کے نزدیک صوفی کی حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ایک ایسا عالم ہے جو اپنے علم پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتا ہو۔ اور حضرات صوفیہ اپنے مریدین کو جو مجاہدات بتلاتے ہیں، اُس سے اُن کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ سلفِ صالحین کے طریق پر عباداتِ شرعیہ کو بجالانے کا ان کو ملکہ حاصل ہو جائے، بس۔ اِس کے سوا اور کوئی مقصود نہیں۔ لیکن چونکہ سلفِ صالحین کے طریق پر عمل کرنے والے نایاب ہو گئے ہیں اور اُن کے اوصاف سے بہت کم لوگ متصف ہیں، اس لئے اُن کا طریق ہی مٹ گیا۔ جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ یہ طریق شریعت سے خارج ہے۔ اِس کو خوب یاد رکھو۔ فالحمد للہ ربّ العالمین۔ (اخلاق سلف ص۱۱)

ف: الحمد للہ کیا خوب مضامین ہیں جو حرزِ جان بنائے جانے کے لائق ہیں۔ واللہ الموفق۔

تنبیہ: علامہؒ نے اپنی تصنیف "طبقات کبریٰ" میں اپنے ۶۰ ساٹھ اساتذہ و مشائخ کے تذکرے تحریر فرمائے ہیں۔ اُن میں سے ۲۳ تیئیس حضرات کے احوال و اقوال ہم نقل کرتے ہیں۔ (مرتب)

علامہ شعرانی رح کے اساتذہ و مشائخ کے تذکرے

(۱) حضرت الشیخ العلی العیاشی رحمہ اللہ المتوفی سنہ ۹۰۰ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانی رح کے استاذ ہیں۔ آپ صالح، عابد اور نیک تھے۔ اور آپ سید العباس غمری رح کے بڑے اصحاب میں تھے۔ آپ نے ستر سال سے کچھ زیادہ عمر پائی۔ اور آپ اپنے پہلو کو زمین پر نہیں رکھتے تھے مگر کسی مرض شدید کی وجہ سے۔

کشف و کرامت آپ ابلیس کو دیکھتے تھے اور اس کو اپنے عصار (لاٹھی) سے مارتے تھے۔ تو ایک دن اس نے کہا کہ میں عصار سے نہیں ڈرتا، لیکن قلب کے نور سے ڈرتا ہوں۔ ایک بار ہم شیخ کے ساتھ ایک مجلس میں تھے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو رہا تھا کہ اسی درمیان میں آپ نے حاضرین مجلس میں سے ایک شخص کو اپنے عصار سے مارا۔ تو اس شخص نے کہا کہ آپ نے مجھ کو کیوں مارا؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے تم کو نہیں مارا بلکہ اُس شیطان کو مارا جو تمھاری گردن پر بیٹھا ہوا تھا اور اُس کے دونوں پاؤں تمھارے سینے پر لٹکے ہوئے تھے۔

اولیاء کرام کی تشریف آوری اُس وقت اولیاء کرام آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے، خاص کر حضرت امام شافعی رح۔ اور آپ برابر جاگتے رہتے تھے، آپ کو کسی نے سوتے ہوئے نہ پایا۔ اور جو لوگ آپ کے حالات کو نہیں جانتے تھے وہ آپ کو خرافی (بدعتی) کہتے تھے۔

علامہ شعرانی رحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک بار دیکھا کہ آپ نے رات میں قرآن پڑھنا شروع کیا تو طلوع فجر تک صرف پانچ پارے پڑھ سکے، ترتیل اور تکرار کے ساتھ۔ (طبقات صفحہ ۱۹۰ ج ۲)

عبادت

آپ کا اشتغال دن ورات یہ رہتا تھا، کبھی قرارت، کبھی ذکر، کبھی نماز پڑھتے رہتے تھے۔ میں نے کوئی پوستین نہیں دیکھی جس پر آپ بیٹھتے ہوں۔ اخیر عمر میں بینائی خراب ہو گئی تھی لیکن کسی وظیفہ کو کم نہ فرمایا۔

آپ کا حال یہ تھا کہ جب آپ کو کوئی وضو کرانے والا نہ ملتا تو اولیاء آپ کو وضو کرانے آتے تھے۔ پس فرماتے کہ اس وقت وضو حضرت امام شافعی رحمہ نے کرا دیا اور اس وقت فلاں نے، اور اسی وضو سے نماز پڑھتے۔ اور بعض لوگ چونکہ کسی کو وضو کراتے نہ دیکھتے تو ان کا انکار کرتے اور کہتے کہ یہ ان کی خفتِ عقل کی وجہ سے ہے۔

وفات

آپ کا انتقال سنہ ۹۰۰ ھ کے کچھ دنوں کے بعد ہوا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(طبقات صفحہ ۱۹۰ ج ۲)

(۲) حضرت الشیخ احمد الرومیؒ المتوفی قریب ۹۰۰ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کے اُستاذ و شیخ ہیں۔ آپ کثیر المجاہدات تھے۔ علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو خبر ملی ہے کہ سترہ سال سے آپ اشتغال باللہ کی وجہ سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مشغول نہ ہوئے۔ اور فرماتے تھے کہ ہم نے سُنّت ادا کر لی اور ہمارے بہت سے بچے ہو گئے، تو پھر مقصود حاصل ہو گیا لہٰذا اب مشغول ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ عمدہ خصلت، عالی ہمّت اور کثیر العزلت تھے۔ آپ گمنامی کو پسند فرماتے تھے، اور اسبابِ خفا کو اختیار فرماتے تھے۔

ارشادات

فرمایا کرتے تھے کہ آجکل ظہور و شہرت کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہ گیا ہے اس لئے کہ فقیر کا ظہور اس لئے مناسب تھا کہ اس صورت میں لوگ اللہ کا طریق اس سے حاصل کریں گے، اور اُمراء و ملوک کے یہاں سفارشیں قبول ہوں گی اور اب اس زمانہ میں کسی درویش سے امراء کو اعتقاد نہیں رہا اور کسی فقیر کے پاس توجہ و ہمت نہیں کہ اس سے طریق الی اللہ حاصل کیا جائے۔ (طبقات ج ۲ صـ۱۵۳)

ف : یہ اپنے زمانہ کا حال لکھ رہے ہیں۔ رہا ہمارے زمانہ کا حال تو ظاہر ہی ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔ (مرتب)

وفات آپ کی وفات ۹۰۰ھ کے قریب ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات صـ۱۵۴ ج ۲)

③ حضرت الشیخ ابو العباس غمری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۰۵ھ

تعارف آپ تصوف وسلوک میں بلند مقام رکھتے تھے۔ جیسا کہ صالح محمد عجمی رحؒ کہتے ہیں کہ اگر جنید بغدادی رحؒ سید ابو العباسؒ کو پاتے تو وہ بھی آپ سے سلوک وطریق حاصل کرتے۔ آپ علامہ عبد الوہاب شعرانی رحؒ کے اُستاذ ہیں۔

کرامت آپ کی کرامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ شیخ امین الدین کہتے ہیں کہ جب جامعہ مصر میں ستونوں کے نصب کرنے کا وقت آیا تو لوگوں کو مدد کے لئے دعوت دی گئی۔ پس جب شیخ ابو العباس کو معلوم ہوا تو آپ رات میں تنہا تشریف لائے اور ستونوں کو کھڑا کر دیا۔ جب لوگ صبح کے وقت جامعہ میں آئے تو ستونوں کو قائم پایا۔

ف : اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے اُنکو بہت سے جوانمردوں کی قوت مرحمت فرمادی جس سے ستونوں کو نصب فرمادیا۔ اسی کو کرامت کہتے ہیں۔ (مرتب)

دوسری کرامت یہ ہے کہ ایک بار ایک جماعت کی دوران سفر چاندیوں کی تھیلی سمندر میں گر گئی، لیکن جماعت والوں کو اس کے گرنے کا علم نہ ہوا مگر جب شیخ کو اس بات کا علم ہوا تو شیخ نے سواری روکی اور فرمایا فلاں جگہ جاؤ اور جال ڈالو تو تھیلی مل جائے گی۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کے حکم کے مطابق عمل کیا اور جال اُس جگہ ڈالا تو وہ تھیلی مل گئی۔ ذالِکَ فضلُ اللہِ یُؤتیہِ مَنْ یَّشَاءُ۔ (طبقات ص ۱۲۱ ج ۲)

آپ کے یہاں ممکن نہ تھا کہ کوئی چھوٹا اپنے بڑے سے مزاح کرے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک بچہ کو دیکھا کہ بڑے سے مذاق کر رہا ہے تو آپ نے دونوں کو اپنے جامع سے نکال دیا اور انکی ضروری چیزوں کو پھینک دیا۔

ف: سُبحان اللہ، یہ تھی تربیت، جس کی بنا پر آنے جانے والوں کی اصلاح ہوتی تھی۔ مگر اب مدارس تو کیا، خانقاہیں بھی اس سے محروم ہیں۔ تو پھر کیسے اصلاح ہو؟ الّا ماشاء اللہ (مرتّب)

آپ کے جامع میں اَمرد اذان نہیں دے سکتا تھا، جب تک کہ اس کے ڈاڑھی نہ نکل آئے۔

ف: سُبحان اللہ، یہ تھی احتیاط۔ مگر اب اس کی طرف التفات نہیں جو چاہتا ہے اذان دیتا ہے۔ خواہ ڈاڑھی ہو یا نہ ہو۔ حالانکہ جس کی ڈاڑھی سنت کے مطابق نہ ہو، اُس کی اذان کراہیت سے خالی نہیں ہے۔ دریں زمانہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان امور کا بہت لحاظ رکھتے تھے اور اس کے خلاف ہونے پر کھل کر نکیر فرماتے تھے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کے اندر یہی داعیہ و جذبہ مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتّب)

وفات

آپ کی وفات صفر ۹۰۵ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہُ رحمۃً واسعۃً

(طبقات کبریٰ ص۱۲۲)

۴ حضرت شیخ محمد المغربی الشاذلیؒ المتوفی سنہ ۹۱۰ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کے استاذ ہیں۔ آپ کبارِ اُمت اور علماء راسخین میں سے تھے۔ آپ نے راہ طریقت شیخ ابوالعباس السرسیؒ سے حاصل کی۔ آپ ترک سے تعلق رکھتے تھے یعنی ترکی النسل تھے۔ اور آپ مغربی سے اس وجہ سے مشہور ہو گئے کہ آپ کی والدہ نے ایک مغربی سے نکاح کر لیا تھا۔

آپ پر استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ اور طریق کے متعلق کلام کرنے میں بخیل تھے اور بہت کم بولتے تھے۔ اور یہ آپ کے صدق اور علو شان پر اعظم دلیل ہے۔ اس لئے کہ اہل طریق کی یہی شان ہوتی ہے۔

ارشادات علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں: مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ طریق میں کوئی رسالہ لکھ دیجئے۔ تو فرمایا کہ میں اُس کیلئے رسالہ لکھوں گا جو میرے پاس ایسی طلبِ صادق لیکر آئے گا کہ اگر (بالفرض) یہ کہہ دوں کہ اپنے مال اور اہل وعیال سے علیحدہ ہو جاؤ، تو بلاچون وچرا وہ علیحدگی اختیار کرلے، یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ کل طریق دو لفظوں کی طرف راجع ہے: سکتہ اور لفتہ میں (علامہ شعرانیؒ) کہتا ہوں کہ سکتہ کے معنی غیر اللہ کی طرف التفات کا نہ ہونا۔ اور لفتہ کے معنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کی طرف اقبال و توجہ کا ہونا ہے۔ پس جو بھی ان دونوں باتوں پر عمل کرے گا تو وہ واصل باللہ ہو جائے گا۔

فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مشائخ وسادات کے طریق کو اختیار کرو، اگرچہ یہ حضرات قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔ اور ان کے غیر کے طریق سے دور رہو اگرچہ

وہ تعداد میں زیادہ ہوں۔

ف : اِس سے معلوم ہوا کہ کسی جماعت کی کثرت اُس کی صحت وقبولیت پر دلیل نہیں ہے۔ (مرتّب)

آپ فرماتے تھے کہ تم پر وہ سب بہتان وافترار لگائے جائیں گے جو تم سے پہلے علمار وفقہار پر تہمت وبہتان لگائے گئے ہیں، تو تم اُن تکالیف ومصائب پر صبر کرنا۔ جیسا کہ اُن لوگوں نے صبر کیا جو تم سے پہلے تھے۔ اور وہ لوگ صاحبِ عزم وارادہ اولیار میں سے تھے۔

وفات آپ کی وفات سنہ ۹۱۰ھ کے آس پاس ہوئی۔ اور آپ کی تدفین قرافہ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(طبقات ص ۱۱۵/۲)

۵ حضرت الشیخ علی النبتیتی الضریر رحمۃ اللہ المتوفی ۹۱۷ھ

تعارف آپ علامہ شعرانی رح کے استاذ ہیں۔ آپ اکابر علماء اور مشائخ متکلمین میں سے تھے آپ کے پاس شام، حجاز اور یمن سے مشکل اور دشوار مسائل بھیجے جاتے تھے۔ تو آپ اُن مسائل کو آسان اور سہل عبارت میں حل کر دیتے تھے۔ اس لئے اُس دَور کے سارے علماء آپ کے علم کے قائل تھے۔ اور تمام عالم کے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے اور برکت حاصل کرتے تھے۔

آپ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوتے تھے۔ اور یہ ان کی ولایت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ اس لئے کہ خضر علیہ السلام اسی کے ساتھ جمع ہوتے ہیں جس کے لئے ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام متحقق ہوتی ہے۔

ارشادات علامہ شعرانی رح فرماتے ہیں: میں نے سنا کہ جس وقت وہ مدرسہ کاملیہ میں قیام فرما تھے، فرما رہے تھے کہ: حضرت خضر علیہ السلام اُسی شخص کے ساتھ جمع ہوتے ہیں جس میں تین خصلتیں ہوں۔ اگر یہ خصلتیں نہ ہوں تو ان کا اجتماع ممکن نہیں، اگرچہ وہ ملائکہ کی عبادت پر ہو۔

پہلی خصلت یہ ہے کہ اپنے جملہ احوال میں سنت کے مطابق ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اس میں حرص دنیا نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اہل اسلام کے لئے سلیم الصدر ہو، یعنی اس میں کینہ، کھوٹ اور حسد نہ ہو۔ (طبقات ج ۲ ص ۱۱۳)

ف: سبحان اللہ کیسی مبارک صفات وخصال ہیں جن سے اتصاف ہونا ضروری ہے خواہ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ اجتماع ہو یا نہ ہو۔ (مرتب)

وفات آپ کی وفات ۹۱۷ھ میں ہوئی اور اپنے شہر میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (طبقات ص ۱۲۴/۲)

⑥ حضرت الشیخ تاج الدین الذاکر رحمۃ اللہ المتوفی ۹۲۰ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانی رح کے اُستاذ ہیں۔

ان کے قلب کے نور سے ان کا چہرہ بھی منور تھا۔ اچھی خصلت والے تھے اور اخلاق جمیلہ سے متخلق تھے۔ آپ کا ہر بال ناطق تھا کہ آپ ولی اللہ ہیں۔ آپ سلطان اور اُمراء کے پاس کثرت سے سفارش کرتے تھے۔

آپ کے اصحاب صاحبِ جمال و کمال تھے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور وہ خاص و عام کے نزدیک بہت ہی معتبر تھے اور اسی طرح امراء و ملوک کے نزدیک بھی آپ کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ آپ اکثر باوضو رہا کرتے تھے اور ناقضِ وضو کا صدور بھی بہت کم ہوتا تھا۔

ارشادات آپ فرماتے تھے کہ فقراء کی جماعت حق کی جماعت میں سے ہے۔ اس وجہ سے مناسب نہیں ہے کہ ان میں آوازیں بلند ہوں۔

ف: یعنی یہ اولیاء کرام ورثۃ الانبیاء علیہم السلام کے مصداق ہیں اسلئے فرمانِ الٰہی لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات ۲) کے مطابق انکی مجالس میں بھی آواز بلند نہ کرنی چاہیئے۔ (مرتب)

وفات آپ کی وفات ۹۲۰ھ کے آس پاس ہوئی اور آپ کی تدفین جامع الدرر کے بغل میں باب زویلہ کے باہر ہوئی۔ آپ کے جنازہ میں بیشمار لوگوں نے شرکت کی تھی جو آپ کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

۷ حضرت الشیخ شمس الدین الدیروطیؒ المتوفی ۹۲۱ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کے اُستاذ ہیں۔ آپ اپنے عصر کے زاہدوں اور متقیوں کے امام تھے اور دمیاط کے واعظ و خطیب تھے آپکے زہد اور پرہیزگاری کیوجہ سے بادشاہوں، امیروں اور اُسوقت کے علماء و زہاد کے نزدیک آپ کا ایک مرتبہ تھا۔ آپ برابر روزہ رکھتے تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اہتمام کرتے تھے۔

اساتذہ کا ادب آپ ان لوگوں کے ساتھ غایت درجہ تواضع کا معاملہ فرماتے تھے جن کے ساتھ آپ نے بچپن میں قرآن مجید پڑھا تھا۔ اور آپ کے علوم و معارف اور شہرت اس سے مانع نہ بنتی تھی۔

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ آپ سواری پر کہیں جارہے ہیں پس یکایک سواری سے اُتر پڑے اور ایک اندھے کے ہاتھ کو بوسہ دیا جنکو اُنکی لڑکی لئے جارہی تھی۔ تو میں نے کہا، یہ کون شخص ہیں؟ فرمایا کہ جب میں چھوٹا تھا تو انھوں نے قرآن مجید کے دو پارے مجھے پڑھائے تھے، لہٰذا میں اس بات پر قادر نہیں ہوں کہ اُنکے پاس سے سوار ہوکر گزروں۔ (طبقات ص ۱۸۲)

مجلس وعظ علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جامع ازہر میں آپ کی مجلس وعظ میں شریک ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور جب آپ وعظ و نصیحت فرماتے تھے تو لوگ بالکل خاموشی کے ساتھ سنتے تھے اور یہ جملہ بالکل صادق آتا تھا کہ "کانھم علیٰ رءوسھم الطیر" (گویا کہ اُنکے سروں پر چڑیا ہے) اور آپکے وعظ میں بادشاہ، اُمراء اور بڑے بڑے لوگ شریک ہوتے تھے۔ اور جب وہ لوگ آپ کی مجلس سے اُٹھتے تھے تو اپنے آپ کو بالکل پست، رذیل خیال کرتے تھے۔

آپ کی مقبولیت آپ کی مقبولیت کا حال یہ تھا کہ جب آپ کہیں سے گزرتے

تو لوگ آپ سے ملاقات اور مصافحہ کرنے کیلئے بیچین ہو جاتے تھے۔ اور جو آپ سے مصافحہ نہ کرپاتا تو وہ اپنی چادر کو دور سے آپکے کپڑوں سے مَس کر کے اُسکو بوسہ دیتا تھا۔

آپ کی کرامت

آپ بہادر اور دلیر تھے اور ہر کام میں پیش قدمی کرنے والے تھے۔ ایک بار آپ کے قافلہ پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ قافلہ والے ڈر گئے۔ مگر شیخ نے قافلہ والوں سے کہا کہ ڈرو نہیں! پھر آپنے اشارہ کیا تو وہ سب کے سب پانی میں گھر گئے۔ تو اُن لوگوں نے توبہ و استغفار کیا۔ آپنے اُن ڈاکوؤں سے پوچھا کہ تمھارا سردار کون ہے؟ اور فرمایا کہ تم لوگ اپنے سردار سے کہو کہ ہم لوگوں نے اللہ تعالےٰ کے حضور میں توبہ کر لی ہے۔ پھر آپنے اُن سے فرمایا کہ تم لوگ خشکی کی طرف آؤ کیونکہ اب تم لوگ اس مصیبت سے چھٹکارہ پانے والے ہو۔

بادشاہ کو نصیحت

سلطان غوری نے ترک جہاد (جہاد کو چھوڑنے) کا ارادہ کر لیا تو آپ اس کے بعد جب اس کی مجلس میں پہنچے اور سلام کیا تو اُس نے جواب نہیں دیا۔ اس پر آپ نے کہا کہ اگر تم سلام کا جواب نہ دوگے تو معزول کر دیئے جاؤ گے، تب اس نے جواب دیا۔ پھر آپ کے اور اُس کے درمیان گفتگو شروع ہوئی جو خاصی طویل ہوگئی شیخ نے سلطان سے کہا کہ شاید تم بھول گئے ہو کہ جو نعمتیں تم کو اللہ تعالےٰ نے دی ہیں اس کا جواب تم نے ناشکری سے دیا ہے۔

کیا تم کو یاد نہیں کہ تم نصرانی تھے، پھر قید کر لیے گئے اور تم ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ فروخت کیے گئے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے تم پر احسان کیا اور تم کو آزادی حاصل ہوئی اور مشرف باسلام ہوئے۔ اور تم کو ترقی پر ترقی حاصل ہوتی رہی، یہاں تک کہ تم بادشاہ بن گئے۔ عنقریب تم کو ایسا مرض

لاحق ہوگا کہ اُس میں کوئی بھی دوا کارگر نہ ہوگی اور تم اُس بیماری کی وجہ سے مرجاؤگے، پھر تم کو ایک تاریک قبر میں دفن کردیا جائیگا۔ پھر تم دوبارہ بے لباس اُٹھائے جاؤگے اِس حال میں کہ تم بھوک اور پیاس سے بیچین ہوگے۔ پھر اُس احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے ہوگے، جس کے یہاں ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر وہاں پر اعلان کیا جائے گا کہ غوری پر جس کا جو حق ہے وہ آوے اور اپنے حق کا مطالبہ کرے، خواہ وہ حق ظلم کی وجہ سے اس پر ہو یا کسی اور وجہ سے۔ پھر ایک مجمع کثیر حاضر ہوگا جو اپنے حق کا تقاضا کریگا۔

آپ کی اس بات کی وجہ سے بادشاہ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ اور اس کے خادم خاص نے خیال کیا کہ کہیں اس کی وجہ سے اس کی عقل ماؤف نہ ہوجائے

جب شیخ اس کے یہاں سے واپس چلے آئے، اور بادشاہ ہوش میں آیا تو بادشاہ نے کہا کہ شیخ کو میرے پاس لے آؤ۔ پھر اس نے شیخ کو دس ہزار دینار دیا تاکہ دمیاط کے برج کے بنانے میں اس کو صرف کریں۔ مگر شیخ نے اس کو وہ دینار لوٹا دیئے اور فرمایا کہ میں مالدار ہوں، میں کسی کا محتاج نہیں ہوں۔ ہاں اگر تم محتاج ہو تو میں تم کو قرض دیدوں گا اور صبر کرلوں گا۔

تو اُس مجلس میں شیخ سے زیادہ عزت والا اور بادشاہ سے زیادہ ذلیل کوئی نہ تھا۔

ف : یہ حضرات اہل دل چونکہ متبع سنت ہوتے ہیں اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ کے مصداق ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ حضرات کسی سے مرعوب نہیں ہوتے، بلکہ حق بات فرماتے رہتے ہیں۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۹۲۱ھ میں ہوئی۔ آپ نے پچاس سال سے کچھ زیادہ عمر پائی۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (طبقات صـ ۱۸۲/۲)

⑧ حضرت الشیخ محمد عنان رحمہ اللہ تعالےٰ المتوفی ۹۲۲ھ

تعارف آپ اپنے دور کے زاہد و عابد تھے اور آپ اس میں بے نظیر تھے۔ علامہ شعرانی رح کے اُستاذ تھے۔ مشائخ عصر جب ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو معلوم ہوتا کہ اپنے مربی کی گود میں مثل بچہ کے ہیں۔

آپ ابتدائے عمر ہی سے عبادت اور قیام اللیل کی پابندی کرنے لگے، یہاں تک کہ عفت و پاکدامنی، زہد فی الدنیا اور رجوع الی اللہ میں آپ کو بطور مثال پیش کیا جاتا تھا۔

جب امام جامع کاملیہ شیخ کمال الدین کو آپ کے بارے میں خبر ہوئی تو آپ کی ملاقات کے ارادہ سے انھوں نے بلاد شرقیہ کا سفر کیا، اور جب آپ سے ملاقات کی تو بہت ہی زیادہ متأثر ہوئے۔

کرامات آپ کی کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ آپ نے چھ پیالے آٹے سے پانچ سو آدمیوں کو شکم سیر کھانا کھلایا۔ واقعہ یہ ہوا کہ اچانک آپ کے یہاں شہر کے فقراء کی ایک بڑی تعداد جو پانچ سو کی تھی جمع ہوگئی آپ کی والدہ نے حسبِ عادت آٹا گوندھا۔ تو اُس وقت آپ نے اپنی والدہ سے فرمایا کہ یہ کپڑا لیجئے اور اس کو آٹے کے برتن پر ڈال دیجئے، اور اس کے بعد آپ لوئی بنانا شروع کیجئے اور روٹی پکاتی جائیے۔ تو آپ نے اپنے صاحبزادے کے کہنے کے مطابق روٹی پکانی شروع کی تو اتنی روٹی ہوئی کہ تقریبًا آدھا گھر روٹیوں سے بھر گیا۔ پھر آپ نے اپنی والدہ سے کہا کہ برتن سے کپڑے کو ہٹائیے۔ جب

والدہ نے کپڑا ہٹایا تو اُس میں آٹا نہیں تھا۔ اُسوقت آپ نے فرمایا میرے رب کے عزت کی قسم، میں اللہ تعالےٰ کی نصرت و مدد سے اِس آٹے سے پورے شہر کو روٹیوں سے بھر دیتا۔

دوسری کرامت جامع اسکندریہ میں ایک شخص تھا، جب اُس سے کسی شخص سے کوئی بدمزگی کی بات ہو جاتی، تو کہتا تھا:۔ اے کھٹملو! جاؤ فلاں کے کپڑے میں جمع ہو جاؤ! تو اُس شخص کے کپڑے میں اتنے کھٹمل جمع ہو جاتے تھے کہ اس کو ایسا محسوس ہونے لگتا کہ وہ اس کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا۔ یہ بات شیخ محمد عنان کو پہنچی۔ اُسوقت آپ کرم افزخ کی زیارت میں تھے، آپ نے حکم دیا کہ اُس شخص کو میرے پاس لے آؤ، جب اس کو آپ کے پاس لایا گیا، تو آپ نے اس سے کہا کہ تم نے صرف یہی ایک طریقہ حاصل کیا ہے؟ پھر اُس کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور ہوا میں پھینک دیا۔ تو وہ اسی دن سے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ پھر کسی کو بھی خبر نہ ہوئی کہ شیخ محمد عنان نے اُس کو کہاں پھینک دیا۔

تیسری کرامت ایک مرتبہ دوران سفر لوگوں نے آپ سے ایک شخص کے بارے میں کہا کہ یہ بہت زیادہ کھاتا ہے۔ تو آپ نے اس شخص کو بلایا اور اپنے پاس بٹھایا اور اُس سے فرمایا کہ بسم اللہ کرکے کھاؤ! تو وہ آدھی روٹی میں ہی شکم سیر ہو گیا۔ اور پھر تاحیات آدھی روٹی میں ہی آسودہ ہو جاتا تھا، اور اُس کی یہی خوراک بن گئی۔ اور لوگوں نے آپ کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے ہم لوگوں کو ایک پریشانی سے نجات دلائی۔

چوتھی کرامت ایک واقعہ ہے کہ برہمتوش کے قبرستان میں ایک مردہ مغرب کے بعد سے صبح تک چیختا رہتا تھا۔ لوگوں نے شیخ

محمد عنانؒ کو اس کی خبر دی، تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور سورۂ "تبارک" تلاوت فرما کر اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! آپ اسکی بخشش فرما دیجئے پھر اُس کے بعد کسی نے اس کے چیخنے کی آواز نہیں سُنی۔

اہتمامِ عبادت آپ عصر ہی کے وقت سے رات کے نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے تھے اور جب تک آپ وتر کی نماز سے فارغ نہ ہو جاتے، اس دوران کوئی آپ کو مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ اسی طرح جب نماز تہجد کے لئے کھڑے ہو جاتے، تو چاشت تک آپ کو کوئی مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ اور رات دن عبادت کا یہی معمول تھا خواہ سردی کا موسم ہو یا گرمی کا۔

ف: یہ بھی آپ کی کرامت معنوی ہی تھی کہ اللہ تعالےٰ نے عبادت میں لذت عطا فرما دیا تھا۔ (مرتب)

آپ پر سردی اور گرمی کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا، جبکہ اور لوگ سردی کے موسم میں سردی سے بچنے کے لئے لحاف کے اندر ہوتے تھے اور اپنے جسم کا کوئی بھی حصہ لحاف سے باہر نہ نکالتے تھے۔

شیخ شناویؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے شیخ عنان سے زیادہ عبادت کرنے والا نہیں دیکھا۔

آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے میرے جامع عمرو کے قیام کے دوران دنیا کو میرے تابع کر دیا تھا۔ تو ہر رات میرے لئے ایک برتن میں سالن اور دو روٹیاں آتی تھیں۔ لیکن میں نے اس کی طرف کبھی توجہ نہ کی، اس وجہ سے کہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دنیا ہے (اس لئے اس سے پرہیز کرتا تھا)

اُس دَور کے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب سردی کی راتوں میں بارہا مجھے سُستی و کاہلی معلوم ہوتی تھی کہ ایسی ٹھنڈک میں کس طرح وضو کروں،

اور نماز و عبادت میں مشغول ہوں، تو اُس وقت میرے ذہن میں شیخ محمد عنان کا خیال آتا کہ اگر شیخ محمد عنانؒ اس وقت ہوتے تو کیا وہ بغیر وضو اور نماز کے سو جاتے؟ تو صرف اس خیال سے میری سستی و کاہلی مجھ سے اس طرح دور ہو جاتی کہ معلوم ہوتا کہ سستی و کاہلی مجھ کو تھی ہی نہیں۔

ف: بزرگوں کی صحبت کا یہی اثر ہوتا ہے کہ عبادت و ریاضت میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ آجکل اس کا انکار کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

مشتبہ مال سے پرہیز آپ کی عادت تھی کہ اگر کوئی ایسا شخص آپ کو دعوت دیتا جس کی کمائی کے بارے میں شبہہ ہوتا تو اس کی دعوت تو قبول کر لیتے، لیکن اس کے یہاں جانے سے پہلے اپنی آستین میں روٹی رکھ لیتے تھے اور وہی روٹی لوگوں کی نظروں سے بچا کر اسکے دسترخوان پر تناول فرماتے تھے۔ **ف:** یہ آپکے کمال تقویٰ پر دال ہے جو آپ کو حاصل تھا۔ (مرتب)

آپ کو دیکھ کر شیخ ابو بکر حدیدیؒ اور شیخ محمد العدلؒ نے بھی آپ کے جیسا ہی کرنا چاہا تو آپ نے اُن دونوں سے کہا کہ تم دونوں ہرگز ایسا نہ کرنا، تم دونوں کیلئے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ **ف:** کیونکہ اُن کیلئے ازروئے فتویٰ جائز تھا۔ (مرتب)

ارشادات آپ کو اُس شخص سے تکدّر ہوتا تھا جو کہ شیخ کی خدمت میں دنیا کی چیز اس لئے پیش کرتا کہ شیخ اس کو فقراء پر تقسیم فرما دیں۔ اور فرماتے تھے کہ شہر میں میرے علاوہ اور تم کو کوئی نہیں ملا جو تمھاری میل کچیل کو تقسیم کرے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں فقیر کا راس المال اس کے قلب کے علاوہ کچھ نہیں۔ پس اس کیلئے مناسب نہیں ہے کہ اپنے قلب میں ایسی چیز داخل کرے جو اُسکو مکدّر کر دے۔ ایک شخص فقراء کے لباس میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے میرے شیخ! خواطر کی کتنی قسمیں ہیں؟ تو شیخ نے اپنے

چہرہ کو پھیر لیا اور اس کی طرف التفات نہ فرمایا۔ جب وہ کھڑا ہوا تو شیخ نے فرمایا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مجھے گمان نہیں تھا کہ میں اتنے دنوں تک زندہ رہوں گا کہ طریق الی اللہ میں صرف کلام رہ جائے گا اور عمل نہ ہوگا۔ یعنی طریق کی صرف باتیں رہ جائیں گی اور عمل سے لوگ کورے ہوں گے۔

ف: پہلے تو کچھ رہا ہوگا مگر اب تو ایسا بہت ہے۔ یعنی بس قول ہی قول رہ گیا ہے۔ عمل و حال سے سروکار نہیں۔ اِلّا ما شاء اللہ۔ (مرتب)

ایک دفعہ جامع ازہر کے قریب جمعہ کا وقت ہو گیا تو فرمایا کہ یہاں لوگوں کا مجمع ہوگا اور مجمع میں داخل ہوتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے (اس لئے دوسری مسجد میں نماز ادا کروں گا۔)

فقیر کے لئے ننگے غسل کرنے کو تنہائی میں بھی مکروہ سمجھتے تھے اور اسمیں شدت اختیار فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے طریق کی بنیاد ادب پر رکھی گئی ہے۔ اور جو شخص اس میں رخصت پر عمل کرے گا تو وہ طریق کے لائق نہیں ہے۔ میں نے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جو فقیر گدّے پر سوتا ہے تو اس سے طریق کی کوئی بات متحقق نہ ہوگی۔ اس لئے کہ جو شخص گدّے پر سوتا ہے تو وہ گویا قیام لیل کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ اور قیام لیل (یعنی نماز تہجد) تو مومن کے لئے بمنزلہ سواری و براق کے ہے۔ پھر فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عباء کے دو تہہ کر کے اس پر سو گئے تو اُس رات کے اوراد فوت ہو گئے۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ اسکو اپنے پہلے حال پر چھوڑ دو، اس لئے کہ اسکی نرمی اور گداز نے مجھ کو قیام لیل سے روک دیا۔

وفات آپ کی وفات ربیع الاول ۹۲۲ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (طبقات ۲/۱۱۱)

⑨ حضرت الشیخ ابوبکر حدیدیؒ المتوفی سنہ ۹۲۵ھ

تعارف آپ علامہ شعرانی رحؒ کے استاذ ہیں۔ آپ شیخ احمد ابن مصلح منزلاویؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ کا طریقہ کار یہ تھا کہ خواہ سفر ہو یا حضر دونوں حالتوں میں آپ لوگوں سے رقمیں جمع کرتے تھے، یہ فقراء ومساکین کی امداد کیلئے ہوتا تھا، اور آپ اہل بکر کیلئے دراہم اور کپڑے وغیرہ اور وہ چیزیں جنکی اُنکو حاجت ہوتی تھی لے کر جایا کرتے تھے اور تقسیم فرماتے تھے۔ ف: اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کا الگ الگ حال ہوتا ہے۔ (مرتب)

فقراء کی خدمت علامہ شعرانی رحؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک بار مجھ سے کہا کہ اے عبدالوہاب! میرے ساتھ چلو، تو میں آپ کے ساتھ امیر الجیوش بازار کی طرف نکلا۔ تو آپ لوگوں سے حسب استطاعت کسی سے سامان اور کسی سے درہم لینے لگے۔ اور آپ نے جب بازار سے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ کے پاس کافی مقدار میں رقم ہو گئی۔ پھر آپ کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جس کے پاس ایک طبق روٹی تھی، تو آپ نے اُس سے وہ روٹیاں خریدلیں اور جو فقراء ومساکین آپ سے ملے ان کو بقدر ان کے حصہ کے دیتے چلے گئے۔

اتباع سنت

آپ کا حال یہ تھا کہ جب کسی کو کھانے کیلئے بلاتے اور وہ نہ آتا تو اپنا سر کھولے اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے، یہاں تک کہ اس کو راضی کر کے لے آتے۔

ف: سبحان اللہ، کس قدر اطعام طعام اور ضیافت کا جذبہ تھا۔ (مرتب)

ایک مرتبہ شیخ محمد عدل کو دیکھا کہ ایک اجنبی عورت کا پیٹ سہلا رہے ہیں جس کے پیٹ میں کوئی بیماری تھی، تو چیخے اور فرمایا کہ ہائے دنیا۔ خبردار! اللہ اکبر۔ اے عدل! تم اپنے کو بچاؤ۔ تو انھوں نے فرمایا کہ، قسم اللہ کی، میں نے شہوت سے ایسا نہیں کیا۔ تو فرمایا کہ تم چاہے معصوم ہو، مگر ہم بس سنت کو جانتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ فعل جائز نہیں۔ ان کے پاس ایک قینچی رہتی تھی جس سے خلاف سنت مونچھوں کو کاٹ دیتے تھے۔ پس اگر وہ کٹوانے پر راضی نہ ہوتا تو چیخنے لگتے، اور فرماتے وادنیاہ، وااسلاماہ، وامحمداہ یہاں تک کہ غصہ میں آکر اس کی مونچھ کاٹ دیتے۔ اور وہ خاموش رہتا۔

ف: کچھ ہی عرصہ پہلے حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ (متوفی ۱۹۴۲ء) گزرے ہیں۔ اُن کا بھی یہی جذبۂ اصلاح تھا۔ جس کی وجہ سے ضلع اعظم گڑھ، پرتاپگڑھ اور سلطانپور کے لوگوں کی بہت اصلاح ہوئی جن کا تذکرہ "اقوال سلفؒ" کی آئندہ کسی جلد میں آئیگا۔ انشاء اللہ۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۹۲۵ھ میں ہوئی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(طبقات ص ۱۳۱/۲)

⑩ حضرت شیخ الاسلام زکریا انصاری الخزرجیؒ المتوفی سنہ ۹۲۶ھ

تعارف علامہ شعرانیؒ کے اُستاذ ہیں۔ آپ نے اُن سے بیضاوی، کشاف، رسالہ قشیریہ وغیرہ پڑھا ہے۔ آپ دونوں طریق یعنی فقہ وتصوف کے ارکان میں سے ایک رُکن تھے۔

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی بیس سال خدمت کی ہے مگر اُنکو کبھی غفلت میں نہ پایا، اور نہ رات و دن کے کسی حصہ میں لایعنی باتوں میں پایا۔ بڑھاپے کے باوجود آپ سُنن وفرائض کو کھڑے ہوکر پڑھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اپنے نفس کو کسل کا عادی نہیں بنانا چاہتا۔ آپ کے پاس جب کوئی آتا اور کلام کو طول دیتا تو فرماتے کہ جلدی کرو۔ اِس لئے کہ تم نے ہمارے وقت کو ضائع کیا۔ (طبقات ص۱۲۲ ج۲)

فضل وکمال علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں آپکے پاس بیٹھتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں سارے عالم کے عارفین وصالحین کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ اور مصر کے بڑے بڑے مفتی آپ کے سامنے بچے کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور بڑے بڑے اُمراء واکابر بھی ایک بچے کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ صاحب کشف تھے۔ میرے دل میں کوئی بھی بات گزرتی تو آپ فرماتے کہ جو تمھارے دل میں ہے کہو۔

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ جب مطالعۂ کتب کی وجہ سے مجھے درد سر شروع ہوجاتا تو شیخ فرماتے تھے کہ علم کے ذریعہ شفاء کی نیت کرو، میں اسکی

نیت کرلیتا تو دردِ سر ختم ہو جاتا تھا۔

ف: سبحان اللہ، علم کی فضیلت ملاحظہ ہو کہ اس کی نیت سے دردِ سر سے شفا ہو جائے۔ اسی طرح حسن نیت سے اگر قلب اور دوسرے اعضاء کو بھی شفا نصیب ہو جائے تو کیا تعجب ہے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

متوکلانہ حالات

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ نے اپنے مصر آنے کے بعد کا واقعہ یوں بیان فرمایا اور حکم دیا کہ تم اس کو اچھی طرح محفوظ کرلو، گویا کہ تم میرے ساتھ شروع سے ہو۔ تو میں نے کہا ہاں ضرور بیان فرمائیے! تو آپ نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا:۔

کہا کہ جب میں یہاں آیا تھا تو میں نوجوان تھا۔ سو اس وقت میں نے مخلوق میں سے کسی پر توجہ نہ کی اور نہ کسی سے کوئی امید رکھی، میں جامعہ میں بھوکا ہوتا تھا تو میں رات خربوزہ کے چھلکے کی تلاش میں نکلتا تھا، وہ اِدھر اُدھر پڑے رہتے تھے۔ میں اس کو لے آتا تھا اور دھو کر اسی سے اپنی بھوک مٹاتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے میرے لئے ایک شخص کو مقرر کردیا جو چکی میں کام کرتا تھا، وہ مجھ کو تلاش کرتا اور میری ضرورت کا سامان خرید کردیتا، یہاں تک کہ کتابیں وغیرہ بھی خرید دیتا تھا، اور مجھ سے کہتا تھا اے زکریا! تم کسی سے کوئی سوال نہ کرنا، جب بھی تم مجھ کو بلاؤ گے میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ (طبقات ص۱۲۳)

ف: سبحان اللہ، کیسا نصیحت آموز واقعہ ہے، اسلئے کہ جو اللہ پر توکل اور بھروسہ کرے گا، اُس کے لئے اللہ تعالےٰ کافی ہو جائے گا۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ۔ (مرتب)

آپ نے بہت سی تصنیفات کی ہیں جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ آپ نے درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کو اپنے لئے لازم کر لیا تھا، اور آپ اس خدمت دینیہ کو حسن نیت و اخلاص سے انجام دیتے تھے۔

آپ کی کسر نفسی

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ نے مجھ سے ایک بار کہا کہ: رمضان کے آخر عشرہ میں میں جامع ازہر کی چھت پر معتکف تھا تو ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ میری بینائی ختم ہو گئی ہے، آپ مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ بتلائیے جو دعا کرے اور میری بینائی لوٹ آوے۔ اور مجھ کو اپنی دعا کے مقبول ہونے کے بارے میں معلوم تھا، تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! آپ اس بندے کی بینائی کو لوٹا دیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول فرمالیا۔ اور میں نے اس شخص سے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمھاری بینائی لوٹ آوے تو تم یہاں سے سفر کر کے کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔ میں نے یہ بات اس خوف سے کہی کہ اسکی بینائی لوٹ آنے کے بعد یہ شخص میرے متعلق مصر میں مشہور کر دیگا کہ فلاں کی دعا سے میری بینائی لوٹ آئی ہے۔ تو وہ شخص مصر سے سفر کر کے غزہ چلا گیا اور وہاں اسکی بینائی لوٹ آئی، پھر اس نے مجھ کو خط لکھا اور اسکی اطلاع دی۔ تو میں نے جواب میں اسکو لکھا کہ اگر تم مصر واپس آؤ گے تو تمھاری بینائی پھر ختم ہو جائے گی۔ تو وہ قدس ہی میں قیام پذیر رہا۔ یہاں تک کہ وہیں پر اسکی موت واقع ہو گئی۔

وفات

آپ کی وفات ذی الحجہ ۹۲۶ھ میں ہوئی اور قرافہ مصر میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (طبقات ص۱۲۳)

(۱۱) حضرت الشیخ امین الدین امام جامع الغمری المتوفی ۹۲۹ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کے استاذ ہیں۔ آپ جامع الغمری کے امام تھے اور آپ کا شمار اپنے دور کے بلند پایہ علماء میں ہوتا تھا صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں آپ کی سند سب سے بلند اور قابل اعتماد شمار کی جاتی تھی۔

تجوید کی کیفیت آپ قرارت سبعہ کا علم رکھتے تھے، اور قرارت میں آپ کی آواز جیسی کسی کی آواز نہیں سنی گئی۔ آپ کے حسن تجوید کی وجہ سے لوگ بولاق اطراف مصر سے آپ کی امامت میں نماز ادا کرنے کے لئے آتے تھے اور حسن تجوید کے ساتھ خشوع و خضوع بھی تھا اور دوران نماز آپ کے کثرت سے گریہ وزاری کی وجہ سے اکثر لوگ آپ کے پیچھے گریہ وزاری کرتے تھے۔

حضرت ابوالعباس الغمریؒ فرماتے تھے کہ جامع مسجد الغمری جسم ہے اور شیخ امین الدین اس کی روح۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جامع سے اس حالت میں نکلتے تھے جیسا کہ لوگ حج سے نکلتے ہیں۔ اور جامع میں آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں باقی رہتا تھا تو گویا جامع سے کوئی نہیں نکلا، اور جب آپ جامع سے نکل جاتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جامع میں کوئی بھی نہیں ہے۔

آپ ستاون ۵۷ سال امام رہے اور اس دوران کوئی بھی نماز کا وقت نہیں آیا مگر آپ باوضو ہوتے تھے۔

ہمدردی آپ ہمیشہ بیواؤں، مسکینوں اور نابیناؤں کو تلاش کرکے ان کی ضرورتوں کو پوری کرتے تھے اور ان لوگوں کیلئے آپ زکوۃ جمع کرتے تھے

اور ان پر تقسیم کرتے تھے اور اپنے لئے کچھ بھی نہیں رکھتے تھے۔ اور آپ مال اتنی خاموشی سے تقسیم کرتے کہ کسی کو بھی خبر نہ ہوتی تھی۔ پھر آپ کے انتقال کے بعد یہ راز فاش ہوا۔

اہتمام عبادت آپ اپنے گھر سے وضو کر کے اُترتے تھے اور جتنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا نماز پڑھتے تھے اس کے بعد چھت پر چڑھ جاتے تھے اور فجر سے قبل سترہ پارہ قرآن سرّاً پڑھتے تھے۔ پھر جب صبح کی اذان ہوتی تو جہر سے ایسی قرات فرماتے تھے کہ قلوب اپنی جگہ سے نکلنے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نصرانی جو کچہری میں ملازم تھا صبح کو اُدھر سے گزرا تو اس کا دل نرم ہوگیا۔ پس وہ چھت پر چڑھ گیا اور شیخ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ پھر میں نے اسے دیکھا کہ وہ شیخ کے پیچھے برابر نماز پڑھا کرتا تھا، یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا۔

کرامت ان واقعات میں سے جو میرے ساتھ پیش آئے یہ ہے کہ میں حزار الصید جو شرح بخاری میں ہے ان سے مقابلہ کر رہا تھا پس جزارتیتل کا ذکر آیا تو میں نے کہا کہ تیتل کیا چیز ہے؟ کہا بس انتظار کرو، بس محراب سے تیتل نکل کر میرے کندھے پر بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا کہ گدھے سے کچھ چھوٹا اور خصّی سے بڑا ہے۔ اس کے چھوٹی سی ڈاڑھی ہے، تو پھر فرمایا، یہ ہے۔ بس وہ دیوار میں داخل ہوگیا۔ تو ان کے پیر کا میں نے بوسہ دیا۔ تو شیخ نے فرمایا کہ اس کو چھپانا، یہاں تک کہ میری وفات ہوجائے۔ (طبقات ج ۲ ص ۱۳۱)

ف: تیتل کا اس طرح محراب سے نکل آنا تو شیخ کی کھلی کرامت ہے ہی مگر اس کے اخفار کا امر اس سے بھی بڑی کرامت ہے۔ (مرتب)

وفات آپ کی وفات ۹۲۹ھ میں ہوئی اور آپ کی تدفین آپ کے قبرستان میں ہوئی جو باب النصر کے باہر حضرت ابراہیم جعبریؒ کے مقبرہ کے قریب ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ (طبقات الکبریٰ ص ۱۴۵ ج ۲)

(۱۲) حضرت الشیخ ابوالسعود الجارحیؒ المتوفی ۹۳۰ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحؒ کے اُستاذ ہیں۔ آپ شیخ شہاب الدین مرحومیؒ کے شاگرد تھے۔ مصر میں آپ کی کرامات بہت مشہور ہیں۔ اور آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے۔ اور آپ کو عوام و خواص کے نزدیک مقبولیت حاصل تھی۔ اُس وقت وزراء اور ملوک آپ کے پاس آتے تھے۔ اور آپ کثرت سے مجاہدہ کرتے تھے۔ آپ رمضان شریف میں بغرض عبادت سرنگ میں چلے جاتے اور عید کے چھ روز کے بعد باہر نکلتے تھے۔

شیخ کے زمانہ کا حال علامہ شعرانی رحؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھ سے فرمایا کہ مجھ کو اپنے شہر کا شیخ بنے ہوئے سینتیس (۳۷) سال ہوگئے، لیکن میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں آیا جو طریق الی اللہ کو طلب کرے یا کوئی ایسی شے کے متعلق سوال کرے جو اللہ تعالیٰ کے قریب کردے۔ بلکہ کوئی آکر کہتا ہے کہ میرے استاذ نے ظلم کیا اور کوئی کہتا ہے کہ میری عورت مصیبت میں ڈالے ہوئے ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ میری باندی بھاگ گئی۔ اور کوئی اپنے پڑوسی کی ایذا کو بیان کرتا ہے اور کوئی اپنے شریک کی خیانت کا شکوہ کرتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے نفس کو اس سے علیحدہ کرکے خلوت اختیار کرلی ہے کہ مجھے اس سے باہر کی کوئی خبر ہی نہ پہنچے۔ بس کاش کہ میں کسی کو نہ پہچانتا اور نہ کوئی مجھے پہچانتا۔

ف: اسی لئے حضرت مولانا علی احمد صاحب اعظمگڈھ فرماتے تھے کہ میرے پاس پورا طالب علم آتو گیا ادھورا بھی نہیں آیا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ کھانا پکا تیار ہے مگر کوئی کھانے والا نہیں۔ کما افادہ مصلح الامّت (مرتب)

انداز تربیت آپ کی خدمت میں ایک امیر ایک تھیلا کیلا اور انار لے کر گیا۔ تو شیخ نے اس کو واپس کر دیا۔ تو اس نے کہا یہ اللہ کے لئے ہے۔ تو فرمایا کہ اگر اللہ کے لئے ہے تو اس کو فقراء کو کھلا دو۔ بس امیر نے کیلے اور انار کو لیا اور گھر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد شیخ نے دو فقیروں کو بھیجا جس میں سے ایک بینا تھا اور دوسرا نابینا۔ اور ان دونوں سے کہا کہ اس امیر سے ملو اور کہو کہ اللہ کیلئے اس کیلے اور انار میں سے ہم کو کچھ دو۔ پس وہ دونوں شیخ کے حکم کے مطابق گئے اور کہا کہ اے امیر! اللہ کے واسطے اس انار و کیلے میں سے کچھ ہم لوگوں کو دیجئے تو امیر نے ان کو ڈانٹا اور کچھ نہ دیا۔ تو ان دونوں نے شیخ کی خدمت میں آکر اس کی اطلاع کی، تو شیخ نے اس امیر کے پاس ایک شخص کو یہ کہلا کر بھیجا کہ تم کہتے ہو کہ یہ ہدیہ اللہ کیلئے ہے، پھر بھی فقراء کی تکذیب کرتے ہو اور ان لوگوں کو جھڑکتے ہو جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کیلئے ہمیں کچھ دو۔ پس اب تم ہرگز ہمارے پاس نہ آنا۔ پس وہ شیخ سے بالکل جدا ہو گیا۔ اور طرح طرح کے امراض اسکو لاحق ہو گئے۔ یہاں تک کہ برے حال میں اس کا انتقال ہوا۔

ایک مرید بلبیس سے آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس کو رہنے کی اجازت نہ دی۔ اس نے کہا کہ بہت دور سے آیا ہوں، تو فرمایا کہ تم اپنے دور سے آنے کے ذریعہ مجھ پر احسان جتلاتے ہو۔ جاؤ تین سال تک ہرگز نہ آنا۔ پھر وہ تین سال کے بعد آیا۔ تو شیخ نے فرمایا کہ پہلے مرید تین مہینہ کی مسافت طے کر کے

طریق کے ایک مسئلہ کی طلب میں آتا تھا۔ پھر بھی اپنے اس سفر کو قلیل سمجھتا تھا۔

ف : مگر اب تو اپنے آنے کا شیخ پر احسان رکھتے ہیں اور اسی کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے معمولی سے معمولی اصلاحی بات کو گوارہ نہیں کرتے بلکہ ناگوار ہوتا ہے۔ اسی لئے آجکل پیروں کے یہاں آنے جانے کے باوجود اصلاح و تربیت سے کورے ہی رہ جاتے ہیں۔ جس کو ہر شخص ہی محسوس کر رہا ہے۔

العیاذ باللہ تعالےٰ۔ (مرتب)

ارشادات

جب شیخ کی وفات کا وقت آیا تو شیخ الاسلام حنفی اور ایک جماعت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ میں آپ لوگوں کو شاہد بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اصحاب میں سے کسی کو سلوک میں اجازت و خلافت نہیں دی ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی نے طریق کی بو بھی نہیں سونگھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اے اللہ! تو شاھد رہ!

ف : بہت ہی خلوص و دیانت اور للہیت کی بات ہے ورنہ تو آج اس کے بالکل برعکس معاملہ ہے۔ اہل تو اہل نا اہل کو بھی خلافت سے سرفراز کیا جا رہا ہے۔ جسکی وجہ سے عموماً ہماری خانقاہیں بے اثری کی شکار ہیں۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات کچھ اوپر ۹۳۰ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات صـ ۱۲۹/۲)

(۱۳) حضرت الشیخ محمد منیر رحمۃ اللہ المتوفی ۹۳۰ھ

تعارف آپ علامہ شعرانی رح کے اُستاذ ہیں۔ آپ شیخ ابراہیم متبولی کے اصحاب میں سے ایک ہیں۔ اُنھوں نے آپ کو راستہ میں ایک کنواں کھودنے کا اور اس سے پانی پینے کا حکم دیا تھا اس جگہ پر جہاں وہ تھے۔ یہ جگہ شہر کی عمارت سے کچھ پہلے تھی۔ اور آپ اُس جگہ ایک مدت تک قیام پذیر رہے اور اُس کنویں سے پانی پیتے رہے۔ آپ نے اپنی اہلیہ کے لئے وہاں پر ایک رہائش گاہ بنائی، تو اس کی وجہ سے اور لوگوں نے بھی وہاں پر اپنی اپنی رہائش گاہیں بنالیں، یہاں تک کہ وہاں پر ایک شہر آباد ہو گیا۔

آپ طریق کے سلسلہ میں کلام کو بغیر سلوک و عمل کے ناپسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ بطالت ہے۔ **ف:** اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بطالت سے نکالے اور سلوک و عمل کی توفیق دے۔ (مترجم)

سفر حج آپ اکثر اوقات تنہا پیدل حج کیا کرتے تھے اور کندھے پر ایک مشکیزہ رہتا تھا جس سے لوگوں کو پانی پلاتے تھے۔ آپ مکہ و مدینہ کے اثنائے قیام میں کھانے پینے سے رک جاتے تھے تا کہ بیت الخلاء کی ضرورت نہ ہو۔

علامہ شعرانی رح فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے مجھ کو بتلایا کہ میں اب تک ستر ۷۰ حج کر چکا ہوں۔ یہ بات آپ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں قبل جامع میں کہی۔

عبادت آپ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے۔ اور طریق کے علاوہ اور کسی موضوع پر بات کرنا پسند نہ کرتے تھے اور اس کام کے

علاوہ اور کوئی کام کرنا پسند نہ کرتے تھے۔

آپ کا تیس سال تک یہ معمول تھا کہ دن میں ایک قرآن ختم کرتے اور رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

علامہ شعرانی رحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں بیس بار آپ کی زیارت کی، اور آپ کے ساتھ اپنا پہلا حج سنہ ۹۱۵ھ میں کیا۔

مکہ و مدینہ والوں کی خدمت

جب آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کرتے تو آپ وہاں کے لوگوں کی ضرورت کا سامان جیسے شکر، صابون، دھاگہ، سوئی اور سرمہ وغیرہ ساتھ لے جاتے تھے۔ تو اہل مکہ و مدینہ آپ سے ملاقات کرتے اور جس کے نصیب میں جو ہوتا وہ آپ سے حاصل کرتے تھے۔

وفات

آپ کی وفات سنہ ۹۳۰ھ کے آس پاس ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(طبقات صفحہ ۱۳۰/۲)

(۱۴) حضرت الشیخ عبد الحلیم ابن مصلح المنزلاوی المتوفی سنہ ۹۳۰ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ کے استاذ ہیں۔ آپ اخلاق نبویہ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے اور بہت ہی متواضع اور اپنے کو کمتر سمجھنے والے تھے۔ آپ اپنے پاس رہنے والوں کی تربیت فرماتے تھے۔

گوشہ نشینی آپ سے ایک شخص نے ملاقات کی جو ارباب احوال میں سے تھا اور اس کی کرامتیں مشہور تھیں، تو اس شخص نے کہا اے عبدالحلیم! تم مسکین ہو، میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اس شہرت کے باوجود عاجز ہو۔ پھر اس شخص نے ہوا سے درہم پکڑا اور وہ درہم شیخ عبدالحلیم کو دیا تو اس بات سے شیخ متاثر ہوئے پھر اس شخص نے شیخ سے کہا کہ تم کو چاہیئے کہ تم اللہ تعالےٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ یہاں تک کہ دنیا تمھارے تابع ہو جائے۔ تو اس کے بعد سے شیخ عبدالحلیم نے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ اور نو مہینے تک خلوت گاہ میں رہے۔ اور اس دوران رات میں ایک قرآن ختم کرتے اور دن میں ایک ختم کرتے۔ پھر اس کے بعد آپ خلوت سے باہر تشریف لائے، تو اسوقت غیب سے آپ کو مدد ملنے لگی۔

آپ کی خانقاہ کا حال علامہ شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں انکی خانقاہ میں ستاون دن رہا، تو میں نے دیکھا کہ فقراء سالکین کو جس چیز کی بھی ضرورت ہوتی تھی وہ اُس چیز کو ایک چھوٹی سی تھیلی سے نکالتے تھے۔ سالکین وطالبین جو چیز بھی آپ سے طلب کرتے، آپ اُس تھیلی سے نکال کر وہ چیز اُن کو دیتے تھے

حاصل شدہ ہدایا میں سے کوئی چیز اپنے لئے خاص نہ فرماتے تھے، بلکہ عام

فقراء کے حصہ کے برابر ہی آپ کا بھی حصہ رہتا تھا۔ اور آپ کی خانقاہ میں تقریباً سو آدمی مقیم رہتے تھے، جن کے کھانے کپڑے کے کفیل آپ خود ہی تھے۔ حالانکہ کوئی جائداد وغیرہ وہاں وقف نہ تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ جو غیب سے بھیجتے اسی پر سب کا توکل تھا۔

ارشادات ایک شخص آپ کے پاس طریق سیکھنے کیلئے آیا تو فرمایا کہ اے بھائی! انجاست اپنے غیر کو طاہر نہیں بنا سکتی۔ یعنی میں خود طریق پر نہیں ہوں تو دوسرے کو کیا طریق بتلاؤں گا۔ ف: سبحان اللہ کیسی تواضع تھی۔ (مرتب)

ایک شخص آپ کے پاس اونی جُبّہ لے کر حاضر ہوا اور کہا کہ یا سیدی! اس جبہ کو آپ قبول فرمالیں اس لئے کہ میں نے آج رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ نے میرے سینے پر بوسہ دیا دراں حالیکہ میں اس جُبہ کو پہنے ہوئے تھا۔ تو شیخ نے قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ اور فرمایا کہ جس شے کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مس فرمایا ہو اس کے پہننے پر میں قادر نہیں ہوں۔ اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کے پہننے کی حالت میں مجھ سے کوئی معصیت نہ صادر ہو جائے۔ لیکن میں اس سے تبرک ضرور حاصل کروں گا۔ چنانچہ اس سے اپنے چہرہ کا مسح فرمایا اور اس کے مالک کو واپس فرما دیا۔

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں نے وہاں جائدادیں وقف کر دیں تو مجھ سے شیخ نے فرمایا کہ اب فقراء پر تنگی ہوگی۔ اور فرمایا کہ جانتے ہو کہ اسکی وجہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں تو فرمایا اسلئے کہ اب فقراء کی توجہ اس رزق کیطرف ہو جائیگی جو مقررہ طریقہ سے ان تک پہنچے گا۔ اور اس سے پہلے ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے، جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو روزی ایسی جگہ سے دیتا تھا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہوتا تھا۔

وفات آپ کی وفات ۹۳۰ھ کے قریب ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (طبقات ص ۱۳۴ ج ۲)

⑮ حضرت الشیخ عبد القادر الدشطوطی رحمۃ اللہ علیہ المتوفیٰ ۹۳۰ھ

تعارف آپ علامہ شعرانی رح کے اُستاذ ہیں۔ آپ اکابر اولیاء میں سے تھے لیکن آپ کا رہن سہن مجذوبوں جیسا تھا، یعنی آپ ننگے سر اور ننگے پاؤں رہتے تھے۔ لیکن آخر عمر میں عمامہ باندھنے کا اہتمام کرنے لگے تھے۔

علامہ شعرانی رح فرماتے ہیں: میں ۹۱۲ھ میں رمضان کے پہلے دن ان کے ساتھ مجتمع ہوا اور میں اُس وقت قریب البلوغ تھا تو مجھ سے فرمایا کہ ان کلمات کو مجھ سے سنو اور یاد کر لو، جب تم بڑے ہوگے تو اس کی برکت کو پاؤ گے۔ میں نے کہا بہت اچھا! تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ اے میرے بندے! دونوں جہان کے خزانوں کو اگر میں تمھاری طرف بھیج دوں اور تم آنکھ جھپکنے کے برابر اس کی جانب متوجہ ہو جاؤ، تو تم مجھ سے اعراض و روگردانی کرنے والے قرار پاؤ گے۔ تو میں نے یہ کلمہ یاد کر لیا۔ پس یہ سب (فتوحات و رجوعات) اسی کلمہ کے یاد رکھنے کی برکت ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی باتیں ارشاد فرمائیں جس کے افشار و اظہار کی اجازت نہیں دی۔ (طبقات ج ۲ ص ۱۳۵)

وفات

آپ کی وفات تقریباً ۹۳۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے جنازہ میں اُس وقت کے مصر کے تمام سلاطین اور اُمراء نے شرکت کی۔ (طبقات الکبریٰ ص ۱۳۵/۲)

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(۱۶) حضرت الشیخ محمد شناوی رحمہ اللہ المتوفی ۹۳۲ھ

تعارف آپ علمائے راسخین فی العلم میں تھے اور اولاد فقراء کے ساتھ ادب و انصاف کرنے والے تھے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحؒ کے استاذ تھے۔

اخلاق حسنہ آپ لوگوں کی حاجتوں کے پورا کرنے میں رات دن مشغول رہتے تھے۔ بعض وقت ایک ماہ تک کسی شخص کی ضرورت کو پورا کرنے میں مصروف رہتے تھے۔

علاقہ مغرب اور اس کے آس پاس کے لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ لوگ اپنے بچّوں کا نکاح آپ کی موجودگی ہی میں کرتے تھے۔ آپ ہر ایک کو بالخصوص عورتوں اور بچوں کو (نیکیوں کی) تلقین کرتے اور انکے لئے مجالس کا انعقاد کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اے فلاں! اپنے محلوں کو یاد کرو اور اے فلانہ! اپنے بھائیوں کو یاد کرو۔ اور ہر مجلس میں فرماتے تھے کہ ہم نے توحید کی اس دیار میں روشنی کی ہے جو قیامت تک ٹھنڈی نہ ہوگی

کرامت آپ ابن یوسف کے ملک میں تھے جو بہت ظالم تھا، جو لوگوں کو کھانے پینے سے محروم رکھتا تھا۔ اُس کی وجہ سے بہت لوگ پیاس کی وجہ سے مر گئے۔ تو شیخ فقراء اور مساکین پر مہربانی وشفقت کرنے کے لئے سامنے آئے۔ آپ اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کو جمع کرتے تھے اور گیہوں اکٹھا کرتے اور اس کو فقراء ومساکین

کے درمیان تقسیم کراتے تھے، تاکہ وہ لوگ بھوک کی وجہ سے نہ مریں۔ تو ابن یوسف نے یہ خیال کیا کہ شیخ اُن کی عادتوں کو خراب کر رہے ہیں۔ لہٰذا اُس نے آپ کے پاس زہر سے آلود کھانا بھیجا۔ جب آپ اور آپ کے ساتھی کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو شیخ کی برکت سے اُس کھانے میں کیڑے پڑ گئے۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ میں جس فقیر کی خدمت میں گیا اس سے اپنے نفس کو کم پایا، اور کسی فقیر کا میں نے امتحان نہیں لیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ طریق کُل کا کُل اخلاق ہے۔ چنانچہ آپ کا یہ حال تھا کہ آپ کا کتنی ہی دور کا عزیز ہوتا، مگر جب وہ آپ کے پاس بیٹھتا، تو آپ کے حسنِ سلوک کی وجہ سے یہ سمجھ کر اُٹھتا کہ اُن کے اصحاب واقارب میں سب سے زیادہ عزیز و پیارا میں ہی ہوں۔

وفات

آپ کی وفات ۹۳۲ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالےٰ رحمۃً واسعۃً۔

(طبقات ص ۱۳۲/۲)

(۱۷) حضرت الشیخ علی الدویب المتوفی ۹۳۷ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانی رح کے اُستاذ ہیں۔ آپ کے متعلق علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ بحرِ صغیر کے اطراف میں رہتے تھے۔ آپ کی عمر سو سال سے زائد تھی۔ آپ صحرا میں قیام پذیر تھے۔ اپنے شہر میں رات میں داخل ہوتے تھے اور فجر سے پہلے ہی شہر سے نکل جاتے تھے۔

کرامت آپ سمندر میں پانی پر چلتے تھے۔ آپ کو کسی نے بھی کبھی سواری سے اُترتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور آپ مصر میں داخل ہوئے اور وہاں پر بیس سال قیام پذیر رہے۔ اور آپ کی عادت تھی کہ آپ فجر کے بعد سے عشا تک دونوں محلوں کے درمیان بارستان کی طرف رُخ کر کے کھڑے رہتے تھے اور ٹیک لگائے ہوئے ہوتے تھے اور آپ کے ہاتھ میں شوم (چھڑی) ہوتی تھی۔ پھر آپ مقام ریف کی طرف چلے گئے۔ اور آپ سے عجیب عجیب کرامات ظاہر ہوئیں۔ بسا اوقات آپ خبر دیتے تھے کہ فلاں شخص ہندوستان یا شام یا حجاز میں وفات پا گیا، تو کچھ دنوں کے بعد وہاں سے یہ خبر آجاتی تھی۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے آپ کے گھر میں ایک لاکھ دینار پایا لیکن وہ کہاں سے آیا اس کو نہ جان سکے، اس وجہ سے کہ وہ زاہد فی الدنیا تھے۔ تو اُن دیناروں کو بادشاہ نے لے لیا۔

وفات آپ کی وفات قباب شرقی میں ۹۳۷ھ میں ہوئی اور آپ وہیں پہ مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ (طبقات کبریٰ صفحہ ۱۳۶/۲)

(۱۸) حضرت الشیخ ابو الحسن الغمری المتوفی ۹۳۹ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانی رح کے استاذ ہیں۔ آپ کسی کے ساتھ نہ بیٹھتے تھے مگر نمازمیں یا ذکر اور تلاوت قرآن کے اوقات میں یا اور کوئی ضروری مصلحت در پیش ہو جائے۔ اور آپ کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ آپ راستہ میں قضائے حاجت کے لئے نہیں رُکتے تھے خواہ وہ جگہ لوگوں کی نظروں سے کتنی ہی دور کیوں نہ ہو، اس بات کے خوف سے کہ کہیں کسی کی نظر اُس حصہ پر نہ پڑ جائے جس کا ظاہر کرنا شریعت میں ممنوع ہے۔

اخلاق آپ انتہائی صاحب صفا و صلاح تھے۔ سیدی محمد بن عنان فرماتے تھے کہ دو خصلتوں یعنی کرم وحیاء میں آپ اپنی اصل (یعنی اساتذہ) سے بھی فائق ہو گئے۔

آپ کے منجملہ اخلاق میں سے یہ تھا کہ خادم کے ساتھ گھر میں کام کرتے تھے اور برتنوں کو دھوتے تھے اور آگ جلاتے تھے اور آٹا گوندھ لیتے تھے اور گھر میں جھاڑو لگا لیتے تھے۔ آپ اپنے شہر میں گدھے یا کسی دوسری سواری پر سوار ہوتے ہوئے شرماتے تھے۔ اور جب کسی شہر کی طرف سوار ہوتے تو اندھیرے میں سوار ہوتے۔ اور آنے جانے میں خالی مقامات کا قصد فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ میں لوگوں کے سامنے سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ آپ کو جب ولیمہ میں بلایا جاتا تو تشریف

لے جاتے تو لوگوں سے حیار کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو جاتے۔ اور اس کو پونچھتے جاتے۔ فرماتے تھے کہ مجھے پیشاب ہو ہی نہیں سکتا اگر کوئی آدمی مجھے دور سے بھی دیکھتا ہو۔

آپ کسی کے ساتھ ایک بستر پر نہیں سوتے تھے اور نہ کسی کے سامنے سوتے تھے خواہ دن ہو یا رات۔ اور فرماتے تھے کہ مجھے خوف ہے کہ سونے کی حالت میں کہیں ہوا نہ خارج ہو جائے۔ میں ان کی صحبت میں قریب تیس سال تک رہا، مجھ سے ناراض نہ ہوئے۔ جب ان کے جامع سے میں منتقل ہو گیا تو میرے پاس تشریف لاتے تھے تو میں شرمندگی کی وجہ سے پانی پانی ہو جاتا تھا۔ اور وہ فرماتے کہ میں تمہاری ملاقات کا مشتاق رہتا ہوں۔

ف: سبحان اللہ یہ تھا کرم اپنے اصحاب بلکہ اپنے تلامذہ واصاغر کے ساتھ۔ مگر اب تو اپنے اکابر سے بھی ملنے میں عار واستکبار مانع ہوتا ہے العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات ۹۳۹ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص ۱۷۶ ج ۲)

(۱۹) حضرت الشیخ علی الخواص البرلسیؒ المتوفی ۹۴۱ھ کے بعد

فضل و کمال آپ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کے استاذ ہیں۔ آپ اُمّی تھے، پڑھنا لکھنا نہ جانتے تھے۔ مگر آپ قرآن عظیم اور سنت پر ایسا نفیس کلام فرماتے تھے کہ علماء متحیر ہو جاتے تھے۔ آپ علماء اور ارکانِ سلطنت کی تعظیم فرماتے تھے اور اُن کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے اور اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔ (طبقات صفحہ ۱۵۰)

ف: خود نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کریم قوم کا اکرام فرماتے تھے لہٰذا اتباعِ سنت کے طور پر اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ (مرتّب)

کشف و کرامت علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں، میں شیخ کے پاس لوگوں کو بھیجتا تھا، تاکہ وہ لوگ اپنے حالات کے بارے میں مشورہ کریں۔ تو وہ لوگ آپ سے گفتگو بھی نہ کرپاتے تھے اور شیخ اُس شخص کے حالات تفصیل سے بتلا دیتے تھے۔ مثلاً آپ فرماتے "طَلِّق" (طلاق دیدو) یا فرماتے "شَارِکْ" (شریک کرلو) یا فرماتے "خَارِق" (الگ کردو) یا فرماتے "اِصْبِرْ" (صبر کرو) یا فرماتے "سَافِرْ" (سفر کرو) یا فرماتے "لَا تُسَافِرْ" (سفر نہ کرو) تو آپ کے پاس آنے والا متحیر ہو کر کہتا کہ یہ وہی فرمائے گا جو میرے حالات جانتا ہو۔ آپ کو طب کا علم بھی تھا جس سے آپ لوگوں کا علاج کرتے تھے۔ آپ کے یہاں آنے والے مریض استسقار، جذام، فالج اور بہت سے پوشیدہ امراض والے ہوتے تھے، آپ ہر شخص کو اسکے مرض کے مطابق علاج تجویز فرماتے، جس سے اُسکو فائدہ ہو جاتا۔

اخلاقِ حسنہ آپ ظالموں اور اُنکے مددگاروں کے کھانے کو تناول نہیں فرماتے تھے اور ان کے روپئے کو اپنی مصلحت یا اپنے اہل و عیال کی ضروریات میں صرف نہ فرماتے تھے۔ بلکہ بیوہ عورتوں، بڈھوں، اندھوں اور کسب سے مجبور لوگوں

کیلئے رکھ لیتے تھے، اور جو مقروض ہوتا اس میں سے اس کو عطا فرماتے تھے۔
آپ مخلوق کے ساتھ ان کے قلب کے اعتبار سے معاملہ فرماتے تھے، ان کے چہرے کے اعتبار سے نہیں۔

آپ مسجدوں میں جھاڑو دیا کرتے تھے اور پاخانوں کو صاف کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہر جمعہ کو کوڑا کرکٹ خود اٹھا کر گھورے تک لے جاتے تھے۔

اپنے علم کا مرتبہ معلوم کرنے کا طریقہ

ارشادات فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے نزدیک اس شخص کو عالم کہتے ہیں، جس کا علم نقل وسینہ سے مستفاد نہ ہو۔ فرمایا کہ جو شخص ارادہ کرتا ہے کہ اپنا علمی مرتبہ یقینی طور پر معلوم کرے، تو اس کو چاہیئے کہ اپنے ہر اس قول کو جس کو یاد کیا اس کے قائل کی طرف لوٹا دے، پھر اپنے علم کو دیکھے پس جو بچا ہوا پائے وہی اس کا علم ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح سے اس کے پاس اتنا کم علم رہ پائے گا جس کی وجہ سے عالم کہلانے کے لائق نہ رہ جائے گا۔

فرمایا کرتے تھے کہ کسی کا شمار ہمارے نزدیک اہل طریق میں اس وقت تک نہ ہو گا جبتک کہ وہ شریعتِ مطہرہ کا عالم نہ ہو۔ یعنی جبتک کہ اسکے مجمل مبین، ناسخ منسوخ، خاص وعام سب کی اس کو معرفت نہ ہو۔ اور جو شخص ان میں سے کسی ایک حکم سے بھی جاہل ہو گا تو وہ درجۂ رجال سے ساقط ہو جائیگا۔
مردانِ راہ (طبقات صفحہ ۵۵ ج ۲)

فرمایا کرتے تھے کہ یہ ارشاد بِئْسَ الْفَقِيْرُ عَلٰى بَابِ الْاَمِيْر یعنی وہ برا فقیر ہے جو امیر کے دروازے پر جائے، تو یہ اس شخص کے لئے ہے جو انکے پاس دُنیا کے حاصل کرنے کیلئے جائے۔ اور شفاعت وغیرہ کے لئے اُمراء کے یہاں آمدورفت رکھے تو وہ بدترین فقیر نہیں ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سیدی ابراہیم المبتولی سے سُنا ہے کہ بُرے آدمی میں علم کی زیادتی کی مثال ایسی ہے کہ حنظل کے درخت کو پانی دیا جائے اسلئے کہ اس کے اندر جسقدر شادابی آئیگی اُسی قدر تلخی میں اضافہ ہوگا۔

فرمایا کرتے تھے کہ کسی کیلئے بھی قیام نہ کیا کرو۔ ہاں اگر معلوم ہو جائے کہ یہ قیام کا طالب نہیں ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ جو شخص ایسے آدمی یعنی طالبِ جاہ کیلئے قیام کرے گا تو وہ اس شخص کے تکبر کو بڑھا دیگا ظاہر ہے کہ یہ اس کے حق میں مضر ہے جس کو وہ جانتا بھی نہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ کبھی اس دین کی تائید فاجر آدمی سے بھی کرا دیتا ہے۔ تو اس میں وہ عالم و مرشد بھی داخل ہے جو اپنے علم پر عمل نہ کرے، مگر افتاء (وارشاد و تربیت وغیرہ) کا کام کرتا ہو۔

فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہو۔ یعنی اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی احسان کا معاملہ کرے۔ وہ بھی اس طرح کہ اس کو معلوم بھی نہ ہو۔

فرمایا کرتے تھے کہ جس کی توحید درست ہو جائے گی تو وہ ریا و عجب اور گمراہ کن دعووں سے نجات پا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنے تمام اعمال و اوصاف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے گا تو پھر کیسے عجب کرے گا۔ اس لئے کہ کوئی شخص اپنے غیر کے عمل پر ناز و عجب نہیں کرتا۔

فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم سنو کہ اللہ تعالےٰ مومنین کی مدح فرما رہے ہیں تو تم اپنے کو مومن خیال کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اس لئے کہ اگر یہ صفات تمہارے اندر ہیں تو اس کا اطمینان نہیں کہ ان صفات پر موت آوے گی یا نہیں۔ پس اگر تم کو

علم یقین ہوگیا کہ اسی پر موت آئے گی تو تم اللہ کی تدبیر سے مامون ہوگئے، اور اللہ کی تدبیر سے قوم خاسر ہی مامون ہوسکتی ہے۔ اور اگر تم کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ تم ان صفات کے غیر پر مروگے تو تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوگئے اور اللہ کی رحمت سے قوم کافر ہی مایوس ہوتی ہے۔ پس تم خوف و رجا کے درمیان رہو۔ اس لئے کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ (طبقات ج ۲ صـ۱۵۰)

سید احمد رفاعی رح کے منجملہ ارشادات میں سے یہ ہے کہ جب قلب صالح ہوجاتا ہے تو وہ اللہ کا گھر اور انوار و وحی کا مہبط ہوجاتا ہے۔ اور جب وہ فاسد ہوجاتا ہے تو شیطان و ہوائے نفس و ظلمت کا گھر ہوجاتا ہے۔ (طبقات ج ۲ صـ۱۵۷)

فرمایا کرتے تھے کہ (صاحب کمال) آدمی کی مثال درخت جیسی ہے اور اس کے اصحاب مثل ٹہنیوں کے ہیں اور درخت کے ساتھ جو نسبت پھلدار ٹہنیوں کو ہے وہی نسبت بے پھل والی ٹہنی کو بھی ہے۔ اگر درخت چاہے کہ بے پھل والی ٹہنی کو الگ کردے تو اس پر قادر نہیں ہے۔

ف: اسی طرح اہل اللہ سے جو تعلق رکھے گا انشاء اللہ تعالیٰ اس کا اس کو نفع ہوگا۔ اور باوجود کوتاہی عمل کے انشاء اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ محشور ہوگا ؎

رشتہ واپس نکند ہر کہ گہر می گیرد　　　می پذیرند بداں را بطفیل نیکاں

شیخ کے اتنے ارشادات ان کے علو شان پر آگاہی کیلئے کافی ہیں۔

(طبقات ج ۲ صـ۱۵۰ تا صـ۱۶۹)

وفات تاریخ وفات کی تعیین نہیں کی جاسکی۔ البتہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۹۴۱ھ میں آپ بقید حیات تھے، جیسا کہ "طبقات" میں مذکور ہے۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (طبقات صـ۱۵۴)

(۲۰) حضرت الشیخ ابو الفضل الاحمدی رح المتوفی ۹۴۲ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانی رح کے استاذ ہیں۔ علامہ شعرانی رح فرماتے ہیں کہ آپ کشوفات ربانیہ و اتفاقات سماویہ اور مواہب لدنیہ کے اصحاب میں سے تھے۔ میں نے غیبی ہاتفوں سے سحر کے وقت سنا کہ شیخ ابو الفضل کی صحبت جیسی صحبت مجھے نصیب نہ ہوئی۔ اور آپ بھی ایسی صحبت سے مشرف نہ ہوئے ہوں گے۔

فرماتے تھے کہ آپ اکابر اولیاء میں سے تھے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے طریق اور احوال دنیا و آخرت کا عارف اُن سے بڑھ کر کسی کو نہ دیکھا۔ انکو ہر شے میں ایسی دقیق بصیرت تھی کہ اگر وہ موجودہ اشیاء کے حقائق میں کلام فرماتے تو دفاتر تنگ ہو جاتے۔ فرماتے تھے کہ میں ان کی صحبت میں پندرہ سال رہا۔ اور اس اثناء میں ہم میں ایسا اتحاد رہا کہ ان کے غیر کے ساتھ ویسا نہ رہا۔ اور اُن کے اندر جو مقامات و معارج میں نے دیکھا، مشائخ میں سے کسی شیخ کے اندر نہ دیکھا، جن کے مناقب کو میں نے ان طبقات صوفیہ میں لکھا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ لوگوں کے حال پر حزن و غم کی وجہ سے آپکا یہ حال تھا کہ انکے بدن پر گوشت کے چند اوقیہ بھی باقی نہ رہ گئے تھے۔ (طبقات صـ۱۷۳)

احترام مسجد کا اہتمام آپ مساجد کی تعظیم میں سب سے زیادہ تھے چنانچہ آپ مسجد میں بغیر کسی کی تبعیت و معیت کے

داخل ہونے کی جرأت نہ فرماتے اور مسجد کے دروازہ پر ٹھہر جاتے اور فرماتے کہ ہمارے جیسے آدمی کے لئے مناسب نہیں کہ احاطۂ مسجد میں داخل ہو مگر عام مسلمانوں کی تبعیت میں، اس لئے کہ ہم مسجدوں کے آداب کی ادائیگی سے عاجز ہیں۔

ارشادات فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی متعین شخص کو اس کی معصیت کی بنا پر گالی نہ دو، اگرچہ وہ معصیت بڑی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ تم اپنے اور اُس کے خاتمہ کو نہیں جانتے اور جب کسی کو بُرا کہو تو اُس کے فعل کو بُرا کہو نہ کہ اُس کی ذات کو، اس لئے کہ اُس کی اور تمھاری ذات یکساں ہی ہے، پس اُس کے ذات کی برائی نہ کرو، مگر اُس کے بُرے فعل کی، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لہسن کے بارے میں فرمایا کہ "إنّها شجرة اكره ريحها" یعنی وہ ایسا درخت ہے جس کی بو کو میں ناپسند کرتا ہوں۔ تو آپ نے یہ نہ فرمایا کہ میں اُس درخت کو ناپسند کرتا ہوں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اُس کی بو کو ناپسند کرتا ہوں۔ جو اس کی بعض صفت ہے۔

ف: اس لئے کہ ممکن ہے کہ کسی کی ایک صفت ناپسند ہو مگر دوسری صفات پسندیدہ ہوں۔ جیسا کہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ لہسن کے اندر بعض خوبیاں بھی ہیں۔ جو بلڈ پریشر کے دفعیہ کیلئے مفید ہیں۔ (مرتّب)

آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص تم تک کوئی ایسی بات پہنچائے جس سے تمھاری عزت میں کمی و فرق آئے تو اُس کو زجر کرو۔ اگرچہ وہ درحقیقت تمھارا کتنا ہی عزیز بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس سے کہو کہ

اگر تم اس قسم کی بات کو میرے اندر سمجھتے ہو تو وہ اور تم دونوں برابر ہو، بلکہ تم اُس سے بھی بُرے ہو۔ اِس لئے کہ اُس نے تو یہ بات مجھے نہیں سنائی اور تم نے مجھ کو سنائی۔ اور اگر تم اعتقاد رکھتے ہو کہ ہمارے حق میں وہ بات غلط ہے بلکہ ہم سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے، تو اس کے نقل سے ہم کو کیا فائدہ ہوگا۔ (ص ۱۷۶)

فرماتے تھے کہ حقیقت اور شریعت میزان کے دو پلڑے ہیں اور تم اس کے قلب ہو، پس جس پلڑے کی طرف تمھارا میلان ہو گا تم اُسی کے لئے ہو گے۔

نیز حضرت شیخ رح فرماتے تھے: اُس شخص سے علم کے سیکھنے کو ناپسند نہ کرو جس کو اللہ تعالےٰ نے کسی خاص فضل سے مخصوص فرمایا ہے، خواہ کوئی بھی ہو، خصوصًا نافع حرفت والوں سے، اِس لئے کہ اُن کے پاس وہ ادب ہے جو خاص لوگوں میں بھی نہیں پایا جاتا۔

اور آپ فرماتے تھے کہ پلصراط کے لئے کوئی نور نہ ہوگا، اِس لئے کہ وہ جہنم کی پشت پر نصب ہے اور وہ تاریک ہے۔ اور وہ نور جو صراط پر ہوگا وہ اُن چلنے والوں کا نور ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔ "یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ" (یعنی چلے گا اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور داہنی جانب۔)

میں نے اُن سے عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ نے "وَبِشَمَائِلِھِمْ" کیوں نہیں فرمایا؟ تو فرمایا کہ مومن کے لئے آخرت میں شمال نہ ہوگا، جیسا کہ اہل نار کے لئے یمین نہ ہوگا۔ ف: سبحان اللہ، کیا خوب نکتے ہیں جو قرآن فہمی کی دلیل ہے۔ (مرتب)

اور فرماتے تھے کہ جس کی طرف جنت مشتاق ہے اور وہ بھی اُس (جنت) کا مشتاق ہے، تو یہ مطیع لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ کہ جنت ان کی طرف مشتاق نہیں ہے لیکن وہ لوگ (جنت کے) مشتاق ہیں، تو وہ مومنین میں گنہگار لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ کہ جنت اُن کی طرف مشتاق ہے مگر وہ اُس کے مشتاق نہیں ہیں، تو وہ اربابِ احوال ہیں۔

پھر وہ لوگ جن کی طرف جنت مشتاق نہیں اور نہ وہ جنت کے مشتاق ہیں تو یہ لوگ یوم الدین یعنی قیامت کی تکذیب کرنے والے ہیں۔

فرماتے تھے کہ امورِ مسلمین کے والیوں سے حسن ظن رکھو اگرچہ وہ ظالم ہوں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں کسی سے یہ نہ پوچھیں گے کہ بندوں کے ساتھ حسن ظن کیوں رکھا؟ فرماتے تھے کہ جو لوگ ہماری آبرو ریزی کرتے ہیں وہ ہمارے کسان ہیں جو ہم تک خراج و ٹیکس پہنچاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! وہ کیسے؟ تو فرمایا کہ یہ لوگ ہمارے نامۂ اعمال میں اپنے خالص اعمال صالحہ منتقل کر دیتے ہیں۔ اور بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ سوائے آبرو ریزی و بے عزّتی کے کچھ نہیں ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص تمہارے ساتھ بُرائی کرے تو اس سے اپنے غصّہ کو روکو، اس لئے کہ وہ تمہارے رب کے ارادہ سے تم پر مسلّط ہوا ہے (اس لئے ناراضی کی کیا بات ہے ؏ ہر چہ از دوست می رسد نیکوست۔)

فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت ہی کا سوال کیا کرو۔ اگرچہ بلاؤں پر صبر کی طاقت رکھتے ہو۔ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے باطن کو حرص و حقد و غل سے پاک رکھا کرو، اس لئے کہ ان رذائل کے ہوتے ہوئے فرشتہ بھی

تمھارے پاس آنا گوارا نہ کرے گا، چہ جائیکہ اللہ ربّ العزت۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے داوٗد! میرے لئے ایک گھر پاک وصاف کرو تاکہ اس میں قیام کروں۔ (طبقات ص ۱۷۵/۲)

ف: ظاہر ہے کہ وہ گھر قلب ہی ہے جس کے بارے میں مولانا رومؒ نے فرمایا ہے ؎

در دلِ مومن بگنجم اے عجب　　گر مرا جوئی دراں دلہا طلب

اور خواجہ عزیز الحسن مجذوب فرماتے ہیں ؎

ہر تمنّا دل سے رخصت ہوگئی　　اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

بس جب ان رذائل سے قلب پاک ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تجلّی گاہ بنتا ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کو حسب حال ہونے کی وجہ سے یہ شعر بہت پسند تھا۔ (مرتب)

آپ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں سوال کیا گیا جو جنت کے پھلوں کے بارے میں ہے: لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ۔ تو شیخؒ نے فرمایا کہ جنّت کے تمام پھل بغیر قطع کے کھائے جائیں گے تو لَا مَقْطُوْعَةٍ کے معنی یہ ہیں کہ قطع کے وقت بھی وہ منقطع نہ ہوں گے۔ بلکہ جنّتی اس کو لے لیگا اور کھالیگا مگر وہ جس کا تس رہے گا۔ قطع نہ پایا جائے گا۔ پس پھل کا کھانا تو پایا جائے گا مگر فاکہہ پھل کی ذات درخت کی ٹہنی پر برقرار رہے گی۔ اور یہ بات کشف سے معلوم ہوئی ہے۔ پس جس کو وہ کھا رہا ہے بعینہٖ وہی ہے جس کا درخت کی شاخ پر مشاہدہ کر رہا ہے۔ (ص ۱۷۹/۲)

ف: یقیناً ایسی باتیں کتاب و سنّت یا کشف ہی سے معلوم ہوسکتی ہیں

لنگڑی لُنجی عقل بیچاری وہاں تک کہاں پہنچ سکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ اس کے سمجھنے کی حد سے بالاتر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دار الفنار کے لوگ دار البقاء کی باتیں کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ؎

غیب را ابرے وبادے دیگرست　　　ایں زمیں را آسمانے دیگرست

(مرتب) فرمایا کرتے تھے کہ محققین کی رائے یہ ہے کہ اہل جنت کے اجسام انکی ارواح میں لپیٹ دیئے جائیں گے۔ پس وہاں ارواح اجسام کے لئے ظرف بن جائیں گی بخلاف دنیا کے کہ اجسام ارواح کے ظرف ہیں۔ پس دار آخرت میں ظہور روح کو ہو جائیگا نہ کہ جسم کو، اور اسی وجہ سے جس صورت میں چاہیں گے تبدیل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ آج ہمارے نزدیک ملائکہ اور عالم ارواح ہیں۔ (ص ۱۶۲)

فرمایا کرتے تھے کہ اہل جنت کیلئے خواہ مرد ہوں یا عورت ان کیلئے پاخانہ کا مقام نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے دُبُر کو دار دنیا میں پاخانہ کے نکلنے کیلئے بنایا ہے۔ اور وہاں کھانے پینے کے بعد پاخانہ نہیں بنے گا۔ بلکہ کھانا پینا پسینہ کے طور پر بدن سے نکل جائے گا۔ اور اگر اہل جنت کو جماع کے لئے ذکر وقبل کی ضرورت نہ ہوتی تو یہ دونوں بھی نہ ہوتے۔ اس لئے کہ وہاں پیشاب بھی نہ بنے گا۔

فرمایا کرتے تھے کہ اہل جنت کے جماع میں لذت ہوا کے نکلنے سے حاصل ہوگی نہ کہ منی کے نکلنے سے۔ اس لئے کہ وہاں منی نہ ہوگی۔ بلکہ میاں بیوی سے ایک خوشبو اٹھے گی جو مشک کی خوشبو کی طرح ہوگی، پس وہ رحم میں پڑے گی اور اسی وقت لڑکے کی بنیاد پڑ جائے گی۔

فرماتے تھے کہ اہل جنت جب بھی چاہیں گے تناسل کا سلسلہ جاری

ہو جائے گا۔ پس مرد اپنی زوج یا حور سے جماع کرے گا تو ہر مرتبہ بچے کی ولادت ہو گی۔ اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو اس کی کثرت کی وجہ سے دنیا و آخرت میں لامحدود بنایا ہے۔

اور آپ سے میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ لوگ اللہ عزوجل کی رویت و دیدار میں چند قسموں پر ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کو دیکھیں گے گوشۂ چشم سے فقط، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دیکھیں گے پوری آنکھ سے، اور بعض وہ ہیں جو دیکھیں گے اپنے تمام چہرے سے، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دیکھیں گے تمام جسد سے اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہ جو ان کے وارثین ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے احسان و کرم سے انہی لوگوں میں سے کر دے۔)

آمین یا ربّ العالمین!

وفات

آپ کی وفات ۹۴۲ھ میں ہوئی اور میدان بدر میں مدفون ہوئے۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص ۱۷۹ ج ۲)

۲۱ حضرت الشیخ علی البحیری رح المتوفی ۹۵۳ھ

تعارف آپ علامہ شعرانی رح کے اُستاذ ہیں۔ آپ شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ علامہ شعرانی رح فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کو دیکھتا تھا تو آپ کے احوال سے سید شیخ عارف باللہ عبدالعزیز درینی رح کے حالات یاد آجاتے تھے۔

آپ قریہ ریف میں قیام پذیر تھے۔ وہاں پر آپ لوگوں کو علم دین کی تعلیم دیتے تھے اور فتویٰ دیتے تھے اور ادب واخلاق سکھلاتے تھے۔ علامہ شعرانی رح فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کو دیکھتا تھا تو آپ سے جدا ہونا آسان نہ ہوتا تھا۔ اگرچہ زیادہ وقت ہوجائے۔

اخلاق حسنہ حسن اخلاق اور نفس کے مارنے اور آخرت کے احوال کے یاد آجانے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

آپ کامل مکمل اولیاء میں سے تھے۔ آپ خوف، ورع، تقویٰ اور بوسیدہ لباس کے پہننے میں سلف صالح کے نقش قدم پر تھے۔ آپ کثیر البکاء تھے۔ پس جب آپ کو بعض لوگ اس پر کچھ کہتے تو فرماتے کہ دوزخ ہم ہی جیسے لوگوں کیلئے ہے۔

آپ کے لکھے ہوئے فتاویٰ مصر تک آتے تھے۔ پس علماء مصر اس کے کلمات کی حلاوت ولذت اور فریق کے ڈرانے، دھمکانے کی کثرت کو دیکھ کر متعجب ہوجاتے تھے۔ حتیٰ کہ فریق ڈر کر حق کی طرف مائل ہوجاتا تھا۔

آپ جب بچّوں کے سامنے سے گزرتے تھے تو ان کو سلام کرتے اور ان سے دعا کیلئے کہتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھی آپ کی صفتِ تواضع اور اتّباعِ سنّت، جو ہم سب کیلئے اُسوہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔

ارشادات

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک جماعت کو راتوں رات روتے ہوئے پایا ہے اور مخلوقِ خدا کیلئے تضرع وزاری کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور فرماتے تھے :۔ جو بلا بھی ان شہروں میں نازل ہوتی ہے وہ ہماری ہی نحوست ہے۔ اگر ہم نکل جائیں تو یہ بلائیں زائل ہو جائیں۔

ف: سبحان اللہ، یہ حال تھا ہمارے اکابر کی تواضع اور اعترافِ قصور کا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے اُسوہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین!

وفات

آپ کی وفات شوال ۹۵۳ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(طبقات ص ۱۶۹/۲)

(۲۲) حضرت الشیخ علی الکازرونیؒ المتوفی ۹۶۰ھ

تعارف آپ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کے استاذ ہیں۔ آپ شیخ علی بن میمون کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ بہت مجاہدہ اور ریاضت کرنے والے تھے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ پانچ پانچ دن نہ رات میں سوتے تھے اور نہ دن میں۔

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں ۹۴۷ھ میں سفر حج میں آپ کے ساتھ بیس دن رہا۔ اسی طرح دوسرے حج میں ۹۵۳ھ میں، تو میں آپ کے کلام ارشادات، مواعظ اور علم توحید کے دقائق کو شوق کے ساتھ سنتا تھا۔ اور طریقت میں آپ کے بہت سے رسائل ہیں۔ ان میں سے کچھ کا نام شیخ نے مجھ کو بتلایا تھا۔

توکل آپ اپنے احوال کو چھپانے کو پسند فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اکثر اہل مکہ ان کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ شخص تو محبّ دنیا ہے۔ اور اس کا سبب دھیرے سے مجھ کو بتلادیا تھا، وہ یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بلد ہے اور انکی خاص بارگاہ وجناب ہے، پس ہر وہ شخص جو صلاح کا مظاہرہ کرے گا تو اس کی طرف لوگ متوجہ ہوں گے، لہذا میں نے ان سے بچنے کے لئے ان کے سامنے حبّ دنیا کا مظاہرہ کیا اور ان سے صدقات کا سوال کیا، تاکہ لوگ مجھ سے متنفر ہوجائیں چنانچہ لوگ مجھ سے متنفر ہوگئے اور میں راحت پا گیا۔

ارشادات آپ فرماتے تھے کہ ارشاد تین طرح کا ہے۔ ایک تو ارشاد العوام

یعنی عوام کو ان باتوں کا بتلانا اور تعلیم دینا جن کے وہ مکلف ہوں، جیسے حدود، فرضِ عین اور فرض کفایہ کی تعلیمات۔ دوسرے ارشاد الخواص: یعنی نفس کی معرفت، مرض کی تشخیص اور اس کا علاج اور جو وساوس ان کے دل میں آتے جاتے ہیں اسکی تعلیم دینا۔ تیسرے ارشاد اخص الخواص۔ اس سے مراد اُن باتوں کی تعلیمات ہیں جن سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو، اور وہ چیزیں جو جائز اور حلال ہوں، اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء وصفات اور ذات وافعال کا علم۔ **ف**: یعنی جتنی استطاعت وقدرت ہو۔ (مرتّب)

آپ فرماتے تھے کہ طریق الی اللہ، کامل و پورے طور پر شہود کا ہونا اور حدود کا متعین ہونا ہے۔ فرماتے تھے: جس شخص نے استقامت اختیار کی، تو اُس کو کلام کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ (طبقات صفحہ ۱۰۱/۲)

فرمایا کہ جو شخص ان بری عادتوں کی تصدیق کرے جو اس کے بارے میں کہی جائیں، تو وہ سالک ہے۔ اور اگر اچھی باتوں کی جو اس کے بارے میں کہی جاتی ہیں تصدیق کرے تو وہ ہالک ہے۔

فرمایا کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتا ہے وہی اس لائق ہے کہ نعمت مشاہدہ سے مشرف ہو۔ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طلب میں صادق ہوگا وہ ماسواء کے ترک کی پرواہ نہ کرے گا۔

فرمایا کرتے تھے کہ عارف کا فسق اس کے انتہا میں یہ ہوتا ہے کہ توسع اختیار کر لیتا ہے اور اپنے نفس کو ضرورت سے زیادہ مباحات سے متلذذ کرتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جس نے تفقہ حاصل کیا اور تصوف اختیار نہ کیا، تو وہ فاسق ہوا۔ اور جس نے تصوف تو اختیار کیا اور فقہ حاصل نہ کیا تو وہ زندیق

ہوگیا۔ اور جس نے فقہ اور تصوف دونوں حاصل کیا وہ محقّق ہوگیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنے نفس پر غالب آگیا اس کو اب کوئی مغلوب کرنے والا نہیں۔ اور جس کو نفس نے پچھاڑ دیا اس پر ہر شخص غالب آجائیگا۔

فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے انسان کو اولاً احسن تقویم میں پیدا فرمایا اس لئے کہ اس وقت فطرت کے قریب تھا اور شہوت نہ تھی۔ اور جب شہوت میں مبتلا ہوگیا تو اسفل سافلین کی طرف لوٹا دیا۔

ف: سبحان اللہ، ہمارے اکابر کے کیسے علوم و معارف ہیں جن سے حقائق کی خوب ہی خوب وضاحت ہوجاتی ہے۔ اللّٰھمّ ارزقنا منہا۔ (مرتب)

وفات

آپ کی وفات سنہ ۹۶۰ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(طبقات ص ۱۰۱ ج ۲)

(۲۳) حضرت الشیخ علی متقی جونپوری ثم برہانپوری صاحب کنز العمال المتوفی ۹۷۵ھ

نام و نسب نام علی، لقب متقی، والد کا نام حسام الدین، اور دادا کا نام عبد الملک ہے۔ آپ علامہ شعرانی کے استاذ ہیں۔

ولادت آپ کا وطن جونپور تھا، لیکن آپ کے والد ماجد مع خاندان جونپور سے منتقل ہو کر برہان پور (مہاراشٹر) آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی، اور یہیں آپ کی ولادت ۸۸۵ھ میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم آپ نے برہان پور میں نشو و نما پائی، اور اپنے والد کے زیر عاطفت چند درسی کتابوں کی تعلیم حاصل کی، پھر علماء شہر کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور علوم دینیہ متداولہ حاصل کر کے عربی و فارسی میں کامل و فاضل ہوئے۔ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص۲۰۲)

بیعت و خلافت والد نے سات آٹھ سال ہی کی عمر میں آپ کو شاہ باجن چشتی برہانپوری کے ہاتھ پر بیعت کرا دی تھی۔ چند دنوں کے بعد باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اور کوئی سرپرست نہ ہونے کے سبب لڑکپن لہو و لعب میں گزرا۔ جوانی کے قریب پہنچے تو کسی بادشاہ کی معیت میں مندو (مانڈہ۔ مالوہ) آئے اور کچھ دنیا ہاتھ لگی، مگر یک بیک ایک غیبی کشش سے ان کا دل دنیا سے سرد ہو گیا اس لئے دنیا کو لات مار کر شاہ باجن کے لڑکے اور جانشین شیخ عبد الحکیم کی صحبت اختیار کی اور ان کے ہاتھ سے مشائخ چشت کا خرقۂ خلافت زیب تن کیا۔

سفرِ ملتان چونکہ عزیمت و تقویٰ اُن کے خمیر میں تھا، اِس لئے ملتان پہنچ کر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں ورع و تقویٰ کی منزلیں طے کیں۔ ساتھ ہی ساتھ دو سال میں تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا مطالعہ بھی اُن کی خدمت میں کیا۔ شیخ ابوالحسن بکری رحؒ اور شیخ ابن حجر مکی رحؒ سے تعلیم حاصل کیا۔ اور شیخ عبدالوہاب شعرانی رحؒ صاحب "طبقات کبری" نے آپ سے علم حاصل کیا ہے۔ (اعیان الحجاج صـ ۲۱۳)

حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی رحؒ آپ کے قیام ملتان کی نوعیت کے سلسلہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

وہ ملتان کے گرد و نواح کے بعض ایسے شہروں میں چلے جاتے تھے جہاں نیک لوگ رہتے تھے اور جہاں آسانی سے وہ اللہ کی عبادت کر سکتے تھے، وہ چند روز قیام فرماتے، پھر دوسرے شہر چلے جاتے، سفر میں دو تھیلے اُن کے ساتھ ہوتے تھے۔ ایک تھیلے میں عام ضرورت کی چیزیں اور کھانے پینے کا سامان اور کچا اناج اور برتن وغیرہ ہوتا تھا، خود جنگل سے لکڑیاں لاتے اور کھانا خود ہی بناتے تھے۔ اور آپ کبھی مسجد میں قیام نہیں فرماتے تھے، بلکہ کرایہ کا مکان لے کر اُسمیں قیام فرماتے تھے۔

اور آپ کی خاص عادت یہ تھی کہ کسی سے کوئی کام نہ لیتے تھے۔ اور اگر کسی سے کوئی کام لینا ہوتا تو پہلے اُس کو اس کی اُجرت دیدیتے تھے۔ اور آپ کے دوسرے تھیلے میں قرآن مجید اور بعض ضروری دینی کتابیں ہوتی تھیں۔ غرض اس طرح زہد و قناعت کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص صحبت میں رہنا چاہتا، یا خدمت کرنا چاہتا تو اُس سے معذرت کر لیتے۔

(اخبار الاخیار صـ ۵۲۴)

احمد آباد میں قیام ملتان سے روانہ ہو کر احمد آباد پہنچے۔ اُسوقت سلطان بہادر برسرِ حکومت تھا، احمد آباد میں آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ آپ جس طرف جاتے، خلقت پیچھے پیچھے ہوتی تھی، اور پروانہ وار نثار ہوتی تھی۔ آپ دروازہ بند کر کے حجرہ نشین ہو جاتے تھے اور کسی کو آنے نہ دیتے تھے۔ صرف نماز کے وقت میں آپ کی زیارت ہوتی تھی۔

ف : سبحان اللہ، یہ تھی خلوت کی قدر و قیمت، جس کا ہم جیسے بے طلب لوگوں کو نہ اہتمام ہے نہ اہمیت، تو بے طلب کے دولت باطنی کیسے حاصل ہوگی۔ (مرتب)

مکہ معظمہ کی جانب ہجرت اور مستقل سکونت والیٔ گجرات سلطان بہادر کے زمانہ تک آپ احمد آباد گجرات میں رہے۔ جب ہمایوں نے قبضہ کیا اُسوقت آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور زیارتِ حرمین شریفین سے فارغ ہو کر مکہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور بالآخر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اور شیخ ابو الحسن بکری کی شاگردی اور صحبت اختیار کی، جو بالاتفاق اولیاء میں سے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے علماء کرام سے بھی فیض حاصل کیا، بالخصوص شیخ محمد بن محمد سخاوی اور ابو مدین شعیب مغربی کی خدمت میں رہ کر حدیثوں کی کامل طور پر تصحیح کی۔ پھر اُن بزرگوں سے سلسلۂ قادریہ و شاذلیہ و مدنیہ و مغربیہ کا خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ (تاریخ اولیاء کرام برہانپور صفحہ)

تصانیف علم تصوف و احادیث میں آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی خدمات تصنیف و تالیف دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے اور یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور فضل و کرم کا ثمرہ ہے جس کی وجہ سے وہ اِس بلند درجہ پر استقامت

کے ساتھ متمکن و فائز ہوئے۔

آپ نے شیخ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب "جمع الجوامع" کی احادیث کو حروف تہجی کے تحت جمع کر کے تمام اقوال و افعال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسائل فقہیہ کے طریقہ پر باب وار (کنز العمال کے نام سے) لکھا ہے۔

"کنز العمال" ان کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ ان کے اُستاذ شیخ ابوالحسن بکریؒ فرمایا کرتے تھے کہ سیوطیؒ کا احسان سارے عالم پر ہے، مگر سیوطیؒ پر متقیؒ کا احسان ہے کہ انکی کتاب کو مرتب کر کے استفادہ آسان کر دیا۔

(اخبار الاخیار صـ۵۲۴)

مجلسِ درس

شیخ رح علوم دینیہ کے تو فاضل و ماہر تھے ہی، علم سلوک و تصوف میں بھی بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ کا اکثر وقت علم کی اشاعت اور افادہ و فیضان میں بسر ہوتا تھا۔ آپ کی مجلس میں طالبین کا جم غفیر ان کے بحر علم و معرفت سے سیراب ہونے کے لئے ہر وقت آپ کی خدمت میں موجود رہتا تھا۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی رح مکہ مکرمہ میں آپ کی قیامگاہ پر طلبہ کی کثرت اور سالکین کے ہجوم کا حال بیان کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

وہ مجھے اپنے گھر لے گئے، تو میں نے درویشوں اور طالبین کی ایک جماعت دیکھی جو آپ کے گھر کے اردگرد کے صحن کے کناروں پر بنے ہوئے جھونپڑوں میں رہتی تھی، ہر درویش کے لئے ایک جھونپڑا تعمیر کیا گیا تھا جس میں وہ یادِ الٰہی میں مشغول رہتا تھا۔ کچھ لوگ تلاوت کرتے ہوئے نظر آئے اور بعض ذکر و فکر میں لگے ہوئے تھے، اور چند لوگ مراقبہ میں تھے، اور

کچھ لوگ علمی مطالعہ میں مشغول تھے۔ میں نے مکہ مکرمہ میں اس سے اچھا منظر نہ دیکھا۔

ف : سبحان اللہ، اپنے مشائخ کی خانقاہوں کا نقشہ سامنے فرما دیا جسکی وجہ سے انکے مریدین و متوسلین نسبت و معرفت حاصل کر کے واصل باللہ ہوئے اور وہاں ایسے اہل علم بھی مقیم تھے جو کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ (مرتب)

علم حدیث سے شغف

آپ ایک بلند پایہ محدث تھے۔ آپ کی علم حدیث میں بہت زیادہ شہرت تھی. آپ نے اپنے ہمعصر کبار محدثین سے اس فن حدیث کی تحصیل کی تھی، اور آپ سے بھی بیشمار لوگوں نے استفادہ کیا اور حدیث سے اشتغال مدت العمر قائم رہا اس لئے حدیث کے نکتوں اور باریکیوں پر آپ کی پوری نظر رہتی تھی۔

علم و فضل

آپ نہایت فاضل اور یکتائے روزگار تھے۔ اصول و فروع اور معقولات و منقولات میں آپ دسترس رکھتے تھے حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنی علمی عظمت، فضل و کمال اور جامعیت کی بنا پر سرمایۂ نازش ہندوستان تھے۔

آپ علماء اور دینداروں سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ اور ایسے لوگوں سے ملاقات کے لئے آپ خود تشریف لے جاتے تھے اور اُن حضرات کو اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دیتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اصحاب زہد و علم سے ملاقات کے بہت مشتاق رہتے تھے۔ آپ کو علماء و طلبہ کی دلجوئی کا بہت خیال رہتا تھا۔ اور اُن لوگوں کی ہر قسم کی اعانت و امداد بھی کرتے تھے۔

آپ نے اپنی زندگی کو علم کی نشر و اشاعت اور اہل علم کی امداد

واعانت کے لئے وقف کردیا تھا۔ آپ طلبہ کے لئے کتابیں بھی مہیا کرتے اور انکی نقل وکتابت کا بندوبست بھی کرتے۔ آپ اپنے ہاتھ سے روشنائی بناتے اور طلبہ کو دیتے۔ ملک عرب میں جو مفید اور نادر کتابیں دستیاب ہو جاتیں ان کی نقلیں کراکے جسے مناسب خیال کرتے مرحمت فرماتے۔ اور جن شہروں میں وہ کتابیں دستیاب نہ ہوتیں وہاں بھجواتے۔

ف: سبحان اللہ، کتابوں کو مطبع سے طبع کراکے نہیں بلکہ خود محنت وجانفشانی کرکے لکھتے اور علماء کے درمیان تقسیم فرماتے، جو آپ کے علمی ذوق اور اس کے نشر واشاعت کی چاہت پر دال ہے۔ (مرتب)

تصوّف وسلوک

شیخ کا اصلی طغرائے امتیاز تصوف وسلوک میں کمال ہے، اور آپ کی زیادہ شہرت اسی حیثیت سے ہے۔ تصنیف وتالیف میں علمائے ظاہر بھی ممتاز اور صاحب کمال ہوتے ہیں، لیکن تصوف وسلوک میں ان کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ مگر آپ کشف وکرامات اور باطنی کمالات، عبادت وریاضت اور زہد وتقوی میں اپنی مثال آپ تھے۔

ف: یقیناً۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس فضل وکمال سے حصہ نصیب فرمائے۔ آمین! (مرتب)

استاذ کا اپنے شاگرد کے فضل کا اعتراف

شیخ ابن حجر مکیؒ آپ کے استاذ ہونے کے باوجود آپ کی ولایت کے ایسے معترف ہوئے کہ آپ ہی سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔

ف: چنانچہ ماضی قریب میں ایسا ہی ہوا کہ حضرت العلامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ نے باوجود استاذ ہونے کے اپنے شاگرد مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے ارادت کا تعلق قائم فرمایا اور خلیفہ مجاز ہوئے۔ ذالک فضل اللہ (مرتب)

شیخ حسام الدین متقی مشہور شیخ طریقت بھی تھے اور صاحب علم و کمال بھی، جن کی خدمت میں شیخ علی متقیؒ دو برس رہ کر ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کرتے رہے، شیخ علی متقی جب خلوت میں ہوتے تو شیخ حسام الدین اپنے سر پر کتابیں اُٹھائے ہوئے آپ کے خلوت خانہ کے دروازے تک آتے اور اندر داخل ہونے کے لئے کچھ اس طرح اجازت طلب کرتے: حسام الدین آیا ہے، کیا فرماتے ہیں؟ اسی طرح ایک دو بار فرماتے۔ اگر دروازہ کھل جاتا تو آپس میں بیضاوی شریف کا مذاکرہ کرتے جب شیخ کے وقت میں گنجائش ہوتی، اور اگر دروازہ نہ کھلتا تو واپس تشریف لے جاتے۔

ف: سبحان اللہ، اُستاذ کا اس قدر ادب و لحاظ، جو آجکل تو عنقا ہی ہے۔ نہ اولاد والدین کا ادب و لحاظ کرتی ہے اور نہ مریدین شیخ کا، جس کی نحوست کے اثرات نمایاں ہیں کہ کمالات علمیہ و عملیہ سے محروم ہیں۔ (مرتّب)

قلّتِ کلام آپ بہت کم گفتگو فرماتے تھے اور بیکار باتوں سے بہت زیادہ پرہیز کرنے والے تھے۔ اور بلا ضرورت کوئی کام بھی نہ کرتے تھے۔ اور مجلس درس میں عام طور پر خاموش رہتے تھے۔

قلّتِ منام آپ بہت کم سوتے تھے۔ بلکہ رات کا زیادہ وقت ذکر و فکر اور یادِ الٰہی میں گزارتے تھے۔

قلّتِ اختلاط مع الانام آپ خلوت پسند تھے اس وجہ سے ناجنسوں سے الگ تھلگ اور کنارہ کش رہتے تھے۔

قلّتِ طعام شیخ کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اُنکی غذا بہت کم ہوتی تھی۔

فاکہی کا بیان ہے کہ وہ اتنا کم کھانا کھاتے تھے کہ اس کا لوگوں کو مشکل سے یقین ہوگا اور اسقدر کم خوری کا کسی شخص کے بارے میں خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر شیخ اسقدر کم غذا کے اس لئے عادی ہو گئے تھے کہ طولِ ریاضت کی وجہ سے انھیں اس کا ملکہ حاصل ہو گیا تھا اور اگر انھیں معمول سے کچھ بھی زیادہ غذا دی جاتی تو وہ اسے ہضم نہیں کر سکتے تھے علامہ شعرانیؒ کا بیان ہے کہ وہ نحیف البدن تھے اور بھوک کی شدت کی وجہ سے اُن کے جسم پر گوشت معلوم نہیں ہوتا تھا۔ شیخ عبدالوہاب متقی سے منقول ہے کہ ان کا کھانا تو صرف اسلئے ہوتا تھا کہ اُن کا جسم بحال رہے اور وہ عبادت کر سکیں۔ اُن کے لیے جو شوربا بنتا اُس میں سے تھوڑا سا چکھ کر دوسروں کو دے دیتے تھے۔

ف: یہ چاروں چیزیں تصوف کے بنیادی اصول ہیں جو شیخ کے اندر موجود تھیں اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی ان اوصاف سے متصف فرمائے۔ آمین! (مرتب)

آپ کی کرامت شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ میں میری معذوری دیکھ کر انھوں نے مجھ کو ایک چاندی کا ٹکڑا دیا، اُسکی وجہ سے مجھ کو حج بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسی وسعت اور برکت عطا فرمائی کہ میں بیدریغ پیسے خرچ کرتا تھا مجھے خود بڑی حیرت تھی کہ یہ سب کہاں سے آرہا ہے۔

ف: ماشاء اللہ علمی و روحانی کرامت کے ساتھ حسّی کرامت سے بھی بہرہ ور تھے۔ ذالک فضل اللہ۔ (مرتب)

بشارت آپ کے کسی شاگرد نے مکہ معظمہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کس کام کا حکم فرما رہے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ شیخ علی متقی کی اقتدا کرو، وہ جو کچھ کریں تم بھی وہی کرو۔

ف: سبحان اللہ، شیخ علی متقی کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

کیسی بشارت عظمیٰ نصیب ہوئی۔ چونکہ آپ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی پوری زندگی اتباع کرتے رہے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے بھی انکی اقتدار کا امر فرمایا۔ ع بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست۔ (مرتب)

اسی طرح ایک بار آپ نے ۲۷ رمضان المبارک کو بروز جمعہ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی۔ اُس وقت انھوں نے آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اِس زمانہ میں سب سے افضل شخص کون ہے؟ ارشاد ہوا، تم۔ پوچھا، پھر کون افضل ہے؟ ارشاد ہوا، ہندوستان میں محمد بن طاہر۔ (تذکرۃ المحدثین ص ۶۹/۳)

ایک وزیر کی دعوت میں شرکت

شیخ عبدالوہابؒ فرماتے ہیں، ایک دفعہ مکہ کے ایک وزیر نے آپ کی دعوت کے لئے بڑا اصرار کیا اور کہا کہ بندہ کے گھر تک قدم رنجہ فرمائیں تاکہ برکت ہو۔ فرمایا، مجھے معذور تصور فرمائیں، میں یہیں سے دعا کروں گا، اللہ تبارک وتعالےٰ برکت دے گا۔ مگر وہ نہیں مانا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا، تین شرطوں کے ساتھ منظور ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ میری جہاں خواہش ہوگی وہاں بیٹھوں گا، یہ اصرار نہ ہو کہ صدر مقام پر تشریف رکھئے۔ دوسری یہ کہ مجھ کو جو اچھا لگے گا وہ کھاؤں گا، یہ اصرار نہ ہو کہ یہ نہیں وہ کھائیے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جب ہمارا جی چاہے گا اُٹھ کر چلے آئیں گے، کوئی یہ نہ کہے کہ ذرا دیر اور تشریف رکھیں۔ وزیر نے سب شرطیں منظور کیں تو وعدہ فرمایا کہ کل آئیں گے۔

دوسرے دن شیخ نے اپنے تھیلے میں جس کو وہ ہر وقت گلے میں لٹکائے رہتے تھے، روٹی کے کچھ ٹکڑے رکھے اور تن تنہا وزیر کے گھر روانہ ہو گئے۔

وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وزیر نے ایک شاہانہ مجلس سجائی تھی۔ آپ اُس مجلس میں دروازے کے قریب بیٹھ گئے۔ اُس نے کہا، یہاں تشریف رکھئے! فرمایا، یہ خلاف شرط ہے۔ وہ چپ ہو گیا۔ پھر فرمایا۔ جلدی کرو، وقت تنگ ہے چنانچہ بہت جلد دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے گئے۔ آپ نے اپنے تھیلے سے روٹی نکالی اور اس کو کھانے لگے۔ اُس نے کہا کہ ذرا اِس کھانے کو بھی چکھ لیجئے! تو فرمایا کہ ہم نے تو پہلے ہی شرط کر لی ہے کہ جو اچھا لگے گا وہی کھائیں گے۔ پس اس کے خلاف اِصرار نہ ہونا چاہیے۔ اُس کے بعد اُٹھے اور سلام کر کے روانہ ہو گئے۔

ف: سبحان اللہ، اُمرا بلکہ وزرا تک سے اسقدر بے اعتنائی جو اِس زمانہ میں تو نادر ہی ہے، جس کی وجہ سے ہم ذلیل و رُسوا ہو رہے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ ہم سے بے اعتنائی برت رہے ہیں۔ ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا (مرتب)

ارشادات

شیخ علی متقی فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز حلال کمائی سے حاصل ہوئی ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوگی۔ اگر گم بھی ہو گئی تو پھر مل جائے گی۔ اس پر آپ نے اپنا ایک واقعہ بھی بیان فرمایا۔

واقعہ فرماتے تھے کہ ایک بار ہم سمندر کے سفر میں کشتی پر سوار تھے، کہ طوفان آگیا اور کشتی ٹوٹ گئی۔ ہم کئی آدمی ایک تختہ پر کئی دنوں کے بعد ساحل پر پہنچے۔ اب ہم کو پیدل سفر کرنا پڑا، تو بہت سی کتابیں ساتھ تھیں جن کو لے کر چلنا ممکن نہ تھا۔ طوفان میں کتابیں بھیگ بھی گئی تھیں

ہم نے اُن کتابوں کو عرب کے ریگستان میں دفن کر دیا اور وہاں ایک علامت بنا دی۔ جب ہم پیدل چل کر مکہ معظمہ پہنچے اور عمرہ کے طواف اور سعی سے فارغ ہوئے، تو کئی بدو اپنے سروں پر گٹھر لادے ہوئے ہمارے سامنے آئے اور کہا کہ یہ کتابیں ہیں، ہم ان کو بیچنا چاہتے ہیں۔ ہم نے گٹھر کھلوا کر دیکھا تو وہی ہماری کتابیں تھیں، ہم نے خاموشی سے اُن کتابوں کی مطلوبہ قیمت بدوؤں کو دیدیں اور کتابیں لے لیں۔ کتابوں کے اوراق چپک کر سوکھ گئے تھے، ان کو پانی میں تر کر کے جدا جدا کیا، مگر جب دیکھا تو ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔

ف : سبحان اللہ، شیخ کی شرافت تو دیکھئے کہ اُن بدوؤں سے کہا بھی نہیں کہ یہ ہماری ہی کتابیں ہیں۔ اور منجانب اللہ یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ باوجود پانی میں بھیگ جانے کے ایک حرف بھی ضائع نہ ہوا۔ فللہ الحمد۔ (مرتب)

شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ علی متقی رحؒ جوانی میں نفلیں بہت پڑھتے تھے۔ آخر عمر میں ذکر خفی، تفکر اور علوم دینیہ کی تصنیف ان کی عبادت تھی۔ پھر بھی بڑھاپے کی کمزوری اور ضعف مثانہ کی وجہ سے رات میں دس بارہ دفعہ پیشاب کی حاجت ہوتی تھی، اور ہر دفعہ وضو کر کے دو یا چار یا زیادہ رکعتیں نفل کی پڑھا کرتے تھے۔

ف : سبحان اللہ، یہ تھا ذوق عبادت، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی توفیق مرحمت فرمائے۔ (مرتب)

ابتدا میں جب قوت تھی تو کتابت ذریعۂ معاش تھی۔ بعد میں بیواؤں سے قرض لے کر کام چلاتے تھے اور جب کہیں سے فتوح حاصل ہوتی تو

قرض ادا کر دیتے تھے۔ کبھی کبھی نذرانہ کو بھی اپنے مصرف میں لاتے تھے جس کی نسبت ظن غالب ہوتا تھا کہ حلال کمائی ہے۔ (اعیان الحجاج ص۲۱۲/۲)

بزرگوں کا دھوم دھام سے عرس کرنے کے بجائے یہ اندازہ لگا کر کہ کھانے میں کتنا خرچ ہوگا اتنی رقم محتاجوں کو اور فقیروں کو خفیہ طریقے سے دے دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ کھانے کی مجلس ترتیب دینا اور عوام کی بھیڑ جمع کرنا تکلف اور شورش سے خالی نہیں ہے۔

ف: سبحان اللہ، بڑی حکمت اور تجربہ کی بات ارشاد فرمائی۔ (مرتب)

شیخ عبدالوہاب شعرانی رح جب ۹۴۷ھ میں حج کے لئے گئے ہیں تو اس سال انھوں نے شیخ علی متقی رح کی ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا ہے اور "طبقات شعرانی" میں بضمن اولیائے کرام آپ کا ذکر کیا ہے۔

حضرت علامہ شعرانی رح فرماتے ہیں کہ میں بار بار ان کے پاس گیا ہوں، اور وہ بھی کئی دفعہ میری قیامگاہ پر تشریف لائے ہیں۔ وہ زاہد و متقی عالم تھے بہت نحیف تھے، جسم پر گوشت برائے نام معلوم ہوتا تھا۔ اکثر خاموش اور گوشہ نشین رہتے تھے۔ (اعیان الحجاج ص۲۱۳/۲)

وفات

حضرت شیخ علی متقی رح کی وفات ۹۷۵ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالٰی۔ آپ کی مزار مکہ معظمہ میں ہے۔ آپ کی تاریخ وفات "شیخ مکہ" (۹۷۵) "متابعت نبی" (۹۷۵) اور "قطبی نخبہ" (۹۷۵) سے برآمد ہوتی ہے۔ نوراللہ مرقدہ

(تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص۲۸۱/۱)

انتباہ: علامہ شعرانی رح کے اساتذہ کا ذکر یہاں پر ختم ہوا۔ اللہ تعالے ان اولیاء کرام کے اقوال پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

۲۹ علماء عاملین کے مبارک مختصر تذکرے

حضرت العلامہ شعرانی رح اپنے اساتذہ و مشائخ کے تذکرے کے بعد یوں رقمطراز ہیں :- (مرتب)

اب میری خواہش یہ ہے کہ صرف اپنے مذہب کے کچھ علماء عاملین کے احوال صالحہ کو محض ان کے ذکر سے تبرک حاصل کرنے اور ان کے نشر مشک کے لئے درج کروں۔ اللہ تعالےٰ اُن سب سے راضی ہو۔ (طبقات صـ۱۸۵/۲)

۱۔ ابوبکر بن اسحٰق الضبعی رح قیام لیل یعنی صلوٰۃ تہجد کو سفر، حضر، جاڑا گرمی، کسی حالت میں ترک نہ کرتے تھے اور آپ جملہ علوم کے امام تھے۔

۲۔ ابن الصباغ رح حافظ مذہب اور صائم الدہر تھے اور قول لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے کبھی تھکتے نہ تھے۔

۳۔ ابوالعباس دیلی رح ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور برابر قرآن کا درس دیتے تھے۔ دن میں سلائی کرتے تھے اور جب شام ہوتی تو نماز مغرب پڑھ کر فقہ میں مشغول ہوجاتے تھے۔

۴۔ ابوزید مروزی رح متقی زاہد تھے۔ ان کے اصحاب کہتے تھے کہ ہم نے ان سے مخالطت رکھا۔ مگر ہم کو خیال ہے کہ فرشتوں نے کبھی کوئی گناہ نہ لکھا ہوگا۔

۵۔ امام ابن الحداد رح ہر دن و رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے، ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے، اور ہر جمعہ کو نماز سے پہلے جامع مسجد میں ایک قرآن ختم کرتے تھے اور یہ روزانہ کے پڑھنے کے علاوہ تھا۔

۶۔ **امام ابوجعفر ترمذیؒ** آپ کا خرچ ماہانہ صرف چار درہم تھا۔ اور کبھی کسی سے سوال نہ کرتے تھے۔ اور بسا اوقات پورے دن میں زیتون کے ایک دانہ سے قوت حاصل کرتے تھے۔ اس کے باوجود شجاع و بہادر تھے۔

۷۔ **امام ابن خزیمہؒ** ادب میں ضرب المثل تھے خصوصاً اپنے شیخ البوشنجی ؒ کے ساتھ۔ یہاں تک کہ ان سے ایک مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا درانحالیکہ وہ شیخ کے جنازہ میں تھے، تو فرمایا کہ میں اس وقت تک فتویٰ نہ دوں گا جبتک کہ اپنے استاذ پر مٹی ڈال کر مستور نہ کر دوں۔

۸۔ **ابو العباسؒ** فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے بارہ ہزار ختم قرآن کیا ہے، اور آپ کی جانب سے بارہ ہزار قربانیاں کی ہیں۔

۹۔ **امام احمد بن بردزیہ البخاریؒ** ہر دن ایک ختم قرآن کرتے تھے اور رات میں سحر کے وقت ثلث قرآن پڑھتے تھے۔ اس طرح دن و رات میں ایک ختم اور ایک ثلث قرآن پڑھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے، مجھے امید ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کروں گا کہ کسی کی غیبت پر محاسبہ نہ فرمائیں گے

ف: یہ قول امام بخاریؒ کا بھی ہے۔ جو قابل مبارکباد ہے۔ (مرتب)

۱۰۔ **شیخ تقی الدین ابن دقیق العیدؒ**۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب سے میں نے اپنے نفس پر قابو پایا ہے تب سے کوئی ایسی بات اور کوئی ایسا فعل نہیں کیا ہے جس کا اللہ کے سامنے جواب تیار نہ کر رکھا ہو۔

۱۱۔ **امام محمد نیساپوریؒ**۔ طول نہار میں نماز پڑھا کرتے تھے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ جب کوئی مستفتی آتا تو اس کو فتویٰ دیدیتے تھے، پھر نماز میں

مشغول ہو جاتے تھے۔

۱۲۔ امام محمدؒ جو فقیہ حرم کے نام سے معروف تھے، شیخ ابو اسحٰقؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ہر دن ان کے منجملہ اوراد کے یہ تھا کہ چھ ہزار مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے۔

۱۳۔ امام حسن اصبہانیؒ۔ ہر ہفتہ اپنے تلامذہ سے الگ ہو کر اس قدر روتے تھے کہ ان کی آنکھ ہی جاتی رہی اور فرماتے تھے کہ پہلے کے لوگوں نے تو خون کے آنسو بہائے ہیں، جب بھی اللہ کا حق ادا نہ کر سکے۔ ف: بیشک یہی حقیقت ہے (مرتب)

۱۴۔ شیخ زین الامناء دمشقیؒ نے اپنی رات کے تین حصے کر لئے تھے۔ ایک تہائی حصہ تلاوت و تسبیح کیلئے، اور ایک تہائی سونے کے لئے اور ایک تہائی تہجد کیلئے۔ آپ سجدہ بہت ہی طویل کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کو سجّاد کہا جاتا تھا۔ آپ کا دن بھی ایسے ہی منقسم تھا۔ مطلب یہ ہے کہ رات ہی کی طرح دن بھی عبادت ہی میں گزارتے تھے۔

۱۵۔ امام حسن بن سمعونؒ۔ امام وزاہد و پرہیزگار اور تہجد کے نہایت پابند تھے۔ اپنے گھر سے بہت کم نکلتے تھے، ہاں جمعہ کے دن نماز کیلئے باہر تشریف لاتے تھے اور دن کا اکثر حصہ اپنے گھر میں گزارتے تھے۔

۱۶۔ شیخ بوعلی بن جیرانؒ۔ امام تھے، زاہد تھے، ساکت تھے۔ سلطان وقت نے ان کو قضا کی تولیت پر مجبور کیا تو انھوں نے انکار کیا، پس بادشاہ نے آپ کے گھر پر پہرے دار بٹھا دیا اور دس روز تک گھر سے باہر نہ نکلنے دیا۔ پھر اس کے بعد معاف کر دیا۔

۱۷۔ ابوعبد الحاکمؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ حسین نیساپوری کی خدمت میں

سفر حضر ہر حال میں تیس سال رہا ہوں۔ پس میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ قیام لیل کو ترک کیا ہو۔ اور ہر رکعت میں ایک منزل قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔

۱۸۔ **حضرت امام بغوی** رحمہ اللہ زاہد اور صاحب ورع تھے۔ خشک روٹی کھاتے تھے پس جب اس سلسلہ میں ان کو سزا دی گئی تو زیتون سے کھانے لگے۔ یہاں تک انتقال فرمایا۔ (طبقات ج ۲ ص ۱۸۹)

۱۹۔ **قفال مروزی** رحمہ اللہ۔ آپ پر درس میں بکار کا اس قدر غلبہ ہو جاتا تھا کہ بیہوش ہو جاتے تھے، پس جب افاقہ ہوتا تھا تو فرماتے تھے کہ ہم کو اُس امر سے کس قدر غفلت ہے جس کیلئے ہم پیدا کئے گئے ہیں۔ (یعنی عبادتِ الٰہی)

۲۰۔ **ابوبکر نیساپوری** رحمہ اللہ ہمیشہ رات میں قیام فرماتے تھے یہاں تک کہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔

۲۱۔ **شیخ عبداللہ اصبہانی** رحمہ اللہ جو ابن اللبان کے نام سے مشہور تھے وہ تراویح لوگوں کو پڑھاتے تھے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی تھی۔ پھر نماز کے بعد اپنے اصحاب کو درس دیتے تھے۔ اور رمضان میں رات و دن میں کسی وقت بھی اپنے پہلو کو بستر پر سونے کیلئے نہ لگاتے تھے۔

۲۲۔ **ابن ابی حاتم** رحمہ اللہ زاہد و پرہیزگار اور بہت خشوع اختیار کرنے والے تھے اور آسمان کی طرف اپنی آنکھ اور سر کو نہیں اٹھاتے تھے۔ ایک آدمی آپ کے پاس آیا جب کہ آپ درس دے رہے تھے اور کہا کہ طرسوس کی ایک جانب کی دیوار گر گئی اور اس کی تعمیر کیلئے ایک ہزار دینار کی ضرورت ہے تو شیخ نے حاضرین سے کہا کہ بھائی کون اسکو بنوائے گا؟ اور میں اس کیلئے جنت میں ایک محل کا ضامن ہوں۔ تو ایک عجمی شخص کھڑا ہوا، اور

ایک ہزار دینار لا کر شیخ کے سامنے پیش کر دیا اور کہا کہ اس ضمانت کا دستاویز میرے لئے لکھ دیجئے، تو شیخ نے اس کو لکھ دیا۔ پھر عجمی مر گیا اور اس کاغذ کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ پھر اس کاغذ کو ہوا نے اُڑا کر شیخ کے کمرہ میں ڈال دیا تو اس کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے اس چیز کو پا لیا جس کا آپ نے وعدہ فرمایا تھا اور اتنا پایا جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔

۲۳۔ **شیخ عبدالرحمٰن انباری نحویؒ** اپنے گھر میں چراغ اس لئے نہیں جلاتے تھے کہ اس تیل کی قیمت میں ان کو حلال وطیب ہونے میں یقین نہ تھا۔ ان کے نیچے ایک بانس کی چٹائی ہوتی تھی اور ان پر ایک پرانا کپڑا ہوتا تھا۔ اور ان کا عمامہ ایک موٹے سوت کا ہوتا تھا، تاکہ جمعہ کی نماز پڑھ سکیں۔ اور وہ اپنے گھر سے صرف نماز جمعہ کیلئے نکلتے تھے۔

۲۴۔ **شیخ عبداللہ رازیؒ** ابواسحٰق شیرازیؒ کے شاگردوں میں سے تھے اور مستجاب الدعوات تھے۔ ایک مرتبہ حج کیا۔ پس حاجی لوگ پیاس سے پریشان ہوئے، تو حاجیوں نے کہا اے فقیہ! ہمارے لئے پانی مانگئے۔ تو آگے بڑھے اور فرمایا کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ وہ بدن ہے جس نے آپ کی نافرمانی کبھی نہیں کی، اس کے بعد انھوں نے پانی طلب کیا تو اس قدر بارش ہوئی جیسے مشکیزے کے منہ کھول دیئے گئے ہوں۔

۲۵۔ **شیخ ابوالحسن مقریؒ** علماء عاملین میں سے تھے۔ رات کا زیادہ حصہ نماز میں اور پورا دن روزہ میں گزرتا تھا۔ آپ عارف وزاہد تھے یہاں تک کہ آپ کے اور آپ کے بھائی کے درمیان ایک عمامہ اور ایک قمیص تھی پس جب ان میں سے کوئی باہر نکلتا تو دونوں کو پہن لیتا، اور دوسرا گھر میں

بیٹھا رہتا۔

۲۶۔ **شیخ ابوالحسن استرابازی رحمۃ اللہ علیہ** عمر بھر عبادت میں مجاہدہ کرنے والے تھے۔ دن بھر لکھا کرتے تھے اور روانی سے قرآن پڑھا کرتے تھے اور ایک میں دوسرے سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا تھا۔ اور جب ان کے پاس کوئی آتا اور بات کرتا تو فرماتے کہ نکل جاؤ، اگرچہ عزیز ترین آدمی ہوتا۔ آپ باوجود درس و فتوی وغیرہ کی مجلسوں کے روزانہ پورا قرآن ختم فرماتے۔ (طبقات صفحہ ۱۹۰ ج ۲)

۲۷۔ **امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ** امام وزاہد صاحب ورع عالم تھے اور سنت پر مواظب تھے۔ اور متکلمین میں اپنے معصروں سے آگے تھے۔ بیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے۔ اور ان کا خرچ پورے سال میں سترہ درہم تھا۔

۲۸۔ **حافظ ابن العساکر رحمۃ اللہ علیہ** امام وزاہد وصاحب ورع تھے اور مسجد میں صلوٰۃ بالجماعت کے پابند تھے، تلاوتِ کلام اللہ بہت زیادہ کرتے تھے۔ رات دن میں کثرت سے نوافل واذکار ادا کرتے تھے۔ اور ہر ہفتہ تہجد میں پورا قرآن پڑھا کرتے تھے۔

۲۹۔ **شیخ ابوالحسن قزوینی رحمۃ اللہ علیہ** کو کشف ہوتا تھا اور خواطر پر کلام فرماتے تھے اور خاموشی کو لازم پکڑے ہوئے تھے، اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔

پس یہ سب کے سب حضرات علمائے عاملین میں سے تھے، مگر عبادت وریاضت و پرہیزگاری میں مشہور نہیں تھے۔ پس ہم نے اس لئے ان کا ذکر کیا کہ ان کے فضل پر ہم متنبہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور ہم کو انکی اقتداء کی توفیق دے۔ بہر حال وہ لوگ جو عبادت و زہد و ورع میں مشہور

ہیں جیسے شیخ ابو اسحٰق شیرازیؒ، امام غزالیؒ، امام رافعیؒ، امام نوویؒ، (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان پر رحم کرے اور ان کے ساتھ ساتھ ہم سے بھی رحم کا معاملہ فرمائے) تو ان حضرات کی شہرت کی وجہ سے ان کے متعلق کچھ نہ لکھا

اس کے بعد آخر میں علامہ شعرانیؒ کے کسی خاص مسترشد نے اپنے شیخ و مرشد کے متعلق نہایت عالی القاب کے ساتھ یوں ارقام فرمایا ہے:۔

قال المؤلف الشيخ الامام العامل الكامل الراسخ المحقق المدقق احد ملوك العارفين بالله تعالیٰ سيدي عبد الوهاب بن احمد بن علی الشعراوی الانصاریؒ كان الفراغ من كتابتها و تاليفها خامس عشر رجب سنة اثنتين وخمسين وتسع مأة بمصر المحروسة والحمد لله رب العالمين۔ انتهیٰ۔

ترجمہ: سیدی مؤلف شیخ امام عالم عامل راسخ محقق مدقق جو ملوک العارفین باللہ میں سے ایک تھے، جن کا نام عبد الوہاب ابن احمد ابن علی الشعراوی الانصاری تھا انھوں نے فرمایا کہ اس کتاب کی تالیف سے فراغت ۱۵ ر رجب ۹۵۲ھ میں مصر میں پائی۔ الحمد للہ رب العالمین۔ (طبقات صفحہ ۱۹۰/۲)

ؔ الحمد للہ اس حقیر نے امام غزالیؒ اور امام نوویؒ وغیرہم کے حالات وارشادات کو اپنے محل و مقام پر بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ قدست اسرارہم اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کے ظاہری و باطنی علوم و معارف، اسرار و حقائق اور نسبتہائے عالیہ سے ہمارے قلوب کو منور و معمور فرمائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

حضرت ملا محمد نظام الدین صاحب امیٹھویؒ (سلطانپور) المتوفی ۹۷۹ھ

ولادت، طفولیت و تحصیل علم

حضرت شیخ نظام الدینؒ نسبی اعتبار سے عثمانی ہیں۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک آپ کا سلسلہ پہنچتا ہے۔ مشرقی اُتر پردیش کے معروف قصبہ امیٹھی ضلع سلطانپور (یو، پی) کے باشندے ہیں ۹۰۹ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ دینداری کے ماحول میں آپ کی نشو ونما ہوئی، جس کی بنار پر آپ کے خیالات ورجحانات میں بڑی پاکیزگی پیدا ہوئی اور آپ ابتدائی طفولیت سے گزرنے کے بعد طلب علم کی طرف مائل ہوئے۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دیار پورب شیراز ہند "جون پور" کا سفر فرمایا۔ جہاں پہنچ کر مولانا الہداد جونپوریؒ کے معروف مرید سعید و شاگرد رشید حضرت معروف چشتی جونپوریؒ کی درسگاہ میں حاضر ہوئے۔

مولوی رحمٰن علی لکھتے ہیں :-

"شیخ نظام الدین امیٹھویؒ نے ابتدائی دور میں علوم مروجہ کی تحصیل شیخ معروف چشتی جونپوریؒ کی خدمت اقدس میں فرمائی جوکہ شارح کافیہ مولانا الہدادؒ کے مرید تھے۔

علم دین کی تکمیل وقت کے باکمال استاذ سے فرمائی۔ شیخ معروف چشتیؒ ایک محقق عالم دین شیخ وقت تھے، صاحب تقویٰ اور صاحب ریاضت تھے اور شاگرد اُستاذ کا آئینہ ہوتا ہے، لہٰذا حضرت شیخ امیٹھویؒ کے اندر یہ اثرات

نمایاں طور پر ظہور پذیر ہوئے کہ حصولِ علم کے ساتھ حالات و کیفیات میں بھی تبدیلی پیدا ہونے لگی۔ (چراغوں کی روشنی ص۴۷)

ذوقِ تصوّف جیسا کہ تذکرہ نگار نے بیان کیا ہے کہ :۔

شیخ نظام الدین امیٹھویؒ چونکہ بلند طبیعت تھے اس لئے نگاہ تو کتابوں کے اوراق پر ہوتی، لیکن دل حق جل مجدہ کی طرف لگا رہتا۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ کو طے کرنا اور جذب محبت دونوں آپ میں جمع ہو گئے تھے برین بنا ر پابندئ ذکر اور باطنی اشغال سے غافل نہیں تھے۔

گویا کہ شیخ امیٹھوی رحؒ کا یہ عمل زمانۂ طلبِ علم ہی سے جاری تھا۔ ایک طرف تو آپ علوم و معارفِ الٰہیہ کے بحر ناپیدا کنار سے مستفیض ہو رہے تھے اور دوسری طرف تصفیۂ قلب جیسے اہم کام کو بھی ذکر الٰہی سے انجام دے رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاضت و مجاہدہ نے آپ کو نکھار دیا تھا۔ جذب الٰہی اور سوز محبت نے آپ کو سنوار دیا تھا، عشق و درد کا ایک کیف اور جام توحید کا سرور پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ شیخ کی نگاہِ کیمیا اثر پڑتے ہی آپ خلافت و اجازت سے نواز دیئے گئے۔

مولوی رحمٰن علی رقمطراز ہیں کہ :۔

"آخر کار استاذ محترم حضرت شیخ معروف جونپوری رحؒ کے مرید ہوئے اور شیخ موصوف سے تکمیل کی اجازت اور ارشاد کی خلافت حاصل فرما کر قصبہ امیٹھی میں قناعت کے ساتھ سکونت اختیار فرمائی۔"

امیٹھی میں آپ یکسوئی کے ساتھ یاد الٰہی میں مصروف ہو کر طالبین و

مریدین کی ہدایت و تربیت میں لگ گئے، یہاں رہ کر شیخ نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ آپ کے کمالات کا آئینہ ہیں اور تاریخ کے زریں ابواب ہیں جسے ہم قدرے تفصیل سے انشاء اللہ پیش کریں گے۔ کیونکہ تاریخی اعتبار سے یہ نقوش بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

کمالات و کارنامے

تذکرہ نگار خامہ ریز ہے کہ:۔

شیخ نظام الدین امیٹھوی عبادات و معاملات میں "احیاء العلوم، عوارف المعارف اور رسالہ مکیہ، و آداب المریدین" وغیرہ کتابوں کا اعتبار فرماتے تھے۔ اور اپنے اصول و ضوابط کے سلسلہ میں انہی پر مدار رکھتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے یہاں کے واردین و صادرین، سالکین و مریدین سے معاملات، اصول پسندی اور تعلیم و تربیت وعظ و تذکیر میں ضابطہ کا پورا اہتمام فرماتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ رشد و ہدایت کا منصب عظیم ذمہ داری کا حامل ہوتا ہے جو بغیر اسلامی قواعد و دینی آداب کی رعایت کے انجام نہیں پا سکتا۔ اور بلاشبہ حضرت شیخ اس کے پابند تھے۔ تاریخ میں آپ کا لقب شیخ الاسلام لکھا ہوا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ حضرت امیٹھوی نے اپنی انتھک جد و جہد سے اسلامی تعلیمات کو عام فرمایا۔ جس دور میں آپ نے اصلاح امت اور تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرنا شروع کیا وہ زمانہ مغل فرماں روا سلطان جلال الدین اکبر کا تھا جس نے دین الٰہی کو رواج دیا تھا۔

مفتی انتظام اللہ شہابی کہتے ہیں کہ:۔

"آپ حق گوئی میں شمشیر برہنہ تھے۔ یہ زمانہ اکبر اعظم کا تھا۔ وہ

ملا مبارک اور علامہ ابو الفضل اور فیضی کے ہاتھوں کھیل رہا تھا "دینِ الٰہی" کا غلغلہ بپا تھا، اِس فتنہ سے شیخ الاسلام سخت بیزار تھے، انھوں نے اکبر کے خلاف بے دینی کی آواز اُٹھائی، بلکہ اس حکومت کو حکومتِ اسلامیہ ہی نہیں سمجھتے تھے، حتیٰ کہ خطبہ میں اکبر کا نام تک نہ لیتے تھے۔ ہندوستان کو دار الاسلام تو کجا دار الامن بھی نہ سمجھتے تھے۔

آپ کے زمانہ کا حالِ زار

اور جناب صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اکبری عہد میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محل کے اندر راجپوت تمدن ہی چھا جائے گا۔ محل کے اندر مندر بھی تعمیر تھا، ہنومان جی کے بت بھی رکھے گئے، تلسی پوجا کیلئے پتھر کا ایک تھانولا رکھوا کر اس میں ترسا کا درخت بھی لگوایا گیا، فتح پور سیکری کے محل میں دیواروں پر گنیش جی، کرشن جی اور رام چندر جی وغیرہ کی تصویریں نظر آنے لگیں۔"

اب ظاہر ہے کہ ہر دینی شعور رکھنے والا اور اسلامی ذوق کا حامل انسان سمجھ سکتا ہے کہ آقائے مدینہ تاجدارِ دوعالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی وروحی) کی لائی ہوئی شریعت جب اس طرح سے پائمال کی کی جارہی ہو کہ "صلح کل" کے نام سے جدید طرزِ معاشرت وجود میں لائی جارہی ہو اسلامی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ کر راجپوتانہ تمدن کا پرچار کیا جارہا ہو، توحید خالص کی جگہ مشرکانہ رسوم کو رواج دیا جارہا ہو، دینِ مبین کے

جلال پر دھبہ لگایا جارہا ہو تو علمائے حقانی و اولیائے کاملین حق گوئی کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے بڑی بڑی رعب و جلال والی شاہانہ چٹانوں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام محمد شیبانیؒ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو یوسفؒ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت ابوالحسن خرقانیؒ ان اکابر اور نفوس قدسیہ کی حق گوئی اسلامی تاریخ میں نمایاں ہونے کے ساتھ اہم ابواب کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور اللہ والوں کو قصر شاہی کا جلال و جبروت ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں کر سکا، تو شیخ الاسلام حضرت نظام الدین عثمانی امیٹھویؒ کس طرح حق بات نہ کہتے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں دیوانے تھے۔ اور زندگی کی ہر ادا اللہ تعالےٰ ہی کیلئے تھی۔ چنانچہ انفرادی حیثیت سے آپ سمجھ رہے تھے کہ بادشاہ اسلامی روایات کا علمبردار نہیں ہے "اَلسُّلْطَانُ الْمُسْلِمُ ظِلُّ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ" کا آئینہ دار نہیں ہے، تو اُس کا اکرام کیونکر ہو سکتا ہے۔؟

آپ کی حق گوئی

آپ کے خیالات کی اطلاع اکبر بادشاہ کو ہوئی تو اس نے علامہ ابوالفضل کو امیٹھی روانہ کیا کہ شیخ نظام الدین امیٹھوی کو افہام و تفہیم کرے، مال و دولت کی پیشکش کرے۔ اور اگر نہ راضی ہوں تو نعوذ باللہ قید و قتل کی سبیل پیدا کرے۔ کیونکہ ایک جماعت شیخ کی ہمنوا ہوتی جارہی ہے، کہیں میرے خلاف بغاوت نہ پھیل جائے۔

چنانچہ علامہ ابوالفضل نے امیٹھی میں شیخ سے گفتگو کی اور شاہی جلال

ے یعنی مسلمان بادشاہ زمین میں اللہ کا ظل (سایہ) ہے۔ (مرتب)

اور سلطانی جبروت سے ڈرانا چاہا۔ مگر حضرت شیخ ؒ کا جلال دیکھ کر تو وہ خوفزدہ ہو گیا اور ساری تدبیریں بھول گیا۔ خوشامدانہ شیخ ؒ کے سامنے عرض کرنے لگا۔

حضرت ؒ نے ابو الفضل کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔

"ابو الفضل! دنیا کے پیچھے تم نے اور تمھارے باپ نے عقبیٰ بگاڑ لی اور سیدھے سادے بادشاہ کو گمراہی کی راہ پر لگا بیٹھے۔ بادشاہ کا اثر ملک پر یہ پڑ رہا ہے کہ عوام اسلام سے ہٹتے جا رہے ہیں اور شعائر اسلامی مٹ رہے ہیں۔ اب تو دربار میں نماز بھی ادا نہیں کی جا سکتی۔ یاد رہے کہ اکبر کے جبروت کو استنجا کے ڈھیلے سے زیادہ نہیں سمجھتا ہوں۔ اس نے اپنے اتالیق کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ میں نظر انداز نہیں کر سکتا مگر حق کے اظہار میں اپنے سلسلہ کے شیوخ کا مقلد ہوں۔ موت وقت پر آئے گی، اس کا خوف نہیں۔ جا! اور اپنے بادشاہ کو غلط راستے سے ہٹا۔ اگر مجھے گرفتار کرتا ہے تو میں تیار بیٹھا ہوں۔"

ف: اسی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: افضلُ الجہاد مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) یعنی افضل جہاد اُس شخص کا جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہے۔ (مرتب)

علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں جس حقیقت کو پیش کیا ہے ؎

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی ۔۔۔ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

یقیناً حضرت امیٹھوی ؒ نے اُس پر عمل کر کے دکھا دیا جس کو تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ابو الفضل حضرت ؒ کی تقریر سے کانپ رہا تھا اور فکرمند تھا

کہ آخر کیا کرے؟ چنانچہ عرض کیا کہ حضور، میرے لئے دعائے خیر کریں۔ یہ کہہ کر اکبر آباد روانہ ہوگیا۔ بادشاہ کے پاس پہنچ کر عرض کیا کہ:۔

"شیخ الاسلام اژدہا ہے اُس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ ہر حال میں اس کے پاس جانے والے کا ضرور نقصان ہوتا ہے۔ اگر اس کی نگاہ پڑگئی تو بچنا محال ہے۔ اور اگر اُس کو خود دیکھ لیا تو خود اس طرف کھنچ کر لقمۂ اجل ہوگا۔۔۔۔ بادشاہ! آپ شیخ الاسلام کو اپنی جگہ رہنے دیجئے۔ وہ جو کام کر رہے ہیں ہم میں قوت اور اقتدار نہیں کہ اس کو روک سکیں"۔

اکبر اعظم بھی اثر پذیر ہوا اور کہا کہ شیخ کے پاس مجھ کو لے چل۔ مگر چونکہ اس صورت میں ابو الفضل کا کھیل بگڑتا تھا اس لئے وہاں حاضر ہونے سے بادشاہ کو باز رکھا۔

مولانا انتظام اللہ شہابی مفتی کہتے ہیں کہ:۔

"یہ تھی جلالت شان ایک بوریہ نشین عالم کی کہ باوجودیکہ کئی کئی وقت کے فاقے شیخ الاسلام کو ہو جاتے مگر روزہ پر روزہ رکھنا گوارا، مگر حکومت یا اس کے کارکنان سے اعانت نہیں چاہتے تھے، خود کسب کرتے، جو مل جاتا اس پر گزر اوقات کرتے۔

بیشک خاصانِ خدا کی یہی شان ہوتی ہے۔ جنھیں توکل علی اللہ کی دولت وافر ملی ہوئی ہے اُن کی نگاہ صرف اللہ تعالےٰ پر ہوتی ہے۔ اور وہ ہر کام میں رضائے خداوندی کے طالب رہتے ہیں۔ یہ روشن ضمیر ہوتے ہیں۔ دنیا اور شاہانِ دُنیا کی اُن کے یہاں کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالےٰ

کے پسند کئے ہوئے ہیں۔ بقول شیخ سعدیؒ ؎

ندارند چشم از خلائق پسند   کہ ایشاں پسندیدۂ حق بسند

(یعنی یہ لوگ مخلوق سے پسندیدگی کی امید نہیں رکھتے کیونکہ یہ اللہ کے پسندیدہ ہیں جو کافی وافی ہے)

حضرت شیخ الاسلام امیٹھویؒ اتباعِ سنت میں بھی اونچا مقام رکھتے تھے قدم قدم پر اس بات کا لحاظ کہ کوئی قدم جادۂ شریعت سے ہرگز نہ ہٹے، اور حضور اقدس مدنی تاجدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں سرمو تفاوت نہ ہو دلیل کمال ہے، درحقیقت جامِ شریعت اور سندانِ عشق کی جامعیت ہی کا نام تصوف اور طریقت ہے۔ چنانچہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بقول مولانا انتظام اللہ شہابی کے کہ شیخ الاسلام (حضرت نظام الدین امیٹھویؒ) نے حضرت مخدوم شیخ آدم نبیرۂ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی دُخترِ نیک اختر سے عقدِ نکاح کو پاہئو میں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کا جو کام آپ سے لیا اس میں شیخؒ نے حق کی آواز کو جھونپڑی سے لے کر شاہی ایوان تک پہنچایا۔ بوریہ پر بیٹھ کر جو ہیبت و جلال شیخ کا تھا وہ اللہ کی یاد اور اُس کے خوف ہی کی بدولت تھا، جس سے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں ہی کو نوازتے ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی یہ نسبت مع اللہ اور ہیبت نصیب فرمائے۔ آمین! (مرتب)

وِصَال الی الحق

ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ آپ نے ۹۷۹ھ میں وصال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔ نوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ وَرَحِمَهُ اللّٰهُ

(چراغوں کی روشنی ص ۳۹۱)

حضرت شیخ قاسم محدّث سندھی امراوتی المتوفی ۹۸۱ھ

نام ونسب آپ کا نام شیخ قاسم ہے اور شیخ یوسف سندھی کے فرزند ہیں۔ آپ حضرت شیخ طاہر محدّث سندھی اور حضرت شاہ عیسیٰ جنداللہ قدس سرہٗ کے والد بزرگوار ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

شیخ قاسم بن شیخ یوسف بن رکن الدین بن شیخ معروف بن شہاب الدین شہابی سہروردی رحؒ۔

ولادت وتعلیم آپ کے آباؤ اجداد سندھ (پاکستان) کے قصبہ پات کے رہنے والے تھے اور انہی کی برکت سے قصبہ آباد ہوا اور وہیں آپ بھی پیدا ہوئے۔ آپ نے تمام تعلیم اپنے بزرگوں کے زیر عاطفت حاصل کی اور فقہ وحدیث میں کامل اور دیگر علوم وفنون میں فاضل ہوئے۔

بیعت وخلافت آپ نے حضرت شیخ بہاؤالدین رحؒ کے ہاتھ پر بیعت کی جو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے، کچھ عرصہ بعد خرقۂ خلافت حاصل کرکے سلسلہ سہروردیہ میں منسلک ہوگئے۔

وطن سے روانگی جب ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھاکر صوبہ سندھ میں ۹۴۹ھ مطابق ۱۵۴۲ء میں پہنچا تو اُس وقت تمام ملک میں نہایت بدامنی اور ابتری پھیلی۔ ہزاروں لوگ وطن چھوڑ چھوڑ کر جانے لگے، تو اُسوقت آپ کے برادر بزرگ حضرت شیخ طاہر محدّث اور خاندان کے دیگر لوگوں اور رشتہ داروں نے وطن کو خیرباد کہا۔ تو آپ بھی ان کے ہمراہ روانہ ہوکر احمد آباد آئے

اور موسم برسات ہونے کے باعث وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اُس وقت وہاں حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری قدس سرہ تشریف رکھتے تھے۔ آپ بھی اپنے برادر بزرگ کے ہمراہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر حضرت شیخ طاہر محدث حضرت غوثؒ کی گفتگو سے ملول ہو کر واپس آ گئے اور ان کے ہمراہ برار کی طرف روانہ ہو گئے

ایلچ پور سکونت

اس وقت برار کا دار السلطنت ایلچ پور (اچل پور) تھا اور تفال خاں یہاں کی عماد شاہیہ سلطنت کا حکمران تھا، اس کو جب آپ کے برادر بزرگ اور دیگر بزرگوں کی آمد کا حال معلوم ہوا تو نہایت احترام سے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اُس کے خلوص کے باعث اہل قبیلہ کے سب لوگ وہیں مقیم ہو گئے، اور آخر عمر تک یہیں رہے۔

صاحبِ تصنیف

آپ صاحبِ علم و فضل اور محدث بے بدل تھے آپ نے علم حدیث اور تصوف میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں، لیکن آپ کی کسی کتاب کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ آپ زیادہ وقت علوم کے درس میں صرف کرتے اور باقی اوقات میں تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھتے۔

صاحبِ توکل و رضا

آپ نہایت متقی اور متوکل تھے۔ حضرت مسیح الاولیاء سے روایت ہے کہ ایک روز میری والدہ مع اپنے فرزندوں کے میرے عم مکرم حضرت طاہر شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جو دو تین گلی کے فاصلہ پر رہتے تھے جانے لگیں تو پدر بزرگوار بھی ہمراہ ہو گئے میں نے چاہا کہ مکان کو مقفل کر دوں، لیکن والد راضی نہ ہوئے، اور فرمایا کہ اہل حقیقت کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہم سب مکان کو تالا لگائے بغیر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ واپسی پر مکان میں ہر چیز کو اپنی جگہ پر پایا۔

آپ کے فرزند مسیح الاولیاء سے روایت ہے کہ جب شہنشاہ اکبر نے شاہان فاروقیہ کے آخری مقام قلعہ آسیر کو ۱۰۰۹ھ میں فتح کرکے خاندیس کو اپنے تصرف میں لے لیا تو بہادر شاہ کو اپنے ہمراہ آگرہ لے گیا اور تقدیر کے لکھے کے مطابق مجھ کو بھی آگرہ لے گئے۔ اور ایک عرصہ تک وہیں رکھا، باوجود کوشش و تدبیر کے رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اُسی زمانہ میں ایک روز میں نے والد بزرگوار کو خواب میں دیکھا، اُنھوں نے مجھ کو مخاطب کرکے سندھی زبان میں ایک بیت پڑھی، جس کا مضمون یہ تھا:-

"اے فرزند! تو نے ابھی تک لفظ "لا" درمیان سے نہیں اُٹھایا

اور ہنوز خود پنداری میں مبتلا ہے"

جب میں بیدار ہوا تو اس اشارے سے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنی رہائی کے لئے تدبیر سوچنا، اس سے مطلب فنار کا حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسا کرنا دراصل خود کو تسلیم و رضار کے مرتبہ سے شکوہ اور شرک کی پستی میں ڈالنا ہے۔ اسلئے یہ طریقہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس خیال کی بنیاد پر مختلف قسم کے خیالات کو دل سے دور کیا۔ پس دل میں ایک آسودگی حاصل ہوئی، اور ایک ہفتہ سے کم مدت میں رہائی ہوئی اور وطن آنے کی اجازت مل گئی۔ بیشک یہ سچ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو غیر سے مدد چاہی تو یہ استمداد اُنھیں چند سال تک قید خانہ میں رکھنے کا باعث ہوئی۔

عادات و اخلاق آپ توحید یزدانی اور خدا شناسی میں کامل تھے۔ آپ کی دلآویز گفتار اور پسندیدہ کردار سے اخیار و ابرار کی علامتیں ظاہر تھیں۔ آپ کا مشرب صوفیانہ تھا۔

وفات آپ کا انتقال ۵ محرم ۱۰۹۸ھ کو (ایلچ پور) اچل پور ضلع امراوتی، مہاراشٹر میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کے فرزند حضرت مسیح الاولیاء نے آپ کا مزار بنوایا۔ نور اللہ مرقدہٗ (تاریخ اولیاء کرام برار صفحہ ۲۲۷ تہود)

حضرت شیخ الاتقیاء حسن بن احمد رحمۃ اللہ علیہ احمد آباد المتوفی ۹۸۲ھ

نام ونسب نام شیخ حسن، والد کا نام شیخ احمد تھا جو میانجیو کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام بی بی خدیجہ تھا جو حافظ قرآن تھیں۔

بیعت وخلافت آپ اپنے چچا شیخ جمال الدین جمن کے مرید وخلیفہ ہیں۔ اور والد گرامی سے بھی خلافت رکھتے ہیں۔ "فخر الاولیاء" میں آپ کی خلافت کے حالات اس طرح لکھے ہیں کہ: آپ نے اپنے والد گرامی شیخ میاں جیو سے چھ سال کی عمر میں خلافت پائی۔ اور بارہ سال کی عمر میں شیخ جمال الدین جمن رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ سولہ یا سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے۔ جب اٹھارہ سال کی عمر کے ہوئے تو ان کے چچا و مرشد شیخ جمن رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا، اور ان کے سجادہ پر بیٹھے۔ اکتالیس سال مسند ارشاد پر جلوہ افروز رہے۔ یعنی ستائیس سال اپنے والد صاحب کی زندگی میں اور چودہ سال اپنے والد کی وفات کے بعد۔

معمولات اولاً نماز صبح کی فرض پڑھنے کے بعد سے بلا فصل دوپہر تک تلاوت اور درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے بعد خانقاہ کے درویشوں کے ساتھ کسی قدر کھانا تناول فرماتے تھے۔ قیلولہ کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اس کے بعد وعظ ونصیحت کی مجلس شروع ہو جاتی جو عصر تک جاری رہتی تھی عصر کے بعد درود ووظائف میں مشغول رہتے، پھر نماز مغرب ادا فرماتے، اس کے بعد

ذکر بالجہر شروع کرکے عشاء تک اس میں مشغول رہتے۔ پھر نماز عشاء ادا کرکے حجرہ کے اندر چلے جاتے۔ نماز کمال عجز و نیاز کے ساتھ ادا کرتے۔ رات میں تنہا بیدار رہتے تھے، جب صبح کی سفیدی نمودار ہو جاتی تو پھر وہی معمول از سر نو شروع کر دیتے تھے۔

ف: سبحان اللہ، یہ تھی مداومت علی الاعمال جو بزرگی کی خاص علامت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتّب)

فضل و کمال

"مرأت احمدی" میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ صاحبِ فضل و کمال تھے۔ آپ علمِ ظاہر و باطن میں یگانۂ روزگار اور صاحبِ ورع و تقویٰ تھے۔ اور ماضی، حال و مستقبل کے غیب کی خبریں کشف و الہام کے ذریعہ آپ بتایا کرتے تھے۔ آپ کا شمار مادرزاد ولیوں اور بزرگوں میں تھا۔ اور بچپن ہی سے لوگ آپ کے معتقد تھے۔ باطنی دولت کے ساتھ ساتھ آپ ظاہری ثروت کے بھی مالک تھے، لیکن دولت میں سے درویشوں پر خوب خرچ کرتے تھے۔

ف: ان بزرگوں کی دولت دوستوں ہی کے لئے ہوتی ہے، خوب جود و سخا کرتے ہیں ؎ اگر دارد برائے دوست دارد، کے مصداق ہوتے ہیں (مرتب)

آپ نے اندرون شہر شاہ پور دروازہ کے متصل جامع مسجد تعمیر کروائی جو ایک لاکھ روپئے کے خرچہ سے آٹھ نو سال میں مکمل ہوئی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

وصال

"مجالس چشتیہ" میں آپ کے بیٹے شیخ محمد نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات ۲۸ ذیقعدہ ۹۸۲ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۵۷۵ء بروز ہفتہ ہوئی۔ اور تدفین احمد آباد محلہ شاہ پور میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ و نور اللہ مرقدہ (مشائخ احمد آباد ص ۱۴۴/۲)

حضرت شاہ عبد الجلیل احمد آبادیؒ المتوفی ۹۸۳ھ

ولادت آپ شاہ غیاث الدین ثانیؒ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت احمد آباد میں ہوئی۔

فضل وکمال آپ نے علم باطنی وظاہری اپنے والد ماجد سے حاصل کیا، اور رُتبۂ خلافت کو پہنچے۔ اور خلق کی تعلیم میں مشغول ہوئے آپ کو باطنی حسن وکمال کے ساتھ ساتھ حسن یوسفی بھی عطا کیا گیا تھا، جس کی بنا پر بہت سے اُمرا نے آپ سے رشتہ مصاہرت قائم کرنا چاہا۔ مگر یہ شرف آپ کی طرف سے سید یحییٰ بن سید خوندمیر چشتی کے مقدر تھا، اور ان کی صاحبزادی مسمّاۃ عائشہ کو آپ نے اپنے عقد نکاح میں قبول فرمایا۔ آپ صائم الدہر تھے اور زیادہ تر وقت یادِ الٰہی میں گزارتے تھے۔ سنت نبویہ علی صاحبہا الف تحیۃ والسلام آپ کا خصوصی شعار تھا۔ دنیا کے مال و دولت سے نفور تھے۔

کرامت ایک مرتبہ کسی نے ایک ڈبیہ پیش کی، کہ اس میں ایک ایسی چیز بطور ہدیہ ہے جو ہر چیز کی کیمیا گر اور سونا بنا دینے والی ہے، آپ نے فرمایا، اللہ کا شکر ہے کہ میرے جسم سے جو چیز مس ہو وہ سونا بن سکتا ہے۔ یہ فرما کر لوہا اُٹھا کر دیا جو سونا بن گیا تھا۔

وفات ۹۸۳ھ مطابق ۱۵۷۵ء میں پیغام اجل آگیا اور احمد آباد میں آسودۂ لحد ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(مشائخ احمد آباد ص ۱۵۶/۲)

حضرت مولانا محمد طاہر پٹنی گجراتی صاحبِ مجمع البحار المتوفی ۹۸۶ھ

نام ولنسب نام محمد، والد کا نام طاہر، لقب جمال الدین یا مجد الدین، دادا کا نام علی ہے۔

ولادت آپ کی ولادت ۹۱۳ھ میں پٹن عہ میں ہوئی۔ لیکن شیخ کے پوتے عبدالوہاب نے ۹۱۴ھ لکھا ہے

تعارف آپ نسباً صدیقی تھے۔ اور آپ کے آباء واجداد کا تعلق عرب سے تھا۔ آپ کے سلسلۂ نسب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھے۔ لیکن آپ کے متعلق ہندنژاد اور بوہرہ قوم کا فرد خیال کیا جاتا ہے۔ (تذکرۃ المحدثین ص۱۲۵/۳)

جیساکہ آپ کے بارے میں شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رح یوں لکھتے ہیں :۔

آپ صوبہ گجرات کے شہر پٹن کے باشندہ ہیں اور قومیت کے لحاظ سے بوہرے تھے جو اس اطراف میں آباد تھے۔ اللہ تعالٰے نے ان کو علم وفضل عنایت فرمایا، اور حرمین شریفین تشریف لے گئے، اُس دیار پاک کے علماء ومشائخ سے ملے اور علم حدیث کی تحصیل وتکمیل فرمائی اور (خاص طور سے) حضرت شیخ علی متقی رح کی صحبت میں رہے اور ان سے مرید ہوئے، پھر ان کے

عہ پٹن، یہ گجرات کا قدیم دار الخلافت تھا اور اسکو نہر والہ بھی کہا جاتا تھا۔ شیخ کے زمانہ میں ہندوستان میں چھ بڑے اسلامی مراکز تھے۔ (۱) دہلی (۲) پنجاب (۳) پورب۔ جونپور، الآباد، لکھنؤ (۴) گجرات (۵) سندھ (۶) برہان پور۔ (تذکرۃ المحدثین)

فیض وبرکت سے بہرہ ور ہوکر وطن تشریف لائے اور بعض بدعات جو ان کی قوم میں رائج تھیں ان کو دور فرمایا۔ اور اہل سُنّت واہل بدعت کے درمیان تمیز وفرق کو واضح فرمایا۔

اُن کی علم حدیث میں متعدد تالیفات ہیں، انہیں سے "مجمع البحار" نامی ایک کتاب ہے جو لغات صحاح ستہ کی شرح کیلئے کافی ہے اور دوسرا رسالہ جو نہایت مختصر اور مفید ہے مسمّٰی بہ "مُغنی" ہے۔ جس میں اسمائے رجال کی تصحیح فرمائی ہے۔ مگر ان کے احوال سے تعرض نہیں فرمایا ہے۔

وہ اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق طلبہ کی امداد کے لئے سیاہی بناتے رہتے تھے اور درس کے وقت بھی اس کے حل کرنے میں مشغول رہتے تھے، تاکہ ہاتھ بھی کام میں لگا رہے۔

آپ نے بدعات اور اہل بدعات کے ازالہ میں ذرا کوتاہی نہ فرمائی۔

(اخبار الاخیار ص۲۵۶)

گجرات میں سب سے زیادہ شہرت شیخ محمد بن طاہر پٹنی رح اور علامہ وجیہ الدین گجراتی رح نے پائی۔

تحصیل علم

آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی پائی۔ اور کمسنی ہی میں آپ نے حفظ قرآن مکمل کرلیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے دوسرے علوم وفنون کے حصول کی طرف توجہ کی۔ اور آپ نے حصولِ علم میں بہت زیادہ محنت وسعی کی اور پندرہ سال کی عمر میں ہی معقول ومنقول اور اصول وفروع میں اس درجہ کمال حاصل کرلیا کہ اپنے دَور کے سب سے بڑے فاضل وکامل شمار کئے جانے لگے۔ اور اسی زمانہ میں آپ درس وتدریس کے کام بھی

انجام دینے لگے تھے۔ آپ نے اپنے وطن میں تعلیم مکمل کرنے اور کتب متداولہ سے فراغت کے بعد حرمین شریفین کا سفر کیا۔ اور وہاں مندرجہ ذیل بزرگوں سے فن حدیث کی تحصیل کی: شیخ ابوالحسن بکری رح، علامہ احمد بن حجر ہیثمی رح شیخ احمد بن حجر مصری مکی رح صاحب صواعق محرقہ، شیخ علی بن عراق وغیرہ مکہ مکرمہ ہی میں شیخ اجل علی متقی ہندی رح کی بارگاہِ فضل وکمال میں بھی انکی رسائی ہوئی، اور اُن سے خاص طور پر استفادہ کیا۔ اپنی کتاب "مجمع بحار الانوار" کی ابتدا میں ان کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا ہے۔ اور یہ تعلق اور عقیدت اِس قدر بڑھی کہ ان سے بیعت بھی ہوئے۔

سفر حرمین و حج بیت اللہ

آپ کا یہ سفر ۹۴۴ھ میں ہوا، جبکہ آپ کی عمر اُسوقت تیس ۳۰ یا اکتیس ۳۱ برس تھی۔ آپ پہلے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوکر روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور پھر وہاں سے واپس آکر مکہ مکرمہ میں علماء و مشائخ سے استفادہ کیلئے مدتوں قیام فرمایا۔

ذہانت

آپ نہایت ذہین وفطین تھے۔ اِسی وجہ سے آپ کو تحصیل علم میں ابتلاء اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ تحصیل علم کے زمانہ میں آپ کو طلبہ کی جانب سے سخت صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ آپ جس مدرسہ میں جاتے وہاں کے طلبہ اور ہمعصر لوگ آپ کو دق اور تنگ کرتے۔ یہ لوگ شیخ سے مباحثہ کی تاب نہ لانے کی وجہ سے آپ سے جلتے اور رشک وحسد کرتے اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے کی فکر میں لگے رہتے۔ یہاں تک کہ بعض اساتذہ کا برتاؤ بھی آپ کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ اِس ناگوار و نامناسب

حالات کی بنا پر آپ نے اُسی زمانہ میں یہ عزم مصمم کر لیا تھا کہ اگر اللہ تعالےٰ نے مجھ کو علم سے بہرہ ور کیا اور درس و تدریس کے لائق بنایا تو میں رضائے الٰہی کے لئے علم کی اشاعت کروں گا اور تعلیم دینے میں کسی طرح کا بھی بخل نہ کرونگا طالبعلموں کی عزت کروں گا اور اُن کے ساتھ لطف و شفقت کا برتاؤ کرونگا کسی کو علم سے محروم نہ رکھوں گا، بلکہ بہتے ہوئے چشمہ کیطرح ہر شخص کو فیضیاب ہونے کا موقع دونگا

ف: عالم ربانی کا یہی حال و جذبہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق مرحمت فرمائے۔ (مرتب)

طلبہ کا خیال اسی وجہ سے جب آپ درس و تدریس کے منصب پر فائز ہوئے تو آپ کو اپنے کئے ہوئے عہدوں کی تکمیل کا موقع ہاتھ آیا۔ اور آپ نے افادہ کے سلسلہ میں کسی بھی طالب علم کے ساتھ کبھی بھی بخل سے کام نہ کیا۔ بلکہ فیاضانہ سلوک کیا۔ جس کی وجہ سے آپ کے یہاں علم کے شائق لوگوں کا اژدحام رہتا تھا، اور بے شمار طلبہ آپ کے علم کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے تھے اور آپ طلبہ کے وظائف پر بھی خرچ کرتے تھے اور اس میں ذرا بھی بخل سے کام نہ لیتے تھے۔ آپ کو اپنے والد سے وراثت میں کافی مال و دولت ملی تھی، جس کو آپ نے تحصیل علم میں مشغول طلبہ پر خرچ کر دیا تھا۔

ف: علم دین کی تعلیم و اشاعت میں ہر قسم کے جود و سخا کی اللہ تعالےٰ کے نزدیک بہت قدر و منزلت ہے۔ اسی طرح طلبہ و علماء کی قدر و منزلت کرنا سعادت کی بات ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (مرتب)

آپ کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے تحصیل علم کے لئے آنے والے طلبہ سے ان کے حالات دریافت کرتے، اگر وہ مالدار ہوتا تو آپ اس کو تاکید فرماتے کہ محنت و لگن کے ساتھ تحصیل علم میں مشغول رہو۔ اور اگر اسکی مالی حالت

اچھی نہ ہوتی تو اُس سے آپ فرماتے کہ تم معاش کی طرف سے بے فکر رہو، اور حصولِ علم میں پوری طرح مشغول ہو جاؤ، میں تمھاری اور تمھارے متعلقین کی پوری کفالت کروں گا، تاکہ تم سرگرمی اور انہماک کے ساتھ علم حاصل کرسکو۔ اور آپ اُس کے لئے باقاعدہ وظیفہ مقرر کر دیتے تھے۔ اسکی وجہ سے طلبہ کی ایک کافی بڑی جماعت فراغت اور بے فکری کے ساتھ علم حاصل کرتی اور مختلف علوم وفنون میں ماہر ہوکر نکلتی۔

آپ طلبہ کی کفالت کے ساتھ ساتھ روشنائی بھی بناتے، تاکہ طلبہ کو اس میں بھی کسی قسم کی دُشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اور آپ نے یہ کام اپنے اُستاذ شیخ علی متقی رح کے حکم دینے کی وجہ سے اپنے ذمہ لیا تھا۔ اسی وجہ سے دورانِ تعلیم بھی روشنائی کے بنانے کا سلسلہ جاری رکھتے، اور جب تیار ہو جاتی تو اس کو طلبہ میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

ف: یہ سب خلوص وجذبۂ دینی کی بنا پر تھا، جو اس زمانہ میں عوام وخواص سبھی سے عنقا ہو رہا ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ تعالیٰ۔ عربی تعلیم کی ترقی وافزونی اور عربی طلبہ کے لئے یُسر وآسانی کا خیال تو بہت نادر ہے۔ (مرتب)

قیامِ مدرسہ آپ سفرِ حجاز سے واپسی کے بعد اپنے وطن نہروالہ (پٹن) میں پوری طرح درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ اور ساتھ ہی تصنیف وتالیف کا کام بھی انجام دینے لگے۔ اور اپنے وطن نہروالہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، اس کا نام کنزِ مرغوب ہے۔ اُس میں ہر قسم کے علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور اس مدرسہ کی شہرت علمِ حدیث کی تعلیم کے لئے زیادہ تھی، اور آپ اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے۔ اور آپ کے بعد اس مدرسہ کا انتظام آپ کے صاحبزادے اور انکے بعد

آپ کے پوتے کے زیر اہتمام رہا۔ اور ایک عرصہ دراز تک یہ مدرسہ چلتا رہا۔ اور جب عالمگیر کے زمانہ میں نئے مدرسہ کا قیام وجود میں آیا تو یہ مدرسہ اُسی میں ضم ہوگیا۔

ف: الحمد للہ، اس مدرسہ میں متعدد بار حاضر ہوا ہوں۔ (مرتب)

آپ کے درس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب آپ کے استاذ شیخ متھ کا انتقال ہوا (وہ لاولد تھے) تو ان کی جانشینی کا مسئلہ درپیش ہوا۔ اُسوقت لوگوں کا اس سلسلہ میں کسی خاص شاگرد پر اتفاق نہ ہوتا تھا۔ بالآخر لوگوں نے طے کیا کہ اُنکی جگہ پر مصلیٰ خالی چھوڑ دیا جائے، اور پھر جس کی طبیعت مائل ہو، وہ آگے بڑھ کر نماز پڑھاوے۔ چنانچہ اُس وقت شیخ محمد بن طاہر بھی موجود تھے، بغیر کسی اشارہ کے وہ خود آگے بڑھ کر مصلے پر کھڑے ہوگئے۔ اس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ اُنہی کو اُستاذ کا جانشین بنانا اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔ اِسی وجہ سے کسی اور شاگرد کو قدم آگے بڑھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

علم حدیث میں آپ کا مرتبہ

آپ مروجہ علوم میں بھی کافی حد تک مہارت رکھتے تھے۔ جیسا کہ اُسوقت کے علماء نے آپ کے بارے میں یہ تسلیم کیا ہے کہ آپ مختلف علوم وفنون میں کافی ماہر وفائق تھے۔ لیکن آپ علوم حدیث میں خاصکر بہت ہی زیادہ ممتاز بلند پایہ اور اس فن کے امام تھے۔ آپ نے تمام علوم کے مقابلہ میں علم حدیث میں پورے طور پر تکمیل کی۔ اور اُسوقت صوبہ گجرات میں آپ کے پایہ کا کوئی محدث نہ تھا۔ اور اُس وقت کے تمام علماء و فضلاء آپ کے علم کے معترف تھے۔ آپ نے علم حدیث میں بے نظیر کمال حاصل کیا تھا اور اپنی زندگی اس مفید

اور بابرکت علم کی خدمت کے لئے وقف کردی تھی۔ آپ کا شمار ہندوستان کے اکابر علماء اور افاضل محدثین میں ہوتا ہے۔ اور آپ کو رئیس المحدثین اور ملک المحدثین کے لقب سے نوازا گیا۔ اور آپ کے علم حدیث کی شہرت ہندوستان سے نکل کر بیرون ہند میں پہنچ چکی تھی۔

آپ علم حدیث کے ساتھ ساتھ لغت اور عربی زبان میں بھی بہت مہارت رکھتے تھے۔ اسی لئے آپ لغوی بھی کہلاتے تھے۔ آپ نے صرف احادیث کی شرح و توضیح اور اس کی علمی خدمت ہی نہیں انجام دی، بلکہ حدیث وسنت کی خدمت کے ساتھ اس کے فروغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ اور اس کی اشاعت کے ساتھ ساتھ بدعات و خرافات کا قلع قمع کرنے کے لئے مستعد وسرگرم رہتے تھے۔ اپنی قوم کی اصلاح اور اسے بدعات کی آلودگی سے پاک کرنے کے لئے اور جادۂ سنت پر استوار رکھنے کے لئے انھوں نے مہم چلائی تھی اور اسی میں ان کی جان بھی چلی گئی۔

فیاضی وسخاوت آپ کو اپنے والد سے ورثہ میں کافی مقدار میں دولت ملی تھی، لیکن آپ ان رقوم کو اپنے اوپر خرچ کرنے کے بجائے طلبہ کی امداد واعانت میں صرف کرتے اور خود فقر و فاقہ سے گزر اوقات کرتے۔ اور آپ مخلوق کے ساتھ داد و دہش میں بخل سے کام نہ لیتے تھے۔

صلاح وتقویٰ آپ پوری طرح صلاح و تقویٰ کے زیور سے آراستہ تھے جیسا کہ مورخین نے آپ کے ورع و صلاح اور آپ کے دینی حیثیت سے بلند پایہ ہونے کے ثبوت میں آپ کا خواب نقل کیا ہے:۔

بشارتِ نبویؐ آپ نے جمعہ ۲۷ رمضان کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم

کو دیکھا اور آپ سے دریافت کیا کہ اس زمانہ میں سب سے افضل کون ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا شیخ علی متقی، آپ نے پھر دریافت کیا کہ پھر کون افضل ہے آپؐ نے فرمایا، محمد بن طاہر ہندی۔

اُسی رات شیخ علی متقی رحؒ کے شاگرد شیخ عبدالوہابؒ نے بھی یہی خواب دیکھا، تو وہ اپنے شیخ علی متقی رحؒ کی خدمت میں آئے، تو ان کے شیخ نے ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرمایا کہ جو خواب میں نے دیکھا ہے وہی خواب تم نے بھی دیکھا ہے۔

دینی حمیّت اور ایمانی غیرت

شیخ محمد بن طاہرؒ میں دینی حمیت اور ایمانی غیرت بھی بہت تھی۔ سنت کا اتباع اور اس کی ترویج، اور ردّ بدعت ان کی زندگی کا مقصد تھا آپ کے پوتے شیخ عبدالوہابؒ لکھتے ہیں:۔

حضرت شیخ رحؒ شرعی احکام اور حدود دین کو قائم رکھنے میں اپنی ہمت صرف فرماتے تھے۔ کسی حاکم وقت یا طاقتور امیر کا خوف نہ کرتے تھے، وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے محبت اور خالص اللہ کے لئے عداوت کے قائل تھے۔ اسی بنا پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اختیار کرنے والے سے دوستی اور بدعتیوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ (تذکرۃ المحدثین ص۱۲۸)

تصانیف

مشفقی المکرم حضرت مولانا عبدالقادر صاحب پٹنی زید مجدہ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے آپ کی تصانیف کی تعداد تینتیس ۳۳ شمار کرائی ہے۔ جن میں سے چند مشہور تصانیف یہ ہیں:۔

(۱) مجمع بحار الانوار (۲) منہاج السالکین[ع] (۳) المغنی (۴) تذکرۃ الموضوعات وغیرہ۔

ع راہ سلوک میں سالکین کو جن احادیث کی ضرورت ہوتی ہے انھیں اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ (مرتب)

اس کے بعد یوں رقمطراز ہیں :-

حضرت علامہ کی تصانیف پر ایک نظر ہی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ نے صرف اپنے مخصوص فن حدیث اور ان کے فروغ ہی میں تصانیف کا کام نہیں انجام دیا، بلکہ صرف، منطق، سیرت، تاریخ، فقہ، تفسیر اور اپنے زمانہ کے لوگوں کی اصلاح حال کیلئے بھی "منہاج المساکین، عدۃ المتعبدین" جیسی کتابیں تالیف فرمائیں۔ بلکہ امت کے ہر طبقہ کو اسطرف متوجہ کیا اور "نصیحۃ الولاۃ والرعیۃ" نامی مستقل رسالہ لکھا۔

یہ تو تصانیف کا معاملہ ہے جس کا فائدہ تادیر باقی رہتا ہے۔ ورنہ جہاد باللسان میں بھی مولانا نے ہمیشہ اصحاب عزیمت کی طرح اپنے کو پیش پیش رکھا، چنانچہ شہادت کا واقعہ دراصل اسی کا نتیجہ ہے، کہ ضرورت سمجھی تو اسی غرض سے بادشاہِ وقت سے ملکر باطل کا قلع قمع کرنے کے لیۓ دہلی کا سفر اختیار کیا۔ راستہ مالوہ (موجودہ اجین کا علاقہ) ہو کر تھا۔ وہیں موضع سارنگپور میں کسی شاگرد کے یہاں قیام پذیر تھے۔ اہل شر نے شب میں اچانک حملہ کر کے شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ انتہی

تاریخ شہادت آپ کی شہادت کا واقعہ ۶ر شوال ۹۸۶ھ کو اجین اور سارنگپور کے درمیان پیش آیا۔ وہاں سے لاش پٹن لائی گئی، اور آبائی قبرستان میں دفن کیۓ گۓ۔ آپ کو مہدوی فرقہ کے لوگوں نے شہید کیا تھا۔ کیونکہ آپ نے ان کے خلاف ایک طرح کا محاذ قائم کر لیا تھا۔ (تذکرۃ المحدثین ص ۱۲۵/۳)

آپ کی قبر پٹن میں زیارتگاہِ عالم ہے۔ الحمد للہ اس حقیر نے ۱۳۹۷ھ میں آپ کے مزار کی زیارت کی ہے۔ (مرتب)

حضرت مولانا شیخ مبارک سندھیؒ برہانپور المتوفی ۹۸۸ھ

نام ونسب

آپ کا نام شیخ مبارک ہے۔ آپ سندھ کے رہنے والے تھے اس لئے شیخ مبارک سندھی سے مشہور ہیں۔

ولادت وتعلیم

آپ کی ولادت ایک قصبہ پاتر صوبہ سندھ (پاکستان) میں ہوئی۔ اس قصبہ کے آباد کرنے میں آپ کے جدامجد اور حضرت شیخ طاہر محدثؒ کے پدر بزرگوار شریک تھے۔ آپ نے اسی قصبہ میں نشوونما پائی۔ اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا مخدوم عباس ابن شیخ جلال سندھیؒ کے سامنے زانوئے ادب تہ کئے، اور تمام علوم رسمی میں تعلیم پاکر عالم وفاضل ہوئے۔ (تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص۲۲۷)

وطن سے روانگی اور احمد آباد میں قیام

سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد وطن سے روانہ ہوئے، قسمت نے آپ کو احمد آباد (گجرات) پہنچا دیا، یہاں چند سال رہ کر طلبہ کے درس وتدریس میں مشغول رہے۔

برہان پور میں آمد

آخر کار پھر سیاحت کا شوق سر میں سمایا اور احمد آباد سے روانہ ہوگئے۔ مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے جب آپ کا گزر برہان پور میں ہوا تو بزرگان دین کا حال سن کر یہاں قیام پذیر ہوگئے اور مسجد تام الملک میں فروکش ہوئے، اور طلبہ کا درس شروع کیا شہر میں آپ کی شہرت ہوئی۔ جب والیٔ برہانپور نے آپ کی فضیلت کا حال سُنا تو

اپنی سلطنت کے ایک مقام چوپڑہ میں آپ کو منصبِ قضا پر مامور کیا، جہاں آپ نے ایک عرصہ تک قاضی کے تمام فرائض نہایت حسن وخوبی سے انجام دیئے۔

ایلچ پور میں طلبی

اس زمانہ میں ملک برار کا حاکم عماد شاہ تھا اور اس کا وزیر اعظم تفاول خاں بہت علم پرور تھا، اس نے آپ کے علم وفضل کا شہرہ سن کر ایلچ پور (جس کو آج کل اچل پور کہتے ہیں) آنے کی درخواست کی، تو آپ نے وزیر اعظم کے التماس کو قبول فرماکر عہدۂ قضا کو خیرباد کہا اور ایلچ پور پہنچے، جہاں تفاول خاں نے نہایت عزت وحرمت کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ تفاول خاں نے مدرسہ عماد شاہیہ قائم کیا تھا جس میں علم فقہ وحدیث، منطق وفلسفہ اور دیگر علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ اس مدرسہ میں آپ کو مدرس مقرر کیا۔ یہ وہی مدرسہ ہے جہاں حضرت شیخ طاہر یوسف سندھیؒ مولانا شیخ محمد طیب سندھی مدرس تھے۔

برہان پور میں دوبارہ آمد وسکونت

وزیر اعظم تفاول خاں کے انتقال کے بعد برار میں جب فتنہ وفساد پھیلا، تو آپ نے وہاں رہنا گوارا نہ کیا۔ اور حضرت شیخ طاہر یوسف محدث کے ہمراہ برہان پور تشریف لائے اور مستقل سکونت اختیار کرکے یہیں کے ہو رہے۔

بیعت وخلافت

برہان پور میں قیام کرنے کے بعد آپ تمام چیزوں سے دل برداشتہ ہوگئے اور حضرت شاہ لشکر محمد عارف قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر شرح قیصری کا مقدمہ پڑھنا شروع کیا۔ اُسی زمانہ میں حضرت شیخ عیسیٰ جند اللہ سندھی نے علوم متداولہ

میں آپ سے درس لیا۔

آخر آپ نے حضرت شیخ لشکر محمد عارف کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعدان سے علوم معرفت حاصل کیا اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔آپ کا سلسلہ شطاریہ اور سہروردیہ تھا۔

عادات واخلاق

آپ عالم و فاضل اور عارف وصوفی کامل تھے، صوم وصلوٰۃ کے نہایت پابند تھے۔ ہدایت وتلقین کا بازار گرم رکھتے تھے جس سے سینکڑوں بہرہ ور ہوتے تھے۔ آپ کی آنکھیں ہمیشہ نم رہتی تھیں۔ آپ کی بیداری اِس قدر بڑھ گئی تھی کہ دن اور رات میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ آپ شیخ لاڑجیو سندھی کی نغمہ پروری سے بہت مسرور ہوتے تھے۔

وفات

آپ کی رحلت بروز جمعہ ۹۸۸ھ میں شہر برہان پور میں ہوئی۔ آپ کا مزار بیرون فصیل برہان پور عادل پورہ میں حضرت شیخ ابراہیم ابن عمر سندھیؒ کے مزار کے قریب ہے۔ نوراللہ مرقدہٗ۔

(تاریخ اولیاءکرام برہان پور ص۲۲۹)

حضرت شیخ مولانا سیف الدین دہلوی المتوفی ۹۹۰ھ

نام ونسب نام سیف الدین، والد کا نام سعد اللہ ہے۔ آپ شہرۂ آفاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح کے والد ہیں۔

خاندانی حالات شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح تحریر فرماتے ہیں:۔

ہمارے جد امجد "آغا محمد ترک بخاری رح" سلطان علاؤالدین کے زمانہ میں بخارا سے دہلی تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ بہت سے ترک جو رشتۂ قرابت وارادت رکھتے تھے وہ بھی آئے اور سلطان عالی شان کی نظر عنایت سے شان وشوکت اور عزت وحرمت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے۔ اور جب ان کی سلطنت زوال پذیر ہوئی اور سلطان قطب الدین اور سلطان محمد تغلق کی حکومت ہوئی تو اس میں بھی مع اپنے باکمال فرزندوں کے عالی مقام رہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ایک سو ایک فرزند ارجمند عطا فرمائے تھے۔ ان کے علاوہ پوتے وغیرہ بھی تھے۔ مگر کچھ ہی دنوں کے بعد اللہ قادر مختار کے حکم سے سب لڑکے سوائے فرزند اکبر معز الدین کے وفات پا گئے۔ جس کی وجہ سے انکی راحت وفراغت مبدل بہ کلفت ومحنت ہو گئی۔ اور امارت و دولت سے دل اُچاٹ اور سرد ہو گیا۔ اس لئے سب سے الگ ہو کر سیاہ لباس پہن کر

ع آپ شہرۂ آفاق محدث شیخ عبد الحق دہلوی رح کے والد ماجد ہیں۔ خود شیخ محدث رح نے اپنے خاندانی حالات اپنی معرکۃ الآراء کتاب "اخبار الاخیار (ص ۵۸۹) میں درج فرمائے ہیں جو نہایت مفید ومؤثر وبصیرت افروز ہیں۔ اس لئے اس کا اقتباس درج کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

شیخ صلاح الدین سہروردیؒ کی خانقاہ میں معتکف ہو گئے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد غیبی اشارہ کے تحت اہل وعیال کی طرف مائل ہوئے اور یہ الہام ہوا کہ اسی ایک صاحبزادے معز الدین سے بکثرت اولاد ہوگی اور تاقیامت اس سے نسل چلتی رہے گی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تنہا ملک معز الدین کو تمام بھائیوں کے عوض میں فضیلتوں اور نعمتوں سے نوازا۔ آخر آپ نے اپنے باصلاحیت بیٹے ملک موسیٰ کو اپنی ظاہری وباطنی دولتوں کو حوالے کر کے س۷۳۹ھ میں دنیا سے رحلت فرمائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ملک موسیٰ بھی ماشاء اللہ مملکت کے بڑے عہدہ دار اور وقت کے رئیس ثابت ہوئے۔ ان کے کئی صاحبزادے تھے، جن میں سے ایک کا نام شیخ فیروز تھا جو میرے والد کے حقیقی دادا تھے جو ظاہری وباطنی کمالات سے آراستہ تھے۔ فن سپہ گری میں طاق تھے۔ چنانچہ س۸۶۰ھ میں کسی معرکہ جہاد میں بہرائچ تشریف لے گئے اور وہیں جام شہادت نوش فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جہاد میں جاتے وقت آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا کہ "میں امید سے ہوں" آپ نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بیٹا ہوگا اور اُس سے بکثرت اولاد ہوگی۔ میں نے تم کو اور اس فرزند کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بیٹا عطا فرمایا جس کا نام سعد اللہ رکھا گیا۔ جو میرے حقیقی دادا تھے۔ بچپن ہی میں آپ کے چہرہ بشرہ سے رشد وہدایت اور ولایت کے آثار نمایاں تھے علم کی دولت حاصل کرنے کے بعد

مصباح العاشقین شیخ محمد منگن کے مرید ہوئے جو اپنے زمانہ کے کاملین میں سے تھے، اُن کی خدمت میں رہ کر خوب ریاضت و مجاہدہ کیا اور خصوصی قربت و قبولیت حاصل کی اور اُن کی جانب سے اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ شیخ سعد اللہ نے جمعہ کے دن ۲۲ ربیع الاول ۹۲۸ھ میں وفات پائی جبکہ میرے والد صاحب کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

تعلیم و تربیت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب ہمارے والد محترم کی وفات کا وقت قریب ہوا تو مجھے نماز تہجد کے وقت بالاخانہ پر لے گئے اور نماز تہجد پڑھ کر مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور کہا اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنے دوسرے لڑکوں کی تربیت کی اور ان کے حقوق ادا کئے لیکن اس کو یتیم بیکس چھوڑے جا رہا ہوں۔ اس کے حقوق میرے ذمّہ تھے مگر اب اس کو تیرے حوالہ کر رہا ہوں۔ تو ہی اس کا محافظ ہے۔ یہ دعا کر کے فوراً ہی کوٹھے سے اُتر آئے۔

چنانچہ دادا صاحب کی وفات کے بعد ہمارے والد محترم نے اپنی ذاتی استعداد و صلاحیت اور اپنے والد ماجد کی دُعا کی برکت سے بہت ترقی فرمائی اور باوجود صغر سنی کے والدہ محترمہ کی خوب ہی خوب خدمت فرمائی نیز باوجود اسباب کے نامساعد ہونے کے تحصیل علم میں مشغول ہو گئے کمال علم وفن سے مشرف ہوئے، جس کی وجہ سے دُنیوی مال و دولت اور زیب و زینت کی تحصیل کے وسائل بھی میسر ہوئے تاہم اسکی طرف قطعاً مائل نہ ہوئے۔

ارشادات فرماتے تھے کہ اُس جماعت سے مجھے حیرت ہے جو مخلوق کے لئے کوئی نیک کام کرتی ہے تاکہ اس کے نزدیک اعتبار و اعتماد

قائم ہو۔ میاں! مخلوق سے کیا کام؟ کام تو دراصل اللہ تعالیٰ سے ہے۔

ف: بزرگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے سیدھے اور سادے الفاظ میں بڑی سے بڑی حقیقت کو آشکارا فرمادیتے ہیں۔ اور اس انداز سے نصیحت فرماتے ہیں کہ وہ قلب میں پیوست و جاگزیں ہو جائے۔ چنانچہ کیا خوب فرمایا کہ" باخلق چہ کاراست، کار باخداست" یعنی مخلوق سے کیا واسطہ، تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اب کون شخص ہے جو اس بات سے متأثر نہ ہو، اور کارہائے نیک میں اپنی نیت کو درست نہ کرے اور اخلاص اختیار نہ کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔ (مرتّب)

فرماتے تھے کہ لذّتِ دنیا کی نوعیت لذّتِ احتلام کی سی ہے کہ ایک لمحہ میں فنا ہو جاتی ہے۔ مگر اس کی کثافت وکدورت باقی رہ جاتی ہے۔

ف: دُنیا کی ردارت و دنائت پر معلوم نہیں کتنی آیات واحادیث ہیں جو ایک مومن کی عبرت ونصیحت کے لئے کافی وافی ہیں۔ تاہم ہمارے اکابر مثالوں سے اُس کی وضاحت فرماتے رہتے ہیں تاکہ اس کی حقیقت بخوبی اور بآسانی ذہن نشین ہو جائے۔ اس میں رسمی شرم وحیا کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ ۔ (یعنی اے اللہ! میں اپنی منی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں) اس پر مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ مضمون کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "منی" کا لفظ استعمال فرمایا، تاکہ مضمون اوقع فی النفس ہو جائے اور اس کی قباحت ذہن نشین ہو جائے۔ (مرتّب)

فرمایا کرتے تھے کہ نوافل و مستحبات وعزائم جن سے اس راہ کے سالکین بہرہ ور ہوتے ہیں وہ مجھے میسر نہیں۔ ہاں فکر، عجز و نیستی، حسرت و ندامت میرے پاس ضرور ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ قبول فرمائے۔

ف : یہ عجز و نیستی، حسرت و ندامت معمولی دولت نہیں۔ اس کی اللہ ربّ العزت کی جناب میں بڑی قدر و قیمت ہے۔

جیسا کہ حضرت سیدنا احمد رفاعی رحؒ فرما رہے ہیں کہ میں نے کوئی مشکل راستہ اور سہل طریقہ نہیں چھوڑا جس کے پردے نہ کھولے ہوں اور لشکر ہمت کے ہاتھوں سے اُس کے بادبان کو نہ اُٹھایا ہو۔ میں نے ہر دروازے سے اللہ کے پاس پہنچنا چاہا، مگر ہر دروازے پر بہت زیادہ ہجوم پایا۔ تو میں ذلت و انکسار کے دروازے پر پہنچا، اُس کو میں نے خالی پایا اور اُسی سے واصل ہو کر اپنے مطلوب کو پالیا۔ اور دوسرے طالب ابھی دروازوں ہی پر کھڑے تھے۔ (البنیان المشید صـ۱۳۶)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ: اے بزرگو! صوفیہ کی جماعتیں آجکل مختلف پارٹیاں بن گئی ہیں، مگر یہ ناچیز احمد تو ذلت و انکسار والوں اور مسکنت و بیقراری والوں کے ساتھ رہے گا ؎

هنيئًا لأرباب النعيم نعيمهم و للعاشق المسكين ما يتجرع

(یعنی دولت والوں کو دولت مبارک ہو۔ رہا عاشق مسکین تو اُسکے نصیب میں تو تلخ گھونٹ ہی ہے۔) (مرتّب)

فرماتے تھے کہ اگر تمھیں اپنے اُستاذ و پیر سے محبت و عقیدت ہے تو اُس کی وجہ سے دوسروں سے جنگ نہ کرو اور تعصب اختیار نہ کرو۔ اس لئے کہ

درحقیقت یہی محبت کا تقاضا ہے۔ اور جس کو محبت نہیں ہوتی وہ آخر کیا کرے (یہی تعصب و تحزب، شر و فساد اور جنگ و جدال کا کام کرتا ہے) فائدہ تو محبت و عقیدت اور ان کی اتباع میں ہے (نہ کہ جنگ میں) لہٰذا اگر تم جنگ کرتے ہو تو وہ پیروں کیلئے نہیں ہے بلکہ اپنے نفس کیلئے ہے۔ (اخبار الاخیار ص۲۸۲)

فرماتے تھے کہ غفلت کے مواقع میں سے ایک کھانے کا موقع بھی ہے مگر زیرک شخص کے لئے یہ عین مشاہدہ ہے۔ یعنی کھانے کی کیفیت اور اسکی لذت میں غور کرے کہ یہ کہاں سے ہے اور کیونکر ہے، اور اس کی کیا حقیقت ہے اور اس کے پانے والے کی کیا حیثیت ہے۔ (اخبار الاخیار ص۲۸۱)

ف: ظاہر ہے کہ جب ان امور میں غور و فکر کرے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت بڑھے گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت کا مشاہدہ ہوگا اور دل میں شکر الٰہی کا داعیہ و جذبہ موجزن ہوگا، جو کلیدِ فوز و کامرانی ہے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ نور کے ٹکڑے ہونا ناممکن ہے۔ اگر ہزار چراغ ایک چراغ سے جلا لئے جائیں تاہم اُس ایک چراغ کے نور میں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اور نہ اُس کا کوئی حصہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگا۔ اسی طرح باری تعالیٰ کی ذات پاک ہے کہ باوجودیکہ ساری چیزوں کا وہی سرچشمہ ہے تاہم وہ اپنے حال اور تجرد اور اطلاق پر ہے (اس کی ذات میں کوئی فرق نہیں آتا)۔

فرماتے تھے کہ میں کام ہی کون سا انجام دیتا ہوں کہ اپنی رعایت وحفاظت کروں۔ میرا تو ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اور خوف وخشیت الٰہی کا اُن پر اس قدر غلبہ تھا کہ وقت کا کم حصہ اِس خیال سے فارغ ہوتا۔

فرماتے تھے کہ مجھے اپنی ذات میں ایک چیز بھی ایسی نظر نہیں آتی جسے

میں "آخرت میں" اپنی دستاویز خیال کروں اور یہ سمجھوں کہ بارگاہِ ربّانی میں کام آوے گی۔ اور روتے تھے۔

ف: یقیناً ہمارا حال تو اس سے کہیں زیادہ بدتر ہے۔ چنانچہ شیخ فریدالدین عطارؒ کا یہ شعر ہم پر صادق ہے ؎

بے گنہ نگزشت بر من ساعتے ‏ ‏ ‏ ‏ با حضور دل نہ کردم طاعتے

(یعنی بغیر گناہ کے ہم پر کوئی گھڑی نہ گزری، اور حضورِ دل کے ساتھ ہم نے کوئی اطاعت نہیں کیا۔)

اس کے ساتھ ساتھ امیدِ رحمت و مغفرت بھی ہے۔ جیسا کہ اِس شعر میں بیان ہے ؎

مغفرت دارد امید از لطفِ تو ‏ ‏ ‏ ‏ زانکہ خود فرمودۂ لَا تَقْنَطُوْا

(یعنی آپ کے لُطف وکرم سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں، اِس لئے کہ آپ نے خود فرمایا ہے لَا تَقْنَطُوْا یعنی اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔) (مرتّب)

فرماتے تھے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور بے نیازی کا خیال آتا ہے تو اپنی طاعتیں اور معرفتیں بیکار سی نظر آنے لگتی ہیں۔ اللہ ہی جانے کہ کیا انجام ہوگا اور آخری مرحلہ کیسے طے ہوگا۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فقیر جب گھر میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا، تو وعید سے متعلق آیات ذرا ہلکی آواز سے پڑھتا۔ اور اگر کبھی اونچی آواز پڑھ دی جاتیں اور اُن کے کانوں تک آواز پہنچ جاتی تو اس قدر گریہ وزاری کرتے کہ بے حال ہوجاتے ـــــ اور اگر وعدہ و رحمت کی آیات اونچی آواز سے تلاوت کی جاتیں تو اُنھیں سن کر فرحت و تازگی محسوس کرتے۔

وفات

وفات کے قریب بعض ایسے اشعار اور کلمات جو عفو و مغفرت کے مضمون پر مشتمل تھے کاغذ پر لکھ کر کفن میں رکھنے کیلئے فرمایا۔ اُن میں سے ایک رباعی یہ ہے ؎

دارم دلکے غمیں بیامرز و مپرس — صد واقعہ در کمیں بیامرز و مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم — اے اکرم الاکرمیں بیامرز و مپرس

ترجمہ: میں مغموم دل والا ہوں۔ مجھے بخش دیجئے اور باز پرس نہ کیجئے، سو حادثے گھات میں ہیں. اس لئے بخش دیجئے اور پوچھ گچھ نہ فرمائیے۔ میرے اعمال کے متعلق اگر پرسش ہوگی تو مجھے شرمندگی ہوگی۔ اس لئے اے اکرم الاکرمین! میری مغفرت فرما دیجئے اور باز پرس نہ فرمائیے۔

اس کے علاوہ دو شعر یہ ہیں: ؎

قدمت علی الکریم بغیر زاد — من الحسنات والقلب السلیم
فحمل الزاد اقبح کل شیء — اذا کان القدوم علی الکریم

ترجمہ: میں ذات کریم کی جناب میں نیکیوں اور قلب سلیم کے توشہ کے بغیر حاضر ہوا ہوں، اس لئے کہ کریم ذات کے دربار میں توشہ کے ساتھ حاضر ہونا بدترین شے ہے۔

ایک دن اس فقیر سے فرمایا کہ بابا! واضح رہے کہ اب ہمیں بالکل رنج و محنت اور کوفت نہیں ہے۔ بلکہ شوق پر شوق اور خوشی پر خوشی ہے اور ہر تکلیف و مرض جو ہمارے جسم میں تھا وہ دور ہو گیا۔ تمھیں دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جلد دنیا سے اُٹھا لے، اس لئے کہ میری ساری عمر کا مقصود حاصل ہو گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ حالت برقرار نہ رہے میں ہمیشہ دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اخیر وقت تک اپنی یاد میں مشغول

رکھئے اور مجھے ذوق وشوق کی حالت میں اُٹھائیے۔ اب اِس مراد کا جمال پوری طرح جلوہ گر ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ اِسی حالت میں اپنی بارگاہ میں بلالے تو یہ اُس کا لطف وکرم ہوگا۔

فرماتے تھے کہ کھانے کی رغبت ہی نہیں تو کیا کھاؤں، علاوہ ازیں اِس سے کوئی فائدہ بھی نظر نہیں آتا۔ کبھی فرماتے کہ میں اِس واسطے بھی نہیں کھاتا کہ کہیں یہ میری بقار کا سبب نہ بن جائے۔ ہماری ہر سانس جو یہاں گزر رہی ہے وہ کلفت سے خالی نہیں، لہٰذا ہماری پوری توجہ دوسری جانب یعنی آخرت کی طرف ہے۔

کوئی شخص گلاب کا پھول لایا تو اُسے سونگھا اور درود شریف پڑھا۔ ایک دن فرمانے لگے کہ کوئی خوش الحان حافظ تمہارا آشنا ہو تو اُس کو بلاؤ تاکہ میں قرآن پاک سُنوں۔ پھر فرمایا کہ تم خود شب و روز میرے سامنے تلاوت کیا کرو، یہی کافی ہے۔

اور جس دن کہ آپ رحلت فرمانے والے تھے، فقیر نے تلقین کی غرض سے جو بحالتِ نزع مسنون ہے، عرض کیا کہ عموماً فقراء اِس وقت پاسِ انفاس میں مشغول ہوتے ہیں، تو آنکھیں کھول کر آہستہ سے فرمایا کہ پاسِ انفاس آج کے دن کام آرہا ہے، جبکہ اعضاء سب بیکار ہوگئے اور سانس لینے کی بھی قوت باقی نہ رہی۔ پھر چند بار قوت اور بلند آواز سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا ذکر فرمایا اور خاموش ہوگئے اور پاسِ انفاس میں مشغول ہوگئے۔ اس کے چند لمحہ بعد رحمتِ حق سے جاملے۔ یہ واقعہ ۲۷ رشعبان ۹۹۰؁ھ میں پیش آیا۔ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً وَّجَزَاہُ عَنَّا خَیْرَ مَاجَزٰی وَالِدًا عَنْ وَلَدِہٖ۔ (اخبار الاخیار ص۲۹۰)

حضرت میاں غیاث الدین بھروچی المتوفی ۹۹۸ھ

تعارف آپ بھروچ (جو کہ گجرات کا مشہور شہر ہے) کے باشندہ تھے اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں آپ کا شمار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد "خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاسَ" کے مصداق ہیں۔ یعنی لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

اخلاق حسنہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جن چیزوں کی لوگوں کو ضرورت پڑا کرتی ہے خواہ سونا چاندی ہو یا غذا و دوا ہو، یا کتابیں ہوں، یا آلات و اسباب سب چیزیں اپنے گھر میں محفوظ رکھتے تھے، جن کے ذریعہ لوگوں کے ساتھ نیکی کا معاملہ فرماتے تھے۔ اور یہ ان کے اعمال میں افضل ترین عمل تھا۔ اسکے علاوہ آپ عالم و عامل و متقی و متبع سنت تھے۔

فضل و کمال حضرت سیدی عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس زمانہ میں افضل النّاس کون ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ "افضل النّاس میاں غیاث ثم شیخک ثم محمد طاھر" یعنی افضل الناس میاں غیاث ہیں، پھر تمہارے شیخ (یعنی علی متقی) پھر محمد طاہر۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

(اخبار الاخیار ص ۵۵۹)

وفات آپ کی وفات ۹۹۸ھ میں ہوئی۔ بھروچ میں چکلا کالا پہاڑ کی املی کے پاس مسجد میں مزار ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(گجرات کی علمی و ادبی شخصیات ص ۵۳۹)

حضرت شیخ زکریا عرف حاجی پیرؒ کچھ۔ گجرات سنہ وفات نامعلوم

مرتبہ عزیزم مولانا اقبال محمد صاحب ٹنکاروی مہتمم دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ

حالات آپ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے خاندان سے ہیں۔ حضرت شیخ زکریا (عرف حاجی پیرؒ) حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے نیک وصالح پوتے تھے۔

حضرتؒ نے بارہ سال کی عمر میں حفظ مکمل کیا۔ پھر اپنے والد محترم کے پاس دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ کا خاندانی کاروبار بھینس پالنے کا تھا۔ حضرتؒ بھینس چرانے جنگل جایا کرتے بھینسیں چرتی رہتیں، اور حضرتؒ یاد الٰہی میں مشغول رہتے۔ حضرتؒ اکثر صائم النہار رہتے تھے۔ یہاں تک کہ سخت گرمی میں بھی روزہ نہ چھوڑتے تھے۔

اخیر میں اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر "نرا" نامی جگہ میں مقیم ہوئے۔ حضرتؒ کی

ے الحمدللہ ابھی مکرم مولانا محمد الیاس صاحب کی دعوت پر عزیزم مولوی عبیداللہ ندوی سلمہ کے ہمراہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ کو بھج، کچھ (گجرات) کا سفر ہوا۔ وہاں مکرم نور محمد صاحب رائمہ، مکرم عبدالجبار صاحب، ڈاکٹر حاجی اسمٰعیل صاحب، مکرم اسمٰعیل صاحب وغیرہم سے ملاقات رہی، بیانات بھی ہوئے، لوگ متاثر ہوئے۔ خوشی کی بات ہے کہ مولانا حکیم الدین صاحب پرتاپ گڈھی سکریٹری جمعیۃ العلماء سے بھی خوب ہی خوب ملاقات رہی۔ انجار میں ناشتہ کی دعوت بھی تھی۔ وہاں کے دینی و علمی اور یتیموں کی خصوصی تربیت کا نظم بھی دیکھا بہت خوشی ہوئی۔ پھر مکرم مولانا آدم صاحب پالنپوری کے مدرسہ ڈسارامین بھی حاضری ہوئی جہاں کافی حضرات وعظ میں شریک ہوئے اور محب مکرم محمد اکبر خاں صاحب کے ہوٹل میں بھی حاضری ہوئی، سب نے اکرام کا معاملہ فرمایا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ مجموعی لحاظ سے سفر نہایت کامیاب رہا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین! اور جملہ حضرات محبین مخلصین کو انکی محبت و ضیافت پر جزائے خیر مرحمت فرمائے اور باشندگان کچھ کو آفات و بلیات سے ہمیشہ محفوظ رکھے آمین! (قمرالزماں)

اَنتھک محنت کے بعد کچھ کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

حضرت حاجی پیرؒ کی کرامات

ایک مرتبہ سخت قحط سالی ہوئی۔ انسان و جانور مرنے لگے۔ سب اہلِ کچھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ حضرت! قحط سالی کی وجہ سے ہم بہت پریشان ہیں اور ہمارے جانور بھی مر رہے ہیں۔ حضرت سب کو لے کر ایک کنویں کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ میرے کجاوہ میں پانی ہے جس کو میں خود پیتا ہوں اور میرے جانور بھی پیتے ہیں، اس کجاوہ کا تھوڑا پانی اس کنویں میں ڈالتا ہوں، اس کے بعد ہم یہاں ایک چھوٹا سا کنواں کھودتے ہیں، یہاں سے ہم پانی نکالیں گے سب کو راحت مل جائے گی۔ اہلِ کچھ کہنے لگے کہ حضرت! ہم سے مذاق نہ کرو۔ کجاوہ کے پانی سے کنواں بھر سکتا نہیں، پھر ہم اِس کنویں سے کیسے پانی نکالیں گے؟

حضرت کہنے لگے، جن کا ایمان اللہ پر ہو اور اعمال اچھے ہوں تو ایسے لوگوں کی دعا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ضرور قبول ہوتی ہے۔ آپ لوگ میری طرح اللہ پر ایمان لے آؤ، سب پریشانی ختم ہو جائے گی۔ اہلِ کچھ نے آپ سے وعدہ کیا۔ حضرت نے اپنے کجاوہ کا پانی اُس کنویں میں ڈال دیا، ڈالتے ہی وہ کنواں بھر گیا۔ سب جانور خوب سیراب ہو گئے۔ اس کے بعد حضرتؒ نے پڑوس میں ایک دوسرا کنواں کھودا، کھودتے ہی پانی نکلنا شروع ہو گیا۔ اُن سب نے حضرتؒ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ حضرت! جو اللہ آپ کی دعا سے زمین سے پانی نکال سکتے ہیں، وہ اللہ آسمان سے بھی پانی برسا سکتے ہیں۔ حضرتؒ سب کو لے کر ایک جگہ پہنچے اور دعا کیلئے ہاتھ اُٹھایا۔ "روضۃ السادات" میں لکھا ہے کہ ہاتھ اُٹھاتے ہی موسلا دھار بارش ہونے لگی۔

"نرا" گاؤں کے چودھری کو لوگوں کا مسلمان بننا پسند نہیں آیا تو وہ خود اپنا بچھڑا لے کر حاضر خدمت ہوا اور کہنے لگا کہ آپ جس خدا کی عبادت کرتے ہیں اگر وہ اس بچھڑے میں سے دودھ نکالدے تو میں آپ کے خدا کو سچا تسلیم کرلوں گا۔

حضرتؒ نے بسم اللہ پڑھ کر اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کے تھن دودھ سے بھر گئے اور ایک آدمی نے دودھ بھی دوہا۔ چودھری حضرتؒ کی کرامت دیکھ کر مخالفت میں کہنے لگا کہ آپ کے جادو کی بنا پر اس نے دودھ دیا، اگر یہ زندگی بھر دودھ دینے لگے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں۔

حضرت نے فرمایا کہ تم اپنے وعدہ سے پھر گئے ہو، ایسے لوگوں کے لئے اللہ کی قدرت دکھانا مناسب نہیں ہے۔ مجھ جیسے فقیر کی مذاق کا بدلہ تمھیں ضرور ملیگا۔

اس کا انجام یہ ہوا کہ کچھ ہی دنوں کے بعد کاٹھیاواڑ کے مشہور ڈاکو "جاڈیجا جیسلکیر" نے نرا گاؤں پر حملہ کردیا اور اس نے چودھری کے نقد اموال و مویشی پر قبضہ کرلیا۔

شہادت ظالم آدمیوں کے ظلم و تشدد کے سامنے حضرتؒ ایک ہندو بیوہ کی مدد کے لئے پہنچے اور شہید کردیئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

نرا نامی گاؤں میں "شودرانا" نامی جگہ کے قریب واقع صحرا میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ لیکن تاریخ شہادت نہیں معلوم ہوسکی۔

رحمہ اللہ تعالیٰ و نوّر اللہ مرقدہٗ۔

(اکابرین گجرات، گجراتی ج ۵ ص ۳۱۸ تا ۳۲۱)

حضرت شیخ سعد اللہ چشتی دہلوی رح المتوفی ۱۰۱۱ھ

نام ونسب | نام شیخ سعد اللہ، آپ شیخ عبدالعزیز یحییٰ مندری دہلوی رح کے ساتھ نسبتِ خویشی رکھتے تھے۔

ولادت وتعلیم | آپ شہر دہلی میں پیدا ہوئے، وہیں نشو ونما ہوئی اور سنِ رشد کو پہنچنے پر تمام علوم وفنون علمائے وقت سے حاصل کئے اور عالم وفاضل ہوئے۔

بیعت وخلافت | فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے شیخ نجم الحق عرف شیخ چایلاہ دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک عرصہ تک اُنکی خدمت میں رہے اور انکے خانقاہ نشینوں میں تھے۔ علوم باطنی حاصل کرنے کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا سلسلہ چشتیہ تھا۔

برہانپور میں آمد | شیخ محی الدین ملیح الملک جو عادل شاہ فاروقی والئ برہانپور کے یہاں عرض بیگی کے منصب پر فائز تھے، ان کے فرزند کے التماس پر آپ دہلی سے برہانپور تشریف لائے اور مستقل طور پر سکونت پذیر ہوکر کئی سال تک رونق بخش شہر رہے۔

عادات واخلاق | آپ متوکل وقانع تھے۔ آپ کا روزمرہ کا خرچ تجارت یا سپہ گری سے حاصل ہوتا تھا، بلکہ فِی السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ (تمہارا رزق آسمان پر ہے) پیش نظر تھا۔ اسی باعث آپنے اسی آسمانی روزی پر اپنی زندگی بسر کی اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔

آپ پرہیزگار، عبادت گزار، صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور دامن آزادگی وگوشہ نشینی کو دستِ ہمت سے مضبوط پکڑے رہے اور واصلانِ قرب کی ملازمت سے فیض اُٹھایا۔ سینکڑوں طالبین نے آپ کی تلقین سے فائدہ اُٹھایا۔

وفات | آپکا انتقال تقریباً ۱۰۱۱ھ یا اس سے قبل شہر برہانپور میں ہوا۔ آپکا مزار بیرون شہر حضرت ابراہیم عمر سندھی رح کے احاطہ میں ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (تاریخ اولیاء کرام برہانپور ص ۲۷۵)

حضرت علامہ شاہ وجیہ الدین گجراتیؒ المتوفی ۹۹۸ھ

(مرتبہ: مولانا اقبال محمد ٹنکاروی سلمہ)

نام ونسب نام شاہ وجیہ الدین احمد، والد کا نام نصر اللہ بن عماد الدین علوی حنفیؒ۔ آپ کے آبا واجداد میں سے سید بہاؤ الدین مکیؒ عرب سے ہندوستان (گجرات) سلطان محمود ثانی کے عہد حکومت میں تشریف لائے تھے۔

ولادت آپ کی ولادت ۲۲ محرم الحرام ۹۱۰ھ مطابق ۱۵۰۰ء کو چانپانیر (محمد آباد، گجرات) میں ہوئی۔ (مشائخ احمد آباد ص ۲۷)

آپ کی زندگی کے مبارک دور میں یعنی دسویں صدی ہجری میں خطۂ گجرات خصوصاً احمد آباد کو علوم وفنون کا وہ شرف حاصل ہوا جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ یہی شہر ایک زمانہ میں دار العلوم ومخزن فنون بنا ہوا تھا۔ بقول مصنف یاد ایام یہ صرف ان کی (یعنی شاہان گجرات کی) قدردانی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ شیراز ویمن اور دیگر ممالک اسلامیہ کے چیدہ وبرگزیدہ علماء نے گجرات میں آکر بود وباش اختیار فرمائی، جن کے فیوضات سے چند دنوں میں گجرات مالامال ہوگیا۔ اور خود گجرات میں اس پایہ کے علماء پیدا ہوئے جن کے علمی فیوض کی آبیاری سے ابتک ہندوستان کی درسگاہیں سیراب ہورہی ہیں۔

اگر گجرات علوم عقلیہ ونقلیہ کے اعتبار سے شیراز تھا، تو حدیث شریف کے لحاظ سے یمن سے مماثلت رکھتا تھا۔ ایسے مبارک دور میں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ (تذکرۃ الوجیہ ص ۳۵)

ابتدائی تعلیم حضرت علامہ نے پانچ سال کی عمر میں ناظرہ اور سات سال کی عمر میں قرآن مجید بھی حفظ کرلیا۔ ابتدائی علوم اپنے چچا سید شمس الدین اور ماموں سید ابوالقاسم سے حاصل کیا۔ اور حدیث شریف کا علم پندرہ سال کی عمر میں حافظ سخاوی کے شاگرد محمد بن احمد مالکی اور محدّث ابوالبرکات عبدالملک بنبانی عباسی سے حاصل کرکے سند فراغت حاصل کی۔

(گجرات کی علمی و ادبی شخصیات ص۳۱۴)

اس کے بعد علوم عقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور علامہ جلال الدین دوانی کے مایۂ ناز شاگرد مولانا عماد الدین طارمی اور ابوالفضل محمد مظہر الدین گاذرونی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور چوبیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کرلی۔ اور تقریباً سرسٹھ (۶۷) سال تک احمد آباد میں معقول و منقول پڑھانے میں زندگی بسر کی۔ (مشائخ احمد آباد ص۲۷۲)

سلسلۂ درس پچیس سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے درس کا سلسلہ جاری کیا اور درسگاہ قائم کی اور اس جانفشانی سے اس میں مصروف ہوئے کہ آپ کی خداداد قابلیت کے جوہر خود بخود نمایاں ہونے لگے۔ گویا قدرت نے آپ کو اس علمی خدمت کیلئے منتخب کرلیا تھا۔ آپ کی ہمہ تن مشغولیت و مصروفیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ اطراف عالم میں آپ کی درسگاہ کا شہرہ ہوگیا۔ آپ علوم عقلیہ و نقلیہ میں اُستاذ وقت مانے گئے۔ بالخصوص علوم دینیہ کی تدریس میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ یہ مدرسہ آپ نے سلطان بہادر شاہ کے عہد میں قائم کیا جو اپنی خوبیوں کے باعث دن بدن ترقی پذیر ہوتا رہا۔ اس مدرسہ میں جملہ علوم و فنون کی تعلیم دیجاتی تھی۔

تفسیر، حدیث اور فقہ کے بعد فلسفہ، منطق، ریاضی اور ہیئت وغیرہ کا پورا اہتمام تھا۔ اس کے ساتھ آپ سے ارشاد و طریقت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ شب کو جب اذکار و اشغال سے فارغ ہوتے تو طلبہ سے ان کی ضروریات وغیرہ کا حال دریافت کرتے اور نکات علمی بتاتے ہوئے روحانی و قلبی حقائق کی باریکیاں نہایت فراخ دلی و خندہ پیشانی سے ذہن نشین فرماتے۔ آپ کے تلامذہ علمی کمال کے ساتھ روحانی انوار سے بھی مستفیض ہوتے جاتے تھے اور دور دور کے لوگ آکر فیضیاب ہوتے۔

مدرسہ کا حال

ان تمام خوبیوں کی وجہ سے آپ کے مدرسہ کا شہرہ ہوگیا جس کی شہرت سُن کر طلبہ کا جم غفیر آپ کے یہاں جمع ہوگیا، اور یہ معاملہ آپ کے زمانۂ حیات تک بڑی شہرت کے ساتھ قائم تھا۔ ہر طرف سے مشتاقانِ علم بے شمار تعداد میں آئے اور فیض پاکر واپس چلے گئے، جن کی علمی معلومات و روحانی کیفیات کے اثرات ہند سے لے کر عرب تک چمکے اور آپ کی مبارک زندگی میں استاذ الاساتذہ، استاذ البشر اور استاذ الامۃ المحمدیۃ جیسے معزز خطاب آپ کے اسم گرامی کے ساتھ وابستہ ہوگئے فقہا میں آپ بے نظیر فقیہ اور محدثین میں ملک المحدثین کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ اسی طرح اکثر فتاوے آتے اور آپ محققانہ انداز سے جواب تحریر فرماتے تھے۔ بعض علما خط و کتابت سے آپ کی رائے طلب کرتے، اُن کو آپ مفصل جوابات تحریر فرماتے۔

مدرسہ میں آپ کی فاضل اولاد اور وہ شاگرد جو تحصیل علوم سے فارغ ہوچکے تھے، درس دینے پر مامور تھے۔ اکثر تلامذہ دوسرے مقامات پر بھی گئے

اور جس جگہ یہ پہنچے ان کی علمیت کی شہرت ہو گئی۔ آپ کی سند بالاتفاق مانی جاتی تھی، اور جو تلامذہ عرب گئے ان کو نہایت احترام کے ساتھ علمائے حرمین نے اپنے یہاں جگہ دی اور ان کے علم سے مستفید ہوئے۔ مجموعی طور پر آپ کے چوراسی ہزار شاگرد ہوئے، جن میں اسّی اس پایہ کے تھے جنھوں نے اپنی زندگی درس دینے میں وقف کر دی، جن کے علمی فیض سے صدہا لوگ سیراب ہوئے۔

گویا آپ کی زندگی میں آپ کے مدرسہ کی شاخیں آپ کے شاگردوں کے ذریعہ جابجا قائم ہو گئیں۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں اس درسگاہ نے اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹی کا مقام حاصل کر لیا۔ مدرسہ کی از سر نو صادق خاں نامی امیر نے تعمیر کرائی، جس میں طلبہ کے آرام و آسائش کا پورا انتظام تھا، اور ان کے وظائف روزینہ بھی حکومت کی طرف سے مقرر تھے۔

آخر عمر میں آپ نے چاہا کہ خود درس دینا موقوف کر دیں، مگر جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ اس کو ترک نہ کرو، اس پر آپ نے درس جاری رکھا اور اس کا نام درس محمدی رکھا۔ مدت دراز تک آپ نے معقول و منقول کے پڑھانے میں اپنی عمر صرف کی۔ بقول مصنف "گلزار ابرار" اس مدت میں آپ کے فیض رسانی کی بدولت بہت سے ذی استعداد لوگوں نے آپ کی شاگردی سے خلعت استاذی پایا۔ اور بہت سے صوفیوں نے آپ کی دلنشیں تلقین سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ مصنف "یاد ایام" لکھتے ہیں کہ علامہ وجیہ الدین علوی رحمۃ اللہ علیہ گجرات کے اُن برگزیدہ علماء میں ہیں جن کے احسان سے اہل ہند کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

تصنیف و تالیف | درس و تدریس کے ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کا

شغل بھی جاری رکھا۔ اور بکثرت کتابوں پر شرحیں اور حواشی لکھے۔ کوئی علم ایسا نہیں جس کی منتہی کتاب پر آپ کی شرح اور حاشیہ نہ ہو۔ بلکہ آپ کی اکثر شروح و حواشی پر آپ کے شاگردوں نے حاشیے اور شرحیں لکھی ہیں۔ سب سے پہلی تصنیف شرح ارشاد ہے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مآثر الکرام میں آپ کی مصنفہ کتب کی تعداد ایک سو ستانوے (۱۹۷) بیان کی ہے۔ مگر آپ کی تصانیف کی تعداد ان سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔

شیوخ سے تعلق

آپ نے متعدد بزرگوں سے فیض پایا۔ پہلے اپنے والد سے چشتیہ اور مغربیہ سلسلہ کی تعلیم پائی، پھر قاضی خان چشتی المشہور بہ قاضی قاضن چشتی نہروالی (مدفون بہ پٹن) کی صحبت میں رہ کر علوم باطنی حاصل کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد میاں بدرالدین ابوالقاسم سہروردی سے تعلق قائم کیا۔ جب جذبۂ شوق کا غلبہ ہوا تو سید کبیر الدین مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نیز آپ نے شیخ نجم الدین صدیقی سے بھی فیض پایا۔ آخر میں سید غوث گوالیاری شطاری کے دامن تربیت سے وابستہ ہوگئے۔

ف: یہ صدق و خلوص کی علامت ہے کہ مراتب عالیہ کی فکر رہی جس کی وجہ سے یکے بعد دیگرے شیوخ سے منسلک ہوتے رہے۔ مگر افسوس کہ بوالہوس لوگ اب اسکو معیوب سمجھتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔ (مرتب)

زہد و قناعت

آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ موٹا کپڑا پہنتے تھے اور عام لوگوں کی طرح رہتے، جو کچھ آتا دوسروں پر خرچ کر دیتے، امیروں کے گھر پر خود کبھی نہ جاتے۔ ایک دو مرتبہ حکام وقت کی طلب پر مجبوراً جانا پڑا۔ ورنہ گھر اور مسجد کے احاطہ سے باہر قدم نہ رکھتے۔ (مشائخ احمد آباد ص ۲۷)

گیارہویں صدی کے آخر تک یہ پورے عروج پر تھا۔ مدرسہ ہدایت بخش قائم ہوا تو اُس پر زوال آگیا۔ (مشائخ احمد آباد ص ۲۸۶ - ۲۹۲ ج ۱)

خلفاء و تلامذہ آپ کی یہ خصوصیت نہایت حیرت انگیز ہے کہ آپ سے فیض پانے والے جید عالم بھی تھے اور ولیٔ کامل بھی۔ آپ نے اپنی خداداد روحانیت و علمیت سے جو خدمتِ خلق انجام دی اور جس میں تمام عمر صرف کی اس کے ثمرات بھی اپنی زندگی میں دیکھ لئے ؎

تلامیذ لہ بین الاراضی　　　تراھم فی جمیع العالمینا

ترجمہ: اُن کے تلامذہ (شاگردوں) کو سارے عالم میں دیکھ سکتے ہیں۔

ارشادات آپ کے زمانہ میں حکومت کی زبان فارسی تھی۔ علماء و شرفاء فارسی ہی میں بات چیت کرتے تھے۔ کبھی کبھی ضرورت کے وقت اردو (جو گجراتی میں گوجری نام سے مشہور تھی) اور تقریباً آپ سے سوا سو [۱۲۵] سال پیشتر اس زبان کا رواج تھا۔ صوفیائے کرام کے بعض بعض اقوال گوجری زبان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ درس کے درمیان اور کبھی درس کے بعد آپ شاگردوں اور خلفاء کی مجلسوں میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کی زبان معجز بیان سے جو ارشادات و کلمات صادر ہوتے، انکو آپ کے شاگردوں نے مختلف رسالوں میں جمع کیا ہے جنکے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے سے دینی و دنیوی بہبودی حاصل ہوتی ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

فرمایا: خدائے قدوس کا ہمیشہ ذکر کرو۔

فرمایا: ذکر سے وسوسے دور ہوتے ہیں اور دل کی صفائی حاصل ہوتی ہے۔ دل کی صفائی کا نشان شوق اور ولولۂ محبت ہے۔

فرمایا: اللہ سے غافل کرنے والی عادت سے بچو، اور غفلت لانے والی شے کو ترک کردو

ف: بہت اچھی نصیحت ہے جو لائق عمل ہے۔ (مرتب)

فرمایا: ذکر و شغل کے ایام میں کشف و کرامت کا انتظار نہ کرو۔

فرمایا: دنیا کو ترک کر دو، خدا مل جائے گا۔ اور دُنیا سے دور رہو، اللہ تعالیٰ تم سے قریب ہو جائے گا۔

ف: سبحان اللہ، کیا خوب ارشاد ہے۔ (مرتب)

فرمایا: جوانی کی ریاضت بہت مفید ہے۔ جوانی میں جتنا سلوک و ریاضت ہو اتنا ہی زیادہ مفید ہے۔

ف: حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے: عموماً ولایت جوانی ہی میں ملتی ہے۔ اسکے لئے عبادت و ریاضت کرنی چاہئے۔

فرمایا: مرشد کی اجازت کے بغیر ریاضت و مجاہدہ کرنا محض مغز سُکھانا یا بدن کو ضعیف کرنے کا سبب ہوتا ہے۔

ف: سُبحان اللہ، اس سے مرشد کی کیسی اہمیت معلوم ہوئی۔ (مرتب)

فرمایا: مجاہدہ اور ریاضت سے فتوحات کا باب کھل جاتا ہے۔

ف: ارشاد خداوندی ہے: وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (مرتب)

فرمایا: نفس خطرے (وسوسے) میں مبتلا کر دیتا ہے، ذکر کرو خطرے سے دور ہو جاؤ گے۔

فرمایا: روحانی اشتغال سے کشایش اور باطنی ترقی حاصل ہوتی ہے۔ واللہ الموفق

فرمایا: ضعیفوں کی امداد کرنا، غریبوں سے حسن سلوک کرنا ہاتھ کی عبادت ہے۔

فرمایا: خویش و اقربا سے ملنا، علماء اور اولیاء سے ملنا پاؤں کی عبادت ہے۔

فرمایا: مناظر قدرت دیکھ کر خوفِ الٰہی پیدا ہونا اور گریاں ہونا آنکھ کی عبادت ہے۔

فرمایا: دنیا سے قطع تعلق اور عقبیٰ کی طرف رجوع کرنا دل کی عبادت ہے۔

فرمایا: کلام الٰہی اور مقبول دعاؤں کا پڑھنا زبان کی عبادت ہے۔

فرمایا: تلاوتِ قرآن مجید ہمیشہ کرتے رہو، اور جو چیز حضورِ حق میں غفلت کا سبب ہو اس سے پرہیز کرو۔

فرمایا: صوفی ماسوا کو بالکل بھول جائے۔ اس کا جو کام ہو وہ اللہ کیلئے ہو تاکہ باطنی کشایش سے بہرہ (حصہ) حاصل ہو۔ اور جب وہ مَن کانَ لِلّٰہِ فکانَ اللّٰہُ لَہٗ کے مطابق ہو جائے گا تو بغیر طلب ضرورت کے منجانب اللہ اسباب مہیا ہو جائیں گے اور یہی مطلب ہے من ترك الكل وجد الكل کا۔ اگر طالب شغل و عمل سے گھبرائے تو اس کو لازم ہے کہ ان لوگوں کو موحّد علماء کی کتب جن میں توحید و علم باطن کا بیان ہو پڑھنے کا حکم کرے۔ (تذکرۃ الوجیہ ص۷۹)

وفات آپ اس عالمِ فانی سے اٹھاسی سال کی عمر میں بروز یکشنبہ صبح صادق کے وقت ۲۹ محرم الحرام ۹۹۸ھ میں راہیٔ عالمِ بقا ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات "لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا" ہے۔ جس سے ۹۹۸ برآمد ہوتے ہیں۔ رحمہ اللہ و نور اللہ مرقدہٗ۔

آپ کا مزار احمد آباد (گجرات) میں مشہور و معروف اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (گجرات کی علمی و ادبی شخصیات ص۳۳۷)

سعادت: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اثنائے سفر عمرہ ہمراہ مولوی مقبول احمد قاسمی اور انکی اہلیہ اور مولوی محمد عبد اللہ قاسمی "اقوال سلف" چہارم" پر مدینہ منورہ میں نظر کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جو میرے لئے تو سعادت کی بات ہے ہی، خود کتاب مستطاب کی خوش نصیبی ہے کہ مدینہ منورہ میں نظر ثانی سے فراغت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کے فیوض و برکات سے مشرف فرمائے۔ آمین!

اس کے بعد انگریزی ترجمہ کے مہتمم خاص مشفق مکرم الحاج شبیر احمد صاحب لولات اور مترجم انگریزی مولانا محمد محمدی صاحب زید مجدہما کی خدمت میں بدست محب مکرم مفتی محمد شعیب صاحب مدینہ منورہ سے روانہ کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت سے پہنچادے اور بحسن وخوبی ترجمہ و طباعت کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچائے۔ آمین یارب العالمین۔ محمد قمر الزمان الہ آبادی

۷/ اپریل ۲۰۱۳ء ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ (مدینہ منورہ)

بسمہٖ تعالیٰ

مصادر و مراجع اقوال سلفؒ حصہ چہارم

قرآن مجید	کلام اللہ تعالیٰ
بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتیٔ اعظم پاکستان
تفسیر مظہری	مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ
بخاری شریف	امیر المومنین فی الحدیث محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ
مسلم شریف	الامام مسلم بن الحجاج القشیریؒ
لواقح الانوار فی طبقات الاخیار (طبقات کبریٰ)	حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانیؒ
بزرگان پانی پتؒ	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ
تذکرہ اولیائے جھونسیؒ	مولانا محمد فاروق صاحب الہ آبادیؒ
انوار العارفین	مولانا صفی صوفی عابد میاں صاحب عثمانیؒ
تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ	عزیزم مولوی محبوب احمد قمر الزمان ندوی
تاریخ دعوت و عزیمت	مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ
بزم صوفیہ	مولانا سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحبؒ
اعیان الحجاج	محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمیؒ
مدارج السالکین	حضرت العلامہ حافظ ابن القیمؒ
نفحات الانس	حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامیؒ
البدایۃ والنہایۃ	حضرت حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ
مالابد منہ	حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ
شعر العجم	حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ
التکشف عن مہمات التصوف	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
محدثین کی قوت حفظ تاریخ کی روشنی میں	حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوریؒ
مقالات حبیب	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دار العلوم دیوبند
اخبار الاخیار	حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ

تقصار جیود الاحرار	نواب سید صدیق حسن خانصاحب
قول متین ترجمہ حصن حصین للجزری رح	مترجم: حضرت مولانا عبد العلیم صاحب ندوی
مخدوم علی مہائمی رح حیات، آثار و افکار	حضرت مولانا عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی
تقویۃ الایمان	حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید رح
دیار پورب میں علم اور علماء	مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری رح
مشائخ احمد آباد	حضرت مولانا محمد یوسف بن سلیمان متالا رح
حیات ابو المآثر	ڈاکٹر مولانا مسعود احمد صاحب اعظمی رح
علم رجال الحدیث	حضرت مولانا تقی الدین صاحب الندوی المظاہری
نزہۃ النظر	علامہ ابن حجر العسقلانی رح
تنبیہات ترجمہ منبہات لابن حجر العسقلانی رح	مترجم: مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی
بستان المحدثین	حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی رح
علامہ بدر الدین عینی رح اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام	حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی. سورت
ظفر المحصلین	حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی رح
تاریخ اولیاء کرام برہان پور	مکرم بشیر محمد خاں ایڈوکیٹ برہان پور
نزہۃ الخواطر	حضرت مولانا سید عبد الحی صاحب لکھنوی رح
تذکرہ مشائخ بنارس	حضرت مولانا مفتی عبد السلام صاحب نعمانی رح
تدریب الراوی	علامہ جلال الدین السیوطی رح
الافادات الوصیۃ	مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی رح
الیواقیت والجواہر	حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی رح
تاریخ جون پور	سید اقبال صاحب جونپوری
حیات مصلح الامت رح	حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب الاعظمی
تاریخ ہند	حضرت مولانا مفتی محمد صاحب پالنپوری
یاد ایام	حضرت مولانا سید عبد الحی صاحب لکھنوی رح
منتخب التواریخ	مکرم ملا عبد القادر بدایونی (قومی کونسل برائے فروغ اردو)
شیر شاہ سوری رح	مکرم کالکارنجن قانون گو
بزم تیموریہ	مولانا سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب اعظمی

علماء ہند کا شاندار ماضی	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مکمل تاریخ ہند	مولانا مفتی شوکت علی فہمی
تاریخ مشائخ چشت	پروفیسر خلیق احمد نظامی
مشائخ چشت	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاندھلوی
قصبہ کوڑہ، تاریخ و شخصیات	حضرت مولانا عبد السمیع صاحب ندوی
صحائف معرفت	حضرت مولانا عبد الرزاق صاحب جھنجھانوی
ماہنامہ الرشاد	جامعۃ الرشاد اعظمگڑھ
تذکرۃ المحدثین	حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ اعظمگڑھ
الانوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیۃ	مترجم شیخ عبد الرحمٰن صاحب
الدر المنضود ترجمہ البحر المورود للشعرانی رحمۃ اللہ علیہ	مترجم: حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
اخلاق سلف رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ تنبیہ المغترین للشعرانی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی رحمۃ اللہ علیہ
گجرات کی علمی و ادبی شخصیات	رابطۂ ادب اسلامی کے تحت گجرات کی اہم شخصیات پر مقالات
ناقابل فراموش واقعات	مکرم محمد الدین فوق صاحب
افکار کا درپن	مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی بستی پوری
بزرگان دین	مکرم سید محمد شمیم صاحب رجسٹرار لکھنؤ
تاریخ مشائخ الٰہ آباد	مکرم محمد نظام الدین صاحب بہادر گنج، الٰہ آباد
مرآۃ الاسرار	حضرت شیخ عبد الرحمٰن چشتی رحمۃ اللہ علیہ
چراغوں کی روشنی	مولانا محمد ارشد صاحب بنارسی اعظمی
تذکرہ علماء بہار	مولانا ابو الکلام قاسمی شمسی پرنسپل شمس الہدیٰ، پٹنہ
اکابرین گجرات (گجراتی)	مولانا عبد الحی صاحب کفلیتوی
مرکز روحانیت برہان پور	مولوی معین الدین صاحب ندوی
الموافقات	شیخ ابو اسحٰق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ
الاعتصام	〃 〃 〃 〃
کتاب مخدوم زادگان فتحپور	مولوی مسعود علی صاحب محوی علیگ سابق سشن جج

حرفِ ختام

الحمدُ للہِ علیٰ احسانہٖ کہ الفِ اول یعنی دسویں صدی ہجری تک کے منتخب صالحین کے مختصر سے مختصر تذکروں کا سلسلہ ختم ہوا، تو یکایک دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اُمت کے اِس سلسلۂ مبارکہ کو ایسی آیات پر ختم کروں جو کہ ہم اُمتیوں کے لئے موجبِ نصیحت وعبرت ہو، اور صحیح معنوں میں ہم میں اپنے اسلافِ صالحین کے لئے اخلافِ راشدین بننے کا جذبہ بیدار ہو۔ وہ آیات یہ ہیں:۔

بسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ۝ (مریم: ۶۰)	پھر اُن (اہل سعادت) کے بعد بعض کچھ ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کردیا اور نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ گئے، سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) بدی اور خسارہ میں مبتلا ہونگے۔ مگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور اچھے کام کئے، سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہونگے اور اُنکے حق میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی۔

اب ہم اسکے بعد کی جلدوں میں الفِ ثانی یعنی گیارہویں اور اسکے بعد کی صدیوں کے بزرگوں کے تذکرے انشاءاللہ درج کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آسان فرمائے اور قبول فرمائے۔ آمین!

محمد قمر الزمان الہ آبادی

۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مدرسہ عربیہ بیت المعارف بخشی بازار الہ آباد

مطبوعات مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی

اقوال سلف رح (چھ جلدیں)

تربیت اولاد کا اسلامی نظام

(اردو، انگریزی، گجراتی بنگلہ)

وصیۃ الآداب

فیضان محبت (شرح عرفان محبت)

گلدستۂ اذکار

(ریاض السالکین فی احادیث سید المرسلین)

(اردو، انگریزی)

معارف صوفیہ

نقوش و آثار مفکر اسلام رح

الافاضات الاحسانیہ (مجموعہ مواعظ)

تذکرۂ مصلح الامت رح

زیارت حرمین شریفین

طہارت قلب

ہدایات نافعہ (اردو، انگریزی)

گناہوں کا وبال اور اس کا علاج

شرح صدر

جامع الحقوق

چند وصیتیں

(اردو، انگریزی، گجراتی)

حقیقی حج (اردو، انگریزی، گجراتی)

نکاح کی شرعی حیثیت

(اردو، انگریزی، گجراتی)

درس قرآن (اردو، انگریزی)

اُمّت کی مایۂ ناز شخصیت

(مولانا علی میاں رح)

اُمّت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت

(مولانا ابرار الحق صاحب رح)

عقائد و فرائض مع وظائف و نصائح

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی رح

روح البیان (۳ جلدیں)

اخلاق سلف رح

کمالات نبوت (زیر طبع)

عرفان محبت (مشمل مطبوعات)

مولانا محبوب احمد صاحب ندوی

مشائخ نقشبندیہ مجددیہ رح

احسن السیر

(اردو، انگریزی، گجراتی)

شیخان (عینان تجریان)

تصفیۃ القلوب ملقب بہ شفائے دل

(اردو، گجراتی)

مولانا سعید احمد ندوی قاسمی

الاربعین (چالیس حدیثیں)

دیگر حضرات کی تصانیف

دینی نصاب (۲ جلدیں)

احادیث سلوکیہ

تسہیل قصد السبیل (اردو، گجراتی)

علامات قیامت (اردو، انگریزی، گجراتی)

تذکیر آخرت

جامع الاحکام

شوق درود و سلام کا مقبول وظیفہ

مکتوب گرامی امام غزالی رح

اشک ندامت

میرے مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

اعتراف ذنوب (زیر طبع)

تالیفات مصلح الامت رح

(مکمل ۸ جلدیں) (مشمل مطبوعات)

خادم مکتبہ: محمد عبد اللہ قمر الزماں قاسمی الٰہ آبادی

MAKTABA DARUL MAARIF

639/B, Wasiabad Allahabad U.P.

Ph.: 0532-2550438 Mob: 9450581807